مجلۂ تحقیق

مدیر :
ڈاکٹر وحید قریشی

معاونین :
ڈاکٹر محمد بشیر حسین
جناب شہباز ملک
ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

جلد : ۲
شمارہ : ۱

مقالات کے مندرجات کی ذمہ داری مقالہ نگار حضرات پر ہے ۔ مقالہ نگار کی رائے پنجاب یونیورسٹی یا کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ کی رائے تصور نہ کی جائے ۔

ناشر : گلزار احمد

طابع : مرزا نصیر بیگ

مطبع : جدید اردو ٹائپ پریس، ۳۹- چیمبرلین روڈ لاہور

مقام اشاعت : فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اوریئنٹل لرننگ ، یونیورسٹی اوریئنٹل کالج ، لاہور

فون : ۶۷۵۶۰ / ۳۱۲۷۹۷

چندہ سالانہ : ۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ : Rs. 20/

ترتیب

اداریہ

۱- اس شمارے سے مجلۂ تحقیق کی زندگی کا دوسرا برس شروع ہوتا ہے ۔

۲- ہمیں مسرت ہے کہ علمی حلقوں میں مجلے کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا ہے ۔ جسارت ، نوائے وقت ، بادبان ، چٹان اور زندگی میں مفصل تبصرے شائع ہوئے ۔ ریڈیو پاکستان کراچی نے بھی ہماری مساعی کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ۔ ادارہ اس کے لیے ممنون ہے ۔

۳- طے کیا گیا ہے کہ آئندہ سے مجلۂ تحقیق میں تبصرۂ کتب کا مستقل کالم شروع کیا جائے ۔ مصنفین اور ناشرین سے استدعا ہے کہ اپنی مطبوعات روانہ فرمائیں ۔ تبصرے کے لیے ہر کتاب کے دو نسخے ارسال کیے جائیں ۔

(مدیر)

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار*

پنجاب کا سیاسی، تہذیبی اور ثقافتی ماحول

(عہد انگلیسی - وکٹورین دور)

الحاق پنجاب (مارچ ۱۸۴۹ء) سے اس خطے میں سیاسی ، انتظامی اور معاشی تبدیلیوں کا ایک نیا دور شروع ہوا - ۱۸۵۷ء کا انقلاب برصغیر کی سیاسی و تمدنی تاریخ کا ایک فیصلہ کن موڑ تھا لیکن پنجاب میں نئے دور کا آغاز آٹھ سال قبل ۱۸۴۹ء سے ہو چکا تھا - ہمارے نزدیک برصغیر اور پنجاب میں اس فرق کے کچھ معقول اسباب ہیں جنھیں سمجھے بغیر نہ اس تبدیلی کو پوری طرح محسوس کیا جا سکتا ہے اور نہ پنجاب کے آئندہ حالات کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے - ضروری معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ واقعات کے سلسلے میں چند اہم تبدیلیوں کا یہاں ذکر کر دیا جائے -

پنجاب ۱۷۵۶ء تک مغلیہ سلطنت کا حصہ تھا اور یہاں کا صوبیدار بادشاہ دہلی کی طرف سے نظم و نسق کا ذمے دار تھا - دہلی پر احمد شاہ ابدالی کی یلغار (۱۷۵۶ء) کے بعد پنجاب ابدالی کی سلطنت کا حصہ بن گیا اور یہاں کے صوبیدار کا تقرر شاہ کابل کی طرف سے ہونے لگا - چنانچہ اسی سال لاہور کا پہلا افغان گورنر احمد شاہ ابدالی کا بیٹا تیمور خاں مقرر ہوا - لیکن تیمور خاں اور بعد کے افغان گورنر (بلند خاں ، کابلی مل وغیرہ) سکھوں کو دبانے ، امن و امان قائم رکھنے اور نظم و نسق بحال کرنے میں ناکام رہے - حتیٰ کہ احمد شاہ ابدالی نے ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کی طاقت کو کچل دیا اور اس سے اگلے برس ستلج پار کرکے لدھیانہ کے قریب کوٹ راہیرہ کے مقام پر سکھوں کو تباہ کن شکست دی - لیکن نہ تو پانی پت کی فیصلہ کن جنگ کے بعد اس نے دہلی کو اپنی حکومت کا مستقر بنایا اور برصغیر کے سیاسی و انتظامی خلا کو دور کرنے کی کوشش کی، اور نہ کوٹ راہیرہ ہی میں سکھوں کو عبرت ناک شکست دینے کے بعد پنجاب کے نظم و نسق کو بہتر بنانے کی فکر کی - حریفوں کو خاک و خون میں ملانے اور مال غنیمت سمیٹنے کے بعد ہر بار اس نے کابل کا رخ کیا اور اسی روایت پر اس کے جانشین عمل پیرا رہے - نتیجہ یہ ہوا کہ

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر پنجاب یونیورسٹی -

پنجاب پر عملاً جنگجو اور تندخو سکھوں کا قبضہ ہوگیا اور ان کی مختلف مثلوں نے پنجاب کے مختلف حصوں پر اپنی اپنی بالادستی قائم کرکے لوٹ مار کا بازار گرم کیا۔ پنجاب کے عام مسلمان خصوصاً ان کے ظلم و انتقام کا نشانہ بنے۔ ان مظلوموں کے تحفظ کی ذمے دار نہ دہلی کی حکومت تھی اور نہ کابل کی حکومت اپنی ذمے داریوں سے عہدہ برآ ہو سکی۔ مغلیہ عہد کا خوشحال پنجاب اس دور میں ایسا بدحال ہوا کہ اس پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ رہا۔ ۱۷۹۸ء میں شاہ زمان والی کابل آخری بار خراج وصول کرنے لاہور آیا اور واپسی پر دریائے جہلم سے بھاری توپیں گزارنے کے صلے میں لاہور کی حکومت کا پروانہ رنجیت سنگھ کو دے گیا جس نے ۱۷۹۹ء میں لاہور پر قبضہ کر کے ستلج اور اٹک کے درمیان اپنی حکومت قائم کرلی اور ۱۸۰۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی سے معاہدہ امرتسر کرکے پنجاب اور سرحد پر ایک خود مختار حکمران کے طور پر اپنی وفات (۱۸۳۹ء) تک حکومت کرتا رہا۔ رنجیت سنگھ کے جانشینوں کی باہمی کشمکش اور خالصہ فوج کی خود سری کی وجہ سے دس سال کے اندر سکھ راج کا خاتمہ ہوا اور پنجاب کا الحاق ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات سے ہوگیا جو پلاسی (۱۷۵۷ء) اور بکسر (۱۷۶۴ء) کی جنگوں کے بعد، جنوب میں ٹیپو سلطان اور وسطی ہند میں مرہٹوں وغیرہ کی قوت مزاحمت کو ختم کرکے بتدریج سہال میں ستلج تک پھیل چکے تھے۔

ان واقعات پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ پنجاب پر انگریزوں کا قبضہ سب سے آخر میں ہوا، اور اس قبضے کی روداد برصغیر کے دوسرے علاقوں پر قبضے سے خاصی مختلف تھی۔ پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ ۱۷۵۶ء سے ۱۷۹۹ء تک پنجاب بظاہر کابل کے ماتحت ایک صوبہ تھا لیکن عملاً یہاں سکھ گردی کے تحت خوف و دہشت کی فضا چھائی ہوئی تھی۔ ۱۷۹۹ء سے ۱۸۴۹ء تک پچاس سال یہاں رنجیت سنگھ اور اس کے جانشین حکمران رہے۔ پنجاب اور سرحد کے لیے یہ سکھا شاہی اگرچہ سکھ گردی کے مقابلے میں نسبتاً عافیت کا دور تھا، تاہم یہاں کے مسلمانوں کے لیے پہلی اذیت (سکھ گردی) کے مقابلے میں یہ عافیت (سکھا شاہی) بھی جبر و استبداد ہی کی قدرے معتدل صورت تھی، کیونکہ اس میں نہ کوئی قانون تھا نہ ضابطہ، نہ داد تھی نہ فریاد، بس ایک مسلح مذہبی گروہ کا راج تھا جو دوسروں کو عزت و آبرو سے جینے کا حق دینے کو تیار نہ تھا:

> "Every sikh enjoyed all the privileges of khalsa citizenship —exemption from taxation, liberty to oppress, and opportunity to live like a freebooter. His (Ranjit Singh's) rule was a tyranny of force. He had no system, no conception of duty

to his subjects : he and his people gloried in their ignorance : in his time there were no law courts, no schools, no jails in the Punjab : the only punishments known were fines for the rich, and mutilation—the lopping off of arm or leg—for the poor; until well into the sixties maimed specimens of his inhumanity were seen in every town and large village of the Punjab."[1]

ان حالات میں جبکہ مسلمان تقریباً ایک صدی سے ظلم و ستم کی چکی میں پس رہے تھے اور رنجیت سنگھ کے بعد کی لاقانونیت نے تو ہندو اور سکھ عوام کے لیے بھی مصائب پیدا کر دیے تھے ، پنجاب میں انگریزی حکومت کا قیام ایک طویل عرصے کی جھلسا دینے والی گرم لو کے بعد برکھا رت آنے کے برابر تھا ۔ اس تبدیلی پر یہاں کے عوام نے اطمینان کا سانس لیا اور زندگی کی تعمیر نو میں مصروف ہو گئے ۔

انگریزوں نے پنجاب پر قبضہ کرنے کے بعد یہاں نظم و نسق کے قیام اور امن و امان کی بحالی پر خصوصی توجہ مبذول کی ، اور یہی اس وقت اس خطے کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ ان قلعوں اور گڑھیوں کو مسمار کر دیا گیا جو سکھوں نے جگہ جگہ اپنی کمین گاہوں کے طور پر بنا رکھی تھیں ۔ صرف وہ قلعے باقی رہنے دیے گئے جو دفاعی لحاظ سے کمپنی کی سپاہ کے لیے ضروری تھے۔ لوگوں سے ہتھیار لے لیے گئے اور آئندہ اسلحہ رکھنے کے لیے اجازت نامہ (لائسنس) ضروری قرار دیا گیا ۔ گورنر جنرل لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب کے نظم و نسق پر خاص توجہ دی ۔ ایک انتظامی بورڈ قائم کیا گیا جس میں سول سروس کے تین لائق انگریز افسروں (ہنری لارنس ، جان لارنس ، چارلس منسل) کو شامل کیا گیا اور ان کے ذمے علی الترتیب سیاسی ، مالی اور عدالتی امور کیے گئے ۔ بورڈ کے ماتحت پنجاب و سرحد کو سات کمشنریوں اور ستائیس اضلاع میں تقسیم کر کے یہاں انگریز کمشنر اور ڈپٹی کمشنر مقرر کیے گئے جن کے ماتحت یورپین اسسٹنٹ کمشنر اور دیسی ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر مقرر کیے گئے ۔ پھر اضلاع کو تحصیلوں اور ذیلوں میں تقسیم کر کے مالیہ کی فراہمی اور اراضی کا بندوبست کیا گیا ۔ نیز پولیس کے حلقے (تھانے) قائم کر کے جرائم کے انسداد پر توجہ کی گئی ۔ تین سال کے قلیل عرصے میں ان اصلاحات کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے اور اس خطے کی زندگی معمول پر آ گئی ۔ مارچ ۱۸۵۲ء میں انتظامی بورڈ نے لارڈ ڈلہوزی کو رپورٹ بھیجتے ہوئے عام صورت حال کے بارے میں لکھا :

"All violant crimes have been repressed, all gangs of murderers and robbers have been broken up, and the ringleaders brought

1. S. S. Thorburn, *The Punjab in Peace And War*, Page, 23.

to justice. In no part of India is there now more perfect peace than in the territories lately annexed."[1]

پنجاب کی اس وقت کی صورت حال کا یہ نقشہ بالکل صحیح ہے - ۱۸۵۳ء میں انتظامی بورڈ موقوف کر دیا گیا اور پنجاب میں چیف کمشنری قائم کرکے سرجان لارنس کو یہاں کا پہلا چیف کمشنر مقرر کیا گیا - اس کے ماتحت ایک فنانشل کمشنر اور ایک جوڈیشل کمشنر مقرر ہوئے - سات آٹھ سال کے عرصے میں پنجاب میں نظم و نسق قائم کرنے کے علاوہ تعمیر و ترقی کے بہت سے کاموں کا آغاز و انصرام ہوا - مغل دور کی قدیم نہر ہنسلی (جو سکھ دور میں معدوم ہوگئی تھی) کے نقش قدم پر دریائے راوی سے مادھو پور کے مقام سے نہر باری دوآب کی کھدائی کا کام ۱۸۵۱ء میں شروع ہوا، اور اس نہر میں ۱۸۵۹ء میں پانی چھوڑا گیا - ۱۸۵۹ء ہی میں لاہور اور امرتسر کے درمیان اولین ریلوے لائن بچھائی گئی - شاہراہوں کی تعمیر کا سلسلہ بھی اسی زمانے میں شروع ہوا - سب سے پہلے قدیم جرنیلی سڑک کے نقش قدم پر پشاور سے لاہور تک سڑک بنائی گئی اور پھر اسے دوسرے حصوں سے ملایا گیا - صوبے کے مختلف شہروں اور قصبوں میں مدرسے، شفاخانے ، ڈاک خانے قائم کیے گئے - جرائم کے انسداد کے لیے پولیس اور ملٹری پولیس (فرنٹیئر فورس) قائم کی گئیں - مالگذاری کا بندوبست کرنے کے علاوہ پنجاب کے رسم و رواج اور مختلف مذاہب کے مطابق مجموعہ قوانین دیوانی منضبط کیا گیا - ان تعمیری کاموں کی وجہ سے پنجاب کی شہری و دیہاتی زندگی میں طویل عرصے کی بدانتظامی اور انتشار کے بعد سکون و اطمینان پیدا ہوا - نہ صرف مسلمانوں کو سکھوں کے جور و استبداد سے نجات ملی بلکہ خود ہندوؤں اور سکھوں کو بھی پر امن حالات میں اپنے اپنے پیشوں میں کام کرنے کا موقع ملا - اس امر کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ سکھ قوم جو چند برس پہلے پنجاب کی مالک و مختار تھی اور صرف دو تین سال قبل چیلیانوالہ اور گجرات کے خونریز معرکوں میں انگریزوں کا مقابلہ کرتے ہوئے خاک و خون میں لوٹی تھی ، نئے نظام سے اتنی مانوس و مطمئن ہوگئی کہ الحاق کے تین سال بعد (۱۸۵۲ء میں) برما کی دوسری لڑائی میں اور پھر ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے دوش بدوش جنگ آزادی کے سپاہیوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئی - خصوصاً ۱۸۵۷ء کے معرکۂ انقلاب میں تو پنجاب انگریزوں کے لیے نہ صرف ایک محفوظ قلعہ ثابت ہوا بلکہ اس نازک موقع پر ان کے جنگی اقدامات کے لیے ممد و معاون بنا - پٹیالہ ، نابھہ ، جیند ، فرید کوٹ کے سکھ راجاؤں کے علاوہ پنجاب کے سکھوں نے دل کھول کر اس آزمائش میں انگریزوں کی جانی و مالی امداد کی - کچھ مسلمان

1. S. S. Thorburn, *The Punjab in Peace And War*, P. 164.

زمینداروں نے بھی انگریزوں سے تعاون کیا ۔ ملتان اور ساہیوال کے بعض قبائل نے انگریزوں کے خلاف ہتھیار اٹھائے لیکن وہ کسی مرکزی نظام سے مربوط نہیں تھے ۔ پنجاب میں مقیم دیسی سپاہ نے (جو زیادہ تر مدراسی ، بنگالی اور پوربی تھے) جنگ آزادی میں حصہ لیا۔ کچھ لڑتے لڑتے کام آئے اور کچھ دہلی کی طرف نکل گئے۔ بعض دیسی رجمنٹوں سے حفظ ماتقدم کے طور پر بروقت ہتھیار لے لیے گئے ۔ مجموعی طور پر یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ الحاق کے بعد پنجاب میں انگریزوں کی انتظامی اور تعمیری حکمت عملی کی وجہ سے یہاں کے عام لوگوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء میں کچھ زیادہ دلچسپی نہ لی اور مفتوح سکھوں نے تو بڑھ چڑھ کر انگریزوں کی مدد کی ۔

انقلاب ۱۸۵۷ء کے اسباب کا تجزیہ اور واقعات کا سلسلہ ہمارے موجودہ موضوع سے کچھ زیادہ تعلق نہیں رکھتا ۔ کیونکہ پنجاب مذکورہ بالا حالات کے تحت برصغیر میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے دائرۂ استحصال سے باہر اور سکھوں کے جور و استبداد کا شکار رہا ۔ اس لیے پانی پت کی تیسری جنگ (۱۷۶۱ء) سے لے کر ۱۸۵۷ء تک برصغیر کے دوسرے علاقے جن سیاسی ، معاشی اور معاشرتی تبدیلیوں سے دوچار ہوئے ، پنجاب ان سے براہ راست متاثر نہیں تھا ۔ لہٰذا واقعات انقلاب کے اصل مراکز بھی پنجاب سے باہر تھے۔ تاہم پنجاب اس انقلاب عظیم سے بالکل بیگانہ بھی نہیں رہا اور ۱۸۵۷ء کے بعد پنجاب اور برصغیر کے دوسرے علاقوں کا سیاسی مستقبل تاج برطانیہ کے سائے میں یکساں ہوگیا ۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی بلاشبہ ایک استعماری طاقت کے سیاسی، معاشی ، تہذیبی اور مذہبی استحصال کے خلاف لڑی گئی تھی ۔ ایسٹ انڈیا کمپنی یورپ کی دوسری تجارتی کمپنیوں کی طرح اس ملک میں تجارت کی غرض سے آئی تھی ۔ مغلیہ سلطنت کے زوال و انتشار کے بعد حالات کو سازگار پا کر رفتہ رفتہ ملک کے بڑے حصے پر قابض ہوگئی ۔ یہ ایک ایسی استعماری طاقت تھی جو اس ملک کو محکوم بنا کر یہاں کے زرعی و معدنی وسائل کی لوٹ کھسوٹ اور ملکی باشندوں کے اقتصادی استحصال سے اپنے ملک انگلستان کی ترقی و خوشحالی کا سامان فراہم کر رہی تھی ۔ برصغیر کے لیے یہ ایک بالکل نئی صورت حال تھی جو اس سے قبل کسی حکمران سلسلے نے ، خواہ وہ وسط ایشیا سے آیا ہو یا خراسان و افغانستان سے، نہیں دکھائی تھی ۔ کمپنی کی حکومت کے بظاہر کچھ فوائد بھی اس ملک کو پہنچے ۔ مغلیہ سلطنت کے زوال سے ملک میں جو بدامنی و انتشار پھیلا تھا ، کمپنی کے نظم و نسق نے اس کا مداوا کر دیا اور امن و امان قائم کرکے تعلیمی و معاشرتی اصلاحات کا سلسلہ شروع کیا ۔ لیکن اجنبی راج کے تحت جو سیاسی ، معاشی ، معاشرتی اور تعلیمی تبدیلیاں آ رہی تھیں اور حاکم و محکوم کا جو تفاوت قدم قدم پر زندگی کے مختلف

شعبوں (سول انتظامی شعبوں سے لے کر فوج تک) میں ظاہر ہو رہا تھا اس سے مقامی باشندوں میں بے چینی اور بے اطمینانی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔ پھر کمپنی کے پر جوش مسیحی ملازم سول میں ہوں یا فوج میں ، مقامی باشندوں کو عیسائی بنا کر یہاں ایک مسیحی سلطنت کے قیام کے خواب بھی دیکھ رہے تھے۔ مشنریوں کے راہب اور پادری سر عام وعظ کرکے دوسرے ادیان کے بارے میں تعصب و نفرت کی فضا پیدا کر رہے تھے۔ مقامی باشندوں میں اس کا ردعمل قدرتی امر تھا۔ اس بے چینی و بے اطمینانی کے لاوے نے پک کر ۱۸۵۷ء کے آتش فشاں کی صورت اختیار کرلی۔ جب یہ جوالا مکھی پھٹا تو اس نے شمالی ہند کی زندگی کو تہس نہس کرکے رکھ دیا۔ جنگ آزادی میں ملکی باشندوں کی ناکامی کے بعد انگریزی اقتدار پورے طور سے برصغیر پر مسلط ہوگیا اور کم از کم آئندہ نصف صدی تک ملک میں کوئی ایسی سیاسی قوت باقی نہ رہی جو اس کے سامنے دم مار سکے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کچھ عرصے تک انتقام کی تیغ بے نیام چلتی رہی۔ پھر معمولی سی اصلاحات کا دور شروع ہوا۔ نئی تعلیمی ، معاشی ، معاشرتی اور تہذیبی تبدیلیوں کا جو سلسلہ شروع ہوا ، ان کا خیر مقدم پنجاب سمیت برصغیر کے سب علاقے کر رہے تھے۔ کچھ قدیم وضع کے لوگ ان تبدیلیوں کو شک کی نظر سے بھی دیکھ رہے تھے۔

نومبر ۱۸۵۸ء کے اعلان کے مطابق ایسٹ انڈیا کمپنی کا دور حکومت ختم ہو گیا اور برصغیر براہ راست تاج برطانیہ کے ماتحت آ گیا۔ برائے نام مغل بادشاہت کا چراغ گل ہوگیا اور دہلی کی تصوراتی حیثیت بھی ختم ہو گئی۔ سقوط دہلی کے بعد وہاں سے اکثر مسلمانوں کو نکال دیا گیا تھا۔ بعد میں دہلی و حصار کے علاقے بھی پنجاب میں شامل کر دیے گئے۔ کلکتہ برصغیر کا مرکز حکومت بنا۔ پنجاب میں ۱۸۵۹ء میں لیفٹننٹ گورنری قائم ہوئی اور سر جان لارنس کو یہاں کا پہلا لیفٹننٹ گورنر مقرر کیا گیا۔

جن تاریخی عوامل کے تحت برصغیر میں انگریزی اقتدار قائم ہوا ، ان میں یہ حقیقت کسی وضاحت کی محتاج نہیں کہ اس سے قبل یہاں مسلمان بر سر اقتدار تھے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کو مسند اقتدار تک پہنچنے کے لیے جن طاقتوں سے نبرد آزما ہونا پڑا ان میں اپنی حریف و رقیب فرانسیسی ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاوہ جنوب میں نوابان کرناٹک ، میسور کے سلاطین حیدر علی و فتح علی ٹیپو اور بنگال میں سراج الدولہ ، میر قاسم اور ان کے بعد اودھ کے نواب شجاع الدولہ اور مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی تھے۔ اگرچہ بعد میں مرہٹوں ، سکھوں وغیرہ سے بھی کمپنی کی معرکہ آرائیاں ہوئیں لیکن برصغیر کا اقتدار بنیادی طور پر مسلمانوں سے انگریزوں

کو منتقل ہوا ۔ اس حقیقت کو انگریز بھی جانتے تھے اور مسلمان بھی محسوس کرتے تھے ۔ اسی حقیقت کے پیش نظر انگریزوں کو اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے یہ حکمت عملی اختیار کرنی پڑی کہ برصغیر میں مسلمانوں کے مقابلے میں یہاں کی غیر مسلم اقوام خصوصاً ہندوؤں کا تعاون حاصل کریں جو آبادی کے لحاظ سے اکثریت میں تھے ۔ چنانچہ سب سے پہلے بنگال میں یہ حکمت عملی اختیار کی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ مسلم قوم جو کل تک یہاں حاکم تھی ، نان شبینہ کی محتاج ہوگئی ۔ ہندو قوم نے اس تبدیلی اقتدار کو حسب منشا پاکر انگریزوں سے بھرپور تعاون کیا اور ان کے گماشتے کے طور پر اقتصادی وسائل پر قابض ہوگئی[1] انگریز اور ہندو دونوں قوموں کا یہ سنجوگ ایک تاریخی ضرورت کے تحت ہوا تھا ۔ انگریزوں کو اپنے استعماری مقاصد کی تکمیل کے لیے مقامی باشندوں کے تعاون کی ضرورت تھی اور ہندو صدیوں کی محکومی کے بعد مسلم اقتدار کے نشانات کو انگریزی سنگینوں کی مدد سے مٹا کر پراچین ہندو تہذیب کے احیاء کے خواب دیکھ رہا تھا (راجہ رام موہن رائے کی معتدل معاشرتی تحریک میں بھی یہ جذبہ کارفرما تھا ، بنکم چندر چیٹرجی بھی اسی رجحان کے نمائندے تھے اور انتہا پسند ہندو رہنما دیانند سرسوتی ، ویوکا نند ، آشوتوش، بال گنگا دھر تلک اور مدن موہن مالوی تو واشگاف طور پر اپنے اسلام دشمن جذبات کا اظہار کرنے لگے تھے) بہرکیف انگریز اور ہندو کا یہ تاریخی سنجوگ جس کی ابتدا بنگال سے ہوئی آئندہ کے لیے برطانوی سیاست کا سنگ بنیاد بن گیا ۔ ہر چند کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب میں مسلمانوں کے دوش بدوش ہندوؤں نے بھی حصہ لیا تھا لیکن ناکامی کے بعد ہدف انتقام صرف مسلمان بنے ۔ انگریزوں نے اپنی مخصوص حکمت عملی کے مطابق ہندوؤں کو نوازنے کا سلسلہ جاری رکھا اور سرکاری ملازمتوں کے علاوہ ساہوکار ، مہاجن اور گماشتے کے طور پر انھیں اقتصادی میدان میں کھلا چھوڑ دیا ۔ ان کا یہ کاروبار بنگال سے چل کر پنجاب ، سرحد ، سندھ اور بلوچستان تک پھیل گیا ۔ برصغیر کی آئندہ سیاست انگریزوں کے اختیار کردہ اسی بنیادی اصول پر گردش کرتے ہوئے آگے بڑھتی ہے ۔ صرف حالات کے تحت اس میں جزوی تبدیلی وقتاً وقتاً ہوتی رہی ۔

ہندو ، مسلم تفاوت کا یہ سلسلہ سیاست اور اقتصاد کے بعد واضح طور پر زبان کے مسئلے میں ظاہر ہوا ۔ انگریزوں کو ورثے میں جو دفتری نظام ملا اس کی سرکاری زبان فارسی تھی ۔ مغلیہ عہد میں ہندو کائستھ فارسی زبان اور دفتری امور کے ماہر

---

[1] ۔ ڈاکٹر ولیم ہنٹر نے اپنی رپورٹ Our Indian Musalmans مطبوعہ ۱۸۷۱ء میں تفصیل سے اس پہلو پر روشنی ڈالی ہے ۔

سمجھے جاتے تھے ۔ انگریزوں نے شروع میں اس دفتری روایت کو جاری رکھا ، پھر اپنی استعماری حکمت کے تحت دفتروں میں فارسی کے بجائے ''ہندستانی'' (اردو) کو رائج کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لیے تیاری کا مرحلہ فورٹ ولیم کالج میں طے کیا گیا ۔ تیاری کے اس مرحلے میں بھی حکمت یہ اختیار کی گئی کہ ایک ہی زبان کے دو رسم الخط اور ہندو مسلم معاشرتی زندگی کے متعلق مختلف ذخیرۂ لفظی کے جداگانہ استعمال سے اردو اور ہندی دو زبانوں کی بنیاد فراہم کی گئی ۔ ورنہ خود انگریزوں میں اس وقت تک اردو اور ہندی تو ایک ہی زبان ''ہندستانی'' کے مختلف نام سمجھے جاتے تھے جو اس زمانے تک مسلمانوں اور ہندوؤں کے صدیوں کے میل جول کا نتیجہ اور مشترکہ میراث خیال کی جاتی تھی ۔ آگے چل کر رفتہ رفتہ اردو مسلمانوں کی اور ہندی ہندوؤں کی زبان کے طور پر نشو و نما پانے لگیں ۔ ہندو عصبیت نے جوں جوں اپنا رنگ دکھانا اور گزشتہ ادوار کے تہذیبی نقوش کو اپنے لوح دل سے مٹانا شروع کیا ، یہ فاصلے بڑھتے گئے اور نفاق زیادہ ہوتا گیا ۔ ۱۸۳۴ء میں اردو کو فارسی کی جگہ دفتری زبان قرار دیا گیا ۔ جب ۱۸۴۹ء میں پنجاب کا الحاق ہوا تو یہاں بھی فارسی کی جگہ اردو دفتری زبان بن گئی (سکھوں کے عہد میں بھی یہاں کی دفتری زبان فارسی تھی)۔ اس وقت تک برصغیر میں زبان کا کوئی مسئلہ سوائے اس کے پیدا نہیں ہوا تھا کہ ۱۸۳۵ء میں میکالے تعلیمی کمیشن نے صرف صدارتی ووٹ کی کثرت سے اردو کی بجائے انگریزی ذریعہ تعلیم کی سفارش کر دی تھی ۔ میکالے کے نزدیک مستقبل کی استعماری ضرورتوں کی خاطر انگریزی کی یہ بالادستی ضروری تھی جس کا اظہار اس نے بغیر کسی ملمع سازی کے یوں کر دیا تھا :

> "We must at present do our best to form a class who may be interpreters between us and the millions whom we govern; a class of persons, Indian in blood and colour, but English in taste, in opinions, in morals and in intellect."

زبان کے مسئلے نے سب سے پہلے یو-پی اور بہار میں سر اٹھایا ۔ بعض انگریز افسروں کی ایما پر کچھ ہندو تنظیموں نے مطالبہ شروع کیا کہ دفتروں اور عدالتوں میں ہندی بخط دیوناگری رائج کی جائے ۔ ۱۸۶۷ء میں ہندوؤں نے بنارس میں اس تحریک کا آغاز کیا اور پھر مختلف شہروں میں اس کی شاخیں قائم کرکے حکومت کو درخواستیں بھیجنی شروع کیں ۔ اس کا ردعمل مسلمانوں میں بھی ہوا ۔ سید احمد خاں جو رسالۂ اسباب بغاوت ہند لکھ کر برصغیر کے ایک سیاسی رہنما کے طور پر ابھرے تھے ، ہندوؤں کے اس طرز عمل سے بہت مایوس ہوئے اور انہیں یقین ہوگیا

---

1. Macaulay, T. B. *Minutes on Education in India*, Ed. 1862, Page, 115.

کہ اب اس ملک میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا یکجا ہو کر کام کرنا محال ہوگا ۔ اس واقعہ پر وہ اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں :

''انھیں دنوں جبکہ یہ چرچا بنارس میں پھیلا ، ایک روز مسٹر شیکسپیئر سے جو اس وقت بنارس میں کمشنر تھے ، میں مسلمانوں کی تعلیم کے باب میں کچھ گفتگو کر رہا تھا ۔ وہ متعجب ہو کر میری گفتگو سن رہے تھے ۔ آخر انھوں نے کہا کہ یہ پہلا موقع ہے کہ میں نے تم سے خاص مسلمانوں کی ترقی کا ذکر سنا ہے ۔ اس سے پہلے تم ہمیشہ عام ہندوستانیوں کی بھلائی کا خیال ظاہر کرتے تھے ۔ میں نے کہا ، اب مجھ کو یقین ہو گیا ہے کہ دونوں قومیں کسی کام میں دل سے شریک نہ ہو سکیں گی ۔ ابھی تو بہت کم ہے ، آگے آگے اس سے زیادہ مخالفت اور عناد ان لوگوں کے سبب جو تعلیم یافتہ کہلاتے ہیں ، بڑھتا نظر آتا ہے ۔ جو زندہ رہے گا ، وہ دیکھے گا''۔[۱]

۱۸۸۱ء کے تعلیمی کمیشن کے سامنے ہندوؤں نے ہندی کے مسئلے کو بڑی شدت سے اٹھایا اور اس صدی کے اختتام پر یو۔پی کے لیفٹننٹ گورنر سر انطونی میکڈونل کی سرپرستی میں ہندو اس صوبے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ۔ اس صورت حال سے ہندو مسلمانوں میں بڑی تلخی پیدا ہو گئی ۔ اردو ، ہندی کا یہ لسانی تنازع اگرچہ پنجاب کے لیے بے معنی تھا ۔ کیونکہ الحاق پنجاب کے بعد اردو دفتری اور ابتدائی درجوں میں تعلیمی زبان بنی تو یہاں کی جملہ اقوام (ہندو ، مسلمان ، سکھ) کے لیے اس میں کوئی دشواری یا مغائرت نہ تھی اور بعد میں بھی ایک عرصے تک عملاً یہاں اردو ہی تحریر و تقریر اور تعلیم و صحافت کی زبان رہی ۔ لیکن ہندو عصبیت نے ہر جگہ ہندی کے مطالبے کو اپنا قومی شعار بنا لیا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ پنجاب میں یہ مطالبہ بھی اردو میں کیا جاتا تھا ۔ پھر پنجاب میں یہ لسانی مسئلہ صرف اردو اور ہندی تک محدود نہ رہا بلکہ سکھوں نے گورمکھی رسم الخط کے ساتھ پنجابی کو اپنی قومی زبان قرار دے کر اسے سہ لسانی مسئلہ بنا دیا جس نے یہاں ہندو، مسلم اور سکھ اقوام کی جداگانہ سیاسی حیثیت کو متعین کرنے میں بڑا حصہ لیا ۔

انیسویں صدی کے نصف آخر میں پنجاب (سرحد سمیت) رقبے کے لحاظ سے برصغیر کا سب سے بڑا صوبہ تھا جو آخر میں برطانوی سلطنت کا حصہ بنا ۔ ۳۱ دسمبر ۱۸۵۴ء کو پنجاب کی پہلی مردم شماری ہوئی جس کے مطابق یہاں کی کل آبادی تیرہ ملین (ایک کروڑ تیس لاکھ) تھی ۔ اس میں ساڑھے سات ملین مسلمان اور ساڑھے پانچ

۱۔ بحوالہ حیات جاوید ، مولوی الطاف حسین حالی ، مطبوعہ اکادمی پنجاب ۱۹۵۷ء ، ص ۱۹۴

ملین ہندو تھے ۔ اس مردم شماری میں سوائے لاہور ڈویژن کے ، باقی ہر جگہ سکھوں
کا شمار ہندوؤں میں کیا گیا تھا ۔ لاہور ڈویژن میں ، جہاں سکھ بتعداد کثیر آباد
تھے ، ان کی علیحدہ گنتی ہوئی اور اس ڈویژن کی کل آبادی تین ملین (تیس لاکھ) میں
سکھوں کی تعداد صرف دو لاکھ نکلی ۔ پنجاب کی آبادی زیادہ تر دیہات اور قصبات
میں پھیلی ہوئی تھی جن کی تعداد چھبیس ہزار کے قریب تھی ۔ پچاس ہزار سے اوپر
آبادی والے شہر صرف چار تھے جن کی آبادی محولہ بالا مردم شماری کے مطابق
۱۸۵۴ء - ۱۸۵۵ء میں یہ تھی[۱]

امرتسر	ایک لاکھ بائیس ہزار
لاہور	چورانوے ہزار
ملتان	چھپن ہزار
پشاور	ترپن ہزار

ابتدائے عہد انگلیسی کے ان اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ پنجاب کی کثیر
آبادی دیہات اور چھوٹے چھوٹے قصبات میں بود و باش رکھتی تھی اور ان کی معیشت
کا دار و مدار زراعت پر تھا ۔ یہ دیہاتی آبادی سادہ زندگی بسر کرتی تھی اور اپنی
بیشتر ضروریات میں خود کفیل تھی ۔ شہروں کی طرف انہیں بہت کم رخ کرنا
پڑتا تھا ۔ عرس ، تہوار ، موسمی میلے ٹھیلے ان کی اہم تفریحات تھیں ۔ امن ، چین
کی زندگی گزارنا ان کا معمول اور سادگی ، بے تکلفی ، جفا کشی ، محنت ان کے نمایاں
اوصاف تھے جو صدیوں کی روایت کو اپنے دامن میں لیے ہوئے تھے ۔ سکھوں کے
دور کی بدامنی نے انہیں حالات پر شاکر رہنے کے علاوہ توہم پرست بھی بنا دیا
تھا ۔ انگلیسی عہد کے ساتھ انہیں پھر پرامن ماحول میسر آیا اور اس ماحول میں
وہ اپنی روایت کے مطابق زندگی بسر کرنے لگے ۔ سابقہ زمانے میں پنچائتی نظام کی
وجہ سے وہ اپنے جھگڑے مقامی طور پر طے کر لیتے تھے ۔ نئے دور میں بھی کچھ عرصے
تک یہ سلسلہ جاری رہا لیکن نئے عدالتی نظام کے آنے سے رفتہ رفتہ انہیں شہروں کی
طرف آنا پڑا ۔

انگلیسی استعمار کے استحکام کے لیے اس خطے کی بڑی اہمیت تھی ۔ یہاں کا زرعی
خام مال (اناج ، کپاس وغیرہ) انگلستان کی صنعتوں کے لیے اور یہاں کے جوانوں کا
گرم خون برطانوی سلطنت کے دفاع کے لیے بہت سودمند تھا ۔ اس لیے یہاں انگریزوں
نے خاص حکمت عملی اختیار کی جس میں یہاں کی مختلف قوموں کی حفاظت و سرپرستی

---

۱ - یہ اعداد و شمار ایس ۔ ایس تھاربرن آئی ۔ سی ۔ ایس کی تصنیف ”دی پنجاب ان پیس
اینڈ وار“ مطبوعہ ۱۹۰۴ء سے لیے گئے ہیں ۔

کے علاوہ اپنے استعماری مفادات کی حفاظت کا عزم بھی شامل تھا ۔ اتفاق سے انگریز سکھ راج کے ظلم و ستم کو ختم کر کے یہاں فاتحانہ شان سے آئے تھے اور پھر انھوں نے دیکھتے ہی دیکھتے امن و امان قائم کر کے تعمیری کاموں کی طرف توجہ کی ۔ اس لیے لوگ انھیں اپنا نجات دہندہ سمجھنے کے ساتھ ساتھ ان سے خائف بھی تھے ۔ شروع میں سول سروس کے ارکان کی تعداد بہت کم تھی ۔ بعض اضلاع کے لیے صرف ایک ڈپٹی کمشنر میسر تھا جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ، ڈسٹرکٹ جج ، کلکٹر ، صدر ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ کے فرائض تنہا انجام دیتا تھا لیکن اس انگریز ڈپٹی کمشنر کا رعب و دبدبہ پورے ضلع پر ہوتا تھا ۔ انتظامیہ اور عدلیہ کا یہ ملغوبہ ایک ہی ذات میں ایک عرصے تک چلتا رہا ۔ انگریز سول سروس کے ارکان صاحبوں کی صورت اپنی رعایا سے الگ تھلگ بھی رہتے تھے اور اپنے محکوموں کے مسائل کو سمجھنے کے علاوہ ان پر کڑی نگاہ بھی رکھتے تھے ۔ مذہبی معاملات میں بھی انھوں نے اپنے آپ کو سب سے الگ تھلگ رکھا اور بظاہر یہاں کی تینوں قوموں (مسلم ، ہندو ، سکھ) سے یکساں سلوک کرنے کو اپنی پالیسی کا جزو بنایا تاکہ ان کے اپنے مفادات پر کوئی زد نہ پڑے ۔ اور یہ قومیں آپس میں الجھیں بھی تو ثالثی کے لیے صاحب بہادر ہی کی طرف رجوع کریں ۔ حقیقت میں یہ پالیسی یہاں کے حالات کے مطابق بڑی ہوشیاری اور دور اندیشی سے بنائی گئی تھی اور سامراج کے استحکام کے لیے کلیدی حیثیت رکھتی تھی ۔

اقتصادی لحاظ سے انگلیسی عہد میں پنجاب میں بڑی دور رس تبدیلیاں ہوئیں ۔ نہروں کے جاری ہونے سے بے آب و گیاہ زمینیں سرسبز و شاداب ہونے لگیں ۔ باری دوآب اور رچنا دوآب میں زرعی آبادکاری کا نیا سلسلہ شروع ہوگیا ۔ زراعت کی ترقی سے جہاں برطانوی مصنوعات کے لیے خام مال سستے داموں دستیاب ہونے لگا وہاں کاشتکاروں کے لیے خوشحالی کا راستہ بھی کھلا اور ان کے لیے کچھ نئے مسائل بھی پیدا ہوئے ۔ کئی سال تک زمینوں کا بندوبست عارضی رکھا گیا اور مالیانہ و آبیانہ نقد وصول کرنے کا طریقہ رائج کیا گیا ۔ حکومت کی تین چوتھائی آمدنی مالیے سے ہوتی تھی ۔ یہ طریقہ کاشتکاروں کے لیے نیا ہونے کے علاوہ تکلیف دہ بھی تھا ۔ پہلے وہ اجناس کی صورت میں مالیہ بھی دیتے تھے اور اپنی بیشتر ضروریات بھی اسی طرح مقامی طور پر پوری کر لیتے تھے ۔ اب انھیں دیگر ضروریات زندگی کے علاوہ بیج خریدنے اور مالیہ و آبیانہ ادا کرنے کے لیے نقد رقم کی ضرورت تھی اور اس کے لیے انھیں بنیے اور ساہوکار دست نگر ہونا پڑتا ۔ ایک بار ساہوکار کا مقروض ہونے کے بعد سود در سود کا چکر ان کے پاؤں میں ایسا پڑ جاتا تھا جس سے نکلنے کی کوئی صورت زمینوں

کو رہن رکھنے کے سوا نظر نہ آتی تھی - پھر حکومت رفاہی کاموں (تعلیم وغیرہ) کے لیے بھی مالیہ پر محصول (cess) لگا کر کاشتکاروں ہی کو مزید زیر بار کرتی رہی - مقروض کاشتکار کی محنت کا حاصل (اجناس) ساہوکار کے پاس اونے پونے ہو کر منڈیوں میں پہنچ جاتا اور وہاں سے آگے دساور کو سپلائی ہو جاتا یا بازاروں میں آ جاتا - کاشتکار خالی کا خالی ہاتھ رہ کر باقی وقت قوت لایموت کی تلاش میں گزارتا - قحط سالی کا سارا وبال بھی اسی پر پڑتا (پنجاب میں ۱۸۶۰-۶۱ء، ۱۸۷۷-۷۸ء، ۱۸۹۶-۹۷ء ۱۸۹۹ء میں قحط سالی رہی) نئے عدالتی نظام نے ضبطی و قرقی کا مشینی عمل جاری کر کے کاشتکار کو گھر بار اور زمینوں سے بھی محروم کرنا شروع کر دیا - یہ دور انگریزی سنگینوں کے سائے میں درحقیقت ''ساہوکار کا راج'' تھا جس میں پنجاب کی زراعت پیشہ آبادی بہت کٹھن صورت حال کا سامنا کرتی رہی - ایس-ایس تھاربرن کے لفظوں میں :

> "Statistically, the Punjab might be the richest country, yet its people the poorest, in India, if they were the rack-rented tenants of capitalists. That is the condition towards which our "system" was, until 1900, reducing the "finest peasantry in India."[1]

۱۹۰۰ء میں قانون انتقال اراضی (The Punjab Land Alienation Act) بنا جس کی رو سے غیر کاشتکار طبقوں کے لیے زرعی زمین کے حصول پر پابندی لگی اور ساہوکار کے ہاتھوں زمیندار طبقے کے استحصال کا ایک دروازہ بند ہوا -

پنجاب میں یو-پی کی طرح بڑے بڑے جاگیردار (تعلقہ دار) تو بہت تھوڑے تھے لیکن انگریزوں کی پالیسی نے بڑے بڑے زمیندار پیدا کرنے میں خاص حصہ لیا - کچھ لوگ اوقاف کی زمینوں پر قابض تھے، کچھ لوگوں کو ۱۸۵۷ء کی خدمات کے صلے میں نو آباد زمینوں میں وسیع رقبے ملے، بعض لوگوں کو گھوڑی پال سکیم کے تحت مربعے عطا کیے گئے - ان بڑے زمین داروں کے علاوہ چھوٹے زمین داروں میں نمبرداری اور ذیل داری سسٹم کے ذریعے حکومت نے ایک اچھا خاصا اپنے جاں نثاروں کا گروہ پیدا کر لیا جس میں مسلمان اور سکھ دونوں شامل تھے - یہ مراعات یافتہ طبقہ حکومت اور دیہاتی عوام میں رابطہ پیدا کرنے کے لیے اہم خدمات سر انجام دیتا تھا اور بوقت ضرورت افسروں کے لیے بیگار اور حکومت کے لیے رنگروٹ فراہم کرنا اس کی ذمہ داری تھی - اس امر کا خاص خیال رکھا گیا کہ پنجاب کی معیشت سراسر زرعی بنیادوں پر قائم رہے اور کاشتکار و زمیندار ساہوکار کے دست نگر اور حکومت کے مطیع و فرمانبردار ہو کر استعماری نظام کے استحکام کا باعث بنیں - پنجاب کو تعلیمی اور سیاسی لحاظ سے ایک عرصے تک پس ماندہ رکھ کر، اور حکومت کی

---

1. *The Punjab in War and Peace*, Page 256.

حمایت میں ایک متوسط درجے کا مراعات یافتہ طبقہ پیدا کر کے ان مقاصد کو تقویت پہنچائی گئی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب سامراج کی بقا کے لیے رنگروٹوں کی ایک منڈی بن گیا اور برطانوی سلطنت میں اسے بازوے شمشیر زن کا سا رعب اعزاز حاصل ہو گیا۔

بمبئی ، مدراس اور کلکتہ میں ۱۸۵۷ء میں یونیورسٹیاں قائم کر دی گئیں لیکن پنجاب میں صرف ضلعی مقامات پر ثانوی مدارس قائم کیے گئے۔ پنجاب کا پہلا گورنمنٹ کالج لاہور میں ۱۸۶۴ء میں قائم کیا گیا جسے کلکتہ یونیورسٹی سے الحاق کرنا پڑا ۔ حالانکہ کلکتہ یونیورسٹی کے مقاصد اور نصابات اس علاقے کے احوال و ضروریات سے بہت مختلف تھے ۔ یہی حال حکومتی اداروں کا تھا ۔ انڈین کونسلز ایکٹ ۱۸۶۱ء کے مطابق سب سے پہلے بمبئی اور مدراس میں صوبائی قانون ساز مجالس قائم کی گئیں ۔ پھر بنگال میں (۱۸۶۳ء) اور یو۔پی میں (۱۸۶۶ء) قائم ہوئیں ، اور سب سے آخر میں چھتیس سال بعد ۱۸۹۷ء میں پنجاب میں صوبائی کونسل بنائی گئی ۔ لیکن اس میں بھی یہ فرق ملحوظ رکھا گیا کہ جہاں دوسرے صوبوں کی کونسلوں میں نامزد نمائندوں کے ساتھ منتخب نمائندے بھی شامل تھے وہاں پنجاب میں تمام ممبروں کو (جن کی تعداد نو تھی) حکومت نامزد کرتی تھی ۔ پنجاب چونکہ تعلیمی لحاظ سے باقی صوبوں کے مقابلے میں بہت پس ماندہ تھا ، اس لیے انگلیسی عہد کے شروع میں یہاں سول سروس کے دیسی ارکان بھی زیادہ تر بنگال سے آتے تھے۔ حتیٰ کہ کچہریوں میں وکلا بھی زیادہ تر بنگالی ہوتے تھے۔ سکولوں میں کئی استاد بھی بنگالی تھے۔ اسی طرح اکثر ملازمتوں میں دہلی اور نواح دہلی کے باشندوں کا بھی دلی اور لاہور کے انتظامی طور پر ایک ڈھانچے کے سبب تناسب کسی قدر زیادہ تھا ۔ جس کی بنا پر حکومت برطانیہ نے جلد ہی مقامی اور غیر مقامی کے درمیان توازن کا ایک فارمولا بھی وضع کر لیا[۱] یہی حال سیاسی اداروں کے قیام کا تھا - مغرب کے نئے افکار و خیالات کا نفوذ سب سے پہلے بمبئی، مدراس ، بنگال وغیرہ میں ہوا اور یہیں سے ان سیاسی و جمہوری تنظیموں کا سلسلہ شروع ہوا جو آگے چل کر ملک گیر صورت اختیار کر گیا ۔ بنگال ہی میں سب سے پہلے نیشنل انڈین ایسوسی ایشن قائم ہوئی جس کی شاخ ۱۸۷۷ء میں ایک بنگالی رہنما سندر ناتھ بینرجی نے پنجاب میں آ کر قائم کی ۔ لیکن دلچسپ امر یہ ہے کہ لاہور میں اس انجمن کے کرتا دھرتا بھی دو بنگالی بابو ہی تھے۔ اتفاق

۱- پندرہ روز ''سفیر پنجاب'' نے ٦ اکتوبر ۱۸۵۷ء کی اشاعت میں یہ فارمولا درج کیا ہے :

''صاحبان بورڈ رائے دیتے ہیں کہ جہاں تحصیلدار ہندوستانی ہو وہاں پیشکار پنجابی مقرر ہوا کرے اور عہدہ جات تھانیداری و جمعداری و اظہار نویسی و نیز قانونگوئی و محرری پر پنجابی مقرر کیے جاویں'' ۔

بحوالہ ''روح صحافت'' امداد صابری ، صفحہ ۲۸۵

سے اسی سال (۱۸۷۷ء) کلکتہ میں سید امیر علی نے بھی نیشنل محمڈن ایسوسی ایشن قائم کی جو مسلمانوں کی پہلی سیاسی تنظیم تھی۔ اس کی شاخ بعد میں پنجاب میں بھی قائم ہوئی۔ ۱۸۸۵ء میں بمبئی میں انڈین نیشنل کانگرس کا قیام عمل میں آیا۔ کانگرس کی بنا مسٹر اے۔ او ہیوم نے وائسرائے ہند لارڈ رپن کے مشورے سے رکھی جس کا مقصد حکومت اور تعلیم یافتہ ہندوستانیوں میں خوشگوار تعلقات استوار کرنے کے علاوہ ملک کے مختلف و متصادم عناصر کو متحد کرکے ایک قوم بنانا تھا۔ مغربی نیشنلزم کا یہ تصور نئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لیے بڑا پر کشش تھا۔ پنجاب میں بھی کانگرس کی شاخ ۱۸۸۵ء ہی میں قائم ہوگئی۔ لیکن اس کا دائرۂ عمل بھی چند تعلیم یافتہ افراد تک محدود تھا۔ البتہ پنجاب کے ہندوؤں میں اس زمانے میں سوامی دیانند سرسوتی کی آریہ سماجی تحریک جو اس نے گجرات کاٹھیاواڑ سے یہاں آکر شروع کی (۱۸۷۵ء) بہت مقبول ہوئی۔ دوسری طرف مسلمان سرسید احمد خان کی علی گڑھ تحریک سے متاثر تھے اور جب سرسید (دو بار ۱۸۷۳ء اور ۱۸۸۳ء میں) پنجاب میں آئے تو متوسط طبقے کے مسلمانوں نے ان کا گرم جوشی سے خیر مقدم کیا اور علی گڑھ کالج کے لیے خطیر رقمیں چندے کے طور پر دیں۔ غرض اس زمانے میں جو سیاسی، تعلیمی یا معاشرتی تحریکیں ملک میں اپنے سفر کا آغاز کر رہی تھیں ان کے رہنما پنجاب کو بھی اپنی جولانگاہ بنا رہے تھے اور "زندہ دلان پنجاب" ہر تیز رو کے ساتھ تھوڑی دور چل کر بیٹھ جاتے اور افق مغرب سے ابھرنے والی شفق خوں رنگ کا نظارہ کرنے لگتے۔ خود پنجاب کے اندر تعلیمی، معاشرتی اور معاشی سرگرمیوں کا آغاز کسی مقامی رہنما کی بجائے انگریز حکام کی سرپرستی میں ہوا۔ انجمن پنجاب کا قیام اور اس کے کارنامے اس لحاظ سے خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

انجمن پنجاب کی بنا ۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو لاہور میں دیسی امرا (جن میں ہندو، مسلم، سکھ شامل تھے) اور یورپین افسروں کے ایک مشترکہ اجلاس میں رکھی گئی۔ ڈاکٹر جی۔ڈبلیو لائٹنر پرنسپل گورنمنٹ کالج لاہور، جو نئے نئے ولایت سے آئے تھے، اس کے محرک تھے۔ انجمن کے اغراض و مقاصد یہ قرار پائے:

(۱) قدیم مشرقی علوم کا احیا و ترقی، آثار قدیمہ، تاریخ، لسانیات اور معاشرتی علوم پر تحقیق کی حوصلہ افزائی۔
(۲) دیسی زبانوں کے ذریعے عوام میں علوم مفیدہ (سائنس وغیرہ) کی اشاعت۔
(۳) صنعت و تجارت کے فروغ میں کوشش کرنا۔
(۴) علمی، ادبی، معاشرتی اور عام سیاسی دلچسپی کے مسائل پر تبادلۂ خیال کرنا، حکومت کے تعمیری اقدامات کو مقبول بنانا، ملک میں وفاداری اور مشترکہ ریاست کی شہریت کے احساس کو فروغ دینا اور عوام الناس کی خواہشات اور مطالبات کے مطابق حکومت کو تجاویز پیش کرنا۔

(۵) مفاد عامہ کے اقدامات میں صوبے کے تعلیم یافتہ اور با اثر طبقوں کو حکومت کے افسروں کے قریب تر لانا ۔

انجمن پنجاب اپنے پر جوش و با عمل صدر ڈاکٹر لائٹنر کی رہنمائی میں بہت جلد ایک تحریک کی صورت اختیار کر گئی ۔ مختلف شہروں میں اس کی شاخیں قائم ہوئیں ۔ مذکورہ بالا مقاصد کی پیش رفت کے لیے متعدد کمیٹیاں بنائی گئیں ۔ لاہور میں ایک کتب خانہ و دارالمطالعہ قائم کیا گیا ۔ ایک ہفتہ وار اخبار جاری کیا گیا ۔ ہفتہ وار علمی مجالس کا انعقاد باقاعدگی سے ہونے لگا جہاں مختلف علمی و ادبی موضوعات پر مضامین پڑھے جاتے اور ان پر بحث ہوتی ۔ انجمن پنجاب نے اپنے قیام کے پہلے برس ہی پنجاب میں علوم مشرق کی ایک یونیورسٹی کے قیام کی تجویز پیش کی اور اس کے لیے سرگرم عمل ہوگئی ۔ اسی سال سر ڈانلڈ میکلوڈ پنجاب کے لیفٹننٹ گورنر مقرر ہوئے تھے ۔ وہ ایک پرجوش عیسائی تھے لیکن مسیحیت کے فروغ کے لیے طاقت کی بجائے حکمت اور تبلیغ کے قائل تھے ۔ اس لیے انھوں نے تعلیمی اداروں کی طرف خصوصی توجہ دی ۔ ان کا خیال تھا کہ ''جتنا زیادہ ہم دیسی باشندوں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے ، ان کے جذبات و احساسات اور امنگوں کے بارے میں مشورہ کریں گے اور انھیں اعتماد میں لیں گے اتنا ہی ہم نسلی تفاوت اور حاکم و محکوم کے فاصلے کو کم کرنے میں کامیاب ہوں گے ۔''[1] سر ڈانلڈ میکلوڈ نے ۱۰ جون ۱۸۶۵ء کو ڈائریکٹر تعلیم پنجاب کو ایک مراسلہ بھیجا اور دیسی زبانوں کی ترقی اور ان میں مغربی علوم و فنون جذب کرنے کے سلسلے میں تجاویز طلب کیں ۔ ڈاکٹر لائٹنر نے اس مراسلے کی روشنی میں اگست ۱۸۶۵ء میں انجمن پنجاب کی طرف سے لاہور میں ایک اجلاس بلایا جس میں امرتسر و لاہور کے چیدہ چیدہ امرا و علما مشورے کے لیے جمع ہوئے ۔ اس اجتماع کے سامنے ڈاکٹر لائٹنر نے یہ تجویز رکھی :

''مدنظر یہ ہے کہ سلف کی مشرقی تعلیم کو از سر نو جاری کیا جائے جس سے زبان ہائے دیسی کی تکمیل ہو سکے ۔ اس لیے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ لاہور میں ایک یونیورسٹی قائم کی جائے جس کا کام یہ ہو کہ انشا وغیرہ میں وہ سب سے اعلیٰ بیت العلوم ہو اور علوم مشرق اور علوم مروجہ میں امتحان اور تعلیم کیا کرے ، اور جو اسباب تعلیم کے فی‌الحال موجود ہیں ان کو استعمال میں لا کر واجب طور پر وسعت دیوے ۔ زبان ہائے مشرق تعلیم کی بنیاد ہوں اور ان زبانوں کے ذریعے سے یورپ کے علوم کی تعلیم ہو اور ہر ایک شخص اس تجویز کی کامیابی کے لیے کوشش و سعی کرے''[2]۔

---

1. Edward Lake, *Sir Donald Mcleod*, Page 123.

۲۔ دستور العمل پنجاب یونیورسٹی کالج (سال ۱۸۷۴ء-۱۸۷۵ء) ص ۷ ۔

رکانے اجلاس نے ڈاکٹر لائٹنر سے مکمل اتفاق کرتے ہوئے انھیں مجوزہ یونیورسٹی کا منصوبہ پیش کرنے کے لیے کہا ۔ یہ منصوبہ ۱۱ ستمبر ۱۸۶۵ء کے اجلاس میں منظوری کے لیے پیش کیا گیا ۔ اس منصوبے میں مندرجہ ذیل تجاویز شامل تھیں :

(۱) ایک سینیٹ اور افسران یونیورسٹی مقرر ہوں ۔

(۲) ایک علمی کمیٹی مقرر کی جائے جس کا کام یہ ہوگا کہ انگریزی کتب درسی کو منتخب کر کے ان کا ترجمہ دیسی زبانوں میں کرے اور زبان ہائے مشرق کی تعلیم کو باقاعدگی سے جاری کرے ۔

(۳) ایک کمیٹی واسطے زبان ہائے مشرق کے مقرر ہو جس کا کام یہ ہو کہ عربی و فارسی و سنسکرت کی باقاعدہ تعلیم کرائے اور ان زبانوں میں بڑے بڑے شاعروں اور مورخوں کی کتابیں طبع کروائے اور زبان و علوم مشرق کا کتب خانہ قائم کرنے اور بڑھانے میں مدد اور سعی کرے ۔

(۴) عربی ، فارسی ، سنسکرت ، اردو ، ہندی اور کوئی مضمون علمی یا زبان مشرق میں امتحان کرنے کی تجویز ہوئی ۔[1]

ان تجاویز کو منصوبے کی صورت میں پیش کرتے ہوئے ڈاکٹر لائٹنر نے کہا کہ ''اس یونیورسٹی کے قیام سے اس خطے میں ایک نئے دور کا آغاز ہوگا جس میں علم و فن کا ماحصل تمام لوگوں کی دسترس میں ہوگا ۔''

یہ منصوبہ حکومت کو ارسال کر دیا گیا ۔ پھر اس منصوبے کی تائید میں امرتسر اور لاہور کے ۶۵ سر کردہ افراد کے دستخطوں سے ایک محضر تیار کر کے لیفٹننٹ گورنر کی خدمت میں پیش کیا گیا ۔ دیسی اکابر کی ان مساعی کو تقویت پہنچانے کے لیے یورپین حضرات (مسٹر برانڈرتھ ، کمشنر ، مسٹر سی-یو ایچی سن ، ڈپٹی کمشنر ، مسٹر الیگزانڈر ، انسپکٹر آف سکولز ، مسٹر لیپل گریفن) پر مشتمل ایک تائیدی کمیٹی بنائی گئی ۔ اس طرح دیسی امرا اور بدیسی حکام نے مل کر مجوزہ یونیورسٹی کے لیے سرمایہ فراہم کرنے اور زمین ہموار کرنے کا کام شروع کیا ۔ انجمن پنجاب کی اس تعلیمی تحریک سے متاثر ہو کر یو - پی کی برٹش انڈین ایسوسی ایشن نے بھی اگست ۱۸۶۷ء میں (سرسید کی سرکردگی میں) دیسی زبانوں کی یونیورسٹی قائم کرنے کے لیے وائسرائے کی خدمت میں عرضداشت بھیجی ۔ انجمن پنجاب اور برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے مطالبات میں یہ فرق تھا کہ انجمن کلاسیکی زبانوں (عربی ، فارسی سنسکرت) اور علوم کے احیاء و ترقی کے ساتھ ساتھ جدید مغربی علوم کو دیسی

۱- دستور العمل پنجاب یونیورسٹی کالج (سال ۱۸۷۴ء-۱۸۷۵ء) ص ۸ ۔

زبانوں میں پڑھانے کا مطالبہ کر رہی تھی جبکہ ایسوسی ایشن صرف دیسی زبانوں میں جدید مغربی علوم پڑھانے کے حق میں تھی - کچھ عرصے کے بعد ایسوسی ایشن (یا اس کے بانی سرسید احمد خان) اپنے اس مطالبے سے بھی دست بردار ہو گئی اور ان انگریز ماہرین تعلیم کی موئید بن گئی جو لارڈ میکالے کی قرارداد کے مطابق انگریزی ذریعۂ تعلیم کے حق میں تھے - انجمن پنجاب کی جدوجہد کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۸۷۰ء میں پنجاب میں ایک یونیورسٹی کالج قائم ہوگیا، اور ۱۸۸۲ء میں یہاں مکمل یونیورسٹی کا قیام عمل میں آ گیا - بمبئی ، مدراس اور کلکتہ کے بعد یہ برصغیر کی چوتھی یونیورسٹی تھی - اس یونیورسٹی کے مقاصد میں انجمن پنجاب کی بعض تجاویز کو جزوی طور پر شامل کیا گیا - کلاسیکی زبانوں کی تحقیق اور دیسی زبانوں کے فروغ کے لیے اوریئنٹل کالج قائم رہا اور جدید مغربی علوم کے لیے انگریزی کو ذریعۂ تعلیم بنا دیا گیا - اس طرح اہل پنجاب کی اشک شوئی بھی ہوگئی اور میکالے کے تعلیمی نظریے کا بھی بول بالا ہوگیا -

یونیورسٹی کی تحریک کے علاوہ انجمن پنجاب نے معاشی، معاشرتی اور ثقافتی امور کے سلسلے میں بھی بہت سی خدمات سر انجام دیں - انجمن نے ''عوامی مفاد یا انسانی ہمدردی کے مقاصد کے لیے کثیر سرمایہ فراہم کیا - ۱۸۶۵ء سے پنجاب پر اثر انداز ہونے والے تمام اہم اقدامات سے اس کا خاص رابطہ رہا اور اس ضمن میں حکومت کو متواتر مشورے دیے گئے - انجمن نے کئی صنعتی نمائشوں کا اہتمام کیا -'' (رپورٹ ۱۸۸۱-۱۸۸۲ء) اردو ادبیات کی تواریخ میں مئی ۱۸۷۵ء سے منعقد ہونے والے ماہوار موضوعاتی مشاعروں کا خصوصی ذکر آتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہاں سے جدید اردو شاعری کا آغاز ہوا - دراصل یہ مشاعرے محکمۂ تعلیم کے ایما پر نصابی ضرورتوں کے پیش نظر شروع کیے گئے تھے اور اپنے اس مقصد کو حاصل کر کے ایک سال کے اندر ختم ہوگئے - تاہم انجمن پنجاب کی مشاعرہ کمیٹی نے مشاعروں کے وقتاً فوقتاً انعقاد اور نئی نظموں اور غزلوں کی طباعت و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا - ان شعری اجتماعات کا مقصد یہ تھا کہ ''عشق و محبت کے موضوعات اور کسی حکمران کی تعریف پر مشتمل شاعری سے قطع نظر نظمیں کہنے اور ان کے ترجمہ کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے - تاہم ان موضوعات کو بالکل نظر انداز بھی نہ کیا جائے'' (رپورٹ ۱۸۸۱-۱۸۸۲ء)

انجمن پنجاب کلاسیکی زبانوں کی تحقیق و تدریس کے علاوہ جدید زبانوں (اردو ، ہندی ، پنجابی) کی ترقی کے لیے بھی کوشاں تھی - اس معاملے میں انجمن کا موقف وہی تھا جو حکومتی سطح پر انگریز حکام کا تھا کہ اختلافی امور سے پہلوتہی کر کے تینوں قوموں کے مفادات کا خیال رکھا جائے - لیکن اردو ، ہندی تنازعے کے اثرات

دوسرے علاقوں سے رفتہ رفتہ پنجاب میں پہنچ رہے تھے - ۱۸۸۱ء میں ہنٹر تعلیمی کمیشن کے سامنے پنجاب کے ہندوؤں نے بڑے زور شور سے سکولوں میں ناگری ہندی کے نفاذ کا مطالبہ رکھا - اس کا ردعمل مسلمانوں میں بھی ہوا ، اور وہ اردو کے لیے سینہ سپر ہوگئے - سکھوں نے گورمکھی پنجابی کا نعرہ لگایا - انجمن اس نزاعی مسئلے کے باوصف اردو ، ہندی اور پنجابی تینوں زبانوں کی سرپرستی کر رہی تھی- انجمن پنجاب نے ۱۸۸۲-۱۸۸۳ء میں ان زبانوں کی ترویج کے لیے جو کمیٹیاں قائم کیں ان کے ارکان کے ناموں پر ایک نظر ڈالنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا :

اردو کمیٹی :

۱- مولوی فیض الحسن
۲- رائے کنہیا لال
۳- نواب نوازش علی
۴- نواب غلام محبوب سبحانی
۵- ڈاکٹر جی-ڈبلیو لائٹنر
۶- ای ڈبلیو پارکر
۷- ڈاکٹر رحیم خاں
۸- پیرزادہ محمد حسین
۹- پنڈت امرناتھ
۱۰- خان بہادر منشی محمد لطیف
۱۱- مولوی ابوسعید محمد حسین
۱۲- سوڈی حکم سنگھ
۱۳- پنڈت ایشری پرشاد
۱۴- سردار گوردیال سنگھ
۱۵- وزیراعظم مہدی خاں
۱۶- چیف جسٹس غلام نبی
۱۷- میر نثار علی

ہندی کمیٹی :

۱- بابو نوین چندر رائے
۲- پنڈت گورو پرشاد
۳- پنڈت سکھ دیال
۴- پنڈت رشی کیش
۵- بھائی گورمکھ سنگھ
۶- پنڈت ایشری پرشاد
۷- پنڈت بھان دت

پنجابی کمیٹی :

۱- سردار عطر سنگھ
۲- سردار ٹھاکر سندھاں والیہ
۳- سوڈی حکم سنگھ
۴- بھائی میاں سنگھ
۵- لالہ بہاری لال
۶- ریورنڈ ڈاکٹر وائٹ بریخٹ
۷- بھائی پرسہ سنگھ
۸- رائےمول سنگھ
۹- بھائی گورمکھ سنگھ
۱۰- بھائی چرت سنگھ
۱۱- بابو نوین چندر رائے
۱۲- جوگی شیو ناتھ

ناموں کی اس فہرست پر ایک نظر ڈالنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اردو کمیٹی کا حلقہ وسیع بھی ہے اور اس میں پنجاب کی تینوں قوموں کے نمائندے بھی شامل ہیں ۔ جبکہ ناگری ہندی اور گورمکھی پنجابی کی کمیٹیوں میں صرف ہندوؤں اور سکھوں کے نام ملتے ہیں یا ایک آدھ انگریز کا ۔ ہر چندکہ ہندو اس زمانے میں ہندی بھاشا کے نفاذ کے لیے محضر اور وفود بھیج کر اور جلسے کر کے ماحول کو تلخ بنا رہے تھے لیکن عملاً پنجاب میں تعلیم ، صحافت اور خطابت میں اردو ہی کا بول بالا تھا ۔ کیونکہ یہاں کے تعلیم یافتہ لوگوں کی تحریر و تقریر کی زبان اردو تھی ، ان پڑھ عوام بھی اسے سمجھتے تھے - پنجابی صرف بول چال کی زبان تھی اور ہندی بھاشا نہ بول چال کی زبان تھی ، نہ تحریر و تقریر کی ، بلکہ صرف اکتسابی زبان تھی جس کی تعلیم و ترویج پر ہندو جاتی اپنا سارا زور صرف کر رہی تھی ۔ یہ صورت حال خود اس امر کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ پنجاب کی حد تک زبان کے مشترکہ سرمائے کو کون ٹھکرا رہا تھا اور اختلاف کے بیج کون بو رہا تھا !

۱۸۵۷ء کے انقلاب نے دہلی و لکھنؤ کے تہذیبی مرکزوں کو بہت نقصان پہنچایا ۔ خصوصاً سقوط دہلی کے بعد یہاں کی مسلمان آبادی کو شہر بدر کر دیا گیا ۔ یہاں سے اجڑنے والوں نے دوسرے مقامات کا رخ کیا ۔ پنجاب ان پناہ گزینوں کے لیے نسبتاً قریب بھی تھا اور یہاں کا ماحول اس عرصے میں پر سکون بھی رہا تھا ۔ اس لیے اکثر لوگ پنجاب کے مختلف شہروں میں پناہ گزین ہوئے ۔ کشمیر میں ڈوگرہ راج کی سختیوں کی وجہ سے اکثر کشمیری خاندان بھی پنجاب میں آ کر آباد ہو رہے تھے ۔ سیالکوٹ ، وزیر آباد ، گجرات ، گوجرانوالہ، لاہور ، امرتسر میں کشمیریوں کی کافی آبادی ہو گئی ۔ اپنے گھر بار چھوڑ کر آنے والوں کے لیے پنجاب کا وسیع ماحول اور لوگوں کی کشادہ دلی تالیف قلب کا باعث تھی اور یہ لوگ یہاں کے ماحول میں رس بس گئے ۔ امرتسر ایک تجارتی مرکز کے طور پر اور لاہور علمی و ادبی مرکز کے طور پر عہد انگلیسی میں خصوصی اہمیت حاصل کرتے جا رہے تھے۔ چنانچہ دہلی و لکھنؤ کے بعد لاہور اردو زبان و ادب کے فروغ کا ایک اہم مرکز بن گیا ۔ انجمن پنجاب کی تحریک اس اعتبار سے اس عہد کی بڑی ہمہ گیر تحریک تھی ۔ علمی ، ادبی ، تعلیمی اور لسانی طور پر اس انجمن نے لاہور کو مرکز بنا کر مختلف شہروں میں شاخیں قائم کیں اور کتب خانے ، اخبار جاری کرنے کے علاوہ ادبی و شعری اجتماعات کی طرح ڈالی ۔ مقامی باشندے ان تہذیبی و ثقافتی سرگرمیوں میں دلچسپی لیتے تھے اور انگریز حکام بھی ان سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتے تھے ۔ جہاں دہلی و لکھنؤ کے مہاجر ادیب و شاعر موجود تھے وہاں وہ بھی ان تقریبات میں حصہ لیتے اور جو تہذیبی شمع ۱۸۵۷ء کی باد صرصر سے دہلی و لکھنؤ میں بجھ رہی تھی ، اسے لاہور اور دوسرے شہروں میں فروزاں کرنے کی کوشش کر رہے تھے ۔

لاہور کا بازار حکیماں (اندرون بھاٹی دروازہ) ادبی و ثقافتی سرگرمیوں میں خاص شہرت حاصل کر گیا تھا ۔ اورینٹل کالج اور گورنمنٹ کالج کے کئی استاد یہیں بود و باش رکھتے تھے ۔ اکثر امرا و شرفا کی حویلیاں اس علاقے میں تھیں جو علم و ادب سے دلچسپی رکھتے تھے ۔ ان کی سرپرستی میں یہ علاقہ لاہور کا ''چیلسی'' بن گیا تھا ۔[1]

لاہور کا پہلا چھاپہ خانہ مطبع کوہ نور منشی ہر سکھ دیو نے ۱۸۵۰ء میں قائم کیا اور یہاں سے پہلا اردو ہفتہ وار ''کوہ نور'' جاری کیا ۔ اس کے بعد لاہور میں بہت سے چھاپے خانے قائم ہوئے اور اکثر چھاپہ خانوں کے ساتھ ہفتہ وار یا سہ روزہ اخبارات جاری ہوئے ۔[2]

۱۔ حکیم احمد شجاع مرحوم نے ''لاہور کا چیلسی'' کے عنوان سے ایک سلسلہ مضامین لکھ کر بازار حکیماں کی ادبی مجلسوں کا تذکرہ کیا ہے ۔ ''چیلسی'' لندن کے اس علاقے کا نام ہے جہاں نامور انگریز ادیب بود و باش رکھتے تھے ۔

۲۔ لاہور کے چھاپہ خانوں اور اخبارات کی یہ فہرست ملاحظہ فرمائیے : پنجابی مطبع (بانی منشی محمد عظیم) ہفتہ وار ''پنجابی اخبار'' ۔ مطبع انجمن (پنجاب) ہفتہ وار اخبار ''انجمن''۔ مطبع آفتاب (بانی دیوان بوٹا سنگھ) اخبار ''آفتاب'' سہ روزہ (مدیر مولوی فقیر محمد) مطبع متر بلاس (بانی بال مکند) چہار روزہ ''اخبار عام'' جسے پیسہ اخبار بھی کہتے تھے ، بقول کنہیا لال ''اس اخبار کے مضامین عمدہ ہوتے تھے ۔'' (تاریخ پنجاب ، صفحہ ۴۴) ۔ مطبع سیفی (بانی سید نادر علی شاہ سیفی) ہفت روزہ ''رہبر ہند'' و ''خزینۃ القوانین'' ۔ مطبع لاہور پنچ ''اخبار لاہور پنچ'' ۔ وکٹوریہ پریس (بانی منشی عزیزالدین) ہفتہ وار ''شفیق ہند'' اور روزنامہ ''شام وصال'' اور ''نسیم صبح'' (مدیر سیف الحق سیف) وکٹوریہ پریس میں چھپتے تھے مطبع دہلی پنچ (فضل الدین) ہفتہ وار اخبار ''دہلی پنچ'' ۔ مطبع البرٹ گزٹ (خواجہ احمد حسن) ہفتہ وار ''البرٹ گزٹ'' مطبع خورشید عالم (منشی جگن ناتھ) ہفتہ وار خورشید عالم ۔ مطبع مفید عام (منشی گلاب سنگھ) ہفتہ وار ''ریفارمر'' (مطبع آریہ پریس اور مطبع براہم سماج میں چھپتا رہا) مطبع رفیق ہند (مولوی محرم علی چشتی) ہفتہ وار ''رفیق ہند'' مطبع گلشن رشیدی (مولوی فضل دین) ہفتہ وار ''ہدایت'' ۔ مطبع گلزار محمدی ، ہفتہ وار ''خیر خواہ کشمیر'' (مدیر پنڈت سالک رام کول) نیو امپیریل پریس ہفتہ وار ''آئینہ اخلاق'' (مدیر عبدالعزیز) مطبع مصطفائی (امیرالدین) مطبع قانونی (پنڈت سورج بھان) پیسہ اخبار لاہور (اجرا ۱۸۸۷ء) یہ فہرست مکمل نہیں ۔ محکمہ تعلیم پنجاب کا مطبع اور مطبع سول اینڈ ملٹری گزٹ وغیرہ اس کے علاوہ ہیں ۔ (بحوالہ ''تاریخ پنجاب'' از کنہیا لال و ''تاریخ صحافت'' و ''روح صحافت'' از امداد صابری)

انیسویں صدی کے ربع آخر میں پنجاب کی فضا مذہبی اختلافات کی بنا پر بہت تلخ ہو گئی تھی۔ اسباب کچھ تو تاریخی تھے اور کچھ نئے دور کے اقتصادی و معاشرتی حالات اس کے ذمے دار تھے ۔ سکھ راج میں مسلمانوں پر جو مظالم ہوئے ان سے مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان اختلاف کا ایک جذبہ موجود تھا ۔ ہندو اور سکھ مذہبی ، معاشرتی معاملات میں مختلف تھے لیکن مسلم دشمنی میں دونوں متحد تھے ۔ الحاق پنجاب کے بعد انگریز حکمرانوں نے ان اختلافات میں بظاہر غیر جانب داری اور سب سے رواداراانہ اور مساویانہ سلوک کا مسلک اختیار کیا لیکن درپردہ اپنی کل ہند پالیسی کے تحت ہندوؤں اور سکھوں کی سرپرستی کو اپنا شعار بنایا اور اس علاقے کی مسلم اکثریت کو دوہرے ستم کا نشانہ بنائے رکھا ۔ برصغیر میں انگریزی غلبے کے ساتھ ہی ہندو نے سامراج کے ساتھ سمجھوتہ کرکے تعلیم اور اقتصاد کے میدانوں میں آگے بڑھنا شروع کر دیا تھا ۔ اس کے برعکس مسلمان تصادم کی راہ اختیار کرکے تعلیمی اداروں اور اقتصادی میدانوں سے محروم ہوتے چلے گئے ۔ ۱۸۱۷ء میں کلکتے میں پہلا ہندو کالج قائم ہوا ۔ مسلمانوں نے ٹھیک ساٹھ سال بعد ایم-اے-او کالج علی گڑھ میں قائم کیا ۔ گویا وہ تعلیم میں نصف صدی سے بھی زیادہ ہندوؤں سے پیچھے رہ گئے تھے ۔ یہی صورت سرکاری ملازمتوں میں پیش آئی ۔ نئی حکومت کے انتظامی اداروں میں تعلیم یافتہ ہندو ہر جگہ چھا رہے تھے اور مسلمان یہاں بھی غائب تھے ۔ ہندوؤں کی پیش قدمی اور مسلمانوں کی پسپائی کی یہ داستان بڑھتے بڑھتے پنجاب تک آئی تو مسلم اکثریت کے اس صوبے میں بھی مسلمانوں کی حالت ناگفتہ بہ ہو گئی ۔ کاشت کار اور محنت کش مسلمان تھے لیکن ہندو بنیے اور ساہوکار کاروباری مرکزوں اور منڈیوں میں چھائے ہوئے تھے اور دفتروں اور عدالتوں میں بھی براجمان تھے ۔ نہ صرف مجسٹریٹ ہندو تھے بلکہ اکثر وکلا بھی ہندو ہی ہوتے تھے ۔ مسلمان کاشتکار سود در سود کے چکر میں پھنس کر قرقی و ضبطی کے مرحلے تک پہنچتا تھا تو عدالتوں میں ہندو وکیل اور ہندو منصف، ہندو ساہوکار کی پشت پناہی کے لیے موجود تھے ۔ انگریز کے قانونی شکنجے اور سنگینوں کے سائے میں مسلمان اپنی زرعی زمینوں اور گھربار سے بھی ہاتھ دھو رہے تھے ۔ ان حالات میں تلخی بڑھتی جا رہی تھی ۔ سامراجی حکمران غیر جانب داری ، رواداری ، رعایا پروری اور عدل و انصاف کا چولا پہن کر اس جبر کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ہندو اس موقع سے ہر جگہ پورا فائدہ اٹھا رہے تھے۔ برطانوی سامراج کی آغوش میں ایک نیا سامراج پل رہا تھا اور دونوں کا ہدف برصغیر کے مسلمان تھے۔ مسلمانوں کے گزشتہ دور حکمرانی کا سیاسی انتقام لینے کا منصوبہ منظر عام پر آ رہا تھا۔ بنگال میں رام موہن رائے کی برہمو سماج بھی ایک احیائی تحریک تھی لیکن اپنے زمانے کے حالات کے لحاظ سے نسبتاً اعتدال کے دائرے میں تھی ۔ لیکن پنجاب میں آریہ سماج کی تحریک ویدک دھرم کے احیاء و

ملیے کا تصور لے کر اٹھی تو اس نے اسلام پر رکیک حملے کرکے اور قدم قدم پر مسلم دشمنی کو اپنا مسلک بنا کر مذہبی کشیدگی کو انتہا تک پہنچا دیا ۔ آریہ سماج تحریک کا بانی دیانند سرسوتی گجرات (کاٹھیاواڑ) کا رہنے والا تھا ۔ پنجاب کی سرزمین کو اپنی جارحانہ و متشددانہ تحریک کے لیے زرخیز پا کر یہاں آیا اور اس شدت کے ساتھ شہروں اور دیہاتوں میں اسلام ، بانی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہریلا پرچار شروع کیا کہ خفتہ حال مسلمانوں کو بھی اپنی مدافعت کے لیے میدان میں نکلنا پڑا ۔ جگہ جگہ مباحثے اور مناظرے ہونے لگے ۔ عیسائی مشنریوں کے بعد آریہ سماجیوں کی پیدا کردہ اس مناظرانہ فضا کے باعث پنجاب میں مذہبی فضا تلخ اور ناخوشگوار صورت اختیار کرنے لگی ۔ گئو رکھشا اور ناگری ہندی کے نام پر جا بجا سبھائیں قائم ہو گئیں ۔ سکھوں نے بھی سنگھ سبھائیں بنا کر ہندوؤں کی تقلید شروع کی ۔ مختلف شہروں میں مسلمانوں نے بھی اپنے دفاع اور قومی فلاح و بہبود کے لیے انجمنیں بنائیں ۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کی بنا ۱۸۸۴ء میں ڈالی گئی ۔ اردو ہندی تنازعے اور میونسپل کمیٹیوں کے انتخابات نے ۱۸۸۱ء کے بعد فضا کو اتنا زہر آلود کر دیا کہ برصغیر کے دوسرے علاقوں کی بہ نسبت پنجاب میں ہندو مسلم کشیدگی تشویشناک صورت اختیار کر گئی ۔ ۱۸۸۳ء اور ۱۸۹۱ء کے درمیانی عرصے میں معمولی مقامی جھگڑوں کے علاوہ پنجاب میں پندرہ بڑے بڑے فسادات ہوئے اور اپنے پیچھے کدورت کا غبار چھوڑ گئے ۔ ان حالات میں سامراجی حکمرانوں کو بھی اپنی بے لچک غیر جانب دارانہ حکمت عملی پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ۔ کیونکہ جو لاوا پنجاب میں پک رہا تھا وہ کسی وقت بھی مہلک صورت اختیار کر سکتا تھا اور اس میں استعمار کی ناؤ بھی ڈوب سکتی تھی ۔ میونسپل کمیٹیوں کے انتخابات میں جداگانہ نیابت، ملازمتوں میں مسلمانوں کی اشک شوئی اور زرعی زمینوں پر بنیوں ، ساہوکاروں اور غیر کاشتکاروں کے بڑھتے ہوئے دباؤ کو کم کرنا خود سامراجی حکمرانوں کے اپنے مفاد کے لیے ضروری ہوگیا تھا ۔ فرنگی افواج اور پولیس میں پنجابی مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی تھی اور برطانوی سلطنت کو جو خطرات در پیش تھے ان میں سامراج کو اپنی بقا کے لیے ان مسلمان جوانوں کے خون کی ضرورت تھی ۔ اندریں حالات تعلیم و اقتصاد میں مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی بے چینی کو دور کرنا بہت ضروری ہوگیا تھا ۔ جس طرح سرحدی علاقوں کی صورت حال نے ۱۸۷۰ء میں وائسرائے ہند لارڈ مئیو کو مسلمانوں کے بارے میں برطانوی پالیسی پر نظرثانی کے لیے مجبور کیا تھا ، کم و بیش اسی طرح کے حالات کے تحت بیس سال بعد پنجاب میں بھی انگریزوں کو اپنی حکمت عملی کے تبدیل کرنے کا احساس پیدا ہوا ۔ کافی عرصے تک نئی پالیسی کے اختیار کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا گیا ۔ سامراجی حکمرانوں کا وقار ، رعب اور بالادستی کا احساس

فوری عملدرآمد کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا تھا ۔ بالآخر زرعی زمینوں کی منتقلی کو روکنے کا قانون بنایا گیا اور ملازمتوں میں مسلمانوں کے خلا کو دور کرکے پنجاب کی مختلف قوموں کے درمیان توازن پیدا کرنے کی نئی حکمت عملی قدم پھونک پھونک کر اختیار کی گئی ۔ اس حکمت عملی نے انتہا پسند ہندو قوم پرستوں کو مسلمانوں کے ساتھ ساتھ انگریزوں کے خلاف بھی صف آرا کردیا ۔ پنجاب میں لالہ لاجپت رائے ہندو قوم پرستی کی اسی لہر کے نمائندے بن کر ابھرے ۔

انیسویں صدی کے ربع آخر میں پنجاب کی یہ غبار آلود فضا مستقبل کے سیاسی افق پر تمہید بن کر چھا رہی تھی ۔ جدید مغربی تعلیم و افکار کے ساتھ نیا قومی و سیاسی شعور جنم لے رہا تھا ۔ پنجاب کی نوجوان تعلیم یافتہ نسل بھی انیسویں صدی کے ختم ہونے کے ساتھ اس شعور و احساس سے بہرہ ور ہوکر میدان عمل میں نکل رہی تھی ۔

اس دور کے کشیدہ ماحول میں انجمن پنجاب جیسی معتدل تعلیمی و ادبی تحریک بھی آخر دم توڑ گئی ۔ تاہم علم و ادب کے میدان میں اس تحریک نے جو روایت قائم کی تھی ، وہ نئے حالات کے ساتھ آگے بڑھتی رہی ۔ اورینٹل کالج انجمن پنجاب کی آخری یادگار کے طور پر باقی رہ گیا اور اس کی حیثیت بھی روز بروز بدلتی جا رہی تھی ۔ آریہ سماج نے اپنے تعلیمی ادارے قائم کیے اور ہندو عصبیت کے فروغ اور تربیت کے لیے اخبارات بھی جاری کیے ۔ مسلمانوں نے انجمن حمایت اسلام کے ذریعے اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے شروع کیے ، اور سکھوں نے بھی اپنی انفرادیت کا بھرم قائم رکھتے ہوئے ان کی تقلید میں قدم آگے بڑھائے ۔ اس طرح پنجاب میں ہندو ، مسلم ، سکھ بنیادوں پر قومی تعلیمی اداروں کا قیام انجمن پنجاب کی مشترکہ تعلیمی تحریک پر غالب آنے لگا ۔ اس سے قبل پنجاب کے چند بڑے شہروں میں حکومت ، والیان ریاست اور عیسائی مشنریوں نے کالج بنائے تھے[1] ۔ ۱۸۸۸ء میں لاہور میں ڈی۔اے۔وی (دیانند اینگلو ویدک) کالج قائم ہوا جو آریہ سماج تحریک کا علمی مرکز بنا ۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کا اسلامیہ کالج ۱۸۹۲ء میں قائم ہوا ۔ خالصہ کالج امرتسر ۱۸۹۶ء میں اور ہندو کالج دہلی ۱۸۹۹ء میں قائم ہوئے ۔ علیحدہ علیحدہ قومی تعلیمی اداروں کے قیام سے جہاں اعلیٰ تعلیم کے رجحان میں جذبہ

---

۱ ۔ گورنمنٹ کالج لاہور (۱۸۶۴ء) ، فارمن کرسچین کالج لاہور (۱۸۶۶ء ، تین سال بعد پرنسپل ہنری کے انتقال کے بعد بند ہوگیا اور دوبارہ ۱۸۸۶ء میں کھلا) سینٹ سٹیفنز کالج دہلی (۱۸۸۲ء) ، مہندرا کالج پٹیالہ (۱۸۸۰ء) صادق ایجرٹن کالج بہاولپور (۱۸۸۲ء) میونسپل بورڈ کالج امرتسر (۱۸۸۸ء) ، سکاچ مشن کالج سیالکوٹ (۱۸۸۹ء) ، رندھیر کالج کپور تھلہ (۱۸۹۶ء)

مسابقت کی بدولت ترقی ہوئی وہاں ہندو ، مسلم ، سکھ اقوام کے درمیان اختلافات کی خلیج بھی وسیع سے وسیع تر ہونے لگی -

دیسی باشندوں کی یہ مخالفانہ صف آرائی ایک لحاظ سے فرنگی استعمار کے لیے مفید بھی تھی ، کیونکہ ثالث بالخیر کی حیثیت سے ''صاحب'' کی پوزیشن مضبوط ہو رہی تھی - وکٹورین عہد کا سامراجی مزاج اپنی شفقت اور ہیبت کی متضاد خصوصیات کے ساتھ مقامی باشندوں کے لیے حیرت انگیز تھا - انگریز حکمران اپنے دفتروں ، عدالتوں اور کچہریوں میں رعایا کے لیے مہربان 'مائی باپ' کا درجہ رکھتے تھے اور اپنی الگ بستیوں (کنٹونمنٹ اور سول لائنز ایریا) اور کلبوں ، ہوٹلوں اور تفریح گاہوں میں جا کر حکمران قوم کا لبادہ پہن لیتے اور کوئی دوسری ہی مخلوق بن کر ہیبت کا نمونہ بن جاتے تھے - لاہور کا لارنس گارڈن اسی لیے اس زمانے میں دیسی باشندوں کے لیے شجر ممنوع کی حیثیت رکھتا تھا اور ہائی کورٹ کے پاس شاہراہ مال پر پنجاب کے پہلے لیفٹننٹ گورنر سرجان لارنس کا مجسمہ ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے ہاتھ میں قلم پکڑے محکوم پنجابیوں سے اس تحکمانہ لہجے میں مخاطب تھا :

"By which will you be governed ?"

بیسویں صدی کی سیاسی بیداری کے بعد اگرچہ یہ الفاظ یوں بدل دیے گئے تھے :

"I served you with pen and sword !"

لیکن الفاظ سخت ہوں یا نرم ، ان کا استعماری مفہوم ایک ہی تھا اور انیسویں صدی کے نصف آخر کا پنجاب اسی مفہوم کی تاریخی تعبیر تھا -

ڈاکٹر سید معین الرحمان*

عود ہندی

غالب کے اردو خطوں کا پہلا مجموعہ

وسط نومبر ۱۸۵۸ء میں منشی شیو نرائن آرام نے جو آگرے میں ایک مطبع کے سالک اور غالب کے شاگرد تھے ، غالب کے اردو خطوط کا مجموعہ چھاپنے کا ارادہ کیا تو غالب کے لیے یہ قطعی نئی اور زائد بات تھی ۔ انھوں نے اس تجویز کی مخالفت کرتے ہوئے بڑے واضح الفاظ میں شیو نرائن کو لکھا کہ :

''اردو کے خطوط جو آپ چھاپا چاہتے ہیں ، یہ بھی زائد بات ہے ۔ کوئی رقعہ ایسا ہوگا کہ جو میں نے قلم سنبھال کر اور دل لگا کر لکھا ہوگا ، ورنہ صرف تحریر سرسری ہے ۔ اس کی شہرت میری سخنوری کے شکوہ کے منافی ہے ۔ اس سے قطع نظر کیا ضرور ہے کہ ہمارے آپس کے معاملات اوروں پر ظاہر ہوں ۔ خلاصہ یہ کہ ان رقعات کا چھاپا میرے خلاف طبع ہے ۔''[1]

[محررہ : ۱۸ نومبر ۱۸۵۸ء]

اردو خطوں کی اس اشاعت کی تجویز میں منشی ہرگوپال تفتہ بھی ، شیو نرائن کے شریک تھے اور بضد تھے کہ خط ضرور چھاپے جائیں ۔ ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء کے ایک خط میں غالب نے تفتہ کو لکھا کہ :

''رقعات کے چھاپے جانے میں ہماری خوشی نہیں ہے ۔ لڑکوں کی سی ضد نہ کرو اور اگر تمھاری اسی میں خوشی ہے تو صاحب مجھ سے نہ پوچھو ، تم کو اختیار ہے ۔ یہ امر میرے خلاف رائے ہے ۔''[2]

اسی روز ۲۰ نومبر ۱۸۵۸ء کے ایک دوسرے خط میں غالب نے اپنے پچھلے خط کے حوالے سے منشی شیو نرائن کو لکھا کہ :

''رقعوں کے چھاپنے کے بارے میں ممانعت لکھ چکا ہوں ، البتہ اس باب میں میری رائے پر تم کو عمل کرنا ضرور ہے ۔''[3]

آرام اور تفتہ کی تحریک و تجویز نے ، جسے ۱۸۵۸ء میں زائد بات کہہ کر جھٹک دیا گیا تھا ۱۸۶۲ء میں چوہدری عبدالغفور سرور کے ہاتھوں عملی شکل اختیار کی اور بالاخر ۱۸۶۸ء میں یہ تجویز ''عود ہندی'' کے نام سے حقیقت بن کر ابھری[4]

---

* پروفیسر و صدر شعبۂ اردو ، وائس پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ، فیصل آباد

اور اس کی خوشبو "ہند و سند" میں ہر چہار طرف پھیل گئی ۔ "عود ہندی" بارش کا پہلا قطرہ ثابت ہوئی اور اس کے بعد غالب کے اردو مکاتیب کی جمع و ترتیب کے کام کا ایک تار بندھ گیا ، جس کا سلسلہ کسی نہ کسی شکل میں عہد موجودہ تک چلا آتا ہے ۔

مولانا غلام رسول مہر کا یہ احساس بالکل بجا ہے کہ :

چودھری عبدالغفور خاں سرور ، میرزا غالب کے مخلص نیازمندوں میں اس اعتبار سے بطور خاص ممتاز ہیں کہ انھیں سب سے پہلے (جب) اردو مکاتیب کی جمع و ترتیب کا خیال آیا (تو) میرزا تفتہ یا شیو نرائن آرام کی طرح (وہ) میرزا غالب سے اجازت لینے کے تکلف میں نہ پڑے ، بلکہ اپنے نام کے ، نیز حضرت صاحب عالم مارہروی اور حضرت شاہ عالم کے نام کے خطوط مرتب کرکے ان کا نام "مہر غالب" رکھا اور اس پر ایک دیباچہ بھی لکھ دیا ۔ یہ مجموعہ صرف "عود ہندی" ہی کا جوہر نہ بنا بلکہ حقیقتاً اسی آغاز کے نتیجے میں مکاتیب غالب کے مختلف مجموعے مرتب کرنے کی طرف توجہ منعطف ہوئی ۔ "عود ہندی" ، "اردوئے معلیٰ" ، "مکاتیب غالب"[۵] ، "نادرات غالب"[۶] وغیرہ "مہر غالب" ہی کی وجہ سے منظر عام پر آئے"۔[۷]

"عود ہندی" کی جمع و ترتیب کے بارے میں چودھری عبدالغفور سرور کے دیباچے کے علاوہ ، صاحب مطبع ، محمد ممتاز علی خاں کے ابتدائی کلمات سے جو کوائف سامنے آتے ہیں ، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ چودھری عبدالغفور سرور جو مارہرہ ضلع ایٹہ ، یو-پی کے رئیس تھے اور جن کے خانقاہ برکاتیہ ، مارہرہ کے سجادہ نشین ، حضرت صاحب عالم سے گھرے روابط تھے ، غالب کے نامہ ہائے اردو کی عبارت کے گھائل تھے ۔ سرور اپنے نام کے خطوط غالب سے تنہا متلذذ ہونے اور آپ ہی آپ مزہ اٹھانے کو خلاف انصاف جانتے ہوئے ، انھیں احباب کو بھی سنایا کرتے تھے اور غالب کے ان رقعات کے ضمن میں چودھری عبدالغفور سرور کا "دل مائل تمام بہ شہرت عام" تھا ۔

ادھر میرٹھ کے رئیس اور مطبع مجتبائی کے مہتمم ، محمد ممتاز علی خاں کو "مدت سے اس کا خیال" تھا کہ غالب کی "نثر اردو ، اوروں کی فارسی سے ہزار درجہ بہتر ہے ، اسے بھی ترتیب" دیا جائے ۔ حسن اتفاق کہ ممتاز علی خان ، رونق افزائے مارہرہ ہوئے اور سرور نے انھیں اپنے آمدہ رقعات غالب سنائے ۔ ممتاز علی خاں ، غالب کی نثر اردو ترتیب دیے جانے کے پہلے ہی مدت سے خواہاں تھے ، اب جو انھوں نے سرور کی زبانی رقعات غالب سنے تو بے اختیار کہہ اٹھے کہ "اگر وہ خطوط کہ بنام تمھارے آئے اور تم نے سنائے ہیں ، جمع کرو تو میں بیڑا اٹھاتا

ہوں'' ان کے چھاپے کا —— یہ پیش کش سرور کے عین حسب منشا تھی ، انھوں نے خط ترتیب دیے ، سال ترتیب کا قطعہ کہا ، دیباچہ لکھا اور یہ مجموعہ اشاعت کے لیے ممتاز علی خاں کے سپرد کیا ۔ اب ممتاز علی خاں صاحب کا بیان ہے کہ عرصے تک وہ سرگرم تلاش رہے ۔ ''جا بجا سے اور تحریریں مرزا صاحب کی بہم پہنچائیں ، بڑی محنت اٹھائی ، تب تمنا بر آئی'' اور یہ مجموعہ کہ ''عود ہندی'' اس کا نام ہے ، مرتب ہوا ۔

چودھری عبدالغفور کا دیباچہ اہتمامی زبان میں ہے ۔ لمبی چوڑی تمہید و گریز اور مدح و ثنا کے بعد لکھتے ہیں کہ میں آغاز شعور سے اہل سخن کا طالب اور خواہاں تھا ۔ جب غالب کا کلام دیکھا ، بہت متاثر ہوا :

''. . . ترسیل مراسلات میں قدم بڑھایا ، ہر کتابت کا جواب آیا . . . کبھی جواب مراسلہ میں تساہل و درنگ اور اصلاح شعر و عبارت میں دریغ اور ننگ نہ فرمایا ۔ جو نامہ کہ بنام میرے بہ عبارت اردو تحریر کیا ، مکتوب سادہ رویوں سے دل‌ربا تر، اور ہر سطر اس کی سلسلہ مویوں سے تاب‌فرسا زیادہ ہے ۔ جس آنکھ نے دیکھا وہ بینا ہے ، جس کان نے سنا وہ شنوا ہے ، پس تنہا متلذذ ہونا اور آپ ہی آپ مزہ اٹھانا خلاف انصاف جانا ۔ دل ، مائل تمام بہ شہرت عام ہوا اور ہنوز یہ قصد نا تمام تھا کہ بہ حسن اتفاق فخر زمان وحید دوران جناب ممتاز علی خاں صاحب متوطن میرٹھ . . . رونق افزائے مارہرہ ہوئے . . . ایک روز محفل ممدوح میں ذکر ہمہ دانی و شیوا بیانی جناب استاذی و مخدومی درمیان آیا ۔ ارشاد کیا کہ کلام مرزا صاحب نسیم جاں فزا اور شمیم دل کشا ہے ۔ فارسی کا کیا کہنا ، اردو بھی یکتا ہے ۔ نظم و نثر تو محلّی بہ حلیۂ انطباع ہوا ، لیکن نثر اردو زیور طبع سے عاری رہا ۔ اگر وہ خطوط کہ بنام تمھارے آئے اور تم نے سنائے ہیں ، جمع کرو تو میں بیڑا اٹھاتا ہوں ۔ اس تقریر سے نسیم تاثیر نے غنچۂ دل کھلایا ۔ منشأ خاطر ظہور میں آیا ۔ وہ مکتوب کہ بنام میرے آئے تھے ترتیب دیے ، گویا جواہر بے بہا کان قلم دان سے نکال کر کشتی اوراق میں جمع کیے ۔ چونکہ محبت جناب غالب میرے حال پر بہت غالب ہے ، لہذا نام اس انشا کا ''مہر غالب'' (بکسر میم) مناسب ہے ۔ سال ختم تالیف بھی اس نام سے مطابق پایا ، طبیعت اور بڑھی ، تحریر تاریخ کو دست قلم بڑھایا :

انشا مملو بہ صد مطالب لکھی	یعنی پئے دوستان طالب لکھی
موسوم کیا جو ''مہر غالب'' سے سرور	تاریخ بھی اس کی ''مہر غالب'' لکھی[۸]

''مہر غالب'' سے ۱۲۷۸ کا عدد حاصل ہوتا ہے جو ۶۲-۱۸۶۱ سنہ عیسوی

کے مطابق ہے ۔ یہ اس اور آتنے حصہ' کتاب کا سال اتمام ہے جیسے چودھری
بدالغفور سرور نے مرتب کیا ، لیکن بحیثیت مجموعی پوری کتاب کی ترتیب کا کام
گست ۱۸۶۶ء میں انجام پایا اور کتاب کی طباعت کہیں اکتوبر ۱۸۶۸ء میں جا کر
تکمل ہوئی ، اس کی تفصیل آگے آتی ہے ۔

ابتداً ۶۲-۱۸۶۱ء میں سرور نے ''مہر غالب'' کے نام سے انشائے غالب مشتمل
ر رقعات کا مجموعہ مرتب کرکے بغرض اشاعت محمد ممتاز علی خاں کے حوالے کیا ،
ںتاز علی خاں کا بیان ہے کہ :

''بندے سے خدا کی تعریف ہو کیا مجال ہے . . . بندہ سراپا عصیاں محمد ممتاز علی خاں جب اپنے کو اس سے عاجز پاتا ہے تو حرف مطلب زبان پر لاتا ہے ۔ نجم الدولہ اسداللہ خاں بہادر غالب . . . سارا ہند انھیں جانتا ہے ۔ ایران تک ان کی جادو بیانی کا چرچا ہے ۔ مجھے مدت سے اس کا خیال تھا کہ فارسی تصنیفیں تو ان کی بہت مرتب ہوئیں اور چھاپی گئیں؟ ۔ لوگوں نے فیض اٹھائے ، تعویذ بازو بنائے مگر کلام اردو نے سوائے ایک دیوان کے ترتیب نہ پائی[۱۰] ، یہ دولت ارباب شوق کے ہاتھ نہ آئی ، حالانکہ نثر اردو ان کی اوروں کی فارسی سے ہزار درجہ بہتر ہے ۔ یہ سلامت بیان ، شستگی زبان ، روزمرہ کی صفائی اور ان کی شوخی کسی کو کب میسر ہے ۔ اسے بھی ترتیب دیجیے ۔ قدردانوں پر احسان کیجیے . . . مرزا صاحب کے شاگرد یکتا چودھری عبدالغفور صاحب سرور تخلص سے یہ ذکر آیا تو انھوں نے جتنے خطوط مرزا صاحب کے ان کے نام آئے تھے ، سب کو ایک جا کر کے اور اس پر ایک دیباچہ لکھ کے وہ مجموعہ عنایت کیا ۔

عرصے تک سر گرم تلاش رہا ، جا بجا سے اور تحریریں مرزا صاحب کی بہم پہنچائیں ۔ بڑی محنت اٹھائی تب تمنا بر آئی اور مجموعہ مرتب ہوا ۔ آج پورا اپنا مطلب ہوا ۔ خواجہ غلام غوث خاں بے خبر تخلص جو نواب معلی القاب لفٹننٹ گورنر بہادر ممالک مغربی و شمالی کے میر منشی اور میرے مخدوم خاص ، اور حضرت غالب صاحب کے مخلص با اختصاص ہیں ، اس تلاش میں میرے معین و مددگار رہے بہت کچھ ذخیرہ ان کی بدولت بہم پہنچا ''۔[۱۱]

گویا سرور نے ''مہر غالب'' کے نام سے جو خط جمع کیے تھے منشی محمد ممتاز علی خاں نے انھیں کافی نہ سمجھتے ہوئے ، مزید رقعات کی فراہمی کو ضروری خیال کیا ، عرصے تک سرگرم تلاش رہے ، جا بجا سے کوشش کرکے اور تحریریں مرزا غالب کی بہم پہنچائیں ، تب ان کی تمنا بر آئی اور یہ مجموعہ مرتب ہوا ۔ فراہمی مکاتیب کی اس مہم میں محمد ممتاز علی خاں نے منشی غلام غوث بے خبر کو اپنا

''معین و مددگار'' بتاتے ہوئے اعتراف کیا ہے کہ ''بہت کچھ ذخیرہ ان کی بدولت بہم پہنچا'' لیکن ساتھ ہی وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ :

''اس کتاب کی دو فصل اور ایک خاتمہ ہے۔ پہلی فصل میں چودھری صاحب کے مرتب کیے ہوئے خطوط اور ان کا لکھا ہوا دیباچہ ، دوسری فصل میں میرے جمع کیے ہوئے رقعات اور خاتمے میں چند نثریں ہیں جو جناب غالب نے اوروں کی کتابوں پر تحریر فرمائی ہیں''۔[۱۲]

یعنی کتاب میں دو فصلیں اور ایک خاتمہ ہے :

۱۔ پہلی فصل میں چودھری صاحب کے مرتب کیے ہوئے خطوط اور ان کا لکھا ہوا دیباچہ ۔

۲۔ دوسری فصل میں میرے (محمد ممتاز علی خاں کے) جمع کیے ہوئے رقعات ۔

۳۔ خاتمے میں چند نثریں جو غالب نے اوروں کی کتابوں پر تحریر فرمائیں ۔

یہاں منشی غلام غوث بے خبر درمیان سے بالکل نکل ہی گئے ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مجموعے کی ترتیب و تدوین میں بے خبر کے انہاک اور ان کی محنت اور مساعی کو سب سے زیادہ دخل رہا ہے ، لیکن کتاب چونکہ ممتاز علی خاں اور چودھری عبدالغفور سرور کے دیباچے کے ساتھ چھپی ، اس لیے مرتب اصلی یعنی بے خبر ، پس منظر میں چلے گئے اور ممتاز علی خاں کے بیان میں صرف ضمناً ان کی معاونت کا ذکر آ گیا جبکہ اصلاً یہ ذخیرہ بہت کچھ بے خبر ہی کی بدولت بہم پہنچا ۔

سرور نے منشی ممتاز علی خاں کی فرمائش پر رقعات غالب جمع کیے اور اس پر دیباچہ لکھا ۔ یہ مجموعہ اور دیباچہ خواجہ غلام غوث بے خبر کے پاس آیا اور مزید خطوط کی فراہمی اور ترتیب کے سلسلے میں کئی سال ان کی تحویل میں رہا ۔ ''فغان بے خبر'' اور ''انشائے بے خبر'' کے نام سے خواجہ غلام غوث بے خبر کے خطوں اور تقریظوں وغیرہ کے دو مجموعوں میں غالب اور بعض دیگر اصحاب کے نام بے خبر کے خطوط ، اس امر پر شاہد ہیں کہ حقیقتاً ''عود ہندی'' کی ترتیب کا کام صحیح معنی میں انھی نے انجام دیا اور اس کار ضروری میں انھیں غالب کی تائید استمداد اور مشورت و رہنمائی بھی حاصل رہی ۔ ''انشائے بے خبر'' میں غالب کے نام ایک خط سے ''عود ہندی'' کی ترتیب و تدوین اور اس میں بے خبر کے دخل اور دل چسپی پر روشنی پڑتی ہے ۔ لکھتے ہیں :

''حضرت ، نسخہ ''عود ہندی'' کا ممتاز علی خاں صاحب کی فرمایش سے مرتب ہو رہا ہے ۔ چودھری عبدالغفور سرور صاحب کے پاس سے آپ کے

خطوط اور ان کا دیباچہ آ گیا ۔ میں نے سوائے اس کے کہ آپ سے بہت کچھ حاصل کیا کالپی اور لکھنئو اور بریلی اور گورکھپور اور اکبر آباد سے آپ کی تحریریں فراہم کیں*، خود سب کو دیکھا ، جو مضامین لائق اعلان کے نہ تھے ، ان کو نکال ڈالا ۔ کاتب لکھ رہا ہے ، میں مقابلہ کرتا ہوں ۔ اب تک بڑے ورقوں کے دس جزو مرتب ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں ۔ امید ہے کہ ادھر [اگست] کا آغاز ہو ، ادھر اس مجموعے کا انجام ہو ۔ میں اپنے حق سے ادا ہوں ، چھپوانے کے لیے ان کے حوالے کروں ۔ اس وقت بھی مقابلے میں مصروف ہوں ، پڑھتے پڑھتے آپ کو لکھنے کا خیال آیا کہ

* پنڈت مہیش پرشاد لکھتے ہیں :

''اس بنا پر یہ ضرور ہے کہ موسومہ ذیل حضرات کے نام کے خطوط خواجہ صاحب نے خود جمع کیے ، البتہ یہ ممکن ہے کہ ان کی فراہمی میں منشی محمد ممتاز علی صاحب سے (کچھ) مدد ملی ہو :

انورالدولہ شفق (کالپی) ، مہر (آگرہ) ، عبدالرزاق مچھلی شہری ، اس زمانے میں گورکھپور میں مقیم تھے ، جنون (بریلی) ، مفتی عباس (لکھنئو) ، مولوی عزیزالدین ، رعنا شیفتہ وغیرہ ۔

خواجہ صاحب چونکہ اس صوبے کے اعلیٰ حاکم کے میر منشی تھے اور ایک ادیب بھی تھے ، لہذا اس صوبے سے تعلق رکھنے والی تحریروں کو وہ بآسانی اِک جا کر سکے ۔ باقی جس طرح مولوی عبدالغفور نساخ کے نام کے خط کا مسودہ خواجہ بے خبر صاحب کے پاس غالب نے خود بھیجا تھا ، اسی طرح ممکن ہے کہ ان حضرات کے خطوط کی نقلیں بھی مرزا غالب ہی نے خواجہ بے خبر صاحب کو بھیجی ہوں ، جیسا کہ خود لکھتے ہیں کہ مرزا غالب سے ''بہت کچھ حاصل کیا :'' مجروح ، سرفراز حسین ، علائی ، تفتہ ، مرزا یوسف علی عزیز ا ر ظہیرالدین کی طرف سے خط''۔[۱۴]

(مہیش پرساد ، ہندوستانی ، الہ آباد ، اکتوبر ۱۹۳۵ء ، صفحہ ۳-۴۷۲)

میرزا رحیم بیگ میرٹھی کے نام طویل خط پہلے ہی الگ رسالے کی صورت میں چھپ چکا تھا'' ، بے خبر کو آسانی سے مل گیا ہوگا ۔ نساخ کے نام کا خط خود غالب نے بے خبر کو بھیجا ۔ انورالدولہ کے نام کا کم از کم ایک خط تو یقیناً غالب کے ایماء پر غالب کو ملا اور خود بے خبر کے نام کے ۲۵ خط بھی بے خبر کے ہاتھوں شامل کتاب ہوئے ۔ غرض یہ کہ ''عود ہندی'' کی ترتیب اور فراہمی مکاتیب میں بے خبر شریک غالب معلوم ہوتے ہیں ۔

نواب مصطفیٰ خاں صاحب شیفتہ ، منشی حبیب اللہ صاحب ذکا ، میاں داد صاحب سیاح ، ان حضرات کے پاس بھی آپ کے رقعات ضرور ہوں گے ۔ آپ انھیں ایماء کریں کہ جس کے پاس جو کچھ ہو ، بسبیل ڈاک میرے پاس بھیج دیں ۔ رامپور تو میں نے خود لکھا ہے ۔ شاید وہاں سے بھی کچھ آ جائے ۔ جب تک کتاب تمام ہو ، اور جس قدر خطوط ہاتھ آویں اور اس میں شامل ہوں غنیمت ہے''[۱۴]

اتفاق سے اس خط کا جواب بھی محفوظ ہے ، غالب لکھتے ہیں :

''آپ کو معلوم رہے کہ منشی حبیب اللہ ذکا اور نواب مصطفیٰ خاں (شیفتہ) حسرتی کو کبھی اردو خط نہیں لکھا ۔ ذکا کو غزل اصلاحی کے ہر شعر کے تحت میں منشاء اصلاح سے آگہی دی جاتی ہے ۔ نواب صاحب (شیفتہ و حسرتی) کو یوں لکھا جاتا ہے :

''کہار آیا ، خط لایا ، آم پہنچے ، کچھ بانٹے ، کچھ کھائے ، بچوں کو دعا ، بچوں کی بندگی ۔ مولوی الطاف حسین صاحب کو سلام—''

یہ تحریر اس ہفتے میں گئی ہے ۔ غرض کہ عامیانہ لکھنا اختیار کیا ہے ۔ اب یہ عبارت ، جو تم کو لکھ رہا ہوں ، یہ لائق شمول مجموعۂ نثر اردو کہاں ہے ؟ یقین جانتا ہوں کہ ایسی نثروں کو آپ خود نہ درج کریں گے ۔''[۱۶]

مولانا غلام رسول مہر کے بقول :

''غالب کا یہ بیان صحیح نہیں ، اغلب ہے کہ میرزا غالب کو یاد نہ رہا ہو ۔ حبیب اللہ ذکاء کے نام کم و بیش پندرہ خط مجموعۂ مکاتیب میں شامل ہیں ۔ ان کی ابتدا جولائی ۱۸۶۳ء سے ہوئی اور یہ سلسلہ جنوری ۱۸۶۸ء تک برابر جاری رہا ۔ نواب صاحب مصطفیٰ خاں کے نام بھی کم از کم ایک خط مجموعے میں موجود ہے ۔ اغلب ہے میرزا غالب کا خیال یہ ہو کہ نواب صاحب کو عموماً ایسے خط اردو میں نہیں لکھے گئے جو مجموعے میں شامل ہونے کے لائق ہوں ۔ ان میں سے ایک خط کی عبارت بھی مثالاً درج کر دی ۔ مصطفیٰ خاں شیفتہ و حسرتی کو غالباً کوئی تازہ خط اس مضمون کا بھیجا گیا تھا ۔''[۱۷]

خواجہ غلام غوث بے خبر کے مذکورہ خط اور غالب کے جواب خط سے دو اہم باتیں سامنے آتی ہیں :

۱۔ غالب کے خطوں میں ایسے مضامین کو نکال دیا گیا ، جنھیں بے خبر نے اعلان کے لائق نہیں سمجھا ۔

۲۔ غالب نے بے تکلف دوستانہ خطوط کو جنھیں وہ بہ عبارت ''عامیانہ'' بتاتے ہیں ۔ مجموعے میں درج کرنے سے منع کر دیا تھا ۔ گویا صرف ایسے خطوں کے شمول کی اجازت تھی جو علمی و فنی مباحث پر مبنی ہوں یا جن میں بطریق انشا پردازی ، عبارت آرائی کی گئی ہو ۔

لیکن ''عود ہندی'' کے نام سے جو مجموعہ سامنے آیا ، معلوم ہوتا ہے کہ اس یں اس دوسری بات کا سختی سے لحاظ نہیں رکھا گیا اور بے تکلف دوستانہ خطوط و بھی جنھیں دراصل خطوط غالب کی جان سمجھنا چاہیے ، اس مجموعے میں کسی در جگہ مل گئی ہے ۔

غالب نے ، بے خبر کے نام اپنے مذکورہ بالا خط کے آخر میں یہ بھی لکھا تھا کہ :

جناب کیمسن صاحب بہادر افسر مدارس غرب و شمال کا ، باوجود عدم تعارف ، خط مجھ کو آیا ۔ ۔ ۔ نظم و نثر اردو طلب کی تھی ۔ مجموعہ نظم بھیج دیا ۔ نثر کے باب میں تمھارا نام نہیں لکھا ، مگر یہ لکھا کہ مطبع الہ آباد* میں وہ چھاپا جاتا ہے ۔ بعد انطباع و حصول اطلاع ، وہاں سے منگوا کر بھیج دوں گا ۔''[۱۸]

اس کے جواب میں بے خبر نے غالب کو لکھا کہ :

''منشی ممتاز علی خاں صاحب کو میں نے کل لکھا کہ آپ ایک عرضی جناب کمسن صاحب بہادر افسر مدارس کے حضور میں بھیج دیں اور اس میں یہ لکھیں کہ حضرت غالب نے آپ کو جس مجموعہ نثر کا ذکر لکھا ہے ، اُسے میں مرتب کرتا ہوں ، عنقریب چھپنا شروع ہوگا ۔ کچھ جلدیں مدرسوں کے لیے آپ بھی خریدیں تو آپ کی اس اعانت سے کتاب جلد چھپ جائے ۔ اس سے بہتر اور کوئی طریقہ ، صاحب تک اس ذکر پہنچانے کا میری رائے میں نہ آیا ۔''[۱۹]

اسی خط میں بے خبر نے غالب کو مطلع کیا اور اُن سے پوچھا کہ :

''جابجا سے جو آپ کے خطوط جمع کیے گئے ، وہ اصل تو کہیں سے آئے نہیں ، نقلیں آئیں ۔ سرور کے نام کے ایک خط میں جلال اسیر کا ایک مصرعہ لکھا ہے ، وہ اسی قدر پڑھا جاتا ہے ۔ ''ز غیر در شکر آب است'' مارہرے

*بے خبر کا قیام الہ آباد میں تھا غالباً اس بنا پر غالب کو یہ خیال ہوا کہ مجموعہ وہیں چھپ رہا ہوگا ۔

والوں کے خط کا حال تو آپ پر خوب ہویدا ہے دوسرے لفظ ''پنشن''
کو کہیں مذکر لکھا ہے اور کہیں مونث ، آپ تو اسے مخنث کیوں بناتے ،
مگر یہ خرابی بھی کاتب سے ہوئی ہے ۔ ان دونوں کی تصحیح لکھیے تو
کتاب میں صحیح لکھ دیا جائے ۔''۲۰

ک دوسرے خط میں بے خبر نے غالب کو لکھا کہ :

''یہ جو میں نے عرض کیا تھا کہ مرزا محمد خاں صاحب سے اپنی اردو
نثریں لے کر مجھے بھیجئے گا ، اس کا کچھ جواب ہی ارشاد نہ ہوا ۔''۲۱

''عود ہندی'' طبع اول میں تفتہ کے نام غالب کا ایک خط شامل ہے (صفحہ
۹-۱۰۰) ۔ غالب کے ایک خط بنام بے خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ بے خبر نے
الب سے تفتہ کے نام کے خط فراہم کرنے کی تحریک بھی کی تھی ۔ غالب جواباً
کھتے ہیں کہ :

''حضرت پیرو مرشد ! اس سے آگے آپ کو ۔ ۔ ۔ لکھ چکا ہوں کہ تفتہ کو
میں نے خط نہیں لکھا ۔ اشعار اُن کے آئے ، اصلاح دے دی ۔ منشاء اصلاح
جابجا حاشیے پر لکھ دیا ۔ کل جو عنایت نامہ آیا ، اُس میں بھی ۔ ۔ ۔ تفتہ کے
خطوط کا حکم مندرج پایا ۔ ناچار تحریر سابق کا اعادہ کرکے حکم بجا لایا ۔''۲۲

غالب کا یہ جواب تو کسی طرح بھی قابل قبول نہیں کہ تفتہ کو انھوں نے
ط لکھے ہی نہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ غالب کے محفوظ اردو خطوط ، سب سے زیادہ
تہ ہی کے نام ہیں ۔ یہ تعداد میں سوا سو کے لگ بھگ ہیں اور ابھی جیسا کہ
لانا غلام رسول مہر نے بھی لکھا ہے ،۲۳ یقین ہے کہ خاصے خط تلف بھی ہوگئے ۔
لاً تفتہ کے نام دستیاب خطوں میں زمانی اعتبار سے جو پہلا خط ہے ، اُس کی عبارت
ں سے ظاہر ہے کہ یہ پہلا خط نہیں بلکہ اس سے پیشتر کے خطوط بھی ہونے
ہییں جو نہیں مل سکے ۔ پھر ۱۸۴۸ء ، ۱۵۸۰ء ، ۱۸۵۶ء اور ۱۸۵۷ء کا
رف ایک ایک خط ہے ۔ یہ امر قرین قیاس نہیں کہ گہرے تعلقات کے باوصف
، برسوں میں صرف ایک ایک خط لکھا گیا ہو ۔ مزید برآں غالب کے دستیاب
طوں میں تفتہ کے نام ۱۸۶۵ء کے بعد کا کوئی خط نہیں ، حالانکہ تفتہ کے روابط ،
کوئی وجہ نہیں کہ غالب سے آخر وقت تک استوار نہ رہے ہوں ۔

میرا خیال ہے کہ غالب نے اگر واقعتاً تفتہ ہی کے بارے میں یہ لکھا ہے تو
ں میں یہ مصلحت کارفرما رہی ہوگی کہ تفتہ کے نام کے خطوں کی فراہمی کی فکر
ں کتاب پڑی ہی نہ رہے ، جلدی سے چھپ کر ایک طرف ہو ۔ بصورت دیگر یہ
الب کا سہو قلم ہے یا اس میں کاتب کی کرشمہ سازی کو دخل ہے ۔ غالب کے

خط کا جملہ یہ ہے :

''اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ تفتہ کو میں نے خط نہیں لکھا ۔ اشعار ، اُن کے آئے اصلاح دے دی ، منشاء اصلاح جابجا حاشیے پر لکھ دیا ۔''۲۴

بے خبر کے نام ''اس سے آگے'' کے کسی خط میں تفتہ کا ذکر نہیں آیا ۔ ذکا کے بارے میں غالب نے ضرور بے خبر کو یہ لکھا تھا کہ :

''ذکا ۔ ۔ ۔ کو کبھی اردو خط نہیں لکھا ۔ ۔ ۔ غزل اصلاحی کے ہر شعر کے تحت میں منشاء اصلاح سے آگہی دی جاتی ہے ۔''۲۵

غالباً زیر بحث خط میں بھی ذکا ہی لکھنا چاہا ہوگا ، تفتہ لکھا گیا یا کاتب کو سہو ہوا اور وہ ''ذکا'' کی جگہ ''تفتہ'' لکھ گیا یا اُس نے ''ذکا'' کو پڑھاہی ''تفتہ'' اور تفتہ لکھ دیا ۔

بہرنوع یہ تمام شواہد اس امر پر مظہر ہیں کہ بے خبر کو ''عود ہندی'' کی جمع و ترتیب میں کس درجہ انہاک اور دخل تھا ۔ جزئیات تک پر اُن کی نظر رہی اور اس بارے میں خود غالب سے نہ صرف اُن کا رابطہ رہا بلکہ انھیں برابر غالب کی تائید اور اعانت بھی حاصل رہی ۔ غالب نے اپنی بعض تحریریں مجموعے میں شمولیت کی غرض سے خود بے خبر کو بھیجیں ۔ ایک خط میں انھیں لکھتے ہیں :

''پیرو مرشد ، کوئی صاحب ڈپٹی کلکٹر ہیں کلکتے میں ۔ مولوی عبدالغفور اُن کا نام اور نساخ اُن کا تخلص ہے ۔ میری اُن کی ملاقات نہیں ۔ انھوں نے اپنا دیوان چھاپے کا موسوم بہ ''دفتر بے مثال'' مجھ کو بھیجا ۔ اس کی رسید میں یہ خط میں نے اُن کو لکھا ۔ چونکہ یہ خط مجموعۂ نثر اردو کے لائق ہے ، آپ کے پاس ارسال کرتا ہوں ۔''۲۶

نساخ کے نام غالب کا یہ مرصع اور پرتکلف خط ''عود ہندی'' طبع اول میں موجود ہے (صفحہ ۱۲۵-۱۲۶)۔ اس خط کی ایک اہمیت یہ ہے کہ باعتبار مضمون اور باعتبار انشا و عبارت ، اس خط کا تجزیہ کرکے ، غالب کے اُس تصور کا تعین کیا جا سکتا ہے ، جو وہ اپنے لائق اشاعت رقعات کے بارے میں رکھتے تھے ۔ اسی طرح ایک اور خط میں بے خبر کو لکھتے ہیں کہ :

''میرے ایک رشتے دار کے بھتیجے نے ''بوستان خیال'' کا اردو میں ترجمہ کیا ہے ۔ میں نے اُس کا دیباچہ لکھا ہے ۔ ایک دو ورقہ اس کا بصورت پارسل بلکہ بہ ہیئت خط بھیجتا ہوں ۔ آپ کا مقصود دیباچہ ہے ، سو نقل کر لیجیے ۔''۲۷

یعنی اشارہ ہے کہ اس کا دیباچہ، میرے اس مجموعۂ نثر کے لیے نقل کر لیجیے جو آپ ترتیب دے رہے ہیں۔ ''بوستان خیال'' کی پہلی جلد کا یہ اردو ترجمہ ''حدائق انظار'' کے نام سے خواجہ بدر الدین عرف خواجہ امان دہلوی نے کیا تھا۔ اس کا دیباچہ مرقومۂ غالب ''عود ہندی'' طبع اول کے خاتمے (صفحہ ۱۸۲-۱۸۴) میں موجود ہے۔

۱۵ فروری ۱۸۶۴ء کے ایک خط موسومہ انور الدولہ شفق کو غالب نے اس ''گزارش'' پر ختم کیا ہے:

''اگر ان سطور کی نقل میرے مخدوم مولوی غلام غوث خاں بہادر، میر منشی لفٹننٹ گورنری غرب و شمال کے پاس بھیج دیجیے گا تو آن کو خوش اور مجھ کو ممنون کیجیے گا۔''[28]

مطلب یہ ہے کہ میرے اس خط کی نقل، اس مجموعۂ نثر کے لیے بھیج دی جائے، جس کی ترتیب کا کام منشی غلام غوث بے خبر کے پیش نظر ہے۔

مختصر یہ کہ ''عود ہندی'' کی ترتیب میں بے خبر کی مساعی جمیلہ اور انہاک جلیلہ کو بے حد دخل تھا اور دربارۂ خاص انھیں غالب کی تائید بھی حاصل تھی۔ خواجہ غلام غوث بے خبر کے نام غالب کے ایک سے زیادہ خطوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ بے خبر نے باصرار و تکرار خواہش ظاہر کی تھی کہ غالب اپنے اس مجموعۂ نثر پر خود دیباچہ لکھیں۔ لیکن غالب، عذر علالت کی بنا پر اس کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ ایک خط میں غالب انھیں لکھتے ہیں:

حضرت پیرو مرشد، اس سے آگے آپ کو لکھ چکا ہوں کہ منشی ممتاز علی خاں صاحب سے میری ملاقات ہے اور وہ میرے دوست ہیں۔ یہ بھی لکھ چکا ہوں کہ میں صاحب فراش ہوں۔ اٹھنا، بیٹھنا ناممکن ہے۔۔۔ اس حال میں دیباچہ کیا لکھوں؟ کل جو عنایت نامہ آیا، اس میں بھی دیباچے کا اشارہ۔۔۔ مندرج پایا۔ ناچار تحریر سابق کا اعادہ کر کے حکم بجا لایا۔''[29]

یعنی عذر سابق کا اعادہ کر کے تعمیل ارشاد سے معذرت چاہ لی۔ بے خبر نے غالباً پھر دیباچے کے لیے کہا کہ بے دیباچہ، کتاب کیوں کر چھپے گی؟ غالب جواباً لکھتے ہیں کہ:

''بندہ پرور! اگر ایک بندۂ قدیم کہ عمر بھر فرمان پذیر رہا ہو، بڑھاپے میں ایک حکم بجا نہ لائے تو مجرم نہیں ہو جاتا۔ مجموعۂ نثر اردو کا انطباع اگر میرے لکھے ہوئے دیباچے پر موقوف ہے تو اس مجموعے کا چھپ جانا 'بالفتح' میں نہیں چاہتا بلکہ چھپ جانا 'بالضم' چاہتا ہوں۔ سعدی علیہ‌الرحمۃ فرماتے ہیں:

رسم است کہ مالکان تحریر آزاد کنند بندۂ پیر

آپ بھی اسی گروہ یعنی مالکان تحریر میں سے ہیں - پھر اس شعر پر عمل کیوں نہیں کرتے ؟''۳۰

اصل یہ کہ غالب اپنے مجموعے پر آپ دیباچہ لکھنے کے لیے آمادہ نہیں ہوئے - بے خبر نے ''عود ہندی'' کی جمع و ترتیب میں بہت وقت صرف کیا - خطوط کی فراہمی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی - غالب نے بھی اعانت اور استمداد کی - باایں ہمہ اس کوشش و کاوش کے باوجود بمشکل ہونے دو سو کے قریب خط جمع کیے جا سکے یا کہیے کہ لائق اشاعت اتنے ہی سمجھے گئے - بے خبر نے ان کی جلد بندھوائی اور اشاعت کی غرض سے مولوی ممتاز علی خاں کو بھیج دی - ''انشائے بے خبر'' کا ایک خط ، اس ضمن میں اہم ہے - بے خبر ، غالب کو لکھتے ہیں :

''جناب عالی ، میں نے ایک عریضہ اس سے پہلے آپ کو بھیجا ہے - اس میں یہ مطلب ، جواب طلب لکھا ہے کہ مولوی جہانگیرنگری نے جو رسالہ تصنیف کیا ہے ، اُس کا نام کیا ہے ؟ اور وہ کہاں چھپا ہے ؟ آج تک جواب نہیں - کیوں کر مجھے حیرت نہ ہو ، جب ترک جواب حضرت کی عادت نہ ہو - جواب عنایت کیجیے ، مجھے بلائے انتظار سے نجات دیجیے - الحمدللہ کہ ''عود ہندی'' کی ترتیب تمام ہوئی - جلد بندھوا کر آج منشی ممتاز علی خاں صاحب کی خدمت میں روانہ کر دی - اب چھپوانے میں دیر کریں یا جلدی ، انھیں اختیار ہے -''۳۱

اس خط پر ، بے خبر کے دوسرے خطوں کی طرح کوئی تاریخ درج نہیں ہے لیکن بعض داخلی قرائن سے یہ ۱۸۶۶ء کا قرار پاتا ہے - مولوی صاحب جہانگیر نگری کے جس رسالے کا بے خبر کے اس خط میں ذکر ہے ، اُس کا نام ''موید برہان'' ہے اور یہ رسالہ ۱۸۶۶ء میں مولوی احمد علی احمد جہانگیرنگری نے غالب کی ''قاطع برہان'' کے رد میں لکھا تھا اور کلکتے سے ٹائپ میں بہت اہتمام سے چھپا تھا - ایک دوست نے کلکتے سے غالب کو اس کی اطلاع دی - غالب نے محض اس اطلاع پر ''موید برہان'' کو دیکھے بغیر۳۲ اکتیس (۳۱) اشعار کا ایک فارسی قطعہ لکھا اور چھپوا کر نزدیک و دور احباب کو بھیج دیا - یہ ایک قطعہ ایک ورق پر اکمل المطابع ، دہلی میں چھپا - منشی حبیب اللہ ذکاء کے نام ۴ دسمبر ۱۸۶۶ء کے ایک خط میں اس کا ذکر اس طرح آیا ہے گویا یہ اس سے کچھ پہلے اور ذکاء کے نام پچھلے موجود خط مورخہ ۱۲ مئی ۱۸۶۶ء کے بعد چھپا تھا - اس قطعہ کا مطبوعہ عنوان یہ ہے :

''قطعہ در گزارش سپاس یاد آوری بعالی خدمت جناب مولوی آغا احمد علی صاحب جہانگیرنگری'' ۔

اور اس کا پہلا شعر یہ ہے :

مولوی احمد علی احمد تخلص نسخہ
در خصوص گفتگوی پارس انشا کردہ است

اس قطعہ میں مولوی احمد علی احمد جہانگیرنگری کے نسخے ''موید برہان'' کا نام کہیں نہیں آیا ۔ یقیناً یہی مطبوعہ[۳۳] قطعہ ، غالب نے بے خبر کو بھیجا ہوگا اور قدرتی طور پر انھیں مولوی صاحب جہانگیرنگری کے رسالے کا نام جاننے کا تجسس ہوا اور انھوں نے غالب سے پوچھا کہ اس رسالے کا نام کیا ہے اور وہ کہاں چھپا ہے ؟

اس خط کا زمانہ کتابت ۱۲ مئی سے ۴ دسمبر ۱۸۶۶ء کے مابین طے پاتا ہے ۔ اس میں انھوں نے ''عود ہندی'' کے ترتیب پا جانے اور اشاعت کے لیے اسے صاحب مطبع ممتاز علی خاں کے حوالے کر دینے کی اطلاع دی ہے ۔ لیکن اور ذریعے سے ''عود ہندی'' کے مسودے کا صاحب مطبع کے سپرد کیے جانے کا زمانہ ۱۲ مئی سے ۴ دسمبر ۱۸۶۶ء کے مقابلے میں اور زیادہ متعین طور پر معلوم ہو جاتا ہے ۔ صاحب عالم مارہروی کے نام غالب کے ایک خط مرقومہ ۲۶ اگست ۱۸۶۶ء کا یہ ٹکڑا دیکھیے :

''چودھری عبدالغفور صاحب (کی خدمت میں) سلام پہنچائیں اور یہ بھی کہہ دیں کہ مولوی غلام غوث خاں ، میر منشی نے آپ کا دیباچہ اور میرا مجموعہ نثر مرتب کرکے منشی ممتاز علی خاں کو بھیج دیا ہے ، اب چھپوانے میں ان کو اختیار ہے ۔''[۳۴]

یہ خط ۲۶ اگست ۱۸۶۶ء کا لکھا ہوا ہے ۔ گویا ''عود ہندی'' کا مسودہ س تاریخ سے پہلے اشاعت کے لیے مطبع میں بھیجا گیا ۔ مسودہ ایک ذریعے سے منشی تاز علی خاں کو بھجواتے ہوئے بے خبر نے انھیں جو خط لکھا ، حسن اتفاق سے ہ بھی محفوظ ہے وہ لکھتے ہیں کہ :

''مرزا نوشہ صاحب کے نثر کا مجموعہ مرتب کرکے آج . . . (؟) صاحب کے حوالے کیا ہے (کہ) غازی الدین حسین خاں صاحب کے پاس بھیج دیں اور وہ آپ کی خدمت میں روانہ کریں ۔ مصنف آپ کے بہت قریب ہیں ۔ ایک نظر ان کو بھی دکھا لیجیے ، تب چھپوانا شروع کیجیے تو بہتر ہے ۔ فقیر نے اس کے ترتیب دینے اور لکھوانے اور بذات خود مقابلہ کرنے ہی میں

محنت نہیں کی بلکہ اتنا تردد اور کیا کہ جو رقعات ، بریلی سے آئے ہوئے تھے (آپ نے کھو دیے) ، لکھوا دیے ، ان کو وہاں سے مکرر منگوایا اور سوائے اس کے کہ گورکھپور، لکھنئو،کانپور سے کچھ بہم پہنچایا اور نئی نثریں مصنف سے اور لیں اور ان سب کو بھی مجموعے میں داخل کیا اور جہاں کہیں شک ہوا ، مصنف سے اس کی تصحیح کر لی - اب اگر یہ مجموعہ طاق نسیاں پر رکھا نہ رہے اور جلد چھپے تو مصنف پر احسان ہوگا۔ فقیر کے پاس تو اصل موجود ہے - جب دیکھے گا کہ آپ نہیں چھپواتے تو اپنے کاتب سے ایک نسخہ اور لکھوا لے گا اور جو جو نقل کے طالب ہوں گے ، ان کو دے دے گا -''[۳۵]

لیکن اس تقریر و تنبیہہ کے باوجود ، ممتاز علی خاں نے اس مجموعے کو طاق نسیاں پر ڈالے رکھا اور اگست ۱۸۶۶ء کے بعد یہ کتاب جو دو سو صفحات کی بھی نہیں تھی ، دو برس دو ماہ تک تعویق میں پڑی رہ کر بالاخر ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو غالب کے انتقال سے قریب ہونے چار ماہ پہلے شائع ہوئی - پھر دیر آید درست آید والی بات بھی نہ ہوئی ، یعنی کتاب کی طباعت میں دیر لگی اور یہ درست بھی نہیں چھپی - مطبوعہ نسخہ بے خبر کو ملا تو ان کا پہلا تاثر یہ تھا کہ مرزا غالب کے رقعات کا یہ مجموعہ ''عود ہندی'' :

''افسوس ہے کہ نہایت غلط چھپا ، بہت جگہ غلطی سے مطلب خبط ہے -''[۳۶]

''عود ہندی'' کا یہ پہلا ایڈیشن $9\frac{1}{2} \times 6$ انچ پر ۱۹ سطری مسطر کی بڑی تقطیع کے ۱۸۸ صفحات پر مشتمل ہے - سرورق کی جدول پھولدار ہے اور سفید پر صفحے کے وسط میں پھولوں کے درمیان خوش خط جلی قلم سے ''عود ہندی'' لکھا ہوا ہے - سرورق کا ڈیزائن مجموعی طور پر ''دیوان غالب'' نظامی ایڈیشن ، کانپور (۱۸۶۲ء) سے بہت حد تک مماثل اور مشابہ ہے - سرورق کی عبارت یہ ہے :

خداوند بے نسبت بندگی نہ پردری و (؟) نہ پراگندگی

بفضل واہب العطیات خالق الخیر و الحسنات انشاء اردو لاجواب موسومہ بہ -

عود ہندی

من تصنیف جناب استاد زمان علامہ عصر اسد اللہ خان المتخلص بہ غالب
حسب فرمائش مجمع خوبی جہاں میاں محمد ممتاز علی خاں رئیس میرٹھ
در مطبع مجتبائی واقع میرٹھ طبع گردید

سرورق کی پشت یعنی صفحہ ۲ سے ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کے زیر عنوان صاحب

مطبع محمد ممتاز علی خاں کے ''حرف مطلب'' ہیں - یہ صفحہ ۳ تک گئے ہیں - اسی صفحے کے بقیہ حصے سے چودہری عبدالغفور سرور کا لکھا ہوا دیباچہ شروع ہوتا ہے - سرور کا دیباچہ مرصع اور مقفیٰ عبارت میں ہے - اسے غالب نے طباعت سے قبل دیکھا تھا اور ایک مقام پر جزواً عبارت کی اصلاح کی تھی* ، لیکن بحیثیت مجموعی سرور کو اس نگارش پر ان لفظوں میں داد دی تھی :

''آپ نے دیباچہ بہت اچھا لکھا ہے ، کتاب کو اس سے رونق ہو جائے گی''۔[۳۷]

سرور کا دیباچہ صفحہ ۶ پر ختم ہوا ہے - اسی صفحے سے غالب کے رقعات شروع ہو جاتے ہیں - کتاب کی دو فصلیں اور ایک خاتمہ ہے - پہلی فصل میں چودہری عبدالغفور سرور کے مرتب کیے ہوئے خط ہیں اور دوسری فصل کے خط منشی محمد ممتاز علی خاں اور خواجہ غلام غوث بے خبر کی جمع و ترتیب کا نتیجہ ہیں - خاتمے میں غالب کی ایسی چند تحریریں ہیں جو انھوں نے دوسروں کی کتابوں پر تقریظ یا دیباچے کے بطور قلم بند کیں -

''پہلی فصل'' صفحہ ۳ کے قریب وسط سے شروع ہو کر صفحہ ۷۴ کی پہلی سطر پر ختم ہوتی ہے - اس میں بظاہر کل ۳۱ خط ہیں - ۲۶ سرور کے نام ، ۳ صاحب عالم مارہروی کے نام ، اور ۲ شاہ عالم مارہروی کے نام ، لیکن حقیقتاً یہ تعداد میں ۳۱ کے بجائے ۴۱ ہیں - تفصیل اس اجمال کی یہ کہ ، سرور اور صاحب عالم دونوں کا تعلق مارہرہ سے تھا - سرور ، صاحب عالم کے معتقدوں میں بمنزلہ عزیزوں کے تھے - غالب نے اکثر سرور کے نام کے خط آخر میں روئے سخن صاحب عالم کی طرف کرکے پورے کے پورے خط اُن کے نام بھی لکھ ڈالے ہیں (دیکھیے خط نمبر ۱ ، ۲ ، ۳ ، ۵ ، ۶ ، ۱۸ ، ۲۰ ، ۲۵ ، ۲۸) - اس طرح غالب کے نو خط جو دراصل صاحب عالم مارہروی کے نام ہیں - چودہری عبدالغفور سرور کے نام کے خطوں میں شامل ہوگئے ہیں - سرور کے نام ایک خط نمبر ۲ میں غالب نے شیفتہ کے نام اپنے ایک پرانے مطبوعہ فارسی خط کو بھی نقل کیا ہے -[۳۸] اسے بھی الگ شمار کیا جانا چاہیے -

صرف ایک خط جو شیفتہ کے نام ہے (صفحہ ۱۱ ، ۱۲) فارسی میں ہے ، باقی چالیس اردو میں ہیں - چودہری عبدالغفور سرور کے نام ۲۶ ، صاحب عالم کے نام ۱۲ ، اور شاہ عالم کے نام ۲ - ان میں سے کسی ایک مکتوب الیہ کے سب خط

---

*دیکھیے : خطوط غالب ، مولانا غلام رسول مہر ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ، ۱۹۶۹ء ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۷۵ -

ایک ہی جگہ نہیں ہیں۔ خط نمبر ۷ ، ۱۷ اور ۲۳ صاحب عالم کے نام ہیں۔ خط نمبر ۱۱ اور ۱۵ شاہ عالم کے نام۔ خط ۱ تا ۶ ، ۸ تا ۱۰ ، ۱۲ تا ۱۴ ، ۱۶ ، ۱۸ تا ۲۲ اور ۲۴ تا ۳۱ سرور کے نام ہیں۔

یہ سب کے سب خط ۱۸۵۸ء سے لے کر ۱۲۷۸ھ [۱۸۶۱-۶۲ء] کی درمیانی مدت کے ہیں ، لیکن انھیں جمع کرنے میں تاریخ نگارش کی ترتیب بھی ملحوظ نہیں رکھی گئی ، گو بجائے خود ایسا بھی نہیں کہ خطوں کی تاریخوں کے اندراج کا لازماً اہتمام کیا گیا ہو۔ یہ عدم احتیاط اور بے ترتیبی کتاب کی صرف ''پہلی فصل'' ہی سے خاص نہیں ہے ، تا آخر صورت حال اس سے مختلف نہیں۔ دراصل ان خطوں کی ترتیب کا محرک اول ، صرف اور صرف زبان کا چٹخارہ یا ادبی نکات سے استفادہ تھا اور اس کے لیے ترتیب و تدوین کے وہ سارے اہتمام ، جنھیں آج تحقیق و تدوین کے مبادیات میں خیال کیا جاتا ہے ، اُس وقت پیش نظر نہیں رکھے گئے یا غیرضروری سمجھے گئے۔

''عود ہندی'' کی ''دوسری فصل'' ۱۳۵ رقعات غالب پر مشتمل ہے۔ اس میں مجروح کے نام سب سے زیادہ خط ہیں۔ یہ تعداد میں ۳۱ ہیں۔ اس کے بعد بے خبر کے نام ۲۵ ، شفق کے نام ۲۰ ، مہر کے نام ۱۸ ، جنوں کے نام ۱۷ ، شاکر کے نام ۱۰ ، مرزا یوسف علی عزیز اور مردان علی خاں رعنا کے نام دو دو ، اور علائی ، سرفراز حسین ، تفتہ ، نساخ ، شیفتہ ، مولوی عزیز الدین اور مفتی عباس کے نام ایک ایک خط ''نامۂ غالب'' (مطبوعہ ۱۸۶۵ء) بنام میرزا رحیم بیگ میرٹھی بھی ''عود ہندی'' میں شامل ہے (صفحہ ۱۴۱-۱۵۵)۔ حکیم غلام نجف خاں کے بیٹے ظہیر الدین کی جانب سے (غالب کا مکتوبہ) ، اُن کے چچا کے نام ایک خط بھی ''عود ہندی'' (صفحہ ۱۲۶-۱۲۷) میں شریک اشاعت ہے۔

''خاتمہ'' تقریظات غالب پر مبنی ہے ، جن کی تفصیل یہ ہے :

۱۔ تقریظ بر مثنوی مہر	صفحہ	۱۷۹-۱۸۰
۲۔ تقریظ بر ''گلزار سرور''		۱۸۰-۱۸۲
۳۔ دیباچہ ''حدائق انظار''		۱۸۲-۱۸۴
۴۔ ''قواعد تذکیر و تانیث'' کا دیباچہ		۱۸۴-۱۸۵
۵۔ دیباچہ مجموعۂ قصائد نادر		۱۸۵

ان پانچ تقریظات کے بعد ، پھر غالب کا ایک خط ہے (صفحہ ۱۸۵-۱۸۶) ، یہ منشی غلام بسم اللہ کے نام ہے۔ بظاہر یہ رقعہ اولاً کتابت سے رہ گیا ، یا اُس وقت جامعین کے ہاتھ آیا ہوگا جب کتاب کی ''دوسری فصل'' جو رقعات پر مبنی تھی ،

چھپ چکی ہوگی ، اس لیے اس تنہا رقعے کو ''خاتمہ'' کی تقریظات کے بعد لگا دیا گیا -

صفحہ ۱۸۶ ہی سے ''عود ہندی'' کی پرتکلف مسجع اردو نثر میں تقریظ ہے جو بعد انطباع کتاب ، حضرت جامع محمد ممتاز ، علی خاں کی فرمائش پر بطور ''عبارت خاتمہ'' حکیم غلام مولا قلق میرٹھی ، نے لکھی ہے اور کتاب کے صفحہ آخر ۱۸۸ تک چلی ہے - اس آخری صفحے پر تقریظ قلق کے بعد قلق کا قطعۂ تاریخ انطباع ہے :

مطبوع طبع بے شک ، بے شک ہے ''عود ہندی''
کیا طرفہ گفتگو ہے ، اردو کا باغ ہے یہ
خود سال طبع دل سے کہتا ہے اے قلق لکھ
کیا سہل مادہ ہے (کذا) ''راح دماغ ہے یہ''
۱۲۸۵ھ

اس کے بعد منشی عبدالحکیم احمد محو ، شاگرد قلق ، رئیس میرٹھ کا قطعۂ تاریخ ہے :

جب چھپی عود ہندی غالب دیکھ کر میں بھی باغ باغ ہوا
سوئے تاریخ آ گیا جو خیال کرتے ہی فکر انفراغ ہوا
یہ تہہ دل سے شور اٹھا اے محو لکھ بھی دے ''طیب بردماغ ہوا''
۱۲۸۵ھ

آخری شعر کے مصرعۂ اولیٰ کے پہلو میں ''در مطبع مجتبائی محمد ممتاز علی خاں'' درج ہے اور دوسرے مصرعے کے پہلو میں ''۱۰ رجب ۱۲۸۵ ہجری طبع شد'' کے لفظ رقم ہیں - گویا ''عود ہندی'' کا چھاپا ۱۰ رجب ۱۲۸۵ ہجری ، مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو غالب کی زندگی میں تمام ہوا -

منشی عبدالحکیم احمد محو کے قطعۂ تاریخ کے بعد دو فارسی قطعے حاشیے پر لکھے گئے ہیں - پہلے کا عنوان ہے ''قطعہ تاریخ'' اور قطعہ یہ ہے :

چوں بہ کوشش عود ہندی طبع شد
از پریشانی خاطر جمع شد
بے سر بیم از پیش [پی اش] کردم رقم
نسخۂ مطبوع جاں ہا طبع شد

دوسرے قطعے کے عنوان میں صرف ''دیگر'' لکھا گیا ہے اور اس سے کتاب کا میور صاحب کے نام انتساب ظاہر ہوتا ہے - ''میور'' سے غالباً سرولیم میور مراد ہیں جو اس زمانے میں ممالک مغربی و شمالی کے گورنر تھے - اس قطعۂ تاریخ و انتساب کے لفظ یہ ہیں :

چو میور صاحب والا مناقب
ہنر را داد داد ارجمندی
برائے نذر ، ممتاز علی خاں
بیاورد ایں متاع حسن و خوبی
زہے ایں آورد رنگیں مضامین
کلام از طبع او در خود فروشی
نوشتم از سر انصاف تاریخ
بہ ہوش آمد سخن زین عود ہندی

ان دو آخری قطعات پر کسی کا نام ثبت نہیں ۔ مولانا امتیاز علی عرشی کا خیال ہے کہ یہ دو قطعات :

''غالباً خود منشی ممتاز علی خاں صاحب کے ہیں''۔[۳۹]

مجھے اسے قبول کرنے میں تأمل ہے کیوں کہ مولانا امداد صابری کے بقول :

''منشی ممتاز علی خاں کو ادب و شعر سے کوئی علاقہ نہیں تھا ۔ البتہ وہ اچھے شاعروں اور نثر نگاروں کو ضرور پسند کرتے تھے ۔ اس سلسلے میں اُن کو سب سے زیادہ غالب نے متاثر کیا تھا ۔ غالب کے متعدد دوستوں اور شاگردوں سے اُن کی دوستی بھی تھی ، لیکن اُن کا اصل کام ٹھیکہ داری تھا ۔ وہ سرکاری عمارتوں اور مکانوں کے ٹھیکے حاصل کرتے تھے''۔[۴۰]

اس پس منظر میں یہ قطعات ، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ منشی ممتاز علی خاں کے تو قطعاً نہیں ۔ میرا خیال ہے کہ یہ خود غالب کے زائیدۂ فکر ہیں ۔ ''پریشانی خاطر جمع شد'' اور ''خود فروشی'' والی بات وہ خود ہی کہہ سکتے تھے ، پھر کتاب کو حکام عالی مقام کی نذر کرنا بھی خود غالب کا خاص شیوہ رہا ہے ۔ ایک بات اور بھی ہے ۔ اس کتاب کی اشاعت میں تعویق سے غالب کو بہت الجھن تھی ۔ بے خبر کے نام ۷ مارچ ۱۸۶۴ء کے خط میں پوچھتے ہیں :

''ہاں حضرت ، کہیے ممتاز علی خاں کی سعی بھی مشکور ہوگی ؟ وہ مجموعۂ اردو چھپا یا چُھپا ہی رہے گا ۔ احباب اس کے طالب ہیں ، بلکہ بعض نے طلب کو بسر حد تقاضا پہنچا دیا ہے''۔[۴۱]

ایک دوسرے خط میں لکھتے ہیں :

''اور ہاں حضرت ، وہ مجموعہ چھپے گا بالفتح یا چھپے گا بالضم ؟''[۴۲]

ایک اور خط میں بے خبر سے پوچھتے ہیں کہ :

''اجی حضرت ، یہ منشی ممتاز علی خاں کیا کر رہے ہیں ؟ رقعے جمع کیے

اور نہ چھپوائے ۔ فی الحال پنجاب احاطہ میں ان کی بڑی خواہش ہے ۔ جانتا
ہوں کہ وہ آپ کو کہاں ملیں گے جو آپ اُن سے کہیں ۔"[۴۳]

حسن اتفاق دیکھیے کہ خواجہ غلام غوث بے خبر کا جواب بھی محفوظ ہے ۔ وہ
غالب کو لکھتے ہیں کہ میں الہ آباد سے مراد آباد جاتے ہوئے :

"میرٹھ ہو کر آیا ۔ وہاں منشی ممتاز علی خاں صاحب کے بھانجے نے آپ
کی اردو انشاء مجھے دکھائی ، سب چھپ گئی ، ایک صفحہ اخیر کا باقی ہے ۔
خان صاحب نے قطعۂ تاریخ کے انتظار میں کہ کوئی کہہ دے اسے پھینک
رکھا ہے ۔ میں نے خان صاحب کو لکھا تو ہے کہ قطعۂ تاریخ کا ہونا
فرض نہیں ۔ یوں ہی اس صفحے کو چھپوا کے کتاب تمام کر دیجیے ، دیکھیے
خدا کرے کہ وہ مان لیں ۔"[۴۴]

منشی ممتاز علی خاں نے قطعۂ تاریخ کے انتظار میں کہ کوئی کہہ دے ،
عود ہندی کو پھینک رکھا تھا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ خود قطعہ کہنے سے عاجز
اور قاصر تھے ۔ غالب کو اس کی اطلاع ملی کہ محض اس وجہ سے کتاب پڑی ہے ۔
اُن کے لیے قطعہ کہنا کیا مشکل تھا ، انھوں نے بطور دفع دخل ، یہ قطعات کہہ
کر فوراً منشی ممتاز علی خاں کو بھیجے ہوں تو کچھ عجب نہیں اور پھر ان
قطعات میں بعض ایسی داخلی شہادتیں بھی ہیں ، جو ان قطعات کے تصنیف غالب
ہونے کی موئید ہیں ۔ اس لیے قریب بہ یقین ہے کہ یہ انھیں کے لکھے ہوئے ہیں ۔
ان قطعات میں مدح کا جو ہلکا سا پرتو ہے ، ممکن ہے وہ بعض طبائع کو ، ان
قطعات کے غالب کا نتیجۂ فکر ماننے میں مزاحم ہو ۔ لیکن غالب کے لیے مدح خود
یا خودستائی کوئی نئی بات نہیں اور پھر یہ کہ ان قطعات میں اُن کا نام نہیں تھا اور
ان قطعات کو وہ اپنے نام سے چھاپ بھی نہیں رہے تھے ، اس لیے اس میں کی مدح
کی تو ذمہ داری بھی اُن کے سر نہیں تھی ۔

مولانا امتیاز علی عرشی نے ایک بات اور کہی ہے کہ "عود ہندی" کے :

"آخری قطعے کے مطالعے سے ایک نئی بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ منشی
ممتاز علی خاں نے میور صاحب ، (غالباً سر ولیم میور گورنر ممالک مغربی و
شمالی) کی خدمت میں "عود" کا مطبوعہ نسخہ نذر گزرانا تھا ۔ سر ولیم میور
علوم مشرقیہ کے عالم تھے ۔ ۔ ۔ بے خبر نے جو "عود ہندی" کی جمع و
ترتیب میں برابر کے شریک تھے ، طابع کو مشورہ دیا ہوگا کہ مطبوعہ
نسخہ صوبے کے اعلیٰ حاکم کے نام معنون کرکے اُس کے نشر و اشاعت کی
تکمیل پر مہر توثیق ثبت کریں ۔ اُس زمانے میں اردو زبان میں ایسی نادر
کتابیں معدودے چند شائع ہوتی تھیں ۔ گورنمنٹ بعض سیاسی مصالح کے

ماقصت نئی مفید کتابوں کی اشاعت میں انعام کے نام سے با امداد طبع کہہ کر اخراجات کا بار اٹھا لیا کرتی تھی ، اس لیے بعید نہیں کہ منشی (ممتاز علی خاں صاحب) کو بھی کچھ روپیہ مل گیا ہو ۔''۴۵

خان بہادر ذوالقدر خواجہ غلام غوث بے خبر ، لفٹننٹ گورنر غرب و شمال کے میر منشی تھے ۔ اگر انتساب سے مقصود ''کچھ روپیہ'' حاصل کرنا ہی تھا تو بے خبر ، بر بنائے عہدہ ، یا کہہ لیجیے کہ گورنر سے قربت کی بنا پر اس کا بلاتکلف انتساب ہی شاید کچھ انتظام کرا سکتے تھے ۔ پھر منشی ممتاز علی خاں میرٹھ کے نامی رئیس تھے ، وہ غالباً روپے پیسے کی امداد کے ضرورت مند بھی نہ رہے ہوں گے اور تیسری بات یہ کہ غالب کے نام بے خبر کے محولہ بالا خط میں تو بے خبر نے قطعے کے خیال ہی کو سرے سے زائد بتایا ہے ۔ وہ میرٹھ گئے ، منشی ممتاز علی خاں سے ملاقات نہیں ہوئی ۔ اُن کے بھانجے نے ''عود ہندی'' کی زیارت کرائی ، کتاب سب چھپ چکی تھی ۔ ایک صفحہ اخیر کا باقی تھا :

''خان صاحب (ممتاز علی خاں) نے قطعۂ تاریخ کے انتظار میں کہ کوئی کہہ دے اسے پھینک رکھا ۔''۴۶

تھا ۔ اب ممتاز علی خاں سے چونکہ ملاقات نہیں ہوئی ، اس لیے بے خبر اُن کے لیے یہ تحریری پیغام چھوڑ آئے کہ :

''قطعہ تاریخ کا ہونا فرض نہیں ، یوں ہی اس صفحے کو چھپوا کے کتاب تمام کر دیجیے ۔''۴۷

اس صورت حال میں مولانا امتیاز علی عرشی کا یہ خیال کہ :

''بے خبر نے جو عود ہندی کی جمع و ترتیب میں برابر کے شریک تھے ، طابع کو مشورہ دیا ہوگا کہ مطبوعہ نسخہ صوبے کے اعلیٰ حکام کے نام معنون کرکے نشر و اشاعت کی تکمیل پر مہر توثیق ثبت کریں ۔''۴۸

کچھ جی کو نہیں لگتا بے خبر نے بظاہر ایسا کوئی مشورہ طابع کو نہیں دیا ، بلکہ دستیاب مآخذ اور شواہد اس کے برعکس یہ ہیں کہ بے خبر نے قطعۂ تاریخ وغیرہ کے سرے سے بکھیر میں پڑنے ہی کو زائد اور غیر ضروری امر قرار دیا تھا ۔

''عود ہندی'' کے انتساب میں خواجہ غلام غوث بے خبر کا کچھ دخل نہیں رہا ، بلکہ میری رائے میں یہ خود غالب کے خاص شیوے کے عین مطابق ہے ۔ فروری ۱۸۶۷ء میں ''نکات غالب و رقعات غالب'' کے نام سے غالب نے ایک رسالہ ''میکلوڈ صاحب بہادر'' کی نذر کیا تھا :

''ارادہ کیا ہے کہ ''پنج آہنگ'' کی چوتھی آہنگ* ، جس میں فارسی کی صرف کا بیان ہے ، اس کا اردو میں ترجمہ کیا جائے تا کہ وہ اوراق حضور پرنور ۔ ۔ ۔ جناب معلیٰ القاب میکلوڈ صاحب بہادر فرماں روائے ممالک و سیعہ (؟) پنجاب ، بظاہر نواب لیفٹننٹ گورنر بہادر اور ان کا خطاب اور فی الحقیقت سلطان فلک رخش بلال رکاب ، کے نذر کیے جائیں ۔ خدا کرے مجھ ترک جاہل کا بیان حضرت کے پسند آئے''۔۴۹

اس سے پہلے ۱۸۶۵ء کے لگ بھگ غالب ''صاحبان تازہ وارد ولایت'' کے لیے اردو کتاب تیار کرکے اسے ''میکلوڈ صاحب بہادر'' کی نذر کر چکے تھے :

''یہ مجموعہ نذر اس جناب رفعت مآب کے ہے جس سے عزت و توقیر فنانشل کمشنری پنجاب کی ہے ۔ صاحب والا مناقب عالی شان ۔ علم و اہل علم کے قدر دان ۔ ۔ ۔ عالی رتبہ معلیٰ القاب حضرت فلک رفعت میکلوڈ صاحب بہادر فنانشل کمشنر بہادر قلم رو پنجاب ۔ ۔ ۔ اس کتاب کا نذر کرنے والا جو اپنی نذر کے قبول ہونے کا طالب ہے ۔ ۔ ۔ موسوم بہ اسد اللہ خان و متخلص بہ غالب ہے ۔۵۰''

ستمبر ۱۸۵۸ء میں غالب کی معروف کتاب ''دستنبو' آگرہ میں زیر طبع تھی ، انھی ایام میں غالب نے ۲۲ ستمبر ۱۸۵۸ء کو منشی نبی بخش حقیر کو لکھا کہ میں نے ایک قصیدہ ملکۂ معظمہ انگلستان کی مدح میں لکھا ہے ، اسے بھی چاہتا ہوں کہ ''دستنبو'' کے آغاز میں شامل کر لیا جائے ۔ ''کتاب کو قصیدے سے عزت ۔ ۔ ۔ ہو جائے گی ۔۵۱''

مختصر یہ کہ انگریز حکام کے اسم سامی سے انتساب غالب کی ایک خاص نفسیاتی الجھن تھی ۔ میں سمجھتا ہوں کہ ''عود ہندی'' کے سرولیم میور سے انتساب میں بھی یہی نفسیات کارفرما ہے کہ کتاب کو ''اس سے'' عزت ہو جائے گی ۔ اس سے غرض ، طابع کی متوقع مالی مدد نہ رہی ہو گی اور ''عود ہندی'' کے طابع منشی ممتاز علی خاں میرٹھ کے نامی رئیس تھے ، وہ روپے پیسے کے ضرورت مند تو یقیناً نہیں تھے ، غالباً اس کے آزومند بھی نہ رہے ہوں گے ۔

غالب ''عود ہندی'' کی اشاعت میں تاخیر سے بہت شکستہ خاطر تھے ۔ ''مہر غالب'' کے مادۂ تاریخ کے مطابق کتاب کی ابتدائی ترتیب کا کام چودہری عبدالغفور سرور کے ہاتھوں ۱۲۷۸ ہجری مطابق ۱۸۶۱-۶۲ء میں پورا ہو گیا تھا ، لیکن

---

* یہاں غالب کو سہو ہوا ہے ۔ ''آہنگ دوم'' لکھنا چاہیے تھا ۔
[سید معین الرحمن]

۱۸۸ صفحات کی اس کتاب کے چھپنے میں چھ سات سال لگ گئے ۔ ممتاز علی خان کے نام سے سرولیم میور کی ''نذر'' میں یہ حکمت اور مصلحت کارفرما رہی ہو تو عجب نہیں کہ وہ کتاب کی اشاعت میں اس ذاتی حوالے سے شاید سرگرم اور مستعد ہو جائیں ۔ اور اس طرح غالب کو حق تصنیف کے کچھ زائد نسخے ممتاز علی خاں سے غالباً مل جانے کی بھی اُمید ہو ۔ بے خبر کے نام ایک خط میں غالب لکھتے ہیں کہ :

''مجموعہ (نثر اردو) ۔ ۔ ۔ چھپ چکا ہو تو حق تصنیف کی جتنی جلدیں منشی ممتاز علی خاں صاحب کی ہمت اقتضاء کرے ، فقیر کو بھیجیے''۔۵۲

''حق تصنیف کے کتنے نسخے غالب کو ملے ، اس سلسلے میں دستیاب مآخذ خاموش ہیں ، لیکن چھپنے سے پہلے ہی ''پنجاب احاطہ'' میں کتاب کی بڑی مانگ تھی ۔ احباب اس کے دل سے مشتاق اور طالب تھے ، بلکہ بعض نے تو طالب کو بہ سرحد تقاضا پہنچا دیا تھا ۔ چنانچہ کتاب ابھی پوری طرح مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ نکلنا شروع ہو گئی ۔ خواجہ غلام غوث بے خبر ، ایک خط میں غالب کو لکھتے ہیں :

''مراد آباد میں اخبار ''جلوۂ طور'' کا مہتمم بھی وارد تھا ۔ وہ کہتا تھا کہ میں نے (''عود ہندی'' کی) ویسے ہی ناتمام (بلا قطعہ تاریخ) پچیس جلدیں لیں اور لوگوں کو دیں ۔ ۵۳''

خواجہ غلام غوث بے خبر نے ''عود ہندی'' کا مسودہ ترتیب دے کر اسے کاتب سے خوش خط لکھوا کر اشاعت کے لیے منشی ممتاز علی خاں کو بھیجتے ہوئے لکھا تھا کہ :

''اب اگر یہ مجموعہ طاق نسیاں میں رکھا نہ رہے اور جلد چھپے تو مصنف پر احسان ہوگا ۔ فقیر کے پاس تو اصل موجود ہے ۔ جب دیکھے گا کہ آپ نہیں چھپواتے تو اپنے کاتب سے ایک نسخہ اور لکھوا لے گا اور جو نقل کے طالب ہوں گے ، ان کو دے دے گا ۵۴''

پنڈت مہیش پرشاد لکھتے ہیں کہ خواجہ غلام غوث بے خبر کی :

''اس تحریر کی بنا پر میں نے کوشش کی کہ خواجہ صاحب نے اپنا ذاتی کتب‌خانہ چھوڑا ہے، اس میں کہیں وہ نسخہ مل جائے ۔ مگر خواجہ صاحب کے جو اعزہ بنارس میں ہیں ، ان کی زبانی معلوم ہوا کہ ان کا بے بہا سرمایہ بنارس میں ضائع ہو کر مفقود ہو چکا ہے ۔ تاہم ہنوز کوشاں ہوں ، ممکن ہے کہ کہیں وہ نسخہ دستیاب ہو جائے تاکہ اغلاط کی تصحیح یقین کے ساتھ ہو سکے''۔۵۵

۱۹۴۱ء میں پنڈت مہیش پرشاد نے الہ آباد سے ''خطوط غالب'' کی پہلی جلد شائع کی - ۱۹۵۱ء میں ان کے انتقال سے یہ کام جہاں کا تہاں رہ گیا - اب اس اصل نسخے کا جو کبھی خواجہ غلام غوث بے خبر کی ملکیت رہا ہے ، دستیاب ہونا بظاہر محالات میں سے معلوم ہوتا ہے -

خواجہ غلام غوث بے خبر نے غالب کے نام ایک خط میں لکھا ہے کہ نسخہ ''عود ہندی'' کے لیے جگہ جگہ سے :

''آپ کی تحریریں فراہم کیں ، خود سب کو دیکھا - جو مضامین لائق اعلان کے نہ تھے ، ان کو نکال ڈالا - ۵۶''

پنڈت مہیش پرشاد کو ''عود ہندی'' کے مطبوعہ خطوں کا ، غالب کے بعض اصل قلمی رقعات سے مقابلہ کرنے کا موقع ملا ، اس کے نتیجے میں وہ کہتے ہیں کہ :

''یہ ثابت ہوتا ہے کہ ''عود ہندی'' کے بعض خطوں کی کچھ عبارتیں قطع و برید کی زد میں ضرور آ گئی ہیں -۵۷''

اور اب ''عود ہندی'' کے سلسلے کی آخری بات ، اس میں شامل خطوں کی مجموعی تعداد کے بارے میں ، جس پر غالب شناسوں کا اتفاق نہیں ہے -

پنڈت مہیش پرشاد۵۸ اور مالک رام۵۹ ''عود ہندی'' طبع اول کے خطوں کی تعداد ۱۶۸ بتاتے ہیں (۳۱ پہلی فصل میں، ۱۳۷ دوسری فصل میں)، مولانا امتیازعلی عرشی لکھتے ہیں کہ : ''عود ہندی'' کے کل رقعات کی تعداد ۱۶۲ ہے -۶۰ مولانا غلام رسول مہر کا خیال ہے کہ ''عود ہندی'' کے بعض خطوط کی تعداد ۱۶۳ سے زیادہ نہیں -۶۱''

مولانا مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی نے ''عود ہندی'' کو طبع اوّل کے مطابق مرتب کیا ہے - ان کے مرتبہ متن میں خطوں کی تعداد کا نمبر شمار ۱۶۶ ہے - ''تعارف'' میں فاضل لکھنوی نے 'فصل اول' کے خط ۳۱ اور 'فصل دوم' کے ۱۴۰ خط بتاتے ہوئے مجموعی تعداد ۱۷۱ قرار دی ہے -۶۲ آخر کتاب میں ''فہرست مکتوب الیہم'' کے تحت انہوں نے خطوں کی کل تعداد ۱۶۷ ظاہر کی ہے۶۳ اس میں غالب کے نام بے خبر کے ایک خط کو بھی شمار اور شامل کیا گیا ہے -

حقیقتاً ''عود ہندی'' میں شامل خطوں کی کل تعداد ۱۷۰ ہے - ۳۴ پہلی فصل میں ہیں اور ۱۳۶ دوسری فصل میں لیکن دوسری فصل میں ایک خط (صفحہ ۱۷۶-۱۷۷) در اصل منشی غلام غوث بے خبر کا نوشتہ ہے اور غالب کے ایک خط

(صفحہ ۱۷۸) کے جواب میں ہے۔ اسے شمار سے خارج کرتے ہوئے ''عود ہندی'' میں غالب کے خطوں کی کل تعداد ۱۷۶ بنتی ہے جو اکیس مختلف اصحاب کے نام ہیں۔

''عود ہندی'' غالب کے انتقال سے قریب ہونے چار مہینے قبل ۱۰ رجب ۱۲۸۵ ہجری مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو پہلی بار شائع ہوئی۔ [64] یہی غالب کی زندگی میں ''عود ہندی'' کا آخری ایڈیشن بھی ثابت ہوا۔[65] پروفیسر حمید احمد خاں نے بالکل ٹھیک کہا ہے کہ غالب کے:

> ''خطوں کا پہلا مجموعہ ''عود ہندی'' کے نام سے ۲۷ اکتوبر ۱۸۶۸ء کو غالب کی زندگی میں شائع ہوا۔ یہ دن صرف غالب کے سوانح نگار اور نقاد ہی کے لیے خاص اہمیت نہیں رکھتا، بلکہ تاریخ نثر اردو میں ایک بڑے انقلاب کی خبر دیتا ہے۔ جو اسباب انیسویں صدی کے شروع میں اردو نثر کے ظہور اور اس صدی کے نصف آخر میں اس کی ترقی کا باعث ہوئے، انہوں نے مل جل کر جدید اردو نثر کی اس پہلی عظیم الشان اور مقبول عام کتاب کی اشاعت ہیں نمایاں حصہ لیا''۔[66]

حواشی

۱۔ اردوئے معلیٰ، طبع اول: اکمل المطابع، دہلی، مارچ ۱۸۶۹ء، صفحہ ۳۶۱

۲۔ اردوئے معلیٰ، طبع اول، ایضاً، صفحہ ۱۰۵

۳۔ اردوئے معلیٰ، طبع اول، ایضاً، صفحہ ۳۶۱

۴۔ عود ہندی، طبع اول: مطبع مجتبائی، میرٹھ، اکتوبر ۱۸۶۸ء

۵۔ مکاتیب غالب، مرتبہ: مولانا امتیاز علی عرشی، طبع اول: مطبعۂ قیمہ، بمبئی ۱۹۳۷ء

۶۔ نادرات غالب، مرتبہ: آفاق حسین آفاق دہلوی، طبع اول: ادارۂ نادرات، کراچی ۱۹۴۹ء

۷۔ خطوط غالب، طبع اول: مجلس یادگار غالب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۶۹ء، جلد ۲، صفحہ ۵۱۹

۸۔ عود ہندی، طبع اول، ایضاً ۱۸۶۸ء، صفحہ ۵ و ما بعد

۹۔ ''عود ہندی'' کی اشاعت اکتوبر ۱۸۶۸ء تک غالب کی یہ فارسی تصنیفات شائع ہو چکی تھیں:

(الف) نظم فارسی: (i) دیوان فارسی، مطبع دارالسلام، حوض قاضی، دہلی، ۱۸۴۵ء

(ii) کلیات غالب ، مطبع نولکشور ، لکھنئو ، ۱۸٦۳ء
(iii) مثنوی ابر گہربار ، مطبع اکمل المطابع ، دہلی ، ۱۸٦۴ء
(iv) قطعہٴ غالب ، مطبع اکمل المطابع ، دہلی ۱۸٦٦ء
(v) سبد چین ، مطبع محمدی ، دہلی ، ۱۸٦۷ء
(vi) مثنوی دعاء صباح ، مطبع نولکشور، لکھنئو ، قبل ۱۸٦۸ء

(ب) نثر فارسی (i) پنج آہنگ، مطبع سلطانی، دہلی، ۱۸۴۹ء ، مطبع دارالسلام، دہلی ، ۱۸۵۳ء
(ii) مہر نیمروز ، فخر المطابع ، دہلی ، ۱۸۵۴ء
(iii) دستنبو ، مطبع مفید خلائق ، آگرہ، ۱۸۵۸ء مطبع لٹریری سوسائٹی ، روہیل کھنڈ ، بریلی ، ۱۸٦۵ء
(iv) قاطع برہان ، مطبع نولکشور ، لکھنئو ، ۱۸٦۲ء درفش کاویانی ، اکمل المطابع ، دہلی ۱۸٦۵ء
(v) نکات (اردو) و رقعات غالب (فارسی) ، مطبع سراجی ، دہلی ۱۸٦۷ء
(iv) کلیات نثر غالب ، مطبع نولکشور ، لکھنئو ، ۱۸٦۸ء

۰۱- یہ صحیح نہیں کہ ''عود ہندی'' کی اشاعت اکتوبر ۱۸٦۸ء تک غالب کا صرف اردو دیوان ہی ترتیب و طباعت کی منزل سے گزرا تھا ۔ حقیقت یہ ہے کہ اس وقت تک دیوان کے علاوہ غالب کی اردو نظم و نثر کی یہ چیزیں چھپ چکی تھیں :

(ﺍ) نظم اردو : قادر نامہٴ غالب (i) طبع اول : مطبع سلطانی ، دہلی ، ۱۸۵٦ء
(ii) طبع دوم : مطبع العلوم ، دہلی ، ۱۸٦۱ء
(iii) طبع سوم : محبس پریس ، دہلی ۱۸٦۳ء

(ب) نثر اردو : (i) لطایف غیبی ، اکمل المطابع ، دہلی ، ۱۸٦۴ء
(ii) سوالات عبدالکریم ، اکمل المطابع ، دہلی ، ۱۸٦۴ء
(iii) نامہٴ غالب ، مطبع محمدی ، دہلی ، ۱۸٦۵ء
(iv) تیغ تیز ، اکمل المطابع ، دہلی ، ۱۸٦۷ء

۱۱- عود ہندی ، طبع اول ، ۱۸٦۸ء ، صفحہ ۲ ، ۳
۱۲- عود ہندی ، ایضاً ، صفحہ ۳
۱۳- انشائے بے خبر ، صفحہ ۱۱
۱۴- ہندوستانی ، الہ آباد ، اکتوبر ۱۹۳۵ء ، صفحہ ۴۷۳-۴۷۲
۱۵- نامہٴ غالب ، مطبع محمدی ، دہلی ، ۱۸٦۵ء

۱۶- خطوط غالب ، مولانا غلام رسول مہر ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ، ۱۹۶۹ء
جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۴ ، وبہ بعد
۱۷- خطوط غالب ، طبع اول : مجلس یادگار غالب ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ،
۱۹۶۹ء جلد ۱ ، صفحہ ۱۹۴ و بہ بعد
۱۸- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ صفحہ ۳۹۳
۱۹- فغان بے خبر ، صفحہ ۸۱
۲۰- فغان بے خبر ، صفحہ ۸۲
۲۱- فغان بے خبر ، صفحہ ۱۰۰
۲۲- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۹
۲۳- خطوط غالب ، طبع اول ، ایضاً ، ۱۹۶۹ء ، جلد ۱ صفحہ ۲
۲۴- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۹
۲۵- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۹۱
۲۶- خطوط غالب ، مولانا غلام رسول مہر ، ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۰
۲۷- خطوط غالب ، مولانا غلام رسول مہر ، ایضاً ، جلد ۱ صفحہ ۴۷۷
۲۸- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ صفحہ ۴۴۹
۲۹- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۹
۳۰- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۸۱
۳۱- انشائے بے خبر ، صفحہ ۱۱ و بہ بعد
۳۲- دیکھیے حبیب اللہ ذکا کے نام ۱۶ شعبان ۱۲۸۳ھ/۲۴ دسمبر ۱۸۶۶ء کا خط
مشمولہ اردوئے معلیٰ ، دہلی ۱۸۶۹ء ، ص ۴۴
۳۳- اس ''قطعہ غالب'' کی مزید تفصیل کے لیے دیکھیے مقالہ : ڈاکٹر سید معین
الرحمن مشمولہ : جشن نامہ یونیورسٹی اوریئنٹل کالج ، لاہور مشتمل بر مقالات
جشن صد سالہ تاسیس ، مرتبہ : ڈاکٹر عبادت بریلوی، دسمبر ۱۹۷۲ء ، صفحہ
۴۱۹ - ۴۳۶
۳۴- خطوط غالب ، مولانا غلام رسول مہر ، ایضاً ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۸۷
۳۵- انشائے بے خبر ، صفحہ ۴۵
۳۶- بنام : مولوی عبدالقیوم ، فغان بے خبر ، صفحہ ۱۴۱
۳۷- خطوط غالب ، مولانا غلام رسول مہر ، لاہور ۱۹۶۹ء ، جلد ۲ ، صفحہ ۵۷۵
۳۸- یہ فارسی خط ''پنج آہنگ'' میں شامل ہے - دیکھیے : طبع دوم، مطبع دارالسلام
دہلی ، ۱۸۵۳ء صفحہ ۳۹۱
۳۹- مکاتیب غالب ، طبع اول : مطبعہ قیمہ ، بمبئی ، ۱۹۳۷ء ، دیباچہ ، صفحہ
۱۷۲

۴۰- تاریخ صحافت اردو ، جلد سوم ، دہلی ۱۹۶۳ء ، صفحہ ۲۵
۴۱- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ، ۱ صفحہ ۴۶۶
۴۲- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۰
۴۳- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۸۹
۴۴- فغان بے خبر ، صفحہ ۱۲۹
۴۵- مکاتیب غالب ، طبع اول ، بمبئی ۱۹۳۷ء ، دیباچہ ، صفحہ ۱۷۲
۴۶- فغان بے خبر ، صفحہ ۱۲۹
۴۷- فغان بے خبر ، صفحہ ۱۲۹
۴۸- مکاتیب غالب ، ایضاً ، صفحہ ۱۷۲
۴۹- نکات غالب و رقعات غالب ، طبع اول مطبع سراجی ، دہلی ۱۸۶۷ء ، صفحہ ۳
۵۰- انتخاب غالب ، مرتبہ : محمد عبدالرزاق ، چشتیہ پریس ، حیدر آباد دکن ، ۱۹۲۶ء ، صفحہ ۲
۵۱- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۲ ، صفحہ ۹۱۵
۵۲- خطوط غالب ، ایضاً ، جلد ۱ ، صفحہ ۴۷۰
۵۳- فغان بے خبر ، صفحہ ۱۲۹
۵۴- انشائے بے خبر ، صفحہ ۵۴
۵۵- ہندوستانی الہ آباد ، اکتوبر ۱۹۳۵ء ، صفحہ ۴۶۵
۵۶- انشائے بے خبر ، صفحہ ۱۱
۵۷- ہندوستانی ، الہ آباد ، اکتوبر ۱۹۳۵ء ، صفحہ ۴۶۹
۵۸- ہندوستانی ، الہ آباد ، اکتوبر ۱۹۳۵ء ، صفحہ ۴۶۹
۵۹- ذکر غالب ، طبع چہارم ، دہلی ۱۹۶۴ء ، صفحہ ۲۰۸
۶۰- مکاتیب غالب ، طبع اول ، بمبئی ۱۹۳۷ء ، دیباچہ ، صفحہ ۱۷۳
۶۱- خطوط غالب ، مجلس یادگار غالب ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور ۱۹۶۹ء ، جلد اول ، صفحہ ''ب'' (گزارش احوال)
۶۲- عود ہندی ، مجلس ترقی ادب ، لاہور ۱۹۶۷ء ، تعارف صفحہ ۶۸
۶۳- عود ہندی ، ایضاً ، صفحہ ۵۶۸
۶۴- اخبار عالم ، میرٹھ کی اشاعت ۲۲ اپریل ۱۸۶۹ء (صفحہ ۵) میں ''عود ہندی'' طبع اول پر یہ مختصر تبصرہ شائع ہوا ہے :

''یہ کتاب لطافت مآب بہ زبان اردو نثر جس میں اکثر خطوط اور مضامین مختلف بطور دیباچہ کتاب لکھے ہیں ، نواب اسد اللہ خان صاحب غالب مرحوم کے نتائج فکر سے ہے ، جس کا مطالعہ واسطے صفائی اور درستی زبان اردو کے مفید اور کارآمد ہے - مطبع مجتبائی ، واقع میرٹھ میں صاف اور خوش

خط -- ۱۸۸ صفحے کی --- چھپی ہے ۔ قیمت اس کی ایک روپیہ اور اور محصول ڈاک تین آنے ہیں ۔"

[اردوئے معلیٰ ، دہلی ، غالب نمبر ۲ ، فروری ۱۹۶۱ء ، صفحہ ۴۴]

۶۵- "عود ہندی" طبع اول (۱۸۶۸ء) کے بعد انیسویں صدی کی چار مزید اشاعتوں کے حوالے راقم الحروف کی نظر سے گزرے ہیں :

(i) عود ہندی مطبع نارائنی ، دہلی ۱۸۷۸ء

(ii) عود ہندی ، مطبع نولکشور ، کانپور ، ۱۸۷۸ء

(iii) عود ہندی ، مطبع نولکشور ، کانپور، ۱۸۸۶-۸۷ء

(iv) عود ہندی ، مطبع نولکشور ، کانپور ، ۱۹۰۰ء

۶۶- ادبی دنیا ، لاہور ، دسمبر ۱۹۴۹ء ، صفحہ ۳۳

افضل الحق قرشی*

سراج الاخبار

سراج الاخبار کا پہلا شمارہ ۵ جنوری ۱۸۸۵ء کو چھپا یہ ہفتہ وار اردو اخبار تھا ۔ اس کے مالک اور مدیر مولوی فقیر محمد جہلمی تھے ۔

(۱)

فقیر محمد بن حافظ محمد سفارش ۱۲۶۰ھ [۱۸۴۴ء] میں موضع چتن [جہلم شہر سے دو میل بجانب غرب] میں پیدا ہوئے ۔ پانچ چھ سال کی عمر میں گاؤں کے امام مسجد کے پاس قرآن مجید پڑھنے کو بٹھایا گیا ۔ قرآن مجید کے ختم کے بعد ، میاں قطب الدین صاحب کے پاس موضع ٹاہلیانوالہ [چتن سے تین میل] میں فارسی کی کتابیں پڑھنے جانے لگے ۔ لیکن اکثر راستہ میں موضع حاوہ میں اپنے ماموں کے ہاں رہ جاتے اور اپنے ماموں زاد میاں غلام محمد صاحب سے بھی استفادہ کرتے ۔ ۱۲۷۲ھ [۱۸۵۶ء] میں مولانا نور احمد صاحب [م ۱۸۹۵ء] اپنے گاؤں کھوئی کوٹلی [جہلم سے تین کوس] میں واپس آئے ، تو یہ ان کے درس میں حاضر ہوئے ۔ ان کے ہاں رہ کر صرف و نحو ، فقہ اور دیگر علوم عربی کی ابتدائی کتابوں کو سبقاً سبقاً پڑھا ۔ بعد ازاں راولپنڈی چلے گئے ، جہاں پہلے مولانا عبدالکریم صاحب شاہپوری اور بعد میں مولانا محمد حسن صاحب ساکن فیروز والہ سے منطق پڑھنا شروع کی ۔ انہی دنوں ۱۲۷۶ء [۱۸۵۹ء/۱۸۶۰ء] میں دہلی کا ارادہ کیا ، اور ایک گورا فوج کے ساتھ ، جو کانپور جا رہی تھی ، دہلی پہنچے ۔ شروع میں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلوی [م ۱۹۰۲ء] کے درس میں شریک ہوئے ، پھر مولانا محمد شاہ [م۱۸۸۷ء/۱۸۸۸ء]کے ہاں رہے، لیکن تھوڑے ہی دنوں بعد بستی نظام الدین اولیاء میں مفتی صدر الدین آزردہ [م ۱۸۶۸ء] کے ہاں چلے آئے ۔ وہاں تقریباً ڈیڑھ سال رہ کر کتب درسیہ متداولہ پڑھیں اور اواخر ۱۲۷۷ھ [۱۸۶۱ء] میں وہاں سے گاؤں لوٹے ۔ کچھ عرصہ بعد لاہور آ گئے ، جہاں مولانا کرم الٰہی صاحب [م ۱۸۶۵ء/ ۱۸۶۶ء] سے بھی بہت کچھ استفادہ کیا ، اور ساتھ ہی فن کتابت سیکھنا شروع کیا ۔ پہلے پہل امام ویروی [م ۱۸۸۰ء] جو حویلی میاں خان میں قیام پذیر تھے ، سے اصلاح لی ۔ پھر انہی کے شاگرد صوفی غلام محی الدین صاحب آنریری وکیل انجمن

---

* شعبۂ صحافت پنجاب یونیورسٹی ، نیو کیمپس لاہور ۔

حمایت اسلام لاہور اور نیز میر احمد حسن کاتب دہلوی سے اصلاح لیتے رہے۔

تعلیم مکمل کرنے کے بعد کچھ دیر مطبع ناظر خیر اللہ خان کابلی میں کتابت کا کام کیا۔ ۱۸۶۷ء سے مطبع آفتاب پنجاب لاہور میں قانونی کتب کی کتابت کا کام شروع کیا اور رسالہ انوار الشمس کی ادارت بھی کرتے رہے۔ مارچ ۱۸۷۵ء سے ۱۸۸۴ء تک اخبار آفتاب پنجاب کے مدیر رہے۔ ۳ اکتوبر ۱۸۸۴ء سے جہلم میں سراج المطابع کے نام سے ایک پریس لگایا۔ ۵ جنوری ۱۸۸۵ء سے ہفتہ وار اخبار ''سراج الاخبار'' جاری کیا۔ سراج الاخبار کی مختلف اشاعتوں ۲۸ نومبر ۱۸۸۷ء، ۲ جنوری ۱۸۸۸ء اور ۳۰ جنوری ۱۸۸۸ء سے ''سراج العلوم'' کے نام سے ایک ماہنامہ کا اشتہار اور خبریں بھی ملتی ہیں، جسے مولوی فقیر محمد صاحب نے طلبائے مدارس اور امتحان دہندگان مڈل و انٹرنس کے لیے جاری کرنا تھا۔ پتہ نہیں یہ ماہنامہ جاری ہو سکا یا نہیں؟

مولوی فقیر محمد کا انتقال ۱۹۱۶ء میں ہوا۔ عجیب اتفاق ہے کہ اپنے زمانے کے سب سے زیادہ تجربہ کار اخبار نویس اور ایک اہم تذکرہ نگار کی صحیح تاریخ وفات معلوم نہیں۔ سراج الاخبار کی یکم جنوری ۱۹۱۷ء کی اشاعت میں اس کا اشارہ ملتا ہے:

''ایک نامہ نگار کی غلطی پر ۷ فروری ۱۹۱۶ء کو گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے زیر دفعہ ۳ شق ۲ ایکٹ مطابع ایڈیٹر صاحب کو ادخال ضمانت تین ہزار روپیہ کا نوٹس بھیجا اور اس قدر سنگین ضمانت داخل نہ ہونے کی وجہ سے اخبار چار ماہ کے قریب بند رہا۔ اور پھر حکام والا مقام کی سفارش اور گورنمنٹ عالیہ کی خسروانہ عنایت سے زر ضمانت میں معقول تخفیف ہو کر اخبار کو دوبارہ اجراء نصیب ہوا اور آخری ناقابل برداشت صدمہ اخبار کو یہ پہنچا کہ اس کے فاضل ایڈیٹر و مالک مولوی فقیر محمد صاحب کا مایہ ہما پایہ اس کے سر سے جدا ہو گیا''۔

اخبار کا دوبارہ اجراء ۵ جون ۱۹۱۶ء کو ہوا تھا، اس طرح مولوی فقیر محمد صاحب کا انتقال ۱۹۱۶ء کے نصف آخر میں ہو سکتا ہے۔

مولوی صاحب کی تصانیف کی فہرست یہ ہے:

۱۔ زبدۃ الاقاویل فی ترجیح القرآن علی الاناجیل۔
۲۔ آفتاب محمدی۔
۳۔ حدائق الحنفیہ۔
۴۔ تکملہ مباحثہ حافظ ولی اللہ لاہوری و پادری عماد الدین۔
۵۔ عمدۃ الابحاث فی وقوع الطلقات الثلاث۔

۶۔ السیف الصارم لمنکر شان الامام الاعظم ۔

تراجم

۱۔ تصدیق المسیح اردو ترجمہ ۔

حواشی

۱۔ صیانۃ الانسان عن وسوسۃ الشیطان ۔
۲۔ ابحاث ضروری ۔

(۲)

اخبار کے اغراض و مقاصد یہ تھے ۔

۱۔ رعایا کے دکھ درد کا عرض حال گورنمنٹ کے روبرو مدلل وجوہات سے پیش کرنا اور گورنمنٹ کو صلاح دینا ۔
۲۔ ترقی ملک اور رفاہ قوم کے طریقے اپنے ناظرین اور ملک اور قوم کو بتلانا ۔
۳۔ اہل حقوق کو اپنے حق پہچاننے کی طرف مائل کرنا اور طرز تمدن اور معاشرت بھی قوم کو بتلانا ۔
۴۔ مسئلہ اتفاق اور ہمدردی کے فوائد قوم کے روبرو پیش کرنا ۔
۵۔ علاوہ اپنے ملک ہند کے ، ممالک غیر خصوصاً یورپ کے گوناگوں حالات اور وہاں کی تربیت یافتہ اقوام کے کوائف اور تازہ بتازہ خبریں ، واقعات نادرہ ، وقتاً فوقتاً انگریزی ، عربی اور فارسی وغیرہ اخباروں اور انتخاب گورنمنٹ گزٹ پنجاب ، تازہ گزٹ انگریزی سے ترجمہ ہوکر درج ہوا کرے گا[۳]۔

اخبار $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۸}$ سائز کے آٹھ[۴] صفحات پہ مشتمل ہوتا تھا ۔ سالانہ چندہ حکومت سے ۲۰ روپے ، والیان ریاست سے ۱۲ روپے اور اہل ملک سے تین روپے مقررہ آنے تھا ۔ ہر صفحہ تین کالموں میں منقسم ہوتا ۔ اخبار کی مجموعی ترتیب یہ تھی :

(۱) مضمون کبھی کبھار اداریہ (۲) مراسلات (۳) تار برق کی خبریں ، عالمی ، (۴) واقعات مختلفہ ، ملکی و عالمی (۵) کارسپانڈنس ، امرتسر ، گجرات ، لاہور وغیرہ کی مقامی خبریں (۶) انتخاب پنجاب گزٹ (۷) لوکل ، مقامی خبریں

اخبار کا زیادہ حصہ خبروں پہ مشتمل ہوتا تھا ۔ حصہ نظم عموماً غیر معیاری ہوتا تھا ۔ مضامین اکثر شعیہ ، اہل حدیث اور قادیانیوں کے خلاف چھپتے ۔ حکومت

کے بارے میں بھی اخبار مذکور کا رویہ بعض اوقات جارحانہ ہوتا تھا۔

۲۷ نومبر ۱۸۹۳ء کی اشاعت میں اس سال کے اعزازت کے ضمن میں ہندوستانیوں کے متعلق تحریر ہے :

''۔۔۔ اگر خان بہادر ، رائے بہادر وغیرہ کی فہرست بے قید ہے ، تو ہندوستانی مستحقین کو اس سے زیادہ مایوسی نہیں ہو سکتی ۔ خوشامد کیے جاؤ ، کچھ نہ کچھ مل رہے گا ۔''

کلکتہ کے پولیس کمشنر اور ہائی کورٹ کے ایک جج نے گھوڑ دوڑ میں دس دس ہزار کی بازیاں جیتیں ، تو ۳۰ جولائی ۱۸۹۴ء کی اشاعت میں لکھا :

''یہ افسر جواریوں کو کس قوت انصاف سے سزا دے سکتے ہیں ۔''

امہات المومنین نامی ایک کتاب کے سلسلے میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے میمورنڈم بخدمت حکومت پنجاب کے جواب کے ضمن میں ، ۱۹ ستمبر ۱۸۹۸ء کی اشاعت میں مسلم کرانیکل کلکتہ کی یہ تنقید نقل کر کے اسے سراہا ہے :

''اگر یہ کتاب ، جسے دو دیسی عیسائیوں نے شائع کیا ہے ، جدید قانون فساد و نفاق انگیزی کے دائرہ میں نہیں آ سکتی ، تو ایسے قانون کو جو اس لحاظ سے محض کھیل اور نقل ہے ، ہندوستان کے مجموعہٴ قوانین میں داخل رکھنے کا فائدہ ہی کیا ؟''

البتہ ۱۹۱۶ء کی بندش کے بعد حکومت کے ضمن میں اخبار کا رویہ خوشامدانہ ہو گیا ۔

ہندو اور مسلمان دونوں اس کے خریدار تھے ۔ بلکہ ہندو خریداروں کی تعداد مسلمانوں سے بڑھی ہوئی تھی[۵]۔ پہلا پرچہ ۲۰۰ [۶] کی تعداد میں چھاپا گیا، ۱۹۱۲ء میں اس کی اشاعت ۸۰۰ [۷] تھی ۔

یہ اخبار جب سے جاری ہوا ، کبھی ناغہ نہیں ہوا ، نہ کبھی سالانہ تعطیل[۸]۔ ۱۹۱۶ء میں پہلا واقعہ پیش آیا کہ ایک نامہ نگار کی غلطی پر ۷ فروری ۱۹۱۶ء کو حکومت پنجاب کی طرف سے زیر دفعہ ۳ شق ۲ پریس ایکٹ ، ایڈیٹر کو تین ہزار روپیہ ضمانت داخل کرانے کا نوٹس پہنچا ۔ ضمانت داخل نہ ہونے کی وجہ سے اخبار تقریباً چار ماہ بند رہا ۔ حکام کی سفارش سے زر ضمانت میں تخفیف ہوئی ، اور اخبار[۹] ۵ جون ۱۹۱۶ء کو دوبارہ جاری ہوا ۔ ۱۹۱۶ء میں بھی ایڈیٹر کے انتقال کی وجہ سے اخبار کچھ عرصہ پھر بند رہا[۱۰]۔ یکم جنوری ۱۹۱۷ء سے اہلیہ مولوی فقیر محمد نے اسے سہ بارہ جاری کیا ۔ اس بار ایڈیٹر منشی محمد حسن الدین سیالکوٹی تھے ۔

اخبار کی مختلف اشاعتوں سے اس کے درج ذیل معاصرین کا پتہ ملتا ہے ۔

مخبر صادق قصور ، ٹائمز راولپنڈی ، دانش ہند ملتان ، سرحدی اخبار ، اخبار شمالی سیالکوٹ ، وزیر الملک سیالکوٹ ، پنجاب آرگن وزیر آباد ، غمخوار ہند لاہور ، کالیداس بنارس ، جامع العلوم مراد آباد ، انڈین ڈیلی نیوز کلکتہ ، پونہ آبزرور ، طوطیٔ ہند ، نسیم آگرہ ، تاج الاخبار ، محمڈن آبزرور کلکتہ ، بہار ٹائمز بانکی پور ، ناظم الہند ، پنج بہادر بمبئی ، الپنچ بانکی پور ، المؤید ، لکھنؤ ایڈووکیٹ ، گجرات متر سورت ، رہبر مراد آباد ، روہیلکھنڈ گزٹ ، انڈین مرر کلکتہ ، کلکتہ گزٹ ، دارجلنگ سٹینڈرڈ ، مشیر دکن ، ہندوستانی ، اردو گائیڈ ، وفادار ، مظلوم ۔

(باقی)

حواشی

۱۔ اختر شہنشاہی میں تاریخ اجراء یکم جنوری ۱۸۸۵ء درج ہے ۔ مگر مولوی فقیر محمد جہلمی کی اپنی تحریر میں ۵ جنوری ۱۸۸۵ء ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مخزونہ سراج الاخبار کی پہلی جلد میں دوسرا پرچہ موجود ہے ۔ اس پہ تاریخ اشاعت ۱۲ جنوری ۱۸۸۵ء درج ہے ۔ اس کی ہفت روزہ اشاعت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ، تاریخ اجراء ۵ جنوری ۱۸۸۵ء ہی درست معلوم ہوتی ہے ۔

۲۔ ۵ جون ۱۹۰۵ء سے ۱۷ اپریل ۱۹۰۶ء تک کے شماروں پر مولوی محمد کرم الدین دبیر [م ۱۹۴۶ء] کا نام بطور مدیر چھپتا رہا ۔

۳۔ فقیر محمد پروسپکٹس سراج الاخبار ۔ رفیق ہند ۲۰ دسمبر ۱۸۸۴ء ص ۱۴ ۔

۴۔ ۱۹۰۶ء سے اخبار دس صفحوں پہ چھپنے لگا اور ۱۹۰۹ء سے بارہ صفحوں پر ۔

۵۔ سراج الاخبار ۱۹ جون ۱۹۰۵ء ص ۵ ۔

۶۔ فقیر محمد خود نوشت مشمولہ اخبار نویسوں کے حالات ۔ مرتبہ محمد الدین فوق ، لاہور : دفتر کشمیری میگزین ، ۱۹۱۲ء ص ۶۰ ۔

۷۔ ایضاً ، ص ۶۱ ۔

۸۔ سراج الاخبار ۔ ۱۹ جون ۱۹۰۵ء ، ص ۵ ۔

۹۔ منشی محمد حسن الدین ۔ یادداشت قلمی ، ص ۱ ۔

۱۰۔ سراج الاخبار ۔ یکم جنوری ۱۹۱۷ء ، ص ۲ ۔

۱۱۔ ایضاً ۲۲ جنوری ۱۹۱۷ء ، ص ۱۲ ۔

پنجاب یونیورسٹی کیلنڈر

۱۹۷۷-۱۹۷۸ء

پنجاب یونیورسٹی کے جملہ ایکٹ اور دیگر قواعد و ضوابط
پر مشتمل دستاویز

یہ کیلنڈر جو ضروری ترمیات و تصحیحات کے ساتھ مدون کیا گیا، دس
سال بعد کئی اضافوں اور نئے عنوانات کے شمول سے شائع ہو گیا ہے۔

جلد اول

مجلد : ۴۵ روپے — غیر مجلد : ۴۰ روپے

جلد دوم

مجلد : ۴۵ روپے — غیر مجلد : ۴۰ روپے

ملنے کا پتہ :

پنجاب یونیورسٹی سیلز ڈپو (اولڈ کیمپس) لاہور

ڈاکٹر سید عبداللہ*

تاریخ لاہور پر مزید دھندلی سی روشنی

لاہور کی تاریخ و ثقافت سے مورخین نے جو دلچسپی لی ہے اس کا حال سب کو معلوم ہے - یہاں اس کے اعادے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی -

موجودہ شذرے کی تحریر کا باعث یہ نہیں کہ ہم قارئین کی خدمت میں کوئی نادر یا اب تک ناپید و نامعلوم معلومات پیش کر رہے ہیں بلکہ صرف اسی قدر ہے کہ بعض معلوم یا کم معلوم کوائف کے بارے میں مزید وضاحتیں ہو جائیں اور تاریخ لاہور کے مآخذ میں خواہ وہ کتنا ہی ثانوی یا معمولی ہو ایک نیا مآخذ شامل ہو جائے -

یہ نیا مآخذ بھولا ناتھ ابن منشی رائے دین دیال کھتری ملتانی ساکن دارالخلافہ شاہجہان آباد کی فارسی کتاب تحفۃ الہند ہے جس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لاہور میں ہے جس کا کاتب بختاور سنگھ ساکن شاہجہان آباد ہے - تاریخ و سنہ کتابت ۱۸ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ مطابق ۳ مارچ ۱۸۵۰ء ہے - مصنف خود کو ''بندۂ درگاہ'' لکھتا ہے غالباً اس کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں دربار معلیٰ سے ہوگا - راقم الحروف کو اس کے والد کے حالات معلوم نہیں ہو سکے - نسخہ عمدہ لکھا ہوا ہے - لوح اول مطلا ہے -

یہ کتاب ہندوستان کی تاریخ، عہد مغلیہ کی مالیات، اہم واقعات اور اہم عجائبات عمارات، باغات وغیرہ کے مختصر احوال پر مشتمل ہے - اس زمانے کے ہر صوبے کے مختصر حالات مع مالی حاصلات، حاصل الحاصل، اور حاصل سنوات فراہم کی گئی ہے - لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ معلومات براہ براست نہیں چند سابقہ کتابوں سے نقل کردہ ہیں کیوں کہ کئی موقعوں پر شاہ جہان کے ساتھ خلد اللہ ملکہٗ کی دعا بھی درج ہے - بھولا ناتھ کی اس کتاب سے ہم لاہور کے متعلق ایک اقتباس کا عکس دے رہے ہیں - اس کے ترجمے کی ضرورت نہیں البتہ مطالب کا خلاصہ مفید ہوگا - اس اقتباس کو پیش کرنے کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اس کے ذریعے ہم ایسی نئی معلومات پیش کر رہے ہیں جو پہلے کسی کتاب میں موجود نہیں - مقصد صرف یہ ہے کہ اس کے ذریعے بعض سابقہ معلومات کی تائید یا وضاحت

---

* پروفیسر ایمریطس و چیرمین دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور -

ہوتی ہے۔ بہرحال تاریخ لاہور کا یہ بھی ایک ضمنی ماخذ ہے جس کی طرف اب تک اعتنا نہیں کیا گیا۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے کتابیات لاہور میں اس کا کہیں ذکر نہیں آیا شاید اس وجہ سے کہ یہ متاخر کتابوں میں سے ہے۔

میں اس سے اس لیے اعتنا کر رہا ہوں کہ اس کے مندرجات کی تائیدی حیثیت بہرحال مفید ہے بلکہ اس تائید کے انداز پیش کش میں معروف معلومات کے کچھ نئے پہلو سامنے آتے ہیں۔ میری دلچسپی کا دائرہ فی الحال چونکہ لاہور اور روضۂ تاج محل سے ہے اس لیے میں یکے بعد دیگر متعلقہ اقتباس پیش کرکے اس پر تشریحی نوٹ لکھوں گا۔ لاہور سے متعلق نوٹ اب حاضر ہے۔ روضہ تاج محل کے بارے میں آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ہمارے ملک میں (تعلیم یافتہ طبقے کو) اپنی تاریخ سے اگر سچی دلچسپی ہوتی اور اپنی شاندار ماضی کو سمجھنے اور سمجھانے کا سچا جذبہ ہوتا تو بہت سے دیگر ماخذ (مخطوطات) کے علاوہ اس مخطوطے کو بھی تحقیق کے ادارے ایڈٹ کرا کر چھپوا دیتے۔ لیکن بمصداق :

گرفتہ چینیان احرام و مکی خفتہ در بطحا

یہ کام بھی شاید فرنگی یا ہندو ہی کریں گے۔ تحفۃ الہند کے موجودہ اقتباس بہ سلسلہ لاہور میں ہمارے لیے سب سے زیادہ دلچسپی کی چیز متاخر مغلیہ دور کے لاہور کا بازار کتاب ہے۔

بھولا ناتھ نے مسجد وزیر خان کے سلسلے میں ذکر کیا ہے کہ ہر جمعے کو کتابوں کے شائق اور کتابت کے سامان (آلات و ادوات) کے خریدار اس بازار میں آتے ہیں اور ایک میلہ سا لگ جاتا ہے :

”و روز جمعہ ارباب فضل و کمال فصحائے خوش بیان و شعرائے شیرین زبان و طبقہ طبقہ مردم مردم ، سخندان از اہل ایران و توران و ہندوستان ۔۔۔۔ در مسجد وزیر خان کہ ضرب المثل بقاع روزگار است مجتمع گشتہ ہنگامۂ سخن و سخندانی گرم می دارند۔

و کتب بے شمار از عربی و فارسی و دیگر نسخہ ہائے معتبر از تواریخ و مثنوی و دیوان‌ہائے متقدمین و متاخرین و منشات و فقرات و رقعات و نوشتہ جات خوش نویسان روزگار و سائر آلات و ادوات مشق از ہر قسم و ہر جنس۔۔۔ بغرض خرید و فروخت می آید۔ چون آزادی مکتب نشینان مخصوص این روز است از ہر کوچہ و کوی جوانان نو رسیدہ بیاض در دست و گل بر سر بمتقضائے عہد شباب خرامان بسیر بازار کتاب می آیند و تا انقضائے نصف النہار گرمیٔ این ہنگامہ رونق افزائے دیدہ ارباب بصیرت می باشد“۔

دراصل بازار کتاب کی ابتدا اس وصیت نامے ہی سے ہو جاتی ہے جو اس مسجد کے سلسلے میں لکھا گیا تھا ۔ وصیت نامے میں (ماخوذ از تاریخ لاہور انگریزی مصنفہ سید محمد لطیف) واضح لکھا ہے کہ صحاف اس مسجد کے حجروں میں بے کرایہ ہی رہا کریں گے (وصیت نامہ تحقیقات چشتی میں بھی ہے) ۔

اس مسجد میں دوسرے خدام کے علاوہ صحافوں (جلد سازوں یا شاید کتاب فروشوں) کے لیے حجرے مخصوص کر دیے گئے تھے جن کا کرایہ نہ لیا جاتا تھا اور ایک مدرسہ بھی تھا اس لیے اس جگہ ''کتاب دوستوں'' کا جمع ہو جانا امر قدرتی تھا ۔ غالباً مسجد وزیر خان کی اس علمی و ادبی فضا کا نتیجہ تھا کہ اس میں اصحاب ذوق جمع ہو کر ادبی بحثیں بھی کرتے تھے اور اس میں مشاعرے بھی ہوتے تھے ۔ حاکم لاہوری نے اپنی کتاب مردم دیدہ میں ایک ایسے مشاعرے کا تذکرہ کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسجد وزیر خاں میں مشاعرے کی محفلیں اکثر قائم ہوتی تھیں ۔ حاکم نے جس مشاعرے کا ذکر کیا ہے اس کی کہانی یہ ہے ۔

شاہ فقیر اللہ آفریں ، عبدالصمد خاں دلیر جنگ کے دور صوبہ داری میں فن شعر میں استادی کا مرتبہ رکھتے تھے اور حاکم بھی ان کے معتقدوں میں سے تھے ۔ اسی وجہ سے انھوں نے آفرین کے حالات خاص توجہ سے لکھے ہیں ۔

باقی حالات سے قطع نظر ، موجودہ شذرے کے حوالے سے صرف وہ واقعہ یہاں لکھا جاتا ہے جس کا تعلق مسجد وزیر خان کی ایک ادبی محفل سے ہے ۔ حاکم لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ملا محمد سعید اعجاز دہلی سے لاہور میں وارد ہوئے ۔ ان دنوں مسجد وزیر خاں کے صحن میں مشاعرے ہوا کرتے تھے ۔ ''الحال از یاد آن (دارم کہ سابق) در صحن مسجد وزیر خان واقع لاہور جاعہ شعرائے معنی‌دان محفل‌آرا می شدند و مشاعرہ درمیان می آمد''۔

ان مشاعروں میں سے ایک میں ملا محمد سعید اعجاز بھی شریک ہوئے ۔ اثنائے گفتگو میں ملا اعجاز نے ناصر علی سرہندی کے اس شعر پر اعتراض کیا :

صریر خامہ می دانم کہ با طبعت نمی سازد
دریدی نامہ، دل صد پارہ شد، قاصد رسید این‌جا

اس موقعہ پر بڑے مزے کی گفتگو ہوئی جس میں آفرین نے بھی حصہ لیا جس کی تفصیل مردم دیدہ ہی میں دیکھنی چاہیے ۔

حاکم نے آفرین کے تذکرے میں شالامار لاہور کی ایک ادبی محفل کا بھی ذکر کیا ہے ۔ بہرحال یہاں قصہ مسجد وزیر خان کا ہے ۔ بھولا ناتھ نے ادیبانہ

انداز میں اس مسجد کے ماحول کا عمدہ نقشہ کھینچا ہے جس سے اس مقام کی تہذیبی اور علمی اہمیت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے ۔

کشمیری بازار اب بھی کتاب فروشوں کا بازار ہے ۔ یہ بھی مسجد وزیر خاں کے قرب ہی کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے ۔ وزیر خاں کی وصیت کا درج ذیل حصہ صورت حال کی مزید وضاحت و صراحت کی خاطر مفید ہوگا ۔

''و نیز شرط کرد کہ بیست قطعہ دکاکین بیرون دروازہ شرق و بالا خانہ ہای آنہا محض برای نشستن صحافان کتب اسلامیہ بی کرایہ باشد'' (تاریخ لاہور انگریزی مصنفہ سید محمد لطیف و تحقیقات چشتی شائع کردہ پنجابی ادبی اکیڈمی ، ص ۱۰۰۴) ۔

اس وصیت میں دو مدرسین کا بھی ذکر ہے جن کا فریضہ علوم اسلامیہ کی تدریس تھا لیکن کسی مورخ نے ، بعد میں اس مسجد کے مدرسے کی تفصیل ہمیں نہیں دی ۔ جہاں تک دوکانوں کا تعلق ہے یہ قدرتی طور سے مسجد کے باہر ہی شرق رویہ شمال رویہ جنوب رویہ تھیں مگر مسجد کے ارد گرد باغیچے بھی تھے جس کے معنی یہ ہوئے کہ یہ جگہ صرف بازار کتاب ہی نہ تھی سیر گاہ بھی تھی ۔

سید محمد لطیف نے انگریزی تاریخ لاہور میں لکھا ہے کہ ان کے زمانے میں صورت یہ ہے کہ صحن مسجد کی باہر کی مسقف گیلری میں جو دو دروازوں کے درمیان ہے صحاف (جلد ساز) بیٹھتے ہیں اور اندر کے حجروں میں نقاش ، کاتب اور طلبہ بیٹھتے ہیں (یا قابض ہیں) (تاریخ مذکور ، طبع ۵۷-۱۹۵۶ء ، ص ۲۱۶) ۔

مسجد وزیر خاں کے بازار کتاب کے علاوہ سرسری سی کچھ اور معلومات بھی ہیں جن کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے ۔ اس اقتباس میں جن عمارتوں کا ذکر ہے وہ یہ ہیں :

عمارات :

۱۔ عمارت دولت خانہ شاہی (مشرف بر دریا) ۔
۲۔ منازل بادشاہزادہ ہائے نامدار ۔
۳۔ حویلی آصف خاں سپہ سالار (شہرے دیگر درین شہر است)
۴۔ منازل امرا مثلاً

(الف) رکن السلطنت علی مردان خاں
(ب) امیر الامرا افضل خاں
(ج) علامۂ روزگار سعد اللہ خاں
(د) و محلات عمدہ ہائے دولت ، مثل اسلام خاں

و اعظم خاں
و وزیر خاں
و جعفر خاں

باغات :

باغ دلکشا
باغ دل آمیز
باغ بیگم صاحبہ
باغ میرزا کامران
باغ نولکھا
باغ فیض بخش } یہ امر قابل لحاظ ہے کہ مصنف نے اس کا معروف نام
باغ فرح بخش } شالامار باغ یا شہلا باغ نہیں لکھا ۔
باغ میر عبداللہ

مقابر و مزارات :

مزار سید علی ہجویریؒ (جس کی زیارت کے لیے بروز پنج شنبہ لوگ جمع ہوتے تھے)
بروز جمعہ اہل علم و ادب مسجد وزیر خان کے بازار کتاب میں بغرض تفریح و
ملاقات جمع ہوا کرتے تھے ۔

دروازے (بارہ دروازے) :

ان میں سے ایک روشنائی دروازہ (جو دولت خانہ شاہی (قلعہ) کے پاس ہے) ۔
مصنف کا خیال ہے کہ دولت خانہ شاہی کے قرب کی وجہ سے ہی اسے روشنائی
دروازہ کہتے ہیں ۔ اور دوسرا دہلی دروازہ ہے ۔

لاہور کے حاکم :

آقا افضل خان ، قاسم خان ، صادق خان ، عنائت خان اصفہانی ، وزیر خان ،
معتمد خان ، سید خان جہان ، قلیچ خان ، سعید خان ، علی مردان خان ، قاضی محمد
افضل ، سید صلابت خان ، شیخ عبدالکریم ، خواجہ معین الدین ، بہادر خان ، سید
عزت خان (مصنف نے صرف نام لکھے ہیں حالات وغیرہ نہیں دیے) ۔

یہ ہیں لاہور سے متعلق تہذیبی کوائف جو بھولا ناتھ کی کتاب (قلمی) تحفۃالہند
میں موجود ہیں ۔

اس کتاب میں مغلیہ عہد کے سب صوبوں کے مجمل کوائف شامل ہیں ۔ دہلی
کے علاوہ آگرہ کی عمارتوں کا بھی ذکر ہے ان میں سب سے زیادہ اہمیت روضہ تاج
محل کو حاصل ہے جس پر آئندہ کسی موقع پر نوٹ لکھا جائے گا ۔ انشاء اللہ

ڈاکٹر محمد باقر*

خواص القرآن کا ایک نادر خطی نسخہ

تاریخ

قرون اولیٰ کے مسلمان علماء اس قدر راستباز اور حقائق پسند تھے کہ تاریخ نویسی میں انھوں نے اپنے مزعومات یا خیالات کو دخیل نہیں ہونے دیا ۔ انھیں اس بات کی فکر نہیں کہ ان کے بیانات سے کون کیا نتائج اخذ کرتا ہے اور ان کا اثر ان کی فہم و فراست کے متعلق کیا اندازہ قائم کرنے میں مدد دیتا ہے ۔ وہ صرف حقیقت بیانی کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے ۔ مضمون زیرنظر میں اسی ایک حقیقت کا ذکر کیا گیا ہے جس کی حیثیت تاریخی بھی ہے اور افادی بھی ۔

تاریخی طور پر اور مصدقہ روایات کی رو سے ثابت ہے کہ حضورؐ پر جادو کیا گیا تھا اور اس کے اثر سے آپ بیمار ہوگئے تھے اور افادی حقیقت یہ ہے کہ اس اثر کو دور کرنے کے لیے جبریل علیہ السلام نے آکر آپ کو قرآن کی وہ دو سورتیں پڑھنے کے لیے کہا تھا جنھیں معوذتین (الفلق ۔ الناس) کہا جاتا ہے ۔ اس پر قدیم و جدید عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ اگر یہ روایت تسلیم کر لی جائے تو شریعت کاملاً مشتبہ ہو جاتی ہے ۔ کیونکہ اگر نبیؐ پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے تو اس اثر کے تحت نجانے اس سے کیا کچھ کہلوایا اور کرایا جا سکتا تھا ۔

لیکن جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے نبی کریمؐ پر جادو کا اثر ہونا ثابت ہے ۔ اسے حضرت عائشہؓ ، حضرت زیدؓ بن ارقم ، اور حضرت عبداللہؓ بن عباس سے بخاری ، مسلم، نسائی ، ابن ماجہ ، امام احمد ، عبدالرزاق ، حمیدی ، بیہقی، طبرانی، ابن سعد ، ابن مردویہ ، ابن ابی شیبہ ، حاکم ، عبد بن حمید اور دیگر متعدد محدثین نے اسناد سے تواتر کی حد تک نقل کیا ہے ۔ اس لیے اس واقعہ سے انکار ممکن نہیں کہ رسول کریمؐ معوذتین کی وجہ سے شفایاب ہوئے ۔

ایک دو اور واقعات سنیے : طبرانی نے صغیر میں حضرت علیؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضورؐ کو ایک دفعہ نماز کی حالت میں بچھو نے کاٹ لیا ۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ نے پانی اور نمک منگوایا اور جہاں بچھو نے کاٹا تھا وہاں آپ نمکین پانی ملتے

---

* پروفیسر ایمریطس پنجاب یونیورسٹی لاہور ۔

جاتے تھے اور قل یا ایہا الکافرون ، قل ھواللہ احد ، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے جاتے تھے -

مسلم، مسند احمد، اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ رسولؐ اللہ نے جھاڑ پھونک سے روک دیا تھا - لیکن مسند احمد ، ترمذی ، مسلم اور ابن ماجہ میں حضرت انس سے ایسی روایات بھی منقول ہیں جن میں حضور نے زہریلے جانوروں کے کاٹے اور ذباب کے مرض اور نظر بد سے جھاڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی تھی -

خواص القرآن

امراض کو دور کرنے اور جھاڑ پھونک کرنے کے سلسلے میں خواص القرآن کے موضوع پر عربی اور فارسی میں متعدد تصانیف موجود ہیں - یہاں اجمالی طور پر ہی ان میں سے چند کا ذکر کیا جا سکتا ہے - محمد بن عبداللہ بن سہیل الجوزی ملقب بہ ابن الخشاب (١٢٥٢ء/٦٥٠ھ) نے عربی میں **درالنظیم فی فضائل القرآن العظیم** کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دی جس کی تلخیص مشہور صوفی اور مورخ عبداللہ بن اسعد الیافعی (وفات ١٣٦٧ء/٧٦٨ھ) نے کی - اس کا فارسی ترجمہ بھی غالباً اسی الیافعی ہی نے کیا تھا جو بمبئی سے ١٣١١ھ میں شائع ہوا تھا -

مشہور شیعہ مذہبی رہنما محمد باقر مجلسی (وفات ١٦٩٨ء/١١١٠ھ) نے **خواص سورہ ہاس قرآن** کے عنوان سے اس موضوع پر ایک کتاب ترتیب دی - ان کے علاوہ متعدد اور کتابیں تالیف کی گئیں جن میں سے اس وقت بعض کے مؤلفین کی شناخت بھی نہیں ہو سکی اور ان میں سے بیشتر تالیفات دنیا کے مشہور کتابخانوں میں محفوظ ہیں -

زیرنظر خطی نسخہ

زیرنظر قرآن مجید کا خطی نسخہ گجرات (پنجاب) کی ایک مسجد کی ملکیت ہے - بڑی تقطیع "٤ء٨×"٦ء١٣ پر مشتمل ہے - ہر صفحہ پر جلی قلم میں دس سطور ہیں - ہر سطر کی لمبائی "٥ ہے اور ہر صفحے پر ایک سونے کا ، دو شنگرف کے اور دو آبی رنگ کے حواشی کھینچے گئے ہیں - حسین و جمیل اسلیمیاں بنی ہوئی ہیں - متعدد انواع کے فارسی اور عربی میں حواشی مرقوم ہیں - بیشتر حواشی نہایت خوبصورت اور زیبا نستعلیق میں ہیں - متن کی مختلف قرائتیں درج ہیں ، بعض سورتوں کے حروف و کلمات اور رکوع درج ہیں - مثلاً سورۂ آل عمران کے حاشیے میں ہے :

حروفات ١٤٥٢٥
کلمات ٤٢٨٠
رکوعات ٢١

تذہیب میں اچھی خاصی محنت کی گئی ہے ۔ سورۂ المائدہ ، سورۂ یونس اور کئی دیگر سورتوں کے شروع کے صفحات بڑے دلاویز انداز میں مذہب ہیں ۔

میرے پاس جب یہ نسخہ بھیجا گیا تو سارے کا سارا آبزدہ تھا اور اس کے اوراق جڑے ہوئے تھے ۔ میں نے کئی مہینے صرف کرکے اس کے اوراق تقریباً سالم شکل میں الگ الگ کیے ۔ کیونکہ اس کے بغیر اس نسخے سے استفادہ ممکن نہ تھا ۔

خواص القرآن پر محیط خطی نسخہ

یہ خطی نسخہ گجرات (پنجاب) کی ایک مسجد کی ملکیت ہے اور مرور زمانہ اور بے احتیاطی سے آب زدہ ہوگیا ہے ۔ لیکن قرآن مجید کے متن کے حواشی نہایت اعلیٰ نستعلیق اور منظوم فارسی میں مندرج ہیں ۔ کوشش کے باوجود نہ تو کتاب کی تاریخ کتابت معلوم ہو سکی نہ یہ معلوم ہو سکا کہ ان حواشی کا مصنف عبدالنبی شاعر کون ہے ۔ کاغذ اور کتابت کے اعتبار سے نسخہ تقریباً ڈھائی سو سال پرانا معلوم ہوتا ہے اور عبدالغنی نے درالنظیم کا انتخاب فارسی میں درج کیا ہے ۔ یہ نسخہ اس لحاظ سے بھی منحصر بفرد ہے کہ اس کی کوئی اور نقل کسی معلوم کتابخانے میں نظر نہیں آئی ۔ آخری برگ پر شاعر نے اپنے متعلق اور اپنی کوشش کے متعلق صرف یہ درج کیا ہے :

من ز قـرآن جز رضای حق نمی خواہم ولی
بندۂ محتاج را محتاج دانی بی گمان

ہست قرآن چون شفای رحمت للعالمین
زان دوای درد خود را زو ہمی جویم نشان

گنج دیدم درمیان نسخۂ درالنظیم
چیدم از وی این دو چند از برای مومنان

فارسی خوانم ز عربیت ندارم حاصلی
ورنہ پر می کردم از گنج گہر این گنجدان

اندک از خاصیت قرآن نوشتم در نجات
ور زیادہ خواہی از متنش بجویی باز دان

ہر چہ دانی باز گو عبدالنبی خجلت سیر
قول حق بہتر بود از قیل و قال دیگران

گویا عبدالنبی کے یہ اشعار درحقیقت عربی درالنظیم کے مطالب سے منتخب ہیں اور کامل گنجدان کا ترجمہ نہیں کیا گیا ۔ اب خواص القرآن کے متعلق عبدالنبی کے

اشعار ملاحظہ فرمائیے :

سورۂ الانعام — گر بخوانی سورت الانعام بی قطع الکلام
یتی اندر جنت الماوی‌ا عطای بی کران
ور نویسی و در آویزی بر اعناق دواب
باشد ایمن از مخافات مہالک جاودان

سورۂ اعراف — سورت الاعراف گر خوانی بخاصیات او
در جہان ایمن بمانی از بلیات جہان

سورۂ الانفال — گر بخواہی از خدا خوشنودی دنیا و دین
سورۃ الانفال را بہر رضای حق بخوان

سورۂ یونس — گر ترا چیزی شود گم ، گفت در درالنظیم
سورت یونس الی وجدان سارق بازخوان

سورۂ ہود سے پہلے کی آیات قل‌یاایہاالناس سے آخر تک :
نصرتت بخشد بر اعداء ، غالب آیی برھمہ
گر بداری پیش خود در وقت جنگ دشمنان

سورۂ الرعد — سورت الرعد ار نویسی بر قوانین کتاب
ہم ز متولی شوی ایمن ہم از سلطانیان

سورۂ ابراھیم — گفت پیغمبر اگر خوانی تو ابراہیم را
بر شعار عبدۃ الاصنام یابی مزد آن
ور نویسی و بداری در گلوی طفل خورد
دفع گردد زو بکا و فزع و عین و مردمان

سورۂ الحجر — سورت الحجر ار بآب زعفران سازی رقم
شیر زن از خوردن آبش فزاید در زمان
ور کنی حرزش فزاید برکت اندر کسب تو
در تجارت راست تر باشی بنزد مردمان

سورۂ النحل — سورت النحل ار بخانہ یا بہ بستان عدو
گر نہی گردد خراب آن خاندان و بوستان

بہر حاجات دنیا و عقبیٰ
ہفت نوبت کریمۂ سبحان
تا مہمات دنیا و عقبیٰ
بمراد دلت شود آسان

طه و مریم — مثل انصار و مهاجر آمد از روی ثواب
[دو دفعه] — خواندن طه و مریم از برای قاریان
گفت پیغمبر که نتواند مگر اہل بہشت
تا بخواند سورت طه و مریم در جہان

سورة الانبیاء — گفت پیغمبر اگر خوانی تو سوره انبیاء
دان حساب خویش آسان در قیامت بی گمان

سورة المومنون — مومنون بر خرقهٔ بیضا جو بنویسد کسی
شارب خمر ار ندارد خمر نخورد بعد زان

سورة النور — سورت نور ہفت بار بخوان
تا شوی رستگار از بہتان
ور نویسی درستکار خروش
از سر اعتقاد بندی آن
کثرت احتلام کم گردد
پاک مانی ز وسوسه شیطان

سورة النمل — سورة النمل بہر ہر حاجت
ہر که یک ہفته خواند و ہر روز
حق کفایت کند مہاتش
گردد از بخت خویشتن فیروز

سورة القصص — قصص آن کس که ورد خود سازد
عاقبت مرشدی ز صدیقان
آب باران بگیر ، این سورت
از عقیده خلوص بر وی خوان
بس باخلاص از برای شفا
خستگان را سه روز زان بخشا
دفع گردد ازو قضا و بلا
از کرم ربنا طفیل قرآن

سورة العنکبوت — دفع اندوه عنکبوت بخوان
ہفت نوبت که تا شوی بی غم
ور نویسی بزعفران و مشک
بہر خورسندی مدار کرم

شربت آبی ازان جو باز خوری
شوی آسوده دل نه بیش نه کم
از بدی ها بری شوی کلی
نرسد بر تو از زمانه ستم

سورة الروم
سورت الروم دفع دشمن را
هست یک بار هر که بر خواند
هیچ دشمن بوی دگر کم و بیش
بعد زان کار زار نتواند

پیغامبر صلعم فرمود : هر که سه آیات بخواند از سورت روم از خوف درویشی و زوال ایمان ایمن گردد و آیت معظم این است.
سبحان الله تا تخرجون (آیات ۱۹-۱۷)

سورة لقمان
متوکل که در هجوم مرض
نیست محتاج حکمت یونان
چون شکم درد گیردش خواند
از سر صدق سورت لقمان

سورة السجده
هفت بار آنکه سورت سجده
از سر اعتقاد بر خواند
ور نویسد بزعفران و مشک
حرز تعویذ خویش گرداند
از جذام و تب و علیل تمام
از بلیات در امان ماند
سورت السجده بیاید در قیامت باد سرد
ور برای قاری خود بر سر آرد سائبان

سورة الاحزاب
سورت الاحزاب را می دان شمایل بی شمار
الشکور آمد خطاب قاریش در آسمان

سورة السباء
گفت پیغمبر هر آن کو هست قاری سبا
باشد او روز قیامت صافح (؟) پیغمبران
هفت باره سبا بصدق بخوان
ای گرفتار رنج درد و بلا
تا بگردد ز جور دور ورم
تا نه بینی ز زورمند جفا

سورة الفاطر
چونکه حاجت به پادشاه بری
یا بحکام صاحب دیوان
سورۂ فاطر از سر اخلاص
زود ہفتاد و پنج بار بخوان

سورۂ یسین
سورت یسین اگر در شب بخوانی یا بروز
اندران روز و شب از عصیان بمانی برکران
بہر قاری یشفع و یغفر برای مستمع
سورت یسین قبول خاتم پیغمبران
شادی آرد گر بخواند مر ورا اندوہگین
ور گدا خواند غنی گردد بلاشک در جہان
قاریت را از بلای آخرت دارد نگاه
مستمع را از بلای این جہان بخشد امان
تشنہ را سیراب سازد گرسنہ را سیر زور
از کتاب حجة الاسلام گفتم باز خوان
ختم او ہفتاد بار از بہر حاجات آمده
وز برای دعوت باران چہل یک بار دان
وز پی محبوس ختم او بدان ہفتاد و پنج
تا بفضل حق خلاصی بیفد از بند گران

حفظ ایمان خود اگر خواہی
ختم یسین بکن چہل یک بار
حفظ نعمت زیاده تر گردد
نزد مردم بزرگ با مقدار

والصافات
گفت پیغمبر ہر آن مومن کہ والصافات را
خواند ایمن ماند از شر شیاطین بی گمان

ص
ہفت نوبت ہر آنکہ سورت صاد
نکنید چشم بد بر آنکس کار
ہر کہ این را ہمیشہ ورد کند
مددش باشد از صفات کبار

الزمر
ہفت نوبت برای عزت و جاه
از سر اعتقاد زمر بخوان

ور نوشته بخود نگهداری
حکم آن نیز آن چنان می دان

المؤمن

هر که او را جراحت بسیار
عاجزش سازد و زبون و نزار
از برای شفا بگو مومن
بر حریرش نویس با خود دار

حٰم سجده

هر که حٰم سجده را صد بار
از سر اعتقاد برخواند
گردد از قهر پادشاه ایمن
دل سلطان باو رحیم آمد

الزخرف

سه کرت هر که سورت زخرف
خواند از صدق دل مهماتش
حق تعالیٰ بر آورد از غیب
حاصل آرد جمیع حاجاتش

ختم سورت زخرف هفت بار بجهت رسیدن مراد

الدخان

هفت نوبت بخوان ز صدق دخان
هر مهمی که داری اندر جان
یا بیابی ز قاضی الحاجات
اول و آخرش بگو صلوات

الجاثیه

هر که افتد سورت طه سکرات (کذا)
سه کرت جاثیه برو بر خوان
تا دران حال گوهرش ایمان
ماند ایمن ز غارت شیطان

الاحقاف

از پی دفع شر دیو و پری
خوانی این سورت کریم ایشان
گر تو یک نوبت کریم احقاف
گیری ار چون حصار از اطراف
ور نویسی بزعفران و مشک
نوش فرمائی آمد از اشراف

نکند سحر ساحران بتو کار
نشوی متهم بکذب کذاب

محمد ختم سورت محمد صلعم بجهت بر آمدن مهمات بخواند ، الله کارش آسان کند ـ

الفتح
فتح و نصرت تو گر همی خواهی
سورت الفتح خوان چهل یک بار
تا که هنگام حرب دشمن را
گرز رانی به تیغ گوهر بار
ور نویسی و بر کتف بندی
ایمن آئی ز دشمن غدار

الحجرات
هر که علت که از شکم باشد
هفت نوبت بخواند از حجرات
شکمش به شود دلش خرم
شود از لطف حق تمام نجات
ور بخواند مداومت بکند
مدتی گردد از صفات کبار
کرده باشد اگر کنی عیبت
گفته باشد اگر کنی سقطات

ق
هشت نوبت هر آنکه سورت ق
در هر آدینه خواند او شش بار
وقت مردن بود بآسانی
جان شیرین بحق دهد خوشوار
قبر او آن چنان شود روشن
که بود رشک گنبد دوار

الطور
گر تو در زندان بخوانی سورت و الطور را
در خروج از وی به بینی قدرت حق را عیان
ور مسافر خواند ایمن ماند از شر سفر
آب او بر عقرب ار ریزی بمیرد در زمان

النجم
گر نویسی سورت والنجم بر حکم کتاب
قوت نصرت بیابی بر گروه دشمنان

القمر
روز آدینه اگر سورت قمر وقت نماز
بر نویسی و بداری زیر دستار ای جوان

نزد مردم نیک رو باشی شود آسان ترا
کارهای صعب تر در دین و دنیا بی گمان

الرحمن
سورت الرحمن بآب پاک می شوئی خوری
تا به بینی صحت از مرض طحال ای ناتوان
ور بداری پیش خود ایمن بمانی از رمد
ور بدیوارش نویسی از هوام آرد امان

الواقعه
بهر دفع فقر و فاقه سورت الواقعه
روز و شب می خوان بقول سرورم عالی مکان
ور بخوانی نزد آن کس مرگ گردد هم قرین
گردد آسان آن زمان مر روح او اندر زمان

الحدید
اسم اعظم باز دان در اول سورت حدید
در شش آیاتش بقول ابن عباس ای جوان
ور بحرب اندر بداری زخم ناید مر ترا
هم پی دفع ورم از بهر تب نافع بدان

المجادله
ور تو می خوانی مجادله بنزدیک مریض
ور کنی ورد شب و روزش بفیض کردگار
نام و مسکن می دهد گفت آن شه تفسیر آن
از همه طارق بمانی در پناه جاودان
ور نویسی و نگهداری مر او را در حبوب
هر چه می باشد درآنجا دور گردد آن زمان

الحشر
گر بخوانی سورت الحشر ای برادر روز و شب
باشد آمن مر ترا در دین و دنیا بیگمان

الممتحنه
ممتحنه گر نویسنده خوراند آبش سه روز (کذا)
دور گرداند خدا مرض طحال از فضل آن

الصف
سورت الصف ای پسر دایم همی خوان در سفر
تا ترا کافی بود از طارقان ره زنان

الجمعة
گر بخوانی سورت جمعه شب و روزی مدام
مانی از وسواس شیطان لعین اندر امان

التغابن
باز خوانی سورت تغابن تا ترا باشد امان
هم ز خوف دیو ملعون هم ز شر ظالمان

الطلاق	گر بریزی در مقام ظالمان ماء الطلاق هم چنان بینی که گفت آن عامل فرخ بیان
الطارق	سورة الطارق اگر خوانی ز منع احتلام تا بوقت صبح از شیطان بمانی در امان ور تو بر مشروب خوانی کان بود از آدبه (؟) شارب از نقصان آن ایمن بماند بی‌گمان
الاعلیٰ	سورت الاعلیٰ به پهلوی یمین حامله گر نویسی در مه اول ز حمل از فضل آن بی گمان بخشد ورا فرزند بر لطف خدا هم بدرد گوش و بر ریغ بواسیرش بخوان ور بروز جمعه بنویسی ورا بعد از نماز بر که دارد آن پناه او را ز آفات جهان هم پی حفظ صفای دهن تعویزش بکن دار با خود تا به بینی قدرت حق آن زمان
الغاشیة	غاشیه را چون بخوانی بر الم ساکن شود ور بخوانی بر طعام ایمن شوی از بیم جان
الفجر	سورت الفجر ار بخوانی یازده بار - - - (آب زده) تا بصبح روز دیگر باز مانی در امان
البلد	سورت البلد ار بخوانی در گلوی طفل خورد وقت زادن ماند ایمن از هوام اندر زمان ور بپوشی جامه و تجدید بنویسی برو حرمتت باشد بنزدیک بزرگان و جهان حاجتت گردد روا باشی چو بهر حاجتی مر ترا باشد قبول هیبت و قرب شهان
الشمس	سورت الشمس ار بخوانی - - - - - مر ترا بخشنده توفیق - - - - - ور خوری آبش ز فضل حق شود ساکن همه اعتراضات الرجیف و الزحیر اندر امان
الیل	سورت الیل ار بخوانی پانزده باره بشب هیچ مکروهی بخواب اندر نبینی بی گمان

برهمی نافع بود مغموم گر آتش خورد
چون تب دائم دہد رنجش بہ تشویش گران

الضحیٰ
سالم آید گر بخوانی بهر حاجت والضحیٰ
وربئی نسیان بخوانی یادت آرد در زمان

الم نشرح
از پئ ضیق النفس آمد الم نشرح دوا
چون دمی بر سینه از وجع الفواد آرد امان
ور نویسی و خوری آبش ترا نافع بود
از خفی و نیز از وجع المثانه بی گمان

التین
گر بخوانی سورت التین بر ذخیره از طعام
دور گردد زو ضرر برکت بہ بینی اندران

العلق
گر ترا ہمراه باشد در سفر سورت علق
از ہمہ وحشی بر و بحر بباشی در امان

القدر
گر تو خواہی تا شوی صادق بقول خویشتن
بر تو باد از خواندن سورت قدر قدر تو دان
ور بخوانی بر جبین آنکہ خواہی دوستش
ہر چہ داری دوست از وی باز بینی ہم چنان
جامہ چون پوشی بدم بر آب سہ باره قدر
می بر آن بر جامہ تا برکت ببینی اندر آن

البینة
بینہ را در گلوی صاحب یرقان بہ بند
یا بدہ آبش بخوردن تا بہ بیند نفع آن
ہمچنین بنویس و بر بندش بہر درد و الم
حالمہ را ہم ز آبش منفعت تو باز دان

الزلزال
سورت الزلزال بر خوان پیش سلطان چون روی
تا ز خوفش ایمن آیی درمیان خانمان
باز بکشاید خدا گنج زمین بر روی تو
گر بخوانی بیشتر اندر نماز او را عیان
در عدالت نصف قرآن آمد از روی ثواب
بر حدیث احمد مرسلؐ شہ پیغمبران

العادیات
گر نویسی و بداری پیش خود والعادیات
رزق بکشاید ترا ، مانی ز فقر اندر امان

القارعه	بهر تکثیر معیشت قارعه با خود بدار ور بخوانی روز و شب ایمن بمانی جاودان گر بخوانی بر شقیقه یا بخوانی بر صداع نفع بینی در تکاثر بعد عصر ای ناتوان
العصر	از پی حفظ دفینه هم لی دفع حمی باز خوانی سورت العصر از برای بر دو آن
الهمزة	سورت الهمزه همی خوان در نماز نافله تا تزید مال و رزق خویش بینی اندر آن
الفیل	سورت الفیل ار بخوانی بهر تسکین الریاح یا علیل وجه العدو از هر دو مانی در امان گر بخوانی بهر دفع سم و وجع کلیتین وا رهی از بر دو علت ای مریض ناتوان
الماعون	هم شود مقبول قولت ، هم دعایت مستجاب سورت الماعون گر خوانی بروزان و شبان ور تو صد بارش بخوانی صبحدم بعد از نماز تا بصبح روز دیگر بازمانی در امان
الکوثر	سورت الکوثر بگرداند ز تو شر عدو تا بود پیش تو مکروهی نه بینی بی گمان وز پئی دیدار آن سرورم که باشد صد سلام شب الف بارش بخوانی - - - همچنان با وضو خواب ارکنی باشد طعام تو حلال در شب آدینه یابی دولت خود را نشان
الکافرون	کافرون را در طلوع و در غروب آفتاب باز خوان تا مانی از شرک و نفاق اندر امان هم ز شک مانی سلامت هم ز سوء الاعتقاد خواندن قرآن در ربع فضیلت باز دان
النصر	سورت النصر ار کنی نقشش بپاره از رصاص دان رصاص اندر میان شبکه ان داری نهان قدرت حق را تماشا کن بچشم اعتبار تا چه سان آیند در وی فوج فوج ماهیان

اللهب	کم شود درد و شفا بینی بتقدیر خدا
	سورت اللهب ار بخوانی بر سر وجع ای جوان
	ور بخوانی و بیایی پیش جبار عنید
	از تو شر او شود دور ای پسر هم در زمان
الاخلاص	سورت الاخلاص گر خوانی باخلاص و یقین
	بهر دوزخ لحم تو گردد حرام از فضل آن
	یازده بار ار بخوانی در مقامی چون روی
	بر شمار جملهٔ اموات مژده ش باز دان (کذا)
	ثلث قرآن در حدیث آمد چو از روی ثواب
	گر ترا اخلاص باید سورت اخلاص خوان
الفلق	سورت الفلق از پیٔ پیروزی اخوان مدام
الناس	سورت الناس آمد از بهر سلامت در جنان
	ور نویسی و بداری در گلوی طفل خورد
	آمنش دان از هوام جن و انسان در جهان
	ور بخوانی هر دو آن را هم فراش خوابگاه
	مانی ایمن از همه وسواس انس و جنیان
	ور بخوانی هر که سورت پیش سلطان چون روی
	باز گردی ایمن از شر همه سلطانیان
	وانکه خواند هر دو سورت بهر درد و بر مریض
	صحت خود دم بدم بیند مریض ناتوان

ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک*

کتاب المذکر والمؤنث

(متن ۔ قسط دوم)

فان سمیت رجلا باسم مما وقع علی الجمیع لا واحد له من غیرالآدمیین علی اکثر من ثلثه لم تصرفه لانه اسم مؤنث لان معناه الجماعة[1] الا تری انک تقول فی تصغیر غنم غنیمة ولاواحد له و فی ابل ابیلة و کذلک خیل بمنزله هند و دعد و قدر و شمس فان کان سمی بجمع قد کثر علیه واحده نحو قولک جمال و جبال و بیوت و قیود و ما کان کذلک و ما لم نسمه لم تمنعه من التصرف اذا صار اسما لمذکر الا ان یحدث[2] فیه ما تصنع الواحد کقولک غلمان و قصبان و احمره و فتیة فان الهاء والنون بعد الالف یمنعان الصرف المعرفة فهو لقولک بقرة و تمرة و سرحان و عثمن[3] لان تانیث التکسیر لا یعتد به اذ کان یحوج الیه المؤنث والمذکر کقولک بیوت و شیوخ کقولک عنوق فهذا جمع مؤنث و ذلک جمع مذکر فلیس له تحقیق تانیث الاتری[4] انک تقول جاءت الرجال و کذبت قبلهم قوم نوح لانه لیس تانیث حقیقة[5] و کذلک کل ما کان نعتا لمؤنث و لفظه مذکر فهو منصرف اذا سمیت به مذکرا لما تذکره و نمليه ان شاء الله۔

نعود الی ذوات الاربعة و ما بعدها و کان منها مؤنثا خالصا و ما اعتورته اللغتان والقوة بالله۔

أما ما کان من المذکر نعتا لمؤنث فهو کقولک امراة طالق و بکر صابر و امراة متیم اذا جاءت بتؤمین و کذلک ظبیة مطفل و مشدق و مثیل و امراة مرضع و مالم

---

* صدر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی لاہور

۱- اذا کان اسم فی الاصل هو واقع علی جمع لاواحد له و کان علی کان اکثر من ثلثة احرف فانه یمنع من الصرف حیث و جد فیه العلمیه والتانیث۔

۲- اما اذا کان الجمع له واحد من لفظه و قد کثر بجمعه و سمینا به شخصا فاننا نصرفه الا اذا و جد فی واحده ما یمنع صرفه۔

۳- الها اذالحقت الاسم فانها تمنعه من الصرف بشرط ان یکون معرفة و کذلک الالف والنون اذا لحقت الاسم تمنعه من الصرف۔

۴- ان الاسم المؤنث اذا جمع جمع تکسیر فانه لا ینظر الیه فی الصرف و عدمه۔

۵- جمع التکسیر یجوزان یؤنث له الفعل علی معنی الجماعة و ان یذکر للفظه لانه لیس بمؤنث حقیقة۔

نسمه من هذالباب فحکمه حکم ماسمیناه و انما جاء هذا بغیرهاء[۱] لانه لیس علی فعل یجاره مجاز بالنسب فان سمیته بشیء صرفته لانه لا لفظ للتانیث فیه ولا معنی خصوص کقولک عقرب و عناق لان تلک اسماء فهی لما سمیت به و نظیر ذلک مانعت به المذکر من المؤنثات و ذلک قولک بطل رفعة و غلام یفعه و رجل علامة و نسابة و راویة و نحو ذلک فهذا کله تمنعه الهاء من الصرف فی المعرفة[۲] کما ان ذلک یطلقه فی الصرف اذا سمیت به مذکرا ما یمنع هذا من العلامة. فان کان شیء من هذا الذی و صفناه من نعت

۱- ذهب الکوفیون الی ان علامة التانیث انما حذفت من نحو طالق و طامث و حائض لاختصاص المؤنث به و ذهب البصریون الی انه انما حذفت منه العلامة لانهم قصدوا به النسب ولم یجروه علی الفعل، و ذهب بعضهم الی انهم حذفوا العلامة منه لانهم حملوه علی المعنی ، کانهم قالوا شیء حائض اما الکوفیون ماحتجوا بأن قالو انما قلنا ذلک لان علامة التانیث انما دخلت فی الاصل للفصل بین المذکر والمؤنث والاشتراک بین المذکر والمؤنث فی هذه الاوصاف. و اذا لم تصلح الاشتراک لم یفتقر الی ادخال علامة التانیث ، و ان الفصل بین شیئین لا اشتراک بینهما محال محال. و اما البصریون فاحتجوا بان قالوا انما حذفت العلامة من هذه الاوصاف لانها فی معنی ذات طلاق و ذات طمث . . . هکذا علی معنی النسب ای قد عرضت بذلک ، کم تقول : رجل رامح ای ذو رمح و لیس محمولا علی الفعل ، و اسم الفاعل انما یؤنث علی سبیل المبالغة للفعل نحو : ضربت المراة تضرب فهی ضاربة ، فاذا وقع علی النسب لم یکن جاریا علی الفعل ، ولامتبعاله ، فلم تلحقه علامة التانیث فصار بمنزلة قولهم امراة معطار و مذکار و مئناث و رزان و حصان قال حسان :

حصان رزان ما تزن بریبة
و تصبح غرثی من لحوم الغوافل

فان هذه الاوصاف و ما اشبها لما لم تکن جاریة علی الفعل لم تلحقها علامة التانیث و کذلک ههنا والذی یدل علی صحة ما ذکرناه انهم لوحملوه علی الفعل لدخلته علامة التانیث فقیل : طلقت فهی طالقة و طمثت فهی طامثة قال الاعشی :

ایا جارتا بینی فانک طالقة
کذاک امور الناس تماد و طارقة

و منهم من تمسک بان قال : انما حذفوا علامة التانیث من طالق و نحوه لانهم حملوه علی المعنی کانهم قالوا شیء طالق او انسان طالق کما قالوا رجل ربعة فانثوا [الانصاف ۲۲۳-۳۲۳]

۲- ان هذا النعوت اذا لم تذکر فتکون ممنوعة من الصرف للعلمیه والتانیث. اما اذا سمینا مذکرا بهذه الاسماء فانها تکون منصرفة.

المؤنث علی فعل لم یکن الا بالهاء لانه مضارع بفعله[۱] و ذلک قولک اشذبت الظبیة فهی مشذبة و اتلت فهی متلتة و طلقت المراه فهی طالقة من ذلک قول الله عز و جل یوم ترونها تذهل کل مرضعة عما ارضعت[۲] لانه جاء علی الفعل لذکرک ارضعت و علی ذلک قال الاعشی :

یا جارتی بینی فانک طالقة
کذاک امور الناس تغادو طارقة[۳]

فانما هو کقولک احسنت و اکرمت و قامت و جلست فهی قائمة و جالسة و محسنة و مکرمة[٤] و قال الخلیل فی قول الله تعالی : السماء منفطر به[٥]. قال هو کقولک للدجاجة معضل. المعضل[٦] التی قد نشبت بیضتها فی جوفها ، ولو کانت علی الفعل لم یکن الا منفطرة کقولک منشقة و قال غیره السماء جمع[۷] سماوة کقولک فی عبایة عباء و فی غطایة غطاء و فی هراوه[۸] هراء فهو بمنزلة قولک تمرة و تمر و شعیرة و شعیر و کلا القولین حسن جمیل :

و اما ذوات الاربعة و ما بعدها فهذا اوان ذکرها

فمن ذلک قولک عقرب فتوقعه علی الجنس کله و الاسم مؤنث و کذلک کراع[۹]

۱- لغت المؤنث اذا کان مبینا علی الفعل فلا بدمن ان تلحقه الهاء

۲- الحجج : ۲ : ۲۲

۳- هذا البیت فی للسان : ۱ : ۲۲٦ و منسوب ایضا لاعشی و اولة : «یا جارتا» بدل «یا جارتی» و طلاق المراة بینونتها عن زوجها. و امراة طالق من نسوة طلق و طالقة من نسوة طوالق. و هذا البیت ذکره ابن الانباری فی الانصاف ص ۳ بلفظ «یا جارتی» و ذکر هذا الشاهد فی کتاب المذکر والمؤنث لابن لقاسم الانباری ص ۳۲

٤- النعت اذا کان مشترکا بین الرجال والنساء فلا بد من دخول هاء التانیث فیه هذا اذا کان علی وزن فاعل و کذلک اذا کان مبینا علی الفعل فلا بد من ان تدخله الهاء و انما ثبت الهاء فی المؤنث للفرق بینه و بین المذکر (الانباری . ۲)

٥- المزمل : ۷۳ : ۱۸

٦- تقول عضلت المرأة تعضلها تعضیلا : اذا نشب الولد و خرج بعضه و لم تخرج بعض ، وهی معضل بلا هاء [اللسان . ۱ : ٤۳۱]

۷- انظرص من هذا التحقیق

۸- فان الهاء فیه للفرق بین الجمع و واحده

۹- کراع الغمیم موضع معروف بناحیة اعجاز [اللسان ۸ : ۳۰۹)

والکراع علی وجهین من الانسان والدابة مؤنثة و بعض العرب یذکرها والکراع من الحرة ما مال منها فتقدم مؤنثة [ابن الانباری ص . ٤]

ذراع وقدام[1] و وراء فالعرب تقول فی تصغیر قدام و وراء قد یدیمة و وریئة ولم یکن حق هذا و ان کان مؤنثا ان تدخله الها لانها تدخل فیا جاوز الثلثة و لکن لما کانت الظروف بانها التذکیر و کانت هاتین مؤنثتین اضطروا الی ابالة ذلک فیها. قال القطامی :

قدیدیمة[2] التجریب و الحلم اننی
أری غفلات العیش قبل التجارب

فاما الذراع[3] والکراع فامرها بین فی اشعارهم و سائر کلامهم. یقولون هذا الثوب سبع فی ثمنیة یرید سبع اذرع فی ثمنیة اشبار. والکراع من الحره ما سال منها فتقدم قال الانصاری :

اضحت کراع الغمیم موحشة
بعد الذی قد مضی من الحقب[4]

فقال اضحت و قال موحشة.

۱- و قدام نقیض وراء، و هما یؤنثان و یصغران بالهاء و قال الفراء : المواضع کلها التی یسمیها النحویون الظروف والصفات والمحال فهی ذکرن الامارایت فیه شیئا یدل علی التانیث ، الا انهم یؤنثون امام و وراء و قدام. فیقولون فلانة و وریة الحائط و یدخلون فی تعتیرها الهاء ، و ذلک دلیل علی تانیثها. و کذلک قدام یحقرونها قدیدیمة و یقولون فی تحقیر امام امیم وامیمة [الانباری ۹۸]

۲- قدیدمة و قدیدیمة و وریئة شاذان لان الهاء لا تلحق الرباعی فی التقصیر و هذا مذکور فی اللسان ۱۲ : ٤٦٦ والبیت ایضا موجود فی اللسان. والشاهد مذکور فی المذکر والمؤنث الانباری ص ۹۸

۳- الذراع انثی قال الفراء و قد ذکر الذراع بعض عکل فیقال الثوب خمسة اذرع و سته اذرع و خمس اذرع وست اذرع انشدنا ابوالعباس عن سلمة عن الفراء :

ارمی علیها وهی فرع اجمع
وهی ثلاث اذرع والاصبع

والکراع یذکر و یؤنث. حدثنی ابی عن محمد بن الحکم عن اللحیانی قال : الکراع والذراع یذکران و یؤنثان قال : و لم یعرف الاصمعی التذکیر فیها. و حکی السجستانی عن ابی زید انه قال الذراع یذکر و یؤنث و قولهم هذا ثوب سبع فی ثمانیة ذکروا ثمانیة وانثوا سبعا لانهم ارادوا سبع اذرع فی ثمنیة اشبار والشبر مذکر فلذلک الحقوا الهاء فی ثمانیة [الانباری ۷٤]

٤- انظر الصفحه السابقة فان فیه التوضیح الکافی و هذاالشاهد موجود فی کتاب المذکر والمؤنث لانباری.

و قال اخر :

فظلت تكوس على اكرع
ثلاث و كان لها اربع[1]

و ذكر سيبويه واتبعه قوم كثيرا له لوسمي رجلا ذراعا[2] تصرفه فى المعرفة و حجته انه قال كثرت تسمية الرجال به فكانه اسم صيغ للمذكر قال و بعضهم يصرف كراعا و ترك الصرف فيه اجدو لان لم يكثر التسميه به و قد سموا به فمن صرفه فالحجة من باب الحجة فى ذراع و افاد قوله فى ذلک و كان لا يصرف رجلا اسماء لكثرة تسمية النساء[3] به. فهذا قياس ذلک والصواب والحق ان تجرى الفروع على اصولها فتصرف اسماء اسم رجل لانه جمع اسم و ان لا تصرف ذراعا ولا كراعا فى المعرفة[4] فاما ما كان مثل الشخص و مثل الحى لوكان على اربعة احرف لوجب ان تنصرف اسما لمذكر و ان سمينا بذلک نساءا و بالاخر قبائل لان الاسم فى نفسه مذكر[5] وكذلک تقول البلدة و البلد فتجرى كل واحد على لفظه مانعا كان او مطلقا[6] الا ترى ان انسانا يقع على المذكر

۱- هذا البيت ذكره المؤلف فى كتابه الكامل و لم ينسبه الى قائل. و ذكره صاحب اللسان ٦ : ١٩٩ و فيه ان الكوس : المشي على رجل واحدة و من ذوات الاربع على ثلاث قوائم ، و لم ينسبه الى احد و ذكره ايضا ابن الانبارى فى كتابه الانصاف فى مسائل الخلاف و لم ينسبه الى احد و ذكره صاحب اللسان ايضا بيتا شبيها بالبيت الشاهد منسوبا الى عمرة اخت العباس بن مرداس ترقى اخاها و تذكر انه كان يعرقب الابل :

فظلت تكوس على اكرع
ثلاث و غادرت اخرى خصيبا [٦ : ١٩٩]

و ذكره صاحب المذكر والمؤنث ايضا [ص ٤٣]

۲- ذراع مؤنث ، و لكن اذا سمي به مذكر فانه يكون منصرفا لكثرة تسميه الرجال به فكانه علم خاص بالمذكر

۳- اذا سمي الرجل باسم هو خاص بالنساء فانه تكون ممنوعا من الصرف تبعا لاصله اذا توفرت فيه علل المنع

٤- يريد ان يقول : ان لفظ اسماء جمع مفرده اسم و اسم هذا ليس فيه ما يمنع الصرف فكذلک جمعه. و ان ذراعا و كراعا لا ينصرفان فى المعرفة جريا على الاصل فيهما فانه التانيث

٥- اسم المذكر اذا سيمينا به مؤنثا فانه يصرف و كذلک القبائل لانه الاصل فى الحقيقة مذكر

٦- فتمنع ما كان فيه الهاء علما و تصرف ما ليس فيه الهاء

والمؤنث و حقه ان یکون مذکرا لانه لا علامة فیه[1]

و هذا باب نعته من المذکر والمؤنث فیکون موکدا لما مضی و مفیدا فیما بعد.

اعلم انه کان مؤنثا فی نفسه لحق التانیث الذی لا یکون الا فی الحیوان فکل اسم یقع علیه فحقه الا یخبر عنه الا کما یخبر عما یؤکده التانیث لفظا و معنی. والمذکر مما ذکرنا لا یخبر عما یؤکده التانیث عنه الا کما یخبر عما تذکیره لفظا و معنی لان الخبر عن المسمی و لیس عن الاسم. تقول : قال الخلیفة کذا : و قال الراویة ، و جاء النسابة لانک تخبر عن الذات و لست ترید ان الاسم هوالذی جاء[2] و قال و تقول قالت جعفر و جاءت قاسم اذا کان ذلک اسما لمؤنثة الذات[3] و انما صلح ان تقول طاب البلدة و جاءنا موعظة واخذ الذین ظلموا الصیحة لانه لیس تحت ذا معنی له حقیقة تانیث و کل شیء کان مؤنثا من غیر الحیوان فانما تانیثه للفظه و لک ان تذکره علی معناه[4] و کل مالا یعرف أ مذکر هوأم مؤنث فحقیقته ان یکون مذکرا لان التانیث لغیرهذه الحیوانات انما هو تانیث لعلامة فاذا لم تکن العلامة فالتذکیر الاصل[5]. تقول : قال جبریل و میکال کما قال الله عز و جل : قل من کان عدوا[4] لجبریل. فاما قول ابن ابی ربیعة.

۱- لان الاصل التذکیر والتانیث فرع عنه

۲- التحقیق انک اذا لقبت الاسم بلقب مؤنث ، کان لک ان تذکر الفعل ، لان القلب فی معنی فلان ، ولک ان تئونثه للفظ اللقب فتقول الخلیفة قدم علینا فاحسن و قدمت علینا فاحسنت فمن قال قدام علینا فأحسن. کان هو فی معنی فلان. و من قال قدمت فأحسنت اخرجه علی لفظ الخلیفة ، و من استعمل اللفظ قال فی الجمع خلائف و من استعمل المعنی قال فی الجمع خلفاء. و قد نزل بها جمیعا القرآن. انشد الفراء والبیت لنصیب :

ابوک خلیفة ولدته اخری
و انت خلیفة ذلک الکمال

فاذا اظهرت الاسم مع اللقب فقلت احمد الخلیفة و علی الخلیفة قلت قدم علینا ولا یجوز قدمت لظهور الاسم.

۳- حیث ان الاسم فی الحقیقة علم علی الانثی فنص النظر عن اللفظ فان الفعل واجب التانیث له تبعا لذات الاسم

٤- الاسم اذا کان مؤنثا مجازیا جاز فی فعله و جهان : (أ) التانیث تبعا للفظ الفاعل (ب) التذکیر تبعا لمعناه حیث انه لیس علما لمؤنث عاقل

٥- اذا ورد اسم و لم یکن لحیوان و لیس به علامة ، و لم یعرف المذکر هو ام لمؤنث فانتار معه الی التذکیر حیث انه الاصل

فكان مجنى دون من كنت اتقى
ثلاث شخوص كاعبان و معصر[1]

فانه لما اضطر جعل الشخص بدلا من امراة اوكان يقصدها به و لذلک قال كاعبان و معصرفابان و نظيره قول الاخر :

و ان كلابا هذه عشر ابطن و انت برئ من قبائلها العشر[2]

فموضع البطن اسما للقبيلة ضرورة و ان ذلک فی اخر بينه فقال من قبائلها.

و من ذلک قول الله عز و جل من جاء بالحسنة فله عشر امثالها[4] لان المعنى واقع على حسنات و امثال نعت لما وقع عليه العدد و كذلک قوله تبارک و تعالى (باق)

١- هذا الشاهد ذكره ابن الانبارى فى الانصاف ص ٢٠٠ و قال فحمله على معنى ثلاث انفس اذا اريد بها الروح فهى مؤنثه لاغير ، و تصغيرها نفيسة ، قال الله تعالى : هوالذى خلقكم من نفس واحدة [القرآن]. لكن اذا كانت النفس بمعنى الشخص فتكون مذكر و عليه قول الحطيئة :

ثلاثة انفس و ثلاث ذود لقد جار الزمان على عيالى [الكتاب ٢ : ١٧٥]

و قد ورد هذا الشاهد فى كتاب سيبويه بروايه اخرى هكذا :

فكان نصيرى دون من كنت اتقى ثلاث شخوص كاعبان و معصر

فانث الشخص اذا كان المعنى انثى [الكتاب و شرحه لليسرافى ٢ : ١٧]

و قوله مجنى يريد : ترسى ، و قول ثلاث شخوص ، والوجه ثلاثة اشخص ، ولكنه لما قصد الى النساء انث على المعنى ، و ابان ما اراد بقوله كاعبان و معصر [الكامل للمؤلف ١ : ٣٨٤]

و بين ابن القاسم الانبارى ان الشاعر انث لانه ذهب بالشخوص الى المؤنث لان الشخص يقع على المذكر والمؤنث [المذكر والمؤنث ١٧٢]

و تقول عندى ثمانية رجال و عندى ثمانى نسوة

٢- هذا الشاهد ذكره صاحب اللسان ١ : ٧٧٢ و ذكره المصنف فى كتابه الكامل ١ : ٣٨٤ و قال : ان البطن قبيلة ، و ابان ذلک فى قوله : من قبائلها العشر و انث البطن اذ كان معناها القبيلة فقال ابطن : يعنى قبائل ، و كلاب اسم رجل ، سمى بذلک ثم غلب على الحى والقبيلة.

٣- فلم تدخل الهاء فى عشر ، لان العشر واقع على الحسنات وهى مؤنثة و ليست واقعه على المثل لان المثل مذكر. ويراد به النعت. والعدد واقع على النوع و ليس على النعت والتقدير من جاء بالحسنه فله عشر حسنات امثالها [المذكر والمونث الانبارى ص ١٧٢]

٤- القرآن

غلط نامہ

صفحہ	سطر	غلط	درست
۵۳	۲۴	ویروی	ویردی
۵۷	٦	المؤید ، لکھنؤ	المؤید لکھنؤ ،
۵۷	٦	ایڈو کیٹ ، گجرات	ایڈوکیٹ گجرات ،
٦۷	۷	ہر	ہر

نوٹ : خواص القرآن کا قلمی نسخہ منحصر بفرد تھا اس لیے بعض مقامات پر قیاسی تصحیح سے کام لینا پڑا ۔ کچھ عبارتیں حل نہ ہو سکیں انہیں اسی طرح رہنے دیا گیا ہے ۔

جلد اول شمارہ ۱ ، ۲ صفحہ ۱۰۰ ، ۱۰۱ ہر حاشیے میں ہر جگہ ''انصاری'' کی جگہ ''عثمانی'' پڑھا جائے

دیکھو صفحہ نمبر ۳
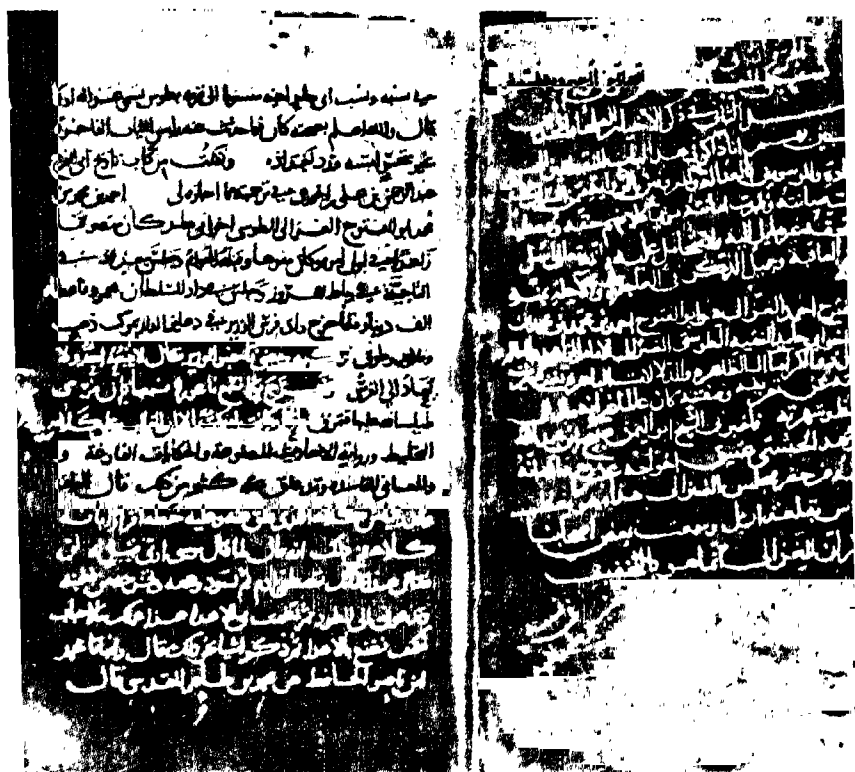
Tari<u>kh</u> Irbil (MS.) Plate I

/

18. Ibid 5 : 188 : . . . the words and the three verses qouted here tally with the MS. of *'Uqūd al-Jumān*.
19. Ibid, 5 : 180.
20. Edited by Muḥammad Abu'l Faḍl Ibrāhīm and published in four Volumes from Cairo in 1955.
21. *Inbāh al-Ruwāt*, 4 : 78 (edition just qouted above).
22. *Wafayāt al-A'yān*, 5 : 189.
23. Ibid, 3 :34 (also cf. 5 : 189).
24. 18 Years old Ibn Khallikān's contact with 71 years old Ibn al-Athīr (A.H. 555-630) began towards the end of A.H. 626, discontinued in A.H. 627 for almost a year and then was renewed till the later's departure to al-Mawṣil in A.H. 628 where he died in A.H. 630. After A.H. 628 Ibn Khallikān mentions no meeting with him (op. cit).
    As for the developments under discussion they took place after Ibn al-Athīr's arrival at al-Mawṣil as is evident from the above excerpt from al-Qifṭī's *Inbāh al-Ruwāt*.
25. Op. cit.
26. Op. cit. 5 : 26.
27. Ibid,
28. *al-'Ibar*, 5 : 156 (edition, Dr. Ṣalāh al-Dīn Kuwait 1966).
29. *'Uqūd al-Jumān*, Vol : IX, article "Naṣrullāh b. Muḥammad . . ."
30. *Wafayāt al-A'yān*, 3 : 34.
31. Ibid, 5 : 26.
32. *Shadharāt al-Dhahab*, 5 : 371-72 (edition Maktabat al-Qudsī Cairo A.H. 1351).
53. *Wafayāt al-A'yān*, 1 : 289.
34. Ibid, 1 : 3.
35. *Ta'rikh Irbil*, f. lb. opening lines.

these humble observations, in any way, disparage the importance of his splendid work. Besides the tendency under discussion reveals nothing but nobility of soul. It is however always useful for the research scholar to be aware of the personal leanings and idiocyncracies of the leading savants in order to be able to draw balanced conclusions from their works.

NOTES AND REFERENCES

1. *"Qalāid al-Jumān fi Farāid Shu'arā Hādhā al-Zamān"* Commonly known as *"'Uqūd al-Jumān fi Shu'arā Hādhhā al-Zamān"* (See *Kashf al-Zunūn*, S.V.), a biographical & anothological dictionary pertaining to the poets who died within the first half of the 7th Century A.H. originally in ten volumes, whereof eight are known to have survived. The only known MS. is at KutubKhāna As'ad Āfendī, Istanbūl under No. 2323 through 2330. I must thank Dr. Rana M.N.E. Elahie for lending me his personal microfilm copy of vol. I & IX of this valuable Codex.
2. The greaf al-Ghazzālī's younger brother.
3. For the microfilm of this MS. I owe my gratitude to the Chester Beatty Library Dublin, where the only known—though incomplete — copy is preserved under No. 4098.
4. *Ta'rikh Irbil*, f. lb.
5. Probably his *"al-Muntazam"* is meant. See *Wafayāt al-A'yān*, 2 : 321 (Muḥyi al-Din 'Abd al-Hamīd's edition, Cairo 1948).
6. *Ta'rikh Irbil*, f. 2a., here a dim marginal remark on the original reads: "ليته لم ينقل ذلك". I wonder if it is in Ibn Khallikān's own hand. The possibility can not be ruled out as the MS. is dated Shawwāl A.H. 641 (See ibid f. 231 b, colophon). In any case the remark fully represents Ibn Khallikān's idiocyncracy under reference.
7. Ibid ff. 2a-2b.
8. Ibid ff. 2b-3a.
9. *Wafayāt al-A'yān*, 1 : 191. 371, 441, . . . 2 : 32 (twice), 418 . . . 3 : 26, 35, 172, 232, 248, 289, 387 . . . 4 : 21, 26, 28, 102, 105, 164, 167, 365, 398 . . 5 : 28, 32, 179, . . . I owe this and certain other details to my revered teacher Dr. M.Z. Haq Sūfī who has been working on *wafayāt al-A'yān* for 22 Years. His enormous work is still in progress.
10. Ibid, 3 : 294.
11. Ibid, 2 : 321:
12. Ibid, 3 : 420.
13. Ibid, 3 : 415.
14. Ibid, 1 : 80-82.
15. *'Uqūd al-Jumān*, Vol. IX, Yāqūt's biography. (numbers of folios illegible on the microfilm)
16. Op. cit.
17. *Wafayāt al-A'yān*, 5 : 189.

In Ḍiā al-Ḍin's case, however, Ibn Khallikān's attitude is obviously different :

"ولقد ترددت الى الموصل من اربل أكثر من عشر مرات وهو مقيم بها وكنت اود الاجتماع به لاخذ عنه شيئا ولما كان بينه وبين الوالد رحمه الله تعالى من المودة الاكيدة ، فلم يتفق ذلك"[31]

This last sentence is rather evasive. "Why" . . . one may like to ask. Apparantly it was due to the old man's temper. But Ibn Khallikān could not record such details as candidly as Ibn al-Sha'ar.

This tendency of Ibn Khallikān is perhaps best epitomized in the following anecdote recorded in his biography in *Shadharāt al-Dhahab* :

"ومن محاسنه انه كان لا يجسر احد ان يذكر احدا عنده بغيبة. حكى انه جاءه انسان فحدثه فى اذنه ان عدلين فى مكان يشربان الخمر. فقام من مجلسه و دعا برجل وقال اذهب الى مكان كذا و امر من فيه باصلاح امرهما وازالة ما عندهما. ثم عاد فجلس مكانه الى ان علم نقيبه قد حضر. فدعا بذلك الرجل و قال انا ابعث معك النقيب فان كنت صادقا ضربتها الحد و ان كنت كاذبا اشهرتك و قطعت لسانك. وجهز النقيب معه فلم يجد وا غير صاحب البيت و ليس عنده شيء من ذلك فاحضر الدرة و هدده فشفع النقيب فيه فقبل شفاعته ثم احضرله مصحفا و حلفه ان لا يعود يقذف عرض مسلم"[32]

I may also allude here to the apologetic explanation furnished by Ibn Khallikān of Jarīr's nickname *"Ibn al-Marāghah"* :

وهذا لقب لام جرير هجاه به الاخطل المذكور و نسبها الى ان الرجال يتمرغون عليها و نستغفرالله تعالى من ذكر مثل هذا ، لكن شرح الواقعة احوج الى ذلك"[33]

Perhaps Ibn Khallikān was himself conscious of this tendency. In the preface to *Wafayāt al-A'yān* he says :

"و ذكرت من محاسن كل شخص ما يليق به من مكرمة او نادرة . . ."[34]

Mark how he has committed himself to *"Maḥāsin"* only unlike—for example—Ibn al-Mustawfī who says :

"انا ذاكر فى هذا الباب المنقطعين الى الزهادة . . . موفيا كلا منهم حقه و معطيه مستحقه غير مائل اليه ولا متحامل عليه[35]

So Ibn Khallikān makes no claim to such an objectivity and as such, he is not to be blamed either for not maintaining it. Nor do

again this shyness that kept him from contradicting al-Qifṭī and laying bare the facts. Ibn Khallikā's above statement "لحملها الى هناك" becomes even more curious when we observe that according to his own notes Ibn al-Athīr apparantly never had a tour to Baghdād after Yāqūt's death.[25]

4. In the light of these facts I tend to venture a bit of conjecture also. The Youngest of the Athīr Brothers, Ḍiā al-Dīn Naṣrullāh Ibn al-Athīr (A.H. 558-637) is quite well-known for his ill temper. While acting as minister to al-Afḍal at Damuscuss, he treated the public so badly that eventually he had to be transported out of the city in a locked-up chest for fear of assassination, a fact which Ibn Khallikān too could not overlook.[26] At another occasion he was constrained to make a secret exit from Egypt for similar reasons.[27] According to al-Dhahabī (A.H. 673-748) he had a total boycott with his elder brother 'Izz al-Dīn[28] Alī Ibn al-Athīr whose case we have been discussing recently.

A very lively picture of Ḍiā al-Dīn is one delineated by Ibn al-Sha'ār in *'Uqūd al-Jumān* :

"شاهدته مرارا لا احصيها كثرة و حضرت مجلسه ايام كان اخوه ابوالحسن حيا. وكان شيخا طويلا بهى المنظر حسن الهيئة و اللباس نقى الشيبه نظيف الثياب عليه ابهة ذوى الرياسة والجلالة وكنت اعاين من زعارة اخلاقه و نزاقته ؟ و ضيق عطفه ما يبغض به نفسه الى كل من يسمع به فكيف من يراه و يجاريه. و ربما كنت اسأله عن معنى بيت شعر او تاريخ وفاه بعض الفضلاء فيجيبنى من غير انزعاج ولا غضب باحسن جواب"[29]

Now, Ibn Khallikān's father had very good relations with the Athīr Brothers. When Ibn Khallikān reached Aleppo towards the end of A.H. 626, 'Izz al-Dīn Ibn al-Athīr happened to be there. Ibn Khallikān immediately went to see him and tried not to lose contact with him :

"فلازمت الترداد اليه وكان بينه وبين الوالد - رحمه الله تعالى - موانسة اكيدة فكان بسببها يبالغ فى الرعاية والاكرام ثم انه سافر الى دمشق فى اثناء سنة سبع و عشرين ثم عاد الى حلب فى اثناء سنة ثمان و عشرين فجريت معه على عادة الترداد والملازمة"[30]

"وقبل موته اوصى باوراقه و مجموعاته الى العز ابن الاثير الموصلى ، وكان مقيما بحلب ، و عهد اليه ان يسيرها الى وقف الزيدى ببغداد و يسلمها الى الناظرفيه . . .
و اما ابن الاثير فانه تصرف فى الكتيبات التى له و الا وراق المجمعة التى بخطه تصرفا غير مرضى ولم يوصلها بعد ان حصل بالموصل الى الجهة المعينة برسمها ، بل فرقها على جماعة اراد انتفاعه بهم و بها عندهم ولم ينفعه الله بشى من ذلک ولم يتمل منها بامل ولا مال و قطع الله اجله بعد ان قطع من الانتفاع بتفرقتها امله فاكتسب خزى الدنيا و عذاب الاخرة و بلغنى ان خبرها وصل الى بغداد وانهم طالبوه من هناک بتسييرها الى محل وقفها فسير بعضها واعرض ان بعض فنعوذ بالله من سوء القضاء و القدر"[21]

In this case Ibn Khallikān not only skips the adverse remarks but rather reports quite the contrary :

"وكان - [ياقوت] - قد و قف كتبه على مسجد الزيدى الذى بدرب دينار بغداد وسلمها الى الشيخ عزالدين ابى الحسن على ابن الاثير صاحب التاريخ الكبير فحملها الى هناک"[22]

Keeping in view that al-Qifṭī's calibre and erudition is established beyond controversy ; that Ibn Khallikān himself depends upon him and qouts from him in the very article under question ; that he qoutes no other authority to contradict al-Qifṭī's comments ; that al-Qifṭī was present at Aleppo when Yāqūt died on it's outskirts in Ramaḍān A.H. 626, while Ibn Khallikān arrived there only later i.e. towards the end of the said year ;[23] that the situation criticised by al-Qifṭī possibly developed during the period A.H. 628-630, when Ibn Khallikān had lost contact with Ibn al-Athīr ;[24] that his age during the above period was 20-22, while al-Qifṭī, being his elder by 40 years, was a seasoned scholar in his 60s ; that by virtue of holding high office al-Qifṭī was comparatively a better informed person about such developments . . . keeping in view all this, we do not find any justification for Ibn Khallikān's reversal of al-Qifṭī's comments without bringing them under proper discussion. Probably this time his personal contact as well as his father's relations with Ibn al-Athīr—which will be discussed shortly—enhanced his intrinsic shyness about recording such things. The otherway too, if he was in know of some solid proof of al-Qifṭī's ignorance or prejudice about the facts, it was

The remarks against Aḥmad al-Ghazzālī may or may not be true (the possibility of contemporary prejudice conceded). But the point I want to stress is Ibn Khallikān's avoidance, who has been equally generous to Aḥmad al-Ghazzālī as well as his critics.

2. The second instance came to my notice in Ibn al-Sha'ār's *'Uqūd al-Jumān*. He writes about Yāqūt al-Ḥamawī (A.H. 575-626)

"وكان ضنينا بما يجمعه لا يحب اطلاع احد على ما يولف ، شديد الحرص عليه لا يفيد لمخلوق فائدة البتة. وكان ربما سئل عن شيء و هوبه عارف لم يجب عنه شحا و جفاء طبع هكذا كانت شيمته مع الناس"[16]

It must be borne in mind that Ibn al-Sha'ār had direct contact with Yāqūt :

"شاهدته بالموصل و هو كهل اشقر احمر اللون ازرق العينين وكانت بينه وبين اخى صداقة وانس تام واقتضيته شيئا من شعره فاجاب الى ذلك و جعل يما طلنى و يعدنى هكذى مدة من الزمن ثم سافر الى بلاد الشام فما عدت رأيته بعد ذلک"[16]

Ibn Khallikān never had a chance to see Yāqūt.[17] He builds up Yāqūt's biography on :

(i) Yāqūt's own *Irshād al-Alibbā*.
(ii) *Ta'rīkh Irbil*.
(iii) *Inbāh al-Ruwāt* of al-Qifṭī.
(iv) *'Uqūd al-Jumān* of Ibn al-Sha'ār.

This last source is under discussion here. Ibn Khallikān refers clearly to the same pages as contain the above excerpt :

"وقال صاحبنا الكمال الشعارى الموصلى فى كتاب "عقودالجمان" انشدنى ابو عبدالله محمد بن محمود المعروف بابن النجار البغدادى صاحب تاريخ بغداد انشدنى ياقوت. . ."[18]

but takes absolutely no notice of Ibn al Sha'ār's above-cited observations about Yāqūt.

3. The third instance also occurs in the biography of Yāqūt in *wafayāt al-Ay'ān*. Here Ibn Khallikān has copied from ***Inbāh al-Ruwāt*** of Jamāl al-Dīn Alī b. Yūsuf al-Qifṭī (A.H. 568-646) the famous letter writen to him (at-Qy.) by Yāqūt.[19] ***Inbāh al-Ruwāt*** is now available in print[20]. In the same biographical notice of Yāqūt as gleaned by Ibn Khallikān, al-Qiftī reports as follows :

و سمعته يوما يحكى حكاية عن بعض المشائخ. فلما نزل سال[ت]ه عنها فقال انا وصنعتها فى الوقت. قال وله من هذه الجهالات و الحماقات ما لا يحصى . . .''[7]

Another aspect of Abu'l Futūḥ Aḥmad's ill reputation is also discussed but finally balanced by quoting a forceful contradiction thereof from Abu'l Futūḥ himself.[8]

Since Ibn Khalikān's own period (A.H. 608-681) is far removed from that of Abu'l Futūḥ Aḥmad's (d. 520), he could not possibly have any personal opinion in this case and had rather to depend solely upon *"naql"* or *"Samā"*. Now, *Ta'rīkh Irbil* is one of the most often-qouted sources of Ibn Khallikān. He has referred to it as many as 25 times[9] and acknowledged it as such in the biographical notice of Ibn al-Mustawfī :

"و جمع لا ربل تاريخا فى اربع مجلدات ، وقد احلت عليه فى هذا الكتاب فى مواضع عديدة''[10]

Hence it can not be supposed that the afore-mentioned remarks about Aḥmad al-Ghazzālī had escaped the notice of Ibn Khallikān. The chain of transmitters viz, Ibn al-Jawzī, Muḥammad b. Nāṣir al-Ḥāfiẓ (A.H. 467-550) and Muḥammad b. Tāhir al-Maqdisī (A.H. 448-507) is also sound ; the last two being junior and senior contemporaries of Aḥmad al-Ghazzālī. Ibn Khallikān recognises all of them as follows :

"كان - [ابن الجوزى]- علامة عصره و امام وقته فى الحديث و صناعة الوعظ''[11]

"كان - [محمد بن ناصر الحافظ] - حافظ بغداد فى وقته و كان له حظ وافر من الادب . . . روى عنه الائمة فاكثروا واخذ عنه علماء عصره منهم الحافظ ابوالفرج ابن الجوزى. واكثر روايته عنه''[12]

"وكان -[محمد بن طاهر المقدسى]- من المشهورين بالحفظ والمعرفة بعلوم الحديث وله فى ذلك مصنفات و مجموعات تدل على غزارة علمه وجودة معرفته''[13]

But inspite of all that, Ibn Khallikān, while recording the biography of Ahmad al-Ghazzālī, has not made even a passing reference to this criticism.[14] Overlooking these contemporary remarks and neglecting one of his favourite sources viz, *Ta'rīkh Irbil* he has, as if, gone out of his way to qoute only from Ibn al-Najjār (A.H. 567-643), a much later authority.

*Khurshid Rizvi**

An Idiocyncracy of Ibn Khallikān

While working on *'Uqūd al-Jumān*[1] of Ibn al-Sha'ār (A.H.595-654), a senior contemporary of Ibn Khallikān, I had the opportunity to have access to certain MSS. which had been amongst the sources of Ibn Khallikān, while compiling his magnum opus; *wafayāt al-A'Yān*. Although it was not my main pursuit yet casually I had a chance to compare certain of Ibn Khallikān's notes whith those of his predecessors. This comparative study—though sporadic and cursory—brought to light a general tendency in Ibn Khallikān to feel shy of recording any adverse remarks and some times to deliberately expunge them from the biographies of many renowned persons.

1. First of all I noticed it while going through the biographical note on Abu'l Futūḥ Aḥmad b. Muḥammad al-Ghazzālī (d.A.H. 520)[2], in Ibn al-Mustawfī's (A.H. 564-637) *Ta'rīkh Irbil*[3]. Ibn al-Mustawfī after acknowledging the prominence of Aḥmad al-Ghazzalī as,

"الامام الزاهد و العالم العامل ذو الكرامات الظاهرة و الدلالات الباهرة ، تغنى شهرة مكانته عن تعريفه و صفته كان عالما غيرانه مال الى الوعظ . . ."[4]

qoutes from his biographical notice in Abu'l Faraj Ibn al-Jawzī's (A.H. 508-597) *Ta'rīkh* :[5]

"وكانت له نكت الا ان الغالب على كلامه التخليط و رواية الاحاديث المصنوعة آو الحكايات الفارغة و المعانى الفاسدة و قد علق عنه كثير من ذلک . . ."[6]

The quotation from Ibn al-Jawzī continues further :

"و انبانا محمد بن ناصر الحافظ عن محمد بن طاهر المقدسي قال كان احمد الغزالى آية من آيات الله فى الكذب يتوصل الى الدنيا بالوعظ. سمعته يوما بهمذان يقول رأيت ابليس فى وسط هذا الرباط يسجدلى. فقلت له و يحك ان الله امره بالسجود لادم فابى. فقال والله لقد سجدلى اكثر من سبعين مرة. فعلمت انه لا يرجع الى دين و معتقد. قال واله كان يزعم انه رأى رسول الله صلى الله عليه وسلم عيانا فى يقظته لا فى نومه. قال

*Assistant Professor of Arabic, Government College, Sargodha.

Quarterly

RESEARCH JOURNAL

FACULTY OF ISLAMIC & ORIENTAL LEARNING

UNIVERSITY OF THE PUNJAB, LAHORE

کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ

پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

(پاکستان)

مجلۂ تحقیق

جلد : ۲ شمارہ : ۲

ناشر : گلزار احمد

طابع : مرزا نصیر بیگ

مطبع : جدید اردو ٹائپ پریس، ۳۹- چیمبرلین روڈ لاہور

مقام اشاعت : فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اوریئنٹل لرننگ ، یونیورسٹی اوریئنٹل کالج ، لاہور

فون : ۶۷۵۶۰ / ۳۱۲۷۹۷

شمارۂ مسلسل : ۶

چندہ سالانہ : ۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ : Rs. ۷

ترتیب

اداریہ

۱۔ مجلۂ تحقیق کے بارے میں بر صغیر پاک و ہند کے نامور محققین نے جن حوصلہ افزا آرا کا اظہار کیا ہے اس کے لیے ہم ان کے خاص طور پر ممنون ہیں۔

۲۔ اسی سال سے کتابوں پر تبصروں کا باقاعدہ آغاز کیا جا رہا ہے۔ مصنفین اور ناشر حضرات سے استدعا ہے کہ اپنی مطبوعات کے دو دو نسخے ارسال فرمائیں۔

۳۔ مجلے کا ایک شمارہ پندرہویں صدی ہجری نمبر ہوگا جس میں دوسرے تحقیقی مقالات کے علاوہ سنہ ہجری سے متعلق بعض محققین کی نادر اور غیر مدون تحریریں بھی شریک اشاعت ہوں گی۔

(مدیر)

افضل حق قرشی*

سراج الاخبار

(قسط دوم)

سراج الاخبار کی مختلف اشاعتوں کے اقتباسات ذیل میں پیش کیے جاتے ہیں ۔ یہ اقتباسات ہماری سیاسی ، معاشرتی ، علمی اور ادبی تاریخ کے ضمن میں خاصے اہم ہیں ۔ ان سے واقعات کے ضمن میں گذشتہ اغلاط کی تصحیح ممکن ہے اور بعض پہلو پہلی بار منظر عام پہ آ رہے ہیں ۔ ان اقتباسات کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔

(۱) صحافت (۲) وفیات (۳) ادب ، تاریخ

(۳)

صحافت

۲۲ جون ۱۸۸۵ء

اشتہار

جعفر زٹلی

اودھ پنچ نکلے ، دہلی پنچ پیدا ہوئے ، محشر بپا ہوا ، قیامت کے آثار نمودار ہوئے ، فتنہ خوابیدہ جاگا ۔ پنجاب پنچ ، کھٹڑ پنچ ، پارسی پنچ وغیرہ ایرا غیرہ سانپ کے سپولیوں کے موافق برساتی مینڈکوں کی طرح ابل پڑے ۔ ہنڈیا عدم سے نکل کر دوپیازہ نے لاہور میں جنم لیا ۔ پھر آپ جانتے ہیں کہ مولانا منشی عالم فاضل مسٹر پنڈت جعفر زٹلی صاحب بغیر اپنی زٹل لگائے کیوں چپ رہنے والے تھے ۔ آپ بھی یکم ماہ جولائی ۱۸۸۵ء سے اپنی بڑ لگانی شروع کر دیں گے اور وہ وہ چیدہ چیدہ مذاقانہ فقرے سنائیں گے کہ ہنستے ہنستے ہر کسی کے پیٹ میں بل نہ پڑ جائیں تو ہمارا ذمہ ۔ نذرانہ گویا کچھ بھی نہیں صرف ۱ روپیہ ۱۲ آنے سالانہ پیشگی مع محصول، مابعد کا حساب ندارد ۔ بھئی ناظرینو تمھیں بھی قسم ہے جو آدھ آنہ بھیج کر ایک جھلک نہ دیکھو ۔ خدا کی قسم لٹو ہو جاؤ گے ۔ زیادہ طول محض فضول ۔

المشتہر : غلام احمد بریان ایڈیٹر اخبار جعفر زٹلی از جھجر ضلع رہتک

---

*شعبۂ صحافت پنجاب یونیورسٹی (نیو کیمپس) ، لاہور

۱۴ ستمبر ۱۸۸۵ء کے شمارے میں ہمیں طوطیٔ ہند میرٹھ اور ملا دو پیازہ
لاہور کی ، محرم علی چشتی صاحب کی ثالثی پر صلح صفائی کی خبر ملتی ہے۔
چشتی صاحب کو اس مقصد کے لیے بذات خود میرٹھ جانا پڑا ۔ اسی خبر میں ہمیں
''انجمن حافظ اخبارات'' کے متعلق معلوم ہوتا ہے جس کے بارے میں تحریر ہے :

> ''اس کاروائی سے ہم کو امید قوی ہوگئی ہے کہ انجمن حافظ اخبارات صرف دیسی اخبارات کو اپنے آپ کے جھگڑوں ، فسادوں اور غیروں کے حملات سے محفوظ رکھنے پر اکتفا نہ کرے گی بلکہ اس کو اس بات کی طرف بھی زیادہ تر خیال رہے گا کہ ان کے آپس میں تو تو میں میں ہو کر ایک دوسرے پر لائبل قائم کرنے کی نوبت ہی نہ آنے دے۔''

۹ نومبر ۱۸۸۵ء
گجرات : خیرخواہ عام کا پہلا نمبر ۳ نومبر کو شائع ہوگیا ، جس سے پبلک اور گورنمنٹ دونوں کو فائدہ کی امید کی جا سکتی ہے ۔ گجرات کے لوگوں کو اس کی قدر کرنی چاہیے ۔

۲۱ دسمبر
سیالکوٹ : اس جگہ دو اخبار نئے جاری ہونے والے ہیں ۔ ایک کا نام فصیح الاخبار اور دوسرے کا ظفر الاخبار ہوگا ۔

اشتہار

۳ دسمبر ۱۸۸۵ء

پاٹے خان

عام اخبارات میں پاٹے خان بہادر کا ظہور انیسویں صدی عیسوی کا کوئی کم قابل یادگار واقعہ نہیں ۔ یہ پولیٹکل پہلوان جو ظرافت کا لنگوٹ باندھے مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا ملکی اکھاڑے میں پینترے بدلتا آ رہا ہے ، کسی خاص شخص کو اپنا مد مقابل بنانا نہیں چاہتا بلکہ ہند اور ہندوستانیوں کے مخالفوں سے قلمی دنگل جانا اس کا خاص فرض ہوگا ۔ یہ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر کھلے بندوں بے دھڑک ان ملعونوں کی گت بنائے گا جو اس کے پیارے ملک یا عزیز ہم وطنوں کی طرف ذرا سی نظر بد بھی کریں گے ۔ اور ملک کو دکھا دے گا کہ انگریزی ظرافت کے مذاق کو ایشیائی جامہ پہنا کر ہر دلعزیز بنا دینا کس کو کہتے ہیں ۔ اس کی نئی قسم کی ظرافت اور ٹھیک انگریزی طرز پنچ کا نمونہ بنا دینے کی نسبت ہم بڑے زور سے دعویٰ کرتے بشرطیکہ ہم کو اپنی نسبت مخالفوں سے ''اپنے منہ میاں مٹھو'' کی پھبتی سننے کا خوف نہ ہوتا ۔ اس لیے اس امر کا تصفیہ ہم اپنے مبصر قدر دانوں

پر چھوڑ دیں گے کہ اس پرچہ نے کہاں تک اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کی اور جدید ظرافت کا مذاق کہاں تک اپنے ملک میں پھیلایا۔

پاٹے خان کا پہلا نمبر شروع جنوری ۱۸۸۶ء سے ہفتہ وار نکلے گا۔ ضخامت چھوٹی تقطیع کے آٹھ صفحے ہوگی اور قیمت سالانہ حسب ذیل رکھی گئی ہے۔

رؤسا و امرا سے مع محصول ڈاک ؎

عام شائقین سے مع محصول عصا

باشندگان شہر سے عصہ

شائقین سے امید ہے کہ پہلے ہی سے خریداری کی درخواستیں مع قیمت پیشگی راقم کے نام ارسال فرمانی شروع کریں گے۔

پتہ
لاہور متصل تکیہ سادھواں
۵ نومبر ۱۸۸۵ء

خاکسار
عبدالرحمن
مالک و منیجر اخبار پاٹے خان

۲۱ دسمبر ۱۸۸۵ء

اخبار ملکی شہدا یعنی پولیٹیکل سپاہی ، لاہور

اس نام کا ایک جدید اور دنیا کے چھوٹے بڑے اخبارات سے سستا اخبار شروع جنوری ۱۸۸۶ء سے پنجاب کے مشہور اور نامور دفتر اخبار دہلی پنچ لاہور سے شائع ہوگا۔ جس کی قیمت عام و خاص سے معہ محصول ایک روپیہ ۱۰ آنے اور بلا محصول ۱۲ آنے سال تمام ہوگی۔ اس اخبار کا اصول قومی خدمت کے سوائے اور کچھ نہیں ہوگا۔ جو صاحب نمونہ کا پرچہ چاہیں وہ آدھ آنہ کا ٹکٹ ہمراہ درخواست بھیجیں ورنہ معاف۔

راقم پروپرائٹر اخبار دہلی پنچ ، لاہور

۱۸ جنوری ۱۸۸۶ء

ظریف اور حکیم اخبار

اس نام کا ایک نیا اخبار ہفتہ وار شروع جنوری ۱۸۸۶ء سے شہر سیالکوٹ میں باہتمام منشی گیان چند صاحب مہتمم وکٹوریہ پیپر چھپنا شروع ہوا ہے۔ جس کی سالانہ قیمت مع محصول ڈاک مقرر ہے۔ جن صاحبوں کو اس عمدہ اور عام پسند اخبار کی خریداری منظور ہو وہ منشی صاحب موصوف کے پاس اپنی درخواست بھیج دیں۔

ہمت

یہ ہفتہ وار اخبار جو مضامین ملکی ، علمی ، اخلاقی ،تمدنی ، تجارتی اور اخبار ہر دیار و امصار سے لبریز ہو کر ہمارے مطبع سے طبع ہوتا ہے ، ملک میں اس خوبی کا پہلا اخبار ہے ۔ اس کے صرف دو صفحوں پر دو تین سو خبریں درج ہوتی ہیں ۔ کسی ایک اخبار میں اس قدر مجموعہ خبروں کا نہیں مل سکتا ۔ قیمت سالانہ مع محصول ۓ خوبی دیکھنے پر منحصر ۔

زمیندار

فن زراعت ، فلاحت باغبانی ، علاج المواشی ، نخل بندی ، صنعت و حرفت کا یہ ماہوار رسالہ جو پنجاب بلکہ تمام اردو بولنے والے قطعات ہندوستان میں ان اشرف الفنون کا اس خوبی کا پہلا اور صرف ایک ہی رسالہ ہے اور ملک میں ترقی دولت کا صرف ایک ہی آلہ ہے ۔ زمینداروں کے لیے حکم آب حیات رکھتا ہے ۔ قیمت سالانہ زمینداروں سے ۓ مقرر ہے ۔ نمونہ ضرور طلب کیجیے ۔

سکول ماسٹر

یہ ہفتہ وار اخبار تعلیم اور اہل تعلیم کی ترقی ، ہمدردی ، حمائت ، اظہار حق اور تسہیل اسباب اور تعلیم جسمانی اور روحانی فوائد کے لیے ہمارے مطبع سے طبع ہوتا ہے ۔ طالب علم ، ماسٹر اور محبان تعلیم ہمارا ہاتھ بٹائیں ۔ قیمت سالانہ ۓ ہے

کلید امتحان مڈل و انٹرنس

امیدواران امتحانات مڈل و انٹرنس پنجاب و کلکتہ یونیورسٹی کے لیے یہ ماہوار رسالہ جس میں فارسی ، عربی ، سنسکرت ، اردو ، انگریزی زبانوں کے ترجمے اور صرف و نحو اور علوم ریاضی ، جغرافیہ ، تواریخ طبیعی ، کیمیا وغیرہ بہ نہج امتحانی ہمیشہ درج ہوتے ہیں ۔ حکم واقعی کلید کا رکھتا ہے ۔ قیمت سالانہ ۶ء مفلس طلباء کو نصف قیمت پر ۔
۳ء

المشتہر

محمد محبوب عالم

سالک مطبع خادم التعلیم پنجاب گوجرانوالہ

واقع فیروز والہ

۸ فروری ۱۸۸۶ء

ملکی شہدا یعنی پولیٹیکل سپاہی

اس نام کا ایک اخبار لاہور میں بطور ضمیمہ دہلی پنچ شروع جنوری ۱۸۸۶ء سے جاری ہوا ہے۔ اگرچہ ظاہر میں چھوٹی تقطیع کے چار ورق کا ایک چھوٹا سا پرچہ دکھائی دیتا ہے مگر اپنی بہادرانہ کاروائیوں سے سچ مچ ایک بہادر سپاہی کا کام دے رہا ہے اور پولیٹیکل و سوشل قبائح کے معدوم کرنے پر گویا تلا کھڑا ہے۔ کارٹون ایسے عمدہ اور کثرت سے دیتا ہے جو بالکل مطابق حال ہوتے ہیں۔ بلکہ یہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی انگریزی پنچ ہے اور باینہمہ پھر اس کی سالانہ قیمت ۲ ؍ آنے اور مع محصول ڈاک عصہ؍ ہے جس سے کم قیمت کا شاذ و نادر ہی کوئی اور پرچہ ہوگا۔
۱۰ ر

۱۰ جنوری ۱۸۸۷ء — اشتہار

پنجاب کا روزانہ اخبار

وکٹوریہ پیپر جو ہندوستان کے ہر فرقہ اور گروہ کے حقوق کی ادب اور متانت سے وکالت کرتا ہے، روزمرہ سیالکوٹ سے بڑی تقطیع کے آٹھ صفحوں پر مشتہر ہوتا ہے۔ اس کی خوبیاں دیکھنے سے متعلق ہیں۔ قیمت اس کی حسب ذیل ہے۔ اگر روزمرہ لیا جاوے تو لعہ؏ سالانہ۔ اگر ہفتہ میں تین بار بحیثیت مجموعی لیا جاوے تو للعہ؏۔ جو لوگ ایسے لینا چاہیں، بواپسی ڈاک درخواست بھیج دیں۔
۱۰ ر

المشتہر
برج لعل، منیجر
وکٹوریہ پیپر، سیالکوٹ

۱۸ جولائی ۱۸۸۷ء

لاہور کے اخبار انجمن پنجاب اور ملا دوپیازہ اور جعفر زٹلی ملک کی نا قدردانی سے بند ہو گئے۔

۱۸ جولائی ۱۸۸۷ء

پیغام ناگھور نام ایک جدید اخبار ہفتہ وار ناگھور سے شائع ہوا ہے۔

۲۳ اکتوبر ۱۸۸۷ء

منشور محمدی بنگلور سے جاری ہوگیا۔

۹ جنوری ۱۸۸۸ء کی اشاعت میں بسلسلہ واقعات ۱۸۸۷ء یہ اطلاعات

درج ہیں -

الہ آباد میں بمقابلہ پانیئر ، مارننگ پوسٹ نام روزانہ اخبار نکلا - بھیرہ میں باہتمام بخشی رام لبھایا صاحب دوست ہند نام اخبار جاری ہوا -

۱۳ فروری ۱۸۸۸ء

بھوپال کا اخبار دبیر الملک چھ ماہ کے لیے معطل ہوا -

۲۷ فروری ۱۸۸۸ء

خالصہ اخبار لاہور پر مشہور مقدمہ لائبل میں ۱۸ فروری کو اکیاون روپے جرمانہ کی سزا ہوئی -

۱۶ اپریل ۱۸۸۸ء

لاہور کے مطبع دہلی پنچ سے شروع جولائی ۱۸۸۸ء سے ایک انگریزی اخبار دی پبلک فرینڈ نام سے بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوگا - جس کے بارہ صفحے ہوں گے اور قیمت مع محصول ڈاک بہت ارزاں یعنی ۶عہ سالانہ ہوگی -

۲۳ اپریل ۱۸۸۸ء

مطبع رفیق ہند لاہور سے بھی عنقریب ایک انگریزی اخبار جاری ہوگا ، جس کا ایڈیٹر ایک لائق یورپین ہوگا -

اشتہار

۲۴ ستمبر ۱۸۸۸ء

فخر پنجاب

راقم نے اس نام کا ایک ماہواری رسالہ جس میں مشاعرہ زبان اردو و پنجابی ہوا کرے گا ، اپنے زیر اہتمام مطبع خادم التعلیم پنجاب گوجرانوالہ سے شائع کرایا ہے ، جس کی اشاعت یکم اکتوبر ۱۸۸۸ء کو ہوگی - امید ہے کہ شعرائے پنجاب اس طرف توجہ موجہ مبذول فرما کر مہتمم کا حوصلہ بڑھائیں گے اور علاوہ امداد غزل وغیرہ کے نقدی سے بھی اعانت فرمائیں گے - قیمت سالانہ مع محصول ڈاک ۱عہ رکھی گئی ہے - غور کرو تو بالکل مفت ہے - درخواستیں بہت جلد راقم کے پاس بھیجنی چاہیں -

راقم فقیر جوتی رام
نائب مدرس مڈل سکول حافظ آباد
ضلع گوجرانوالہ

۲۴ ستمبر ۱۸۸۸ء

لاہور میں ایک دیسی عورت ایک اخبار جاری کرنے والی ہے -

۱۲ نومبر ۱۸۸۸ء

اخبار کوہ نور کا روزانہ ہونا

۸ نومبر ۱۸۸۸ء سے پنجاب کا مشہور اور معتبر اخبار روزانہ ہو گیا ۔ جس طرح سے پنجاب بلکہ کل ہندوستان کے دیسی اخبار میں یہ سب سے پہلا اور قدیمی اخبار ہے ، اسی طرح اس نے اپنی عمدگی و اعتبار اور وقعت کے لحاظ سے پرانے اخبارات میں سب سے پہلے روزانہ نکلنے کا شرف حاصل کیا ہے اور پھر اس کے پروپرائٹر کی علو ہمتی اور دریا دلی بھی دیکھیے کہ باوجود اخراجات کے المضاعف ہو جانے کے کوئی کسی طرح کا اضافہ اس کی قیمت میں معلوم نہیں ہوتا کہ کیا گیا ہو ۔ ورنہ اخبار میں اس کی ضرور کچھ نہ کچھ تصریح ہوتی ۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے پروپرائٹر نے محض پبلک کو فائدہ پہنچانے کی غرض سے اس بار گراں کو اپنے ذمہ لے لیا ہے ، جس سے پبلک کو ان کا تہہ دل سے مشکور ہونا چاہیے ۔

۱۷ دسمبر ۱۸۸۸ء

روزانہ پنجاب نے اپنے اخبار میں ایک کارٹون دیا ہے ۔

۶ جنوری ۱۸۹۰ء کی اشاعت میں بسلسلہ واقعات ۱۸۸۹ء ، اخبارات کے متعلق یہ اطلاعات ہیں ۔

"کرتار پور ضلع جالندھر میں ایک خالصہ اخبار موسوم بہ سنگھ گزٹ ، سیالکوٹ میں ایک اخبار پنجاب گزٹ ، ریاست جموں و کشمیر میں جموں گزٹ جاری ہوا ۔ اخبار مشیر قیصر لکھنؤ بند ہو کر دوبارہ جاری ہوا ... عورتوں کی طرف سے بمبئی میں تھری متر نامی ایک زنانہ اخبار نکلا ۔ ۔ ۔ اخبار ایوننگ نیوز کلکتہ بند ہو گیا ۔

۱۲ مئی ۱۸۹۰ء

کلکتہ کے مولوی سراج الاسلام خان بہادر نے ایک ہفتہ وار اخبار سدھا کر نامی جاری کیا ہے ۔ جس کا انتظام سب مسلمان ہی کرتے ہیں ۔ خاص مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں سے وہ غلط خیالات دور ہوں جو بنگالی اخبارات کی غلط تحریرات سے پیدا ہوں ۔

۲ جون ۱۸۹۰ء

اشتہار

تجارت گزٹ ، لاہور

یہ ہندوستان بھر میں اپنی طرز و ڈھنگ کا نرالا پرچہ اردو زبان میں جولائی

۱۸۸۹ء سے باہتمام مولوی محمد فضل الدین صاحب پروپرائٹر اخبار دہلی پنچ اور ملکی فجر ، دفتر دہلی پنچ پریس لاہور سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جو نہایت خوش خطی اور صفائی چھاپہ سے عمدہ ڈمی کاغذ پر مہینے میں دو بار یکم و پندرہ تاریخ کو تین تین ہزار کاپی طبع ہو کر ہندوستان کے ہر ایک صدر مقام ، ہر ایک والیٔ ریاست ، ہر ایک کمپنی و کمیٹی ، ہر ایک معزز تاجر وغیرہ وغیرہ میں مفت بلا قیمت بھیجا جاتا ہے ۔ اس میں ولائت اور ہندوستان کے نامی گرامی تاجروں ، ڈاکٹروں اور ہر قسم کے اہل صنعت و حرفت کی اشیا و ادویات کے اشتہارات بڑی خوبی و خوش اسلوبی اور صحت پتہ سے درج ہوتے ہیں - یہ گزٹ کیا ہے ، گویا دنیا بھر کی عجائبات اور ہر قسم کی صنعت و حرفت کا ایک بے نظیر آئینہ ہے ۔ اگرچہ اہل تجارت اور صنعت و حرفت کی اشیاء کی مشہوری بذریعہ اخبارات بھی ہو سکتی تھی ، مگر اہل یورپ کے تاجروں اور صناعوں کی بضاعت کی شہرت صرف انگریزی زبان کے اخبارات پر منحصر تھی جس کو ہندوستانیوں میں سے فیصدی پانچ آدمی بھی نہیں سمجھ سکتے تھے اور حساب سے گویا یہاں کے لوگ سو میں سے پچانوے آدمی یورپ کی مفید و کارآمد اشیاء سے محض نابلد اور بے خبر رہتے تھے اور یہ ان کی ترقیٔ تجارت میں ایک بڑا بھاری نقص تھا جس کو ہمارے قدیمی مہربان مولوی صاحب ممدوح نے اپنی خداداد ذہانت و لیاقت سے ایسی خوبی اور عمدگی سے فتح کیا ہے کہ اس بارہ میں اب کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں رہنے دی جس سے ہم کو یقین ہے کہ یہاں کے لوگ اور دنیا بھر کے تجارت پیشہ اور اہل صنعت و حرفت اس عدیم النظیر گزٹ کو ایک نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر تہہ دل سے اس کی قدر کریں گے اور اس کو اپنے کاروبار کی ترقی کا ایک اعلیٰ ذریعہ و وسیلہ سمجھ کر وقتاً فوقتاً اپنے اپنے کارخانہ کے اشتہارات مشتہر کرانے سے اس گزٹ کی امداد میں دریغ نہ فرمائیں گے جس کی اجرت اشتہارات بلحاظ اس کی خوبیوں کے بہت تھوڑی ہے ۔

۳ نومبر ۱۸۹۰ء

افسوس پبلک کی ناقدردانی سے اخبار سرمور گزٹ ناہن بہت جلد بند ہونے والا ہے ۔

۲۶ جون ۱۸۹۳ء

ڈسٹرکٹ میجسٹریٹ گورداسپور نے سنگھ سبھا کے مشہور مقدمے کے فیصلے کے ضمن میں لکھا ہے کہ :

”کسی اخبار کے ایڈیٹر کا یہ فرض نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو بہادر ثابت کرے بلکہ اس کا فرض یہ ہے کہ وہ خبروں کو جمع کرے اور بلا کسی

تشریح کے ان کو شائع کرے اور اگر ان کی تشریح کرے تو اس کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ وہ ٹھیک ہو نہ افواہ اور نہ اس سے کسی طرح کا برا اثر بذریعہ سخت الفاظ کے پڑے بلکہ سادہ الفاظ میں ہو۔"

۱۴ اگست ۱۸۹۳ء

ریاست پٹیالہ کے اخبار اور مطبع کا اہتمام جو کئی سال سے جناب منشی نولکشور صاحب کے ہاتھ میں تھا، اب منشی صاحب کی میعاد معاہدہ پوری ہونے کے بعد مطبع اور پٹیالہ اخبار کا اہتمام حسب الحکم سر بحضور مہاراجہ صاحب بہادر والیٔ ریاست پٹیالہ یکم اگست ۱۸۹۳ء سے جناب سید رجب علی شاہ صاحب پروپرائٹر راجندر پریس پٹیالہ و نیو امپیریل پریس لاہور کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔

۱۸ ستمبر ۱۸۹۳ء

سنا گیا کہ منشی محرم علی چشتی ملازم نیشنل کانگرس مقرر ہوئے ہیں۔

۲۵ ستمبر ۱۸۹۳ء

کانپور سے ایک نیا اخبار زمانہ نام جاری ہوا ہے جس کا کاغذ ڈمی اور خط خوش خط اور چھاپہ صاف و عمدہ ہے۔

۱۶ اکتوبر ۱۸۹۳ء

راولپنڈی سے ایک نیا روزانہ انگریزی اخبار شائع ہوگا۔

۱۶ اکتوبر ۱۸۹۳ء

مراد آباد میں ایک دھیلا اخبار نکلا۔

۱۳ نومبر ۱۸۹۳ء

مدراس سے حال میں ایک اخبار بزبان انگریزی جاری ہوا ہے جو پڑیا اخبار کے نام سے موسوم ہے۔ مدراس میں پڑیا ڈھیڑ کو کہتے ہیں جو ایک سب سے نیچی قوم ہے۔

۲۵ دسمبر ۱۸۹۳ء

ایڈیٹر رہبر ہند [رفیق ہند ؟] لاہور نے بالآخر نیشنل کانگرس سے علیحدگی اختیار کی۔ انھوں نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ جمہور اسلام اس کے بر خلاف ہے۔

۱۵ جنوری ۱۸۹۴ء

حبل المتین نام جدید اخبار بزبان فارسی کلکتہ سے شائع ہوا ہے۔

۲۹ جنوری ۱۸۹۴ء

افسوس لاہور کا پرانا اور مشہور اخبار کوہ نور بند ہو گیا۔

۵ فروری ۱۸۹۴ء

راولپنڈی سے ایک ہالہ اور دوسرا تاج الاخبار دو اردو اخبار نکلتے تھے اور ہالہ کے بند ہونے سے صرف ایک اخبار رہ گیا تھا ۔ حال میں وہاں سے المسلم نامی ایک دوسرا اردو اخبار نکلنا شروع ہوا ہے جو امید ہے کہ ہالہ اور تاج الاخبار دونوں کا عطر مجموعہ ہوگا کیونکہ المسلم نے مرحوم ہالہ کا پریس خرید لیا ہے اور تاج الاخبار کا ایڈیٹر لے لیا ہے ۔

۲۳ اپریل ۱۸۹۴ء اشتہار

لاہور کا مشہور ظریف اخبار

لاہور پنچ

جو نو سال سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے جس کی بول چال ، طرز تحریر مذاق سے خالی نہیں ۔ مضامین کی شوخی ، تحریر کا چلبلاپن دلوں میں گدگدی پیدا نہ کرے تو بات ۔ اردو ، فارسی کی وہ پھڑکتی ہوئی نظم و نثر کہ پڑھنے والے لٹو نہ ہو جائیں تو کہیں ۔ مذاق پسند طبیعتوں کی جان ظریف الطبع لوگوں کی روح رواں رنگین دلوں کو لبھانے والا ، روتوں کو ہنسانے والا ۔ قیمت چار روپے سالیانہ ۔ نمونہ کے پرچہ کے لیے ایک آنہ ۔

المشتہر

عبدالرحمن

مالک و منیجر لاہور پنچ و سبحانی پریس ، لاہور

۲۲ اکتوبر ۱۸۹۴ء

خواجہ احد شاہ صاحب ملک التجار و رئیس اعظم لدھیانہ کی علو ہمتی سے ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار لدھیانہ میں جاری ہونے والا ہے جس کی قیمت صرف ۸ روپے سالانہ عوام کے لیے اور طلبا کے لیے ۶ روپے مقرر کی گئی ہے ۔

۲۹ اکتوبر ۱۸۹۴ء

افسوس اخبار رتن پرکاش رتلام جو ستائیس برس سے چھپتا تھا ۔ ریاست کی کم توجہی کے باعث ۱۳ اکتوبر سے بند ہو گیا ۔

۳ دسمبر ۱۸۹۴ء

گورنمنٹ آف انڈیا نے قطعی حکم جاری کیا ہے کہ کوئی خبر جو کل اخبارات کو نہ دی جا سکے ، کسی خاص اخبار کو نہ دی جائے اور ہدایت ہوئی ہے کہ گورنمنٹ کے اس حکم کی سخت پابندی کریں ۔

۲۸ جنوری ۱۸۹۵ء
کانگرس کا ایک ہفتہ وار اخبار بنام سٹیٹسمین عنقریب بمبی میں جاری ہونے والا ہے۔

۲۵ مارچ ۱۸۹۵ء
یکم مارچ سے ایک اور اردو اخبار چودھویں صدی نامی راولپنڈی سے نکلنا شروع ہوا ہے۔

۲۵ مارچ ۱۸۹۵ء

جناب مخدوم و مکرم بندہ ایڈیٹر صاحب!

تسلیم۔ اس عریضہ کے ذریعہ سے آپ کی خدمت میں ایک بڑا اہم معاملہ آپ کی توجہ کے لیے پیش کرتا ہوں۔ دیسی پریس کی حالت جیسی کہ کمزور اور اصلاح کی محتاج ہے، آپ سے پوشیدہ نہیں۔ بے شک ہمارے دیسی پریس میں بہت سے نقص ہیں جو کہ ہر ملک کے پریس میں بچپن کے زمانہ میں کم و بیش پائے جاتے ہیں۔ لیکن ہمارے ملک میں چونکہ دیسی پریس کے پہلو بہ پہلو انگریزی پریس بھی چل رہا ہے جو بباعث شباب میں ہونے کے زیادہ ہوشیار اور زیادہ طاقتور ہے۔ اس کے مقابلہ میں دیسی پریس بہت کم حیثیت سمجھا جاتا ہے اور واقعی یہ بہت کم حیثیت اور ناقص ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اکثر اہل پریس اپنا فرض جس خوبی سے کہ چاہیے ادا نہیں کرتے اور آپس میں کوئی آرگنائزیشن نہیں ہے۔ چونکہ اس بارہ میں اکثر اوقات مختلف ہم عصر اتفاق رائے ظاہر کر چکے ہیں کہ دیسی پریس اصلاح کا محتاج ہے اور اصلاح کے حاصل کرنے کے لیے تمام ملک کے دیسی ایڈیٹران اخبارات کا ایک جگہ جمع ہو کر اپنی ضروریات کا سوچنا اور اپنے نقصوں پر بحث کرنا ناگزیر ہے اس لیے آپ کی خدمت میں ادب کے ساتھ اس امر کی ضرورت ظاہر کرتا ہوں کہ اب وہ وقت آ گیا ہے کہ ہندوستان کے دیسی اخبار نویس بھی ایک کانفرنس ایسے ہی اصولوں پر قائم کریں کہ جن پر انگلستان کا ''انسٹیٹیوٹ آف جرنلسٹس'' قائم ہے اور یہ کانفرنس ملک کے مختلف مقامات میں ہر سال اپنے جلسے منعقد کیا کرے کہ جن میں تمام ایڈیٹران اخبارات شامل ہو کر اپنی بہتری کی تجاویز پر غور کیا کریں۔ آج ہندوستان میں کانفرنسوں اور کانگرسوں کا زمانہ ہے اور اخبار نویسوں کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر ایک مفید اور کارآمد تحریک کے پیش رو اور رہنما ہوتے ہیں، لیکن کیا تعجب اور افسوس کی بات نہیں ہے کہ یہی اخبار نویس اپنی ضروریات بہم پہنچانے اور اپنے نقص رفع کرنے کے لیے ایک پریس کانفرنس نہیں قائم کرتے۔ آپ کی خدمت میں ایک ایسی کانفرنس کے مقاصد پر زیادہ زور دینا حکمت بلقمان

آموختن ہے۔ اس لیے میں اپنی عرضداشت کو زیادہ عملی اور کاروباری صورت میں پیش کرنے کے لیے درخواست کرتا ہوں کہ سب سے پہلے یہ اخبار نویسوں کا مجمع لاہور [میں] جمع ہو اور اپنے تمام ہم عصروں خصوصاً اضلاع مغربی و شمالی اور اودھ اور دیگر دور دراز مقامات کے رہنے والوں سے استدعا کرتا ہوں کہ وہ ضرور لاہور میں تشریف لا کر اس جلسہ کی عزت بڑھائیں اور اس فرض سے سبکدوش ہوں کہ جو بصورت دیسی پریس کا ممبر ہونے کے اس کی اصلاح کے متعلق اس وقت ان کے ذمہ ہے اور میں ادب سے درخواست کرتا ہوں کہ اپنے ہم پیشہ بھائیوں کے اس پہلے جلسہ کی خدمت کا اعزاز مجھے بخشا جاوے۔ سب بزرگ دو روز کے لیے لاہور میں تشریف رکھیں اور غریب خانہ پر ماحضر تناول فرماویں اور دو روز کی مختلف نشستوں میں کہ جن کا وقت من بعد مقرر کیا جاوے گا، مختلف مفید تجاویز پر غور کریں کہ جن سے دیسی اخبارات عزت اور وقعت حاصل کر سکیں جو نہ صرف اخبار نویسوں کے لیے ہی باعث افتخار ہوگی بلکہ ان کی قوم اور ملک اس خدمت سے مستفید ہوکر ان کے مشکور ہوں گے اور ہمارے ملک کی تاریخ میں ان کا یہ جلسہ بھی یادگار رہ جائے گا۔

اس جلسہ کے انعقاد کی تاریخ بھی میری رائے ناقص میں آخر اپریل تک قرار پانی چاہیے کیوں کہ اس کے بعد موسم زیادہ گرم ہو جاتا ہے۔ چونکہ ملک میں اکثر کانگرسیں اور کانفرنسیں ایام تعطیلات دسمبر میں منعقد ہوتی ہیں اور اکثر ہم عصران میں سے کسی نہ کسی میں شریک ہوا کرتے ہیں اس لیے وہ وقت ہمارے جلسہ کے لیے موزوں نہیں۔ قطع نظر اس کے وہ وقت اس لیے بھی ایسے جلسوں کے لیے پسند کیا گیا ہے کہ تعطیلات کا زمانہ ہوتا ہے۔ لیکن تعطیلات انھیں درکار ہیں جو کسی دوسرے کے ملازم ہوں۔ خدا کے فضل سے یہ معزز برادری آزاد ہونے کا فخر رکھتی ہے، اس لیے اس کے لیے ہر وقت یکساں موزوں ہے۔ انھیں وجوہات پر بھروسہ کرکے میں امید کر سکتا ہوں کہ آپ میری اس درخواست کو منظور فرما کر جلسہ کے اس وقت کو منظور فرما دیں گے اور کار خیر میں تاخیر روا نہ رکھیں گے تا کہ تاریخ انعقاد مقرر کرکے تمام شریک جلسہ ہونے والے احباب کو اطلاع دی جاوے۔

چونکہ اس کانفرنس کا مقصد ملک کے دیسی پریس کی اصلاح ہوگا، اس لیے اس میں ہر قوم اور مذہب اور ہر قسم کے پولیٹکل یا سوشل رائے رکھنے والے دیسی پریس کے متعلقین شریک ہو سکیں گے۔ جلسہ میں تمام ایسے مضامین پر آزادانہ بحث کی جاوے گی کہ جن کو ایک استقبالی کمیٹی منظور کرے اور استقبالی کمیٹی ان مضامین سے ایسی تجاویز کثرت رائے سے منتخب کرے گی جو تمام ممبر

اس کے پاس بھجیں گے ۔

سردست میری رائے میں مندرجہ ذیل امور بھی بحث کے قابل ہیں بشرطیکہ دیگر معزز ہمعصر بھی انھیں قبول فرماویں ۔

اول : دیسی اخبارات کی سیلف رسپکٹ قائم رکھی جاوے اور کسی طمع پر والیان ریاست یا رؤسا کی مدح و ذم نہ کی جاوے ۔

دوم : دیسی پریس کے ممبروں سے ذاتی کدورتوں کو دور کرکے پبلک معاملات پر آزادانہ بحث اور رائے زنی کی جرأت دلائی جاوے ۔

سیوم : خاص خاص ضروری اور مفید عام ملکی مضامین یا بعض نکتہ چینیوں اور بے انصافی کے واقعات کو جب ایک ہمعصر کھود کر نکالے تو تمام دیگر ہمعصر اس کی تائید کریں تاکہ ان کے اتفاق سے ان کی طاقت مضبوط ہو جاوے اور سب اس عزت سے حصہ حاصل کریں ۔

چہارم : اخبارات میں ہمدردی پیدا کرکے جو ہمعصر بلا قصور کسی قانونی پیچ میں پھنس جائیں ، ان کی دستگیری کی جاوے اور ان کے ڈیفنس کے لیے ایک فنڈ کی بنیاد رکھی جاوے ۔

پنجم : معتبر خبریں بہم پہنچانے کا سلسلہ باہمی امداد سے قائم کیا جاوے تاکہ انگریزی اخبارات سے دریوزہ گری سے نجات ملے ۔

ششم : نادہند خریداروں سے مخلصی کی تدابیر سوچی جاویں اور بلا درخواست اخبار جاری نہ ہوں ۔

ہفتم : آپ میں ایک دوسرے سے مضامین اکنالجمنٹ کے سوائے نہ نقل کیے جاویں ۔

ہشتم : بجائے دن بدن نئے اخبارات بلا کافی سرمایہ کے جاری کرنے والے اصحاب کو پرانے کارخانوں میں شریک کیا جاوے اور صرف تجربہ کار ایڈیٹروں کو نئے اخبار نکالنے کی جرأت دلائی جاوے ۔

غرض دیسی اخبارات کی اس کانفرنس کی نسبت آپ جو رائے رکھتے ہوں ، اس سے بواپسی ڈاک نیازمند کو بذریعہ گرامی نامہ کے اطلاع بخشیں تاکہ سب اصحاب کی رائیں جمع کرکے تاریخ انعقاد جلسہ مشتہر کی جاوے ۔ اگر نامناسب نہ ہو تو اس چٹھی کو اپنے معزز اخبار میں بھی چھاپ دیں اور اس کے ساتھ اپنی رائے زرین بھی درج کر دیں ۔ مگر بذریعہ خط کے بھی اپنی رضامندی سے ضرور اطلاع بخشیں ۔

جواب کا منتظر آپ کا خادم

محبوب عالم ، ایڈیٹر پیسہ اخبار ، لاہور

اس خط پر ایڈیٹر سراج الاخبار نے یہ رائے دی جو کہ اس کے ساتھ ہی چھپی :
''ہم ایسی کانفرنس کا انعقاد نہایت ہی ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے مقاصد سے بالکل متفق الرائے ہیں۔''

۲۹ اپریل ۱۸۹۵ء
بمبئی گزٹ نے اشتہار دیا ہے کہ اگر کوئی اس کا خریدار یا اشتہار چھپوانے والا کسی ریل گاڑی کے تصادم میں مر جائے گا تو اس کے ورثا کو مالکان اخبار دس ہزار روپیہ دیں گے۔

۸ جولائی ۱۸۹۵ء
منشی محبوب عالم مالک پیسہ اخبار کا انگریزی اخبار ''دی سن'' اسی تاریخ سے جاری ہوا ہے جس روز سے پنجاب آبزرور نکلنا شروع ہوا ہے۔

۱۷ جنوری ۱۸۹۸ء
افسوس ہے کہ کانپور کا مشہور اخبار زمانہ ملک کی بے قدری سے بند ہوگیا۔ مالک نے پانچ سال تک جاری رکھ کر سات ہزار روپے کا نقصان اٹھایا۔

۱۴ فروری ۱۸۹۸ء
دہلی سے ایک ظریف اخبار ڈبل پنچ شائع ہونے والا ہے۔ جس کا اشتہار کسی عورت کے نام سے دیا گیا ہے۔

۷ مارچ ۱۸۹۸ء
کلکتہ کے معزز ہم عصر اخبار حبل المتین کو امیرالمومنین سلطان المعظم نے چار سو پونڈ (چھ ہزار) سالانہ کا مدامی وظیفہ عطا فرمایا ہے۔ کچھ عرصہ ہوا کہ اعلیٰ حضرت شاہ ایران نے بھی ہم عصر موصوف کو تخمیناً اٹھارہ سو سالانہ کا مستقل وظیفہ عطا کیا تھا۔ اخبار مذکور کے عالی ہمت مالک نے شاہ ایران کے عطیہ پر اپنے نامور اخبا کی قیمت طلبا کے لیے بارہ روپیہ کی جگہ سات روپیہ کر دی تھی اور ساتھ ہی شاہ مظفر الدین کے نام نامی پر ایک علمی رسالہ مفتاح المظفر فارسی زبان میں جاری کر دیا تھا جو بڑی آب و تاب سے مہینہ میں چار بار شائع ہوتا ہے۔ اب سلطانی عطیہ کے ملنے پر حبل المتین کی قیمت میں طلبا کے لیے اور دو روپیہ کی تخفیف کر دی گئی ہے۔

۲ مئی ۱۸۹۸ء
کلکتہ سے ایک اور اخبار بنام کوہ نور جاری ہوا۔

۱۶ مئی ۱۸۹۸ء
ممالک مغربی و شمالی کی انتظامی رپورٹ میں دیسی مطابع اور اخبارات کا بھی

تذکرہ ہوا ہے کہ گذشتہ سال میں ان صوبجات کے مطابع نے کوئی ترقی نہیں کی ۔ ستائیس نئے اخبار جاری ہوئے تھے اور اٹھائیس بند ہوگئے ۔ اخیر سال میں پچانوے باقی تھے ، جن میں سے اکثر ہفتہ وار ہیں ، دو روزانہ ہیں اور دونوں اودھ سے شائع ہوتے ہیں ۔ ہفتہ وار اخباروں کی تعداد تریسٹھ ہے ۔ اکتالیس پرچے ماہوار ہیں ۔ اغلب تعداد اردو میں شائع ہوتی ہے ۔ میرٹھ میں سولہ ، مراد آباد میں چودہ ، لکھنؤ اور آگرہ میں تیرہ تیرہ اور کانپور میں دس اخبار نکلتے ہیں ۔ اوسط اشاعت تین سو نو تھی ۔ اردو اخبارات کی زیادہ سے زیادہ اشاعت پانچ اور چھ سو کے مابین تھی ۔

۶ جون ۱۸۹۸ء　　　　اشتہار

رسالہ ہلال

مندرجہ عنوان رسالہ یکم رمضان ۱۳۱۵ھ سے انجمن ہلال لاہور کی طرف سے بتیس صفحہ پر ماہوار شائع ہونا شروع ہوا ہے ، جس میں التزاماً حسب ذیل مضامین درج ہوتے ہیں :

۱۔ مشاہیر زمانہ کی سوانح عمریاں ۔

۲۔ تختہ دنیا کے مشہور واقعات کی تاریخ ۔

۳۔ فلاسفی ۔

۴۔ اخلاقی مضامین (متفرق مضامین) ۔

چنانچہ اب ماہ محرم کا جو رسالہ شائع ہوا ہے ، اس میں بڑے بڑے مضامین مثل زندگی جاوید ، سوانح عمری ابو تمام حبیب بن اوس مؤلف دیوان حماسہ ، تتمہ تاریخ قسطنطنیہ ، بقیہ فلسفہ (روح) درج ہوئے ہیں جو ضرور ہی دیکھنے کے قابل ہیں اور ایسے مشاہیر و لئیق صاحبوں کے قلم سے نکلے ہوئے ہیں جنھوں نے لٹریری سوسائٹی سے ڈپلوما حاصل کیا ہوا ہے ۔ واقعی یہ رسالہ عمدگی مضامین کے علاوہ خوش خطی ، صفائی چھاپہ اور عمدگی کاغذ وغیرہ میں بھی اپنی نظیر آپ ہی ہے اور باوجود ان خوبیوں کے صرف دو روپیہ سالانہ مع محصول ڈاک اس کا چندہ ہے اور

منشی غلام محمد صاحب ، سیکرٹری ساکن لاہور کوچہ ڈوگراں کے نام درخواست بھیجنے پر ہر ایک شائق اس کو اپنے نام جاری کرا سکتا ہے ۔

۶ جون ۱۸۹۸ء

علیگڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ بیادگار سرسید بند ہوگیا اور اس کو علیگڑھ کالج میگزین میں ملا دیا گیا ۔

۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء

لکھنؤ سے ایک ماہوار عربی اخبار الریاض کے نام سے جاری ہونے والا ہے۔

۱۴ جنوری ۱۹۰۱ء

لاہور کا نیا اخبار وطن ۴ جنوری سے بڑی آب و تاب سے نکلنا شروع ہوگیا ہے۔

۱۱ فروری ۱۹۰۱ء

دہلی سے ایک نیا ظریف اخبار فیلسوف نام ۲۱ جنوری سے جاری ہوا ہے۔

۲۵ فروری ۱۹۰۱ء

علیگڑھ گزٹ جو سرسید کی وفات کے سبب بند ہوگیا تھا، از سر نو نواب محسن الملک بہادر کے اہتمام میں شائع ہوا۔

۱۸ مارچ ۱۹۰۱ء

کلکتہ کے فارسی اخبار حبل المتین کے ایڈیٹر جلال الدین حسینی کو مسٹر کاؤس جی رستم جی نائب قونصل ایران کے استغاثہ لائبل میں بمبئی پولیس کورٹ سے تین ماہ قید محض اور ہزار روپیہ جرمانہ ہوا۔ جرمانہ میں سے ۷۵۰ روپیہ مستغیث کو بطور خرچہ مقدمہ دلایا جاوے گا۔

۸ اپریل ۱۹۰۱ء

خوشی کی بات ہے کہ وکیل امرتسر یکم اپریل سے ہفتہ میں دو بار ہوا ہے۔ خدا اور بھی ترقی دے۔

۱۰ جون ۱۹۰۱ء

ماہ جولائی سے مدراس میں عورتوں کا ایک رسالہ موسومہ ''لیڈیز میگزین'' شائع ہوگا، جس کا کاروبار بالکل عورتوں کے زیر اہتمام رہے گا۔ ہندوستان کی مشہور عالمہ مسز سیاناتھن ایم۔ اے جو عیسائی ہوگئی ہے، اس کی ایڈیٹر ہوگی۔

۲ جنوری ۱۹۰۵ء کے شمارے میں بسلسلہ واقعات ۱۹۰۴ء یہ اطلاع درج ہے۔ ''اخبار یونائیٹڈ انڈیا مدراس بند ہوا۔''

یکم جون ۱۹۰۹ء

امر پرکاش اخبار دہلی سے ابھی ابھی نکلا ہے۔ خفتہ فتنوں کو پنجاب میں پھر جگانا چاہتا ہے۔ ایسے اخباروں کو گورنمنٹ سے ڈرنا چاہیے۔

یکم جون ۱۹۰۹ء

جریدہ اسلام

یہ ماہواری رسالہ نومبر ۱۹۰۸ء سے منجانب بابو نیاز محمد صاحب خاص شہر

جہلم سے نکلنا شروع ہوا ہے ۔ چھوٹی تقطیع کے عموماً اڑتالیس صفحات پر ہوتے کے سالانہ چندہ بہت ہی تھوڑا یعنی صرف عمہ بمد پیشگی مع ڈاک مقرر ہے ۔

۸

۱۵ جون ۱۹۰۹ء

اخبار پانیئر کا فوجی اخبار اردو کی طرح ہندی میں بھی چھپنے لگا۔ اردو ٹائپ اڑا دیا ہے ۔

۱۸ ستمبر ۱۹۰۵ء

مولوی محمد شفیع صاحب طبیب مہتمم مدرسۃ القرآن نے ایک مطبع موسومہ اسلامیہ پریس اور طبی رسالہ القاسم ماہوار جاری کیا ہے ۔

۲۶ جنوری ۱۹۰۹ء

اخبار پایونیر نے فوجی اخبار نام پر ایک ہفتہ وار اردو پرچہ نکالنا شروع کیا ہے ۔

۱۲ جنوری ۱۹۰۹ء

اطلاعاً لکھا جاتا ہے کہ جنوری ۱۹۰۹ء سے رسالہ کا نام بجائے المجدد کے صرف مجدد رکھا گیا ہے ۔ آئندہ ہر قسم کی خط و کتابت متعلقہ مضامین و تبادلہ اخبارات و ریویو کتب و منی آرڈر وغیرہ تاج الدین احمد تاج مجددی نقشبندی مالک رسالہ مجدد لاہور کے نام ہونی چاہیے ۔ اس رسالہ میں قابل قدر مضامین کا اضافہ کیا گیا ہے ۔

راقم

تاج الدین احمد تاج مجددی نقشبندی

مالک رسالہ مجدد لاہور

۱۲ اپریل ۱۹۰۹ء

اخبار ''پربھا'' کا چھاپہ خانہ بنگال گورنمنٹ نے ضبط کر لیا اور اس اخبار کو نئے سرے سے رجسٹرڈ کرنے کی ممانعت کر دی ۔ اب یہ اخبار جاری نہیں رہے گا ۔

۲۷ اپریل ۱۹۰۹ء

اخبار سول اینڈ ملٹری آرگن کو اس کے مالکوں نے بند کر دیا ۔ یہ اخبار اپنے خریداروں کی ناقدردانی اور پبلک کی بے توجہی کا شکار ہوگیا ۔ اس کے بند ہونے پر افسوس ہے ۔

۲۷ اپریل ۱۹۰۶ء

گورنمنٹ میسور نے دو نوجوانوں کو دو اینگلو ورنیکلر اخبارات ''میسور مارو''

اور ''میسور پیٹریٹ'' کے نام سے نکالنے کی اجازت دی ہے۔ مگر گورنمنٹ کا خیال ہے کہ ان دونوں کی آڑ میں اور ہی لوگ ہیں۔

۱۱ مئی ۱۹۰۹ء

پشاور میں ۲۳ اپریل ۱۹۰۹ء سے ایک اخبار افغان پشاور نام جاری ہوا ہے جو ماہ میں چار بار یکم ، آٹھ ، پندرہ ، تئیس کو نکلا کرے گا۔ جس کے پہلے کالم میں پشتو اور دوسرے میں اس کا اردو ترجمہ شائع ہوتا ہے۔ قیمت للعہ سالانہ ہے۔

۲۵ مئی ۱۹۰۹ء

اخبار افغان پشاور کو صاحب چیف کمشنر بہادر صوبہ سرحدی نے آٹھ سو روپے سالانہ کی امداد دی۔ اسی طرح نواب صاحب ریاست دیر و نواب صاحب انب اور بہت سے رؤسا صوبہ سرحدی نے معتد بہ رقم عطا کی ، جس سے اخبار کے سرسبزی کے ساتھ چلنے میں کچھ شک نہیں۔ اخبار کے ایڈیٹر سید محمد عبداللہ احقر بہت لائق آدمی معلوم دیتے ہیں۔ اخبار نہایت قیمتی وزنی کاغذ پر چھپتا ہے۔

(باقی)

انتخاب کلام

مائیوں بیٹھی دلہن سرسوں ، سہرے دار کپاد
جھمکے پہن کپاسیں ناچیں دلہن کی عم زاد
بیری مائی تسبی تھامے دانہ دانہ پھینکے
من ہی من میں کہتی جائے کر اپنے دن یاد
مست ملنگ کھجور ، گلے میں مالا ، بال بکھیرے
وجد میں آ کر جھوم رہے ہیں ہر غم سے آزاد
فصلوں کی بارات میں بانٹیں کاسے بیل بھنڈارا
آنکھوں سے پرکھیں آئندہ رشتوں کی بنیاد
کوے ، بھانڈ ، فقیر ، کبوتر ، ٹولی ٹولی آئیں
اور دعائیں مانگیں ویہڑا سدا رہے آباد

(بر آب نیل ۔ علی اکبر عباس ص ۱۰۱ ، ۱۰۲)

دکتر سید مهدی غروی*

علامه اقبال ، غزالی عصر جدید

درین باب ، یعنی مقایسه اقبال و غزالی هر چه نوشته شود کم است چه این دو شخصیت بزرگ اسلامی از نقطهٔ نظر اندیشه و نحوهٔ ارائه اندیشه ها و تلفیق دین و فلسفه نکات مشترک بسیار داشته اند و هر کس که بخواهد این دو متفکر جهان اسلام را بشناسد باید عصر ایندو را بشناسد و بر رسی کند ، اینان هر دو فرزند زمان خویشتن بودند ، گر چه درین مرحله ناچاریم که چند سوال را مطرح کنیم تا هم حق تقدم غزالی محفوظ بماند و هم از جرأت و شجاعت جبّلی اقبال یاد شود که یک تنه بر پای خاست و نهضت باز آفرینی اسلام را ارائه کرد.

۱- آیا اقبال تا چه حد تحت تأثیر غزالی قرار داشت.

۱- آیا غزالی برای تلفیق دین و فلسفه تا چه حد موفقیّت یافته بود که هشتصد سال بعد اقبال همان برنامه را ارائه کرد.

۳- آیا نهضت غزالی تا چه حد بنفع آئین اسلام و جهان بینی آن بود.

٤- آیا اصولاً می توان میان دین و فلسفه آشتی و موافقت بوجود آورد.

۵- سرچشمه الهام برای اقبال گذشته از علوم عقلی اسلامی چه منبعی بود.

٦- آیا نیاز به یک تحول و سنگر بندی برای دفاع از اسلام همانگونه که در عصر غزالی ضرورت داشت در عصر اقبال نیز ضرورت دارد. شاید درین گفتار مختصر به برخی ازین سوال ها جواب داده شود ، قضاوت آن با شماست.

در دوران شکوفائی فرهنگ اسلامی ، عصر متقدم عباسیان بغداد مرکز بزرگ گرد آوری و انتشار علوم عقلی سراسر جهان گردیده بود ، درین مرکز همهٔ شعبه های علوم و فلسفه مورد توجه بود ، همه را از مشرق و مغرب گرد می آوردند و پس از ملاحظه و بررسی به آن رنگ اسلامی می دادند و بنا برین بغداد یک مرکز جذب و پخش گردیده بود. آزادی فکر و اندیشه و بحث و فحص سبب شد که حتی در باب فلسفهٔ یونان و هند نیز که در برخی از موارد با آئین اسلام منافات داشت مطالعاتی صورت گیرد ، اما این دوران درخشان کوتاه بود و بغداد از زمان معتصم به بعد این آزادی را محدود و محدود تر ساخت و آن طرفداران فکر آزاد به ناچار از بغداد به داخلهٔ

---

*مدیر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ، اسلام آباد

ایران رفتند و ری و اصفهان و بخارا مرکز تفکر علمی جهان اسلام گردید و متفکرانی چون فارابی و رازی و ابن سینا همه محصول این دوره اند.

ظهور قدرت ترکان در مشرق جهان اسلام ، آخر عمر این آزادی محدود بحث و فحص اسلامی بود و پس از انهدام کامل این مراکز علمی و فلسفی در خراسان و ایران مرکزی ، ظهور مردی که بتواند برگور این آزادی از دست رفته با مصالح اسلامی مقبره ای بسازد ضرورت داشت ، این شخص غزالی بود. متفکری صلح جو ، میانه رو و سازنده که از هرگونه افراط و تعصبی گریزان بود. مردی که در گذرگاه پرشر و شور این افکار و عقاید گوناگون ، بر پای خاست و با عزمی راسخ مصمم شد که صلح پایداری میان همهٔ متفکران و رئیسان و مروّجان اسلام بوجود بیاورد ، وی در درجهٔ اول یک روحانی اصیل و یک متکلم قدرتمند بود اما ناچار شد که از سیاست مذهبی سلجوقیان بزرگ طرفداری و متابعت کند. نام غزالی با مدرّسی مدارس نظامیه توأمان است ، چرا نظامیه ها بوجود آمد ، این خود دلیلی جز آنچه گفتم نداشت ، در عصر طلوع خورشید درخشان دولت جهانی سلجوق ، دوران وزارت نظام الملک اختلافهای فکری و عقیدتی بسیار زیاد شده بود ، آن سرپوش محکمی که از عصر متوکّل ببعد روی شعله های آزادی فکر گذاشتند نتوانست این شعله را محو و نابود سازد ، نتیجهٔ آن تقویت فرقه های اندیشمند اسلامی و ظهور فرقه های جدید شد ، باطنی ها که قوی ترین این گروهها بودند با برخورداری از نهضت های محلی و ملی چنان قوی شدند که اگر نیروی نظامی تازه نفس سلجوقیان بغداد را نجات نمیداد ، بساط خلافت عباسی درهم پیچیده می شد، آن دستی که خلافت را نجات داد ، نظامیه ها را نیز تأسیس کرد. نظام الملک می دید که این اختلافهای شدید عقیدتی که حتّی میان فرق اصلی اسلام، یعنی سنّی ها و شیعه ها ، بسیار گسترش یافته و خطرناک شده است ، در آن هنگام که جنگهای صلیبی در جریان بود ، تهدیدی است بزرگ بر موجودیت و عظمت اسلام . . . نظامیه ها مراکز بحث و خطابه شد ، فقط مسئله تدریس نبود. وی می دانست که اگر جلو بحث آزاد گرفته شود ، سکوت موقّت مقدمهٔ طغیان و ناآرامی خواهد بود ، وی یعنی نظام الملک یک سنّی متعصب نبود بحدی که توانست در برابر پادشاه شافعی حنفی بماند ، خانه اش پناهگاه علویان بود و صوفیان ویرا از خود می دانستند ، هم به عظمت و قدرت اسلام معتقد بود و برای استحصال آن کوشش می کرد و هم ایران را دوست می داشت ، وی مؤسس نظامیه ها بود و غزالی بزرگترین فرآوردهٔ این نظامیه ها ، مدرس نظامیه نیشابور و نظامیه بغداد. اما در آن عصر پرآشوب که اهل منبر با تعصبات فوق العاده شدید خود مردم را از قیامت و عذابهای آن جهان بحدی می ترساندند که زنها در پای منبرها بیهوش می شدند و جان می دادند ، عامل

مهم دیگری نیز وجود داشت که از حیث قدرت و نفوذ با آن برابری می کرد و آن عرفان و تصوف اسلامی بود، غزالی با آن سابقه عظیم علوم عقلی اسلامی برای درک فیض از چشمه جوشان عرفان اسلامی از مکتب و مدرسه و تحصیل و تدریس روگردان شد . . . فرار کرد و گمنام زیست تا بتواند دربارهٔ عرفان اسلامی نیز به تفکر و جستجو بپردازد نتیجهٔ همهٔ تلاشها و کوششهای غزالی ارائه کتاب احیاء علوم دین بود که شاهکار وی است و پلی است میان دین و فلسفه ـ اگر این اثر نتوانست آشتی میان دین و فلسفه برقرار سازد ، توانست که تا حدودی اختلاف میان فرق اسلامی را از میان بردارد، بعد ها متفکران اسلام بار دیگر متوجهٔ فلسفه شدند اما این بار فلسفه بر ضد دین نبود ، فلسفه با دین همراه بود و ارزیابی این همراهی دین و فلسفه هنوز هم ادامه دارد ، اما کسی که این نظر را ارائه کرد و با شجاعت در برابر مخالفان ایستاد غزالی بود. ابتکار غزالی عالم اسلام را از یک هرج و مرج و بی انضباطی علمی که نتیجه ظهور مکتب های مختلف فکری و تضاد های ناشی از تعصبات جاهلانه بود رهانید و یک دوره نوین عظمت را به ارمغان آورده اسلام را نجات داد ، در جنگهای صلیبی هم پیروز شد و توانست که گروه عیسویان متحد را به اروپا بر گرداند ، اما اروپا هم ازین تجربهٔ جنگهای صلیبی بهره مند شد ، توجه به مشرق زمین و باز آفرینی فرنگی ارمغان بزرگ این تجربه بود ارمغانی که تمدن نوین اروپا را تکوین تکمیل کرد. و راه را برای تسلط جهانی اروپائیان هموار ساخت ، اما اسلام چه کرد ، پانصد سال پس از ظهور غزالی دچار ضعف و انحطاط شد ، اسلامی که توانسته بود اتحاد اروپائیان و مغولان را درهم شکند و مغولان را مسلمان سازد ، در برابر موج استعمار طلب اروپا به سستی و ضعف گرائید ، کمتر ملتی از ملل مسلمان جهان موفق شد که بتواند خود را از چنگال خونین استعمار غرب در امان دارد ، اروپا از اختلاف مذهبی ، فرقه ای و عقیدتی همه غیر اروپائیان از جمله مسلمانان ، بهره مند شد ، ضعف امپراتوری عثمانی، پادشاهان قاجار در ایران و تصرف هند و هند هلند همگام با توسعهٔ قدرت علمی و اندیشه ای اروپا مسلمانان را بخواری کشاند و البته متفکران جهان استعمار زده چارهٔ کار را فقط اخذ و بهره مندی تمدن اروپائی می دانستند ، اما گروهی نیز انگشت شمار پیدا شدند که نهضت باز آفرینی اسلامی را داروی این درد ها می دانستند ، اقبال یکی ازین بزرگ مردان جهان اسلام بود که پس از سید جمال الدین اسد آبادی معروف به افغانی ظهور کرد. با این تفاوت که اقبال مردی از شبه قاره بود و در آلمان به تحصیل فلسفه پرداخته بود ، سابقهٔ آشنائی وی با تصوف و عرفان ، بآن روش که در شبه قاره مرسوم و معمول بود آشنائی با فلسفهٔ نوین آلمان و اوج اختلافات سرنوشت ساز میان مسلمانان و هندوان در شبه قاره ، اقبال را که بتفکر عادت داشت بیک نجات دهندهٔ مسئول

بدل ساخت. اقبال که در جوانی طرفدار هر نوع نهضت ترقی خواهانه مشرق بود ، در
نین پختگی و اندیشمندی میگفت :

''آنها که چشمشان از تقلید و بردگی کور شده است نمی توانند حقایق بی پرده
ا درک کنند ، این فرهنگ و تمدن نیمه مردهٔ اروپائی چگونه می تواند کشور های
ران و عرب را حیات نوین بخشد هنگامیکه خود به لب گور رسیده است.''[۱]

کار اقبال ازین لحاظ به کار غزالی شبیه است که وی نیز می خواهد میان اسلام و
لم آشتی برقرار سازد ، همانگونه که غزالی کوشید میان اسلام و فلسفهٔ آشتی و توافق
رقرار سازد ، اقبال با علم جدید و فرهنگ نوین اروپا مخالف نیست ، تقلید و تعصب
دست و پا بسته تسلیم به تمدن جدید و اروپائی شدن را قبول ندارد ، اقبال
م مانند غزالی از تعصب خشک و بیدلیل روگردان بود ، آزادی را در نهاد و
یان می جست و معتقد بود که انسانها تا محکم و قوی و سالم نباشند آزادی را درک
نواهند کرد و می گفت که مسلمانان برای حصول به آزادی باید خود را بشناسند ،
پختی که اقبال یکی از پایه گزارانش بود اکنون بکمک مردمی شتافته است که از
مدن اروپائی ، دست کم تقلید بدون هدف ازان ، روگردان شده اند ، مردمی که نیاز
، استکام فکر و اندیشه دارند و برای بر آوردن این نیاز به فرهنگ خودی ، اسلام
وی آورده اند.

۱- این عبارت ترجمه گونه ای است که از یک رباعی بنام اقوام مشرق ، در ضرب
کلیم ، آخرین اثر او ، از ص ده مقدمهٔ کتاب احیای فکر دینی در اسلام علامه اقبال
رجمهٔ احمد آرام برداشته ایم ، مقدمه را استاد دکتر سید حسین نصر نوشته است.

دکتر خالده آفتاب*

گلبدن بیگم دختر بابر شاه

در خانوادهٔ جلیل سلطنتی تیموریان هند و پاکستان که در سال ۹۳۲ھ ق توسط یکی از اخلاف بزرگ امیر تیمور گورگان ، ظهیرالدین محمد بابر ، پایه گذاری شد و تا ۱۲۷٤ھ ق امتداد پیدا کرد ، نه تنها پادشاهانی ادب دوست و معارف پرور مانند بابر ، همایون ، اکبر ، جهانگیر ، شاهجهان ، عالمگیر و شاهپورهائی چون کامران پسر بابر شاه ، دانیال و مراد پسران اکبر شاه ، پرویز پسر جهانگیر شاه ، دارا شکوه پسر شاهجهان ، کام بخش پسر عالمگیر و امثال آنها بظهور رسیدند بلکه شاهبانوها و شاهدختهائی مثل سلیمه سلطان بیگم همسر اکبر شاه، نورجهان بیگم[1] همسر جهانگیر شاه ، ممتاز محل همسر شاهجهان ، گلبدن بیگم و گلرخ بیگم دختران بابر شاه ، جهان آرا بیگم[2] دختر شاهجهان ، زیب النساء بیگم[3] دختر اورنگزیب عالمگیر و امثال آنها نیز چون ستارگانی درخشان ، آسمان ادب و دانش فارسی را روشن ساختند .

نخستین کسی که از میان شاهزاده خانمهای خوش قریحهٔ تیموری شبه قارهٔ هند و پاکستان جلب توجه مینماید گلبدن بنت بابر شاه ، پایه گذار سلسلهٔ تیموریان هند و پاکستان (۹۳۲—۱۲۷٤ھ ق) ، است که او را میتوان پایه گذار کاخ زیبای شعر و ادب و دانش بانوان شاعر و ادیب و دانشمند این سلسلهٔ با شکوه نامید .

گلبدن بیگم که مانند اغلب شاهزاده خانمهای این سلسلهٔ فرهنگ دوست با ذوق سرشار شعر و ادب برخوردار بود اگرچه دیوان شعری بجای نگذاشته ولی در آن

---

* دانشیار گروه فارسی ، دانشکدهٔ دخترانهٔ لاهور.

۱ - بنا بگفته مؤلف مرأة الخیال نور جهان بیگم ''در بذله سنجی و سخن گوئی و شعر فهمی و حاضر جوابی از نسای زمان ممتاز بود'' منقول از صباح الدین عبدالرحمان ، بزم تیموریه ، ص ٤٤٣ .

۲ - کتابی معروف بنام مونس الارواح نوشته است .

۳ - کتابی بنام زیب المنشأت از خود بیادگار گذاشته است - بعلاوه ''زیب التفاسیر'' را نیز باو نسبت میدهند .

تردیدی نیست که بزبان فارسی و ترکی شعر می سروده است چنانکه از تذکره‌های شعراء مانند مخزن الغرائب و تذکرة الخواتین بر میآید ـ در تذکره‌های مختلف بیت زیر بوی نسبت داده شده است :

''هر پریروئی که او با عاشق خود یار نیست
تو یقین می دان که هیچ از عمر برخوردار نیست''[1]

چیزیکه بیش از همه باعث شهرت جاودان او در جهان بانوان شده است اثری است ارزنده و در عین حال پاینده که او در زمینهٔ تاریخ از خود بیادگار گذاشته و دنیای فارسی را مدیون خود ساخته است ـ این اثر گرانبهای تاریخی ''همایون نامه'' یا ''احوال همایون پادشاه''[2] نام دارد.

''همایون نامه'' یا ''احوال همایون پادشاه'' شاید اولین و در عین حال آخرین اثر تاریخی باشد که در طول تاریخ چندین صد سالهٔ ادبیات فارسی توسط یک زن مؤرخ بعرصهٔ وجود آمده است و اگر بگوئیم که اینگونه شاهکار ادبی و تاریخی که پدید آورندهٔ آن یکنفر زن باشد ، در ادبیات سایر زبانهای جهان مانندی ندارد ، شاید این هم غلط نباشد ـ

این اثر بیمانند جهان فارسی که در ضمن خاطرات گلبدن بیگم ، دختر ظهیرالدین محمد بابر ، خواهر نصیرالدین محمد همایون و عمهٔ جلال الدین محمد اکبر ، تاریخ اواخر عهد بابری (۹۳۲—۹۳۷ھ ق) و عهد همایونی (۹۳۷—۹۶۲ھ ق) را نیز در بر دارد ، برای کسب اطلاعات دربارهٔ آغاز و استقرار سلسلهٔ تیموریان در شبه قارهٔ هند و پاکستان یکی از مستند ترین منابع و امهات آثار بی شمار تاریخی ادوار بعدی بشمار میرود .

سبک نویسندگی این کتاب از بعضی جهات بسیار جالب توجه است و علاوه بر ارزش تاریخی فوق العادهٔ خود از لحاظ ارزش ادبی نیز بسیار پرارزش است . زبان زنانه و با محاوره ای ، خالی از هر گونه تصنع و تکلف و مطابق با مقتضیات تاریخ نویسی از خصائص عمده و برجستهٔ سبک نگارش آنست و میتوانست سر مشق و نمونهٔ خوبی برای مؤرخان ادوار بعدی قرار بگیرد .

یکی دیگر از مزایای همایون نامهٔ گلبدن بیگم اینستکه علاوه بر اطلاعات تاریخی ،

---

۱ ـ رک : مولوی عبدالباری ، تذکرة الخواتین ، ص ۲۵ ـ
۲ ـ اصلاً مجموعه ای از خاطرات گلبدن بیگم است که بنا بخواهش برادر زاده اش ، اکبر بزرگ، برشتهٔ نگارش در آورد ـ

علیرغم اغلب آثار تاریخی فارسی ، دربارهٔ اجتماع و مخصوصاً دربارهٔ جامعهٔ زنان و بانوان خانوادهٔ سلطنتی و فعالیتها و سرگرمیهای روزمره و مجالس و جشنها و رسوم و معتقدات و مقام زنان در آن زمان اطلاعات دست اول و گرانبهائی بدست میدهد مثلاً از مطالعهٔ آن برمیآید که بانوان خانوادهٔ سلطنتی علاوه بر علوم متداوله فنون سپاهیانه را هم یاد می گرفتند ، هنگام مسافرت و شکار سوار اسب میشدند و لباس مردانه بتن میکردند. بعضی از خانمها علاوه بر چوگان بازی و تیراندازی ، آوازه خوانی و نوازندگی و بعضی دیگر از فنون مربوط به رزم و بزم را یاد میگرفتند و در مجالس مخلوط نیز ، در صورتیکه بیگانه‌ای در آنجا حضور نداشته باشد ، شرکت می جستند. خلاصه این کتاب مانند یک آئینهٔ روشنی میباشد که در آن میتوان کوچکترین جزئیات مربوط به زندگی اجتماعی بانوان خانوادهٔ سلطنتی تیموریان هند و پاکستان را مشاهده نمود .

گلبدن بیگم مؤلف همایون نامه دختر بابر شاه و دلدار بیگم بود که هر دو از نژاد امیر تیمور بودند . هنگام وفات پدرش در ۹۳۷ھ ق هشت ساله بیشتر نبود چنانکه خودش مینویسد :

''وقتیکه فردوس مکانی (بابر) از دارالفنا به دارالبقا خرامیدند این حقیر هشت ساله بود .''[۱]

از این کلمات میتوان نتیجه گرفت که او در ۹۲۹ھ ق چشم بجهان گشود . تولدش در کابل اتفاق افتاد . دلدار بیگم زن ششم بابر شاه پنج تا فرزند بدنیا آورد که یکی از آنها گلبدن بیگم بود و آنها بترتیب عبارتند از : گلرنگ بیگم ، گلچهره بیگم ، هندال میرزا ، گلبدن بیگم و الور میرزا .

وقتی گلبدن بیگم دو ساله شد (۹۳۱ھ ق) ماهم بیگم که محبوب ترین زنان پدرش ، بابر ، و مادر ولیعهد ، همایون ، بود او را با اجازهٔ پدرش تحت سرپرستی خویش در آورد . چون چهار فرزند ماهم در بچگی فوت کرده بودند او فرزندان شوهرش را که از زنان دیگرش بودند خیلی دوست می داشت و در تربیت آنها بجان میکوشید و علاوه بر همایون که فرزند حقیقی اش بود گلبدن بیگم و برادرش هندال را بسیار دوست می داشت.

در ۹۳۲ھ ق پدرش از افغانستان متوجهٔ شبه قارهٔ هند و پاکستان شد و پیشاور ، لاهور و سرهند را که در سر راه بودند فتح کرد و با شکست دادن سلطان ابراهیم لودی در جنگ پانی پت صاحب تخت و تاج هندوستان گردید .

---

۱ - رک : همایون نامه ، خانم بیوریج ، چاپ لندن ، ص ۳ .

یک سال بعد از پیروزی بر رقیب سر سخت هندو ، رانا سانگا ، (۹۳۴ھ ق) وقتیکه بابر بر مشکلات ابتدائی خود چیره شده بود ، گلبدن بیگم همراه با نا مادری بود ، ماهم بیگم ، که بجای مادرش بود ، از کابل به هندوستان آمد و بخدمت پدر ناجدارش رسید چنانکه خودش مینویسد :

"بعد از فتح رعنا سانگا[1] بعد یک سال آکام (خانم من) که ماهم بیگم باشند از کابل هندوستان آمدند و این حقیر هم همراه ایشان پیشتر از همشیرها آمده حضرت بادشاه ابام (بابر) را ملازمت کردم ."[2]

باز در جای دیگر مینویسد :

"در ملازمت حضرت بادشاه بابام (بابر) آمده ملازمت کردم و در پای افتادم و حضرت پرسش بسیار نمودند . زمانی در بغل نشانیدند و این حقیر را در آن اثناء آنقدر خوشحالی روی نمود که مزیدی بر آن متصور نباشد ."[3]

سه ماه بعد از رسیدن به آگره (نخستین پایه تخت سلطنت تازه بنیاد تیموری) گلبدن همراه با پدر و مادر خود برای گردش و تفریح به دهولپور و سیکری رفت . در اینباره مینویسد :

"بعد از آمدن آگره سه ماه گذشته بود که حضرت بابر شاه متوجهٔ دهولپور شدند . حضرت ماهم بیگم و این حقیر به سر دهولپور رفتم از آنجا به سیکری رفتند ."[4]

گلبدن بیگم در سال ۹۳۷ھ ق اول پدرش را و بعد در سال ۹۴۰ھ ق نا مادری خود ، ماهم بیگم ، را که مادر حقیقی پادشاه جوان بود و او را دختر خود خوانده بود ، از دست داد . او که بر اثر مرگ نا بهنگام پدرش خیلی نا راحت شده بود با درگذشت ماهم بیگم ناراحت تر شد . خودش آنچه را که بر اثر این دو حادثهٔ شوم مخصوصاً حادثه اخیر بسرش آمد چنین شرح میدهد :

"در ماه شوال (۹۴۰ھ ق) از عالم فانی بعالم جاودانی خرامیدند و فرزندان حضرت شاه بابام (بابر) را داغ یتیمی تازه شد . بتخصیص بمن که ایشان خود مرا پرورش فرموده بودند . مرا طرفه حالی و بیطاقتی و مصیبت صعب دست داده بود . شب و روز گریه و فغان و زاری میکردم ."[5]

---

[1]- سنگرام سینگ معروف به رانا سانگا که از سر سخت ترین رقبای سیاسی بابر بود و در ۹۳۴ھ ق در مقابل بابر با شکست عبرتناکی روبرو گردید .

[2]- رک : همایون نامهٔ خانم بیوریج ، ص ۱۷ .

[3]- رک : ایضاً ، ص ۱۸ ، ۱۹ .

[4]- رک : ایضاً ، ص ۱۹ .

[5]- رک : ایضاً ، ص ۳۰ .

گرچه فقدان پدر و مادرش برایش یک ضایعۀ جبران نا پذیر و غیر قابل تحمل بود ولی برادر ناتنی ، همایون ، او را چنان پدر وار مورد محبت بی پایان قرار داد که داغ یتیمی از قلبش محو گردید . خودش در اینمورد چنین میگوید :

''غرض حضرت (همایون) خاطر جوی این شکسته را بعد از وفات پادشاه بابام (بابر شاه) و آکام (ماهم بیگم) چنین عنایت میکردند و شفقت بیحد در بارۀ این حقیر میفرمودند که یتیمی و بی سری خود را ندانستم .''[1]

پس از وفات ماهم بیگم یک سال دیگر گلبدن در همان خانه زندگی کرد و بعد از یک سال در سال ۹۴۱ھ ق پیش دلدار بیگم ، مادر حقیقی اش ، رفت . در این ضمن مینویسد :

''دو ساله بودم که حضرت آکام مرا در منزل خود بردند و پرورش کردند و ده ساله شدم که ایشان از عالم رحلت نمودند ، تایک سال دیگر در منزل آکام بودم—در سال یازدهم همراه آجم (مادرش دلدار بیگم) شدم .''[2]

نخستین ده سال سلطنت همایون (۹۳۷—۹۴۷ھ ق) از هر حیث توأم با موفقیت های شایانی بود و او بر اوضاع مسلط بود ، چنانکه گلبدن بیگم بآن اشاره نموده است :

''مدت ده سال که بعد از وفات حضرت فردوس مکانی (بابر) حضرت جنت آشیانی در هند بودند همۀ مردم در رفاهیت و امنیت و فرمانبرداری و اطاعت بودند .''[3]

در این دورۀ ده سالۀ کامرانی و اعتلای همایون (۹۳۷—۹۴۷ھ ق) گلبدن بیگم نیز تحت سرپرستیٔ او مانند همۀ مردم در ''رفاهیت و امنیت'' بسر برد .

گلبدن بیگم در ۹۴۷ھ ق در سن هیجده سالگی بازدواج خضر خواجه درآمد که یکی از امرای برجستۀ دورۀ همایونی بود .

از سال فوق الذکر دورۀ انحطاط همایون شروع شد . او در سال ۹۴۷ھ ق در جنگ چوسه و باز در ۹۴۸ھ ق در جنگ قنوج بدست شیر خان سور[4] با شکست هولناکی روبرو شده سلطنت را از دست داد و در سند در بدر گردید و بالآخر در سال ۹۵۰ھ ق بعنوان پناهندۀ سیاسی به دربار شاه طهماسپ صفوی پناه آورد .

در این دورۀ حیرانی و نا بسامانی در سند و ایران گلبدن بیگم با همایون همراه نبود بلکه بلا فاصله پس از جنگ چوسه (۹۴۷ھ ق) بنا بخواهش برادر ناتنی دیگر ، کامران میرزا ، و بدستور همایون ، برخلاف میل خود ، همراه با او نخست به لاهور و

۱- رک : همایون نامه ، ص ۲۶ .

۲- ایضاً ، ص ۳۰ .

۳- رک : ایضاً ، ص ۲۶ .

۴- شیر شاه سوری (۹۴۸—۹۵۲ھ).

سپس به کابل رفت . در اینمورد چنین مینویسد :

«بطرف لاهور نشسته بودیم که میرزا کامران فرمان پادشاهی را فرستادند که شما را حکم است که همراه من به لاهور بروید . از جهت من میرزا کامران بحضرت پادشاه گفته باشند ـــ حکم شود که بمن بلاهور برود عین عنایت و کرم خواهد بود».[1]

"دیدم که فرمان پادشاهی هم درین باب هست لا علاج شدم و بحضرت عرضداشت نوشتم که از حضرت چشم داشت آن نداشتم که این حقیر را از ملازمت خود جدا سازند و به میرزا کامران به بخشند".[2]

در ۹۵۲ھ ق همایون با کمک فرمانروای ایران ، شاه طهماسپ صفوی ، قندهار را گرفت و بعداً کابل را بدست آورد . در این موقع بود که گلبدن بیگم پس از چند سال دوری و مهجوری بخدمت برادر محبوبش رسید .

"مدت پنج سال بود که از دولت ملازمت محروم و مهجور بودیم و از محنت دوری و مشقت مهجوری خلاص شده ، بدولت وصال آن ولی نعمت (همایون) مشرف شدیم و بمجرد دیدن دل غمزده را حضوری و چشم رمد دیده را نوری تازه حاصل گشت".[3]

گلبدن بیگم از سال ۹۴۷ تا ۹۵۲ھ ق تا وقتیکه همایون کابل را از دست کامران استخلاص نمود ، لاچار بود از برادر تاجدارش جدا بماند . او باوجودیکه در این دورۀ سرگردانی همراه با همایون نبوده ولی در همایون نامه بنقل از حمیده بیگم، زن برادر خود و همسر همایون ، اوضاع آندوره را نیز مشروحاً نوشته است .

در این مدت او در کابل بعنوان یک زن خانه دار بسر برد . شوهرش خضر خواجه یکی از سرداران لشکر کامران بود . بطور صریح معلوم نیست چند تابچه داشت زیرا در همایون نامه فقط از یک پسر خود بنام سعادت یار نام برده است که شاید یگانه و یا ممکن است بزرگترین و یا عزیز ترین فرزند او باشد . چنین بنظر میرسد که او در این مدت وقت خود را در شوهر داری و بچه داری صرف میکرد و اگر فرصتی دست میداد به مطالعۀ آثار علمی و ادبی می پرداخت .

او یکپارچه محبت و خلوص بود و پدر و مادر و برادرانش مخصوصاً همایون (برادر ناتنی) و هندال (برادرتنی) را فوق العاده دوست می داشت . موقع شهادت میرزا هندال چنین ابراز تأسف نموده است :

"نمیدانم که کدام ظالمی بی رحمی آن جوان کم آزار را به تیغ ظلم بیجان

۱- رک : همایون نامه ، ص ۴۵ .
۲- رک : ایضاً ، ص ۴۶ .
۳- رک : ایضاً ، ص ۷۶ .

کرده . کاشکی بدل و دیدهٔ من یا بسعادت یار پسر من یا بخضر خواجه خان آن تیغ بی دریغ میرسید . آه، صد آه ، افسوس و دریغ، هزار دریغ :

''ای دریغا ای دریغا ای دریغ آفتابم شد نهان در زیر میغ.''[۱]

تنها منبع اصیل اطلاعات دربارهٔ احوال زندگانی گلبدن بیگم مربوط به دورهٔ بابری و همایونی (۹۳۲—۹۶۲ھ ق) همایون نامهٔ خودش میباشد ، ولی متأسفانه نسخهٔ منحصر بفرد همایون نامهٔ گلبدن نیز با ذکر واقعهٔ کور کردن کامران یکدفعه چنین خاتمه می یابد :

''در نواحی رهتاس که رسیدند به سید محمد حکم کردند که به هر دو چشم میرزا کامران میل کشند . در ساعت رفت و میل کشید . حضرت پادشاه بعد از میل کشیدن - - - ''.[۲]

پس از این پیش آمد هر چه درباره اش پی می بریم بیشتر در تواریخ دورهٔ اکبری میخوانیم .

در سال ۹۶۲ھ ق برادرش همایون دوباره سلطنت شبه قارهٔ هند و پاکستان را بدست آورد ولی متأسفانه فقط چند ماه بعد در سال ۹۶۲ھ ق رخت از جهان بر بست و برادر زاده اش ، اکبر بزرگ، جانشین او گردید و در سال ۹۶٤ھ ق تمام بانوان حرم را که مادرش حمیده بانو و عمه اش گلبدن بیگم نیز جز و آنها بودند ، پیش خود طلبید.

از این سال ببعد تا آغاز سفر حج او در سال ۹۸۲ھ ق در اوراق و سطور تواریخ آن دوره خبری ازو بما نمیرسد البتهٔ اینقدر معلوم است که شوهرش خضر خواجه خان هنگام حملهٔ مجدد همایون به هند در ۹۶۲ھ ق در رکابش بود و اکبر در سال ۹۶٤ھ ق او را بعنوان استاندار لاهور تعیین نمود.

در دورهٔ اکبری (۹۶۳—۱۰۱٤ھ ق) چیزی که دربارهٔ وی مسلم است اینست که او بنا بخواهش برادر زاده اش ، اکبر بزرگ ، خاطرات مربوط به دورهٔ بابری ۹۳۲—۹۳۷ھ ق) و دورهٔ همایونی (۹۳۷—۹٤۷ھ ق) را بنام ''همایون نامه'' در حدود ۹۹۵ھ ق در حالیکه سنش به شصت و شش سال رسیده بود بسلک نگارش در آورده اثری جاویدان بوجود آورد و جهان ادب را مدیون خود ساخت . او نیز مانند جوهر و بایزید بیات غالباً این کتاب را بمنظور فراهم نمودن اطلاعات به ابوالفضل برای تدوین قسمت اول اکبر نامه نوشته است و الا لزومی نداشت که باین سن و سال به تألیف کتابی بپردازد.[۳]

۱- رک : همایون نامه ، ص ۹٤ . ۲- رک : ایضاً ، ص ۹٦ .

۳- رسالهٔ دکتری دکتر آفتاب اصغر بعنوان تاریخنویسی فارسی در دورهٔ تیموریان هند و پاکستان ، ص ۱۳٤.

بالآخره در سال ۱۰۱۴ھ ق در ۸۲ سالگی بر اثر تب در حالیکه حمیده بانو بیگم ، مادر اکبر ، درکنارش بود بجهان دیگر خرامید. پیش از آنکه بخواب ابدی برود، زن برادرش و دوست دیرینه اش بیتابانه صدایش کرد ، او برای لحظه ای چشمهایش را باز کرد و این کلمات را بر زبان راند .

"من زار بمردم عمرت باد ارزانی"[۱]

دوباره چشمها را بست و دیگر باز نکرد .

۱- رک : اکبر نامه ، ج سوم ، ص ۸۱۷.

محمد اقبال مجددی*

جنگ نامۂ احمد شاہ درانی

احمد شاہ درانی نے ۱۷۴۷ء تا ۱۷۶۹ء پاکستان و ہند پر نو حملے کیے ، وہ ۱۷۴۸ء میں پنجاب پہنچا گویا اس نے ۱۷۴۸ء میں پنجاب پر پہلا حملہ کیا ، جس میں اس نے لاہور اور سر ہند پر قبضہ کر لیا ۔ لیکن جب آگے بڑھا تو منو پور کے مقام پر آسے مغل فوج نے شکست دی اور وہ واپس افغانستان لوٹ گیا ۔ پیش نظر ''جنگ نامہ'' اسی پہلے حملے کی تفصیلات پر مشتمل ہے ۔

شاعر نے اس کا کوئی نام تجویز نہیں کیا ۔ اس لیے ہم نے موضوع کی مناسبت سے اسے ''جنگ نامہ احمد شاہ درانی'' سے موسوم کیا ہے ۔

اس شعر سے :

ازین جنگ او داد ثابت علم نمودہ بیان او ز رستم نظم (۱۵۴)

قیاس ہوتا ہے کہ شاید یہ نظم کسی رستم تخلص کے شاعر کی تصنیف ہے ۔ اغلب یہ ہے کہ اس میں رستم بطور تخلص نہیں ، معنوی اعتبار سے استعمال ہوا ہے ۔

انداز بیان

انداز تحریر سے واضح ہوتا ہے کہ یہ نظم کسی ہم عصر شاعر نے لکھی ہے اکثر اشعار چشم دید گواہ کے انداز بیان کی غمازی کرتے ہیں ۔ بنابریں یہ نظم ایک معاصر دستاویز کی حیثیت رکھتی ہے اور اس میں مندرج اکثر واقعات کی دیگر کتب تاریخ سے بھی تصدیق ہوتی ہے نیز ایک حساس اور مقامی مصنف کی حیثیت سے اس کے جذبات کی عکاسی بھی ہوتی ہے ۔ اس لیے نظم اہمیت کی حامل ہے ۔

مصنف نے زیادہ تر درانی افواج کے لاہور پر ظلم و ستم کو بیان کرنے پر زور قلم صرف کیا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل حملے سے بہت زیادہ گھبرایا ہوا تھا ۔ اس نے اس شعر میں مغل اور سکھ دونوں کو ''جفاپیشہ'' قرار دیا ہے :

یکے قوم مغلاں سنگھاں دوم جفا پیشہ ہر دو ندارند شرم (۱۶)

---

*لیکچرار تاریخ گورنمنٹ شاہ حسین کالج ، لاہور

خطی نسخہ

جنگ نامہ کا خطی نسخہ ہمارے آبائی کتب خانہ میں ہے۔ برادری کے باہمی اختلافات کی وجہ سے اس وقت ہمیں اصل نسخہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ لیکن ۱۹۷۲ء میں اس کا عکس بنایا گیا تھا جو خوش قسمتی سے اس وقت ہم دست ہوگیا ہے۔ نیز کسی دوسرے قلمی نسخے کا تاحال علم نہیں۔ اس وقت اسی عکس سے متن کو شائع کیا جا رہا ہے۔ نسخے پر سال کتابت اور کاتب کا نام درج نہیں۔ تاہم کاغذ کی قدامت اور شعر نمبر ۲۸ سے مابین ۱۱۶۱ھ و ۱۱۶۲ھ کا مکتوبہ نسخہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

لسانی نقائص

یہ کسی کہنہ مشق شاعر کی قوت فکر کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک نو مشق آدمی کا کلام ہے جو پنجاب کا رہنے والا معلوم ہوتا ہے اس لیے بعض الفاظ کا تلفظ پنجابی زبان کے مطابق کرتا ہے۔ مثلاً

جوان مرد سازد بہمت رزم   نظم گوئی گوید بقوت علم (۶)

شاعر نے رَزْم کی بجائے رَزَم باندھا ہے دوسرے مصرعے میں نَظْم کی بجائے نَظَم پڑھنے سے وزن درست ہوگا۔

چو فغاں مردان پیکار جو   ستمزہ نمودند نہادند رو (۳۷)

دوسرے مصرے میں نمودند کا دال محذوف کرنے سے وزن درست ہو جائے گا۔

(چو) شب تیرہ شد سوی جنگل شتافت   شہر در تصرف بہ دشمن گذاشت (۹۳)

متن میں لفظ (چو) موجود نہیں۔ دوسرے مصرعے میں شاعر نے شَہْر کو شَہَر باندھا ہے۔

نیت گر کہ آورد لشکر شمار   زجنگی سواران شد (ہ) سی ہزار (۹۳)

پہلے مصرعے میں نِّیت کو نیَتْ استعمال کیا گیا ہے۔

جوانان چنداں شد (ہ) سربلند   زکشتی بدیوان زسانند گزند (۹۴)

پہلے مصرعے میں شدہ کی بجائے شد درج ہے دوسرے مصرعے میں کشتی وزن سے خارج ہے اس کی بجائے ''کشتی'' ہونا چاہیے اور رسانند بھی وزن میں نہیں آتا ''رساند'' پڑھنے سے وزن درست ہو جاتا ہے۔

دران شہر بودند لشکر وزیر   با قمردین خان چین بہادر امیر (۱۰۵)

دوسرے مصرعے میں شروع میں با موجود ہے جو وزن سے خارج ہے۔

بدستور فرمودہ تدبیر جنگ   کہ باشند دشمن زَخَم گیر تنگ (۱۱۴)

دوسرے مصرعے میں زُخْم کی بجائے زَخْم بفتح خ استعمال کیا ہے :

اجازت زبانی اشارہ نمود　　　که توپاں و باناں وہالید زود (۱۱٦)

ناظم فارسی محاورے سے زیادہ آشنا نہیں تھا ۔ یہ شعر بھی دیگر کئی شعروں کی طرح مقامی زبان کا ترجمان نظر آتا ہے :

جواناں مرداں زلشکر وزیر　　　فتا دند به میدان زشمشیر تیر (۱۳۳)

دوسرے مصرعے میں فتادند کی دال وزن میں نہیں آتی ۔

شد ز ہمت جواں مرد لشکر دیر　　　رزم جوی گشتند مانند شیر (۱۳۷)

متن میں شد مرقوم ہے جو وزن میں نہیں آتا ۔

فَتْح کرد میدان معین المُلک　　　زدہ کوس نصرت بیاری فلک

پہلے مصرعے میں فَتْح کی بجائے فَتَح اور معین المُلک کی بجائے معین المُلک باندھا ہے ۔

خلاصہ جنگ نامہ

احمد شاہ درانی قندھار سے تیار ہو کر لاہور آیا تھا (شعر نمبر ۹) وہ محض جلب زر کے لیے لاہور پر حملہ آور ہوا (۱۰) ۔ فتح کابل کے بعد اس نے تسخیر لاہور کا ارادہ کیا (۱۲) ۔ اس وقت شاہ نواز خان [حیات اللہ خان] بن نواب زکریا خان اس سے مقابلہ کے لیے آمادہ ہوا (۱۳) شاہ نواز خان نے مغل فوج کو جمع کیا نیز سکھ بھی ہزاروں کی تعداد میں درانی سے نبرد آزمائی کے لیے تیار تھے (۱۵) ۔ اس جنگ میں مغلوں اور سکھوں کے بیالیس ہزار سپاہی مارے گئے (۱۷) درانی کے کم اندیش سپاہیوں نے شہر لاہور پر جبر بھی کیا (۱۸) ۔ اس جنگ میں "توپ داغاں" اور بندوقداروں کی تعداد گیارہ ہزار تھی ۔ شاہ نواز خان نے اپنی فوج میں اضافہ کیا (۲۱) ۔ اس وقت ۱۱٦۱ھ تھا (۲۸) ۔ درانی بیس ہزار نو سو جوانوں کی تعداد کے ساتھ لاہور میں داخل ہوا (۲۹) ۔ شاہ نواز خان نے جنگ کی تدبیر کی اس نے رزمگاہ شہر لاہور کے اندر بنائی (۳۲-۳۳) ۔ سکھ درانی کے حملے سے ہراساں ہو کر بھاگ گئے (۴۳) ۔ اس شکست میں مغلوں کو ہزاروں طعنے ملے (۴۷) ۔ فتح کے بعد شہر لاہور پر قیامت گزر گئی، غارت گیری آٹھ روز تک جاری رہی (۵۲ - ۵۳) ۔ خاص و عام سے جو مال انہوں نے چھینا قلم اس کے شمار سے عاجز ہے ۔ لاہور کے مسلمان اور ہندو اس قدر قتل ہوئے کہ ان کا شمار زبانی ممکن نہیں ۔ (۵۴ - ۵٦) ، انہوں نے لاہور پر چالیس روز تک جور و جفا جاری رکھی (۵۹) ۔ انہوں نے قتل و غارت گری میں لاہور کے حفاظ اور علماء پر بھی سختی کی (٦۰) ۔ درانی نے (فتح کے بعد) ایک روز جشن خسروانہ منانے کے لیے مجلس منعقد کی (٦۹-۷۰) ۔ اس نے ایک ہی حملہ میں

لاہور پر قبضہ کر لیا (۵۷) ۔ درانی کے لشکر میں تیس ہزار جنگی سوار تھے ۔ (۹۳)۔درانی کو منو پور کے مقام جو شکست ہوئی شاعر کے خیال کے مطابق اس کا سبب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا غرور پسند نہیں آیا (۹۸) ۔ درانی وہاں سے نہایت تیزی کے ساتھ سر ہند پہنچا ۔ اس نے سر ہند کے خاص و عام سے بزور رقم حاصل کی (۱۰۳) ۔ اس وقت اس لشکر کی کمان وزیر قمر الدین خان کے پاس تھی (۱۰۵) ۔ اگرچہ قمرالدین خان کی موت کی حقیقت کے بارے میں مورخین کا اختلاف ہے تاہم شاعر نے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ وہ اپنے خیمہ میں بیٹھا تسبیح خوانی میں مصروف تھا (۱۱۳) کہ اسے توپ کا ایک گولہ آ کر لگا ۔ جس سے وہ جان بر نہ ہو سکا (۱۲۹) ۔ قمرالدین کا لشکر ۱۱۶ سواروں پر مشتمل تھا ۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا معین‌الملک میر منو جنگ کی کمان سنبھالتا ہے (۱۳۵) ۔ دونوں فوجوں کے مابین خون ریز جنگ ہوتی ہے (۱۳۹--۱۴۰) ۔ یہ جنگ تین روز تک جاری رہی (یعنی جنگ منو پور) (۱۴۱-۱۴۲) اس جنگ میں درانی کے نو سو ساتھی مارے گئے (۱۴۶) ۔ جنگ میں معین‌الملک کو فتح ہوئی (۱۵۰) ۔

اس تلخیص کے بعد متن ملاحظہ کریں :

متن جنگ نامہ

۱	خداوند را یار سازم مدام	رسد بر محمدؐ درود و سلام
	محمد شدہ رہنما دو جہاں	زیاران چارش کفر شد نہاں
	وضو کن ہمیشہ تو از آب پاک	ومصحف بخوان دہ بآنہا ثواب
	بخم پشت آری و تن در سجود	رسانی بہ ارواح آنہا درود
۵	خدا کار ساز و باو قدرت است	زدن تیغ در جنگ از ہمت است
	جوان مرد سازد بہمت رزم	نظم گوئی گوید بقوت علم (کذا)
	رزم جستن ترک سر کردن است	نظم گفتن خون جگر خوردن است
	بیارم برین داستان این نظم	کہ افغان ز قندھار[۱] جویان رزم
	بہ لاہور آمد[۲] بیاپی خبر	کہ افغان آید بہ تیغ و تبر
۱۰	(۲) احمد خاں نامش کہ بیداد گر	بہ لاہور آید طلب گار زر
	بہ لشکر ہزاران جنگی جواں	رسد او دمندہ چو باد دوان

۱۔ احمد شاہ درانی قندھار میں ۱۱۶۰ھ جولائی ۱۷۴۷ء کو تخت نشین ہوا ، اسی سال ہندوستان پر حملہ کی غرض سے نومبر میں دہلی پہنچ گیا ۔ وہاں سے وہ دسمبر میں پشاور پہنچا جہاں سے وہ لاہور کے لیے روانہ ہوا ۔

۲ ۔ درانی ۱۸ محرم ۱۱۶۱ھ جنوری ۱۷۴۸ء کو شاہدرہ (نزد لاہور) میں آ جاتا ہے ۔

ہمہ ملک کابل مسخر نمود[1] نیت کرد لاہور لشکر کشود
بہ لاہور ناظم ابن زکریا خان[2] حیات[3] اللہ خان نام آن نوجوان
بہ دل کرد تدبیر ہمت گران کمر بست با جنگ آیندگان
۱ جمع کرد افواج مغلان جوان دگر قوم سکھاں ہزاران تتان
یکے قوم مغلان سنگھاں دوم جفا پیشہ ہر دو ندارند شرم
قلم کش چو دو قوم کردہ شمار قلم بند آمد چہل دو ہزار
ولیکن کم اندیش ناکرد کار ز آنہان جبر در شہر آشکار
و ز آن توپ داغان بندوق دار نوشتہ نویسندہ ہژدہ ہزار
۲ تردد بہ پیکار ناظم نمود تو گوئی کہ خواہد نہ دشمن سجود
حیات اللہ خان فوج[4] وافر نہاد دلش ہر ستم دست غارت کشاد
ستانید زر نقد از ہر کسی و زد کشت مظلوم مردم بسی
نظر ہر جفا رسم ظالم گرفت بجز ستم بدکار نیکی نگشت
(ص۴) گمان کرد لشکر تکبر نمود دلیلات بے بن بدل خود ربود
۳ بدل وی نہ آمد فلک نیلہ گون گمان کس ندارد کہ خود بے ستون
ازاں ہم نشیناں نکس داد پند غروری نہ آید بہ یزداں پسند
خدا وند دادار قدرت کند ہمہ کار عالم بہ حکمت کند
شنو سنہ ہجری بکن زر نگار ہزار و صد وشصت و یک کن شمار[5]
احمد خان بہ لاہور آمد دوان بہ عشرین ہزاران نہ صد [نو] جوان
۳ یکا یک جوانان مانند دیو چو در کوہ دیوان کبر و غریو
ندانست در ہند قدرت فزون سلیمان کند دیو را سر نگون
حیات اللہ خان کرد تدبیر جنگ از ہجومی سوہ کرد لاہور تنگ
چو لشکر کشی کرد آراستہ رزمگاہ اندر شہر ساختہ
پسندید تدبیر در دل فزود سراسر شہر کوچہ بندی نمود

۱- یہ تسخیر ۱۱۶۰ھ ۱۷۴۷ء کو ہوئی -

۲- نواب زکریا خان بن سیف الدولہ نواب عبدالصمد خان ۱۷۲۶ء سے ۱۷۴۵ء تک پنجاب کا گورنر رہا -

۳- حیات اللہ خان عرف مرزا پھلوری ، زکریا خان کا دوسرا فرزند تھا - وہ نادر شاہ ایرانی کے ساتھ لاہور سے دہلی تک گیا ، نادر شاہ نے اسے شاہ نواز خان کا خطاب دیا اور ملتان کا گورنر مقرر کیا -

۴- شاہ نواز خان کی دیگر فوج کے علاوہ پندرہ ہزار گھوڑ سوار اور پانچ ہزار سے زائد بندوقچی بھی تھے - (گنڈا سنگھ : احمد شاہ درانی ص۴۸)

۵- اس جنگ کا آغاز ۲ محرم ۱۱۶۱ھ ۱۰ جنوری ۱۷۴۸ء کو ہوا -

۴۵ همه قوم مغلان و سکهان چست — صف آرائی کردند هر جا درست
به جنگ آزمائی شدند استوار — سواران دلیران بندوقدار
چو افغان مردان پیکار جو — ستیزه نموده[1] نهادند رو
(ص ۵) به یکدست شمشیر دیگر تبر — به شمشیر بازی نهادند سر
دویدند در شهر مانند گرگ — پس آنگه دویدند خرد و بزرگ
۴۰ ز مغلان سکهان نه استاده کس — به شمشیر بازی نه شد دست رس
همه فوج مغلان اگر زره پوش — گریزان لرزان یکسر دو گوش
همه فوج ترکان ترکی سوار — نه شد کس دران وقت را پائیدار
سکهان چو میشان هراسان شدند — نهان کرد رویان گریزان شدند
هماندم بگفته حیات الله خان — فلک گشت بر من مضرت رسان
۴۵ فلک نیله رو گنبدی زرنگار — ز من باز گشته درین کارزار
غروری مرا بود اندر جگر — سزا گشت اکنون چه سازم فکر
زمانه فرو گشت حیران ماند — هزاران طعنه به مغلان خواند
پریشان نه شد لب بدندان گزید — به لاچار راه بیابان گزید
[چو] شب تیره شد سوی جنگل شتافت — شهر در تصرف به دشمن گذاشت
۵۰ بدل خستگی شد برون از شهر — خروشان جوشان ز بیداد دهر
محبیان که همراز چندان بودند — دران وقت سختی رفیقان شدند
(۶) ظفر دید افغان دلیر آمدند — ز بلده زر و سیم جویان شدند
به لاهور غارت شبانروز هشت — یقین کن قیامت برین شهر گشت
بغارت گرفتند گنج سیم و زر — هزاران اسپان هزاران شتر
۵۵ دگر مال اسوال از خاص و عام — قلم در نه آید نویسد تمام[2]

۱- متن نمودند.

۲- اشعار ۵۲ ، ۵۳ ، ۵۴ ، ۵۵ میں درانی افواج کی جس لوٹ مار کا ذکر کیا گیا ہے اس کے بارے میں مقامی مورخ کنھیا لال کا بیان ہے : ’’ (محلہ) مغل پورہ جہاں بڑے بڑے امرائے شاہی کی حویلیاں تھیں بلکہ خود صوبہ کے قیام کے لیے وہاں عالی شان مکان بنے تھے لٹنا شروع ہوا ، دن بھر درانی فوج اسی محلہ کو لوٹتی رہی اور اتنی دولت پائی کہ اٹھانا مشکل ہو گیا ۔‘‘ (تاریخ لاہور ، مطبوعہ لاہور ، ۱۸۸۴ء ص ۹۲) لیکن یہ ملحوظ رہے کہ درانی افواج نے لاہور کے تمام محلات نہیں لوٹے بلکہ بعض محلات نہ صرف محفوظ رہے بلکہ خود درانی کے حکم سے حضرت حاجی محمد سعید لاہوری کے محلے یعنی عبداللہ واڑی اور لکھی محلہ کی درانی فوج نے حفاظت کی ۔ مقامی مورخ مفتی غلام سرور لاہوری نے اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے ۔ حدیقۃ الاولیاء مطبوعہ لاہور ۱۸۷۶ء ص ۲۰۲ ۔

مسلمان هندو که شد قتل عام — شمار آن نکردم که گویم کلام
زنان کودکان را که کردند اسیر — نمودند بر خود گناهان کبیر
به لاهور اختر جبین چین بود — که باشنده در شهر غمگین نمود
چهل روز افغان در شهر ماند — جفا جور بر خلق بی حد راند
۶ رسانده بد مفلس توانگر ستم — ز حافظ و فاضل[1] نکرده شرم
شب و روز مردم بگریان بودند — غیاثی بدرگاه یزدان شدند
که ما بنده پر گناه توایم — به بی چارگی داد خواه توایم
نداریم غیر از تو فریاد رس — به جز تو نداریم دگر هیچ کس
تو ای داوری قادری کردگار — ز مایان به گردان به روزگار
۶ خداوند او را رسان رنج دید — چهل روز فریاد مردم شنید
(ص۷) برو کژم سازید چرخ بلند — کند سوختن افغان چو سوزد سپند
به پیچد بروی فلک نیله گون — شده روزگارش به آنهان زبون
نظر دار بر کار پروردگار — چگونه برو تلخ شد روزگار
چو یک روز احمد مجالس نمود — ز فیروزمندی غرورش کشود
جشن خسروانه بیاراسته — بدستور شاهان پرداخته
چو بر فرش زرین مکلف نشست — گرفته یکی تیغ مصری بدست
طلب کرد لشکر رفیقان سپاه — بهر انجمن کرد لشکر نگاه
بداد و دهش کرد هر یک دلیر — قوی کرد لشکر چو گرگان شیر
نظر بر رفیقان در آورد گفت — دلم هر چه خواهد ندارم نهفت

۱- یہاں مولف نے غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ احمد شاہ درانی کے تقریباً سارے پاکستان و ہند کے نامور علماء و مشائخ سے روابط تھے۔ اس نے حملہ کرنے سے پیشتر ان حضرات سے باقاعدہ مراسلت کی تھی۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے علاوہ اس نے حضرت شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری (ف ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء) سے خط و کتابت کی (مکتوبات شاہ فقیر اللہ ص ۲۸۸ مکتوب ۶۶) ان کے علاوہ حضرت میاں محمد عمر بن ابراہیم پشاوری چمکنی، حاجی محمد سعید لاہوری، میاں ثناء اللہ دہلوی، سید محمود بن سید علی شیخانی، سید نجیب کنٹری، میاں محمد عثمان، شیخ شکراللہ ٹھٹھوی، شیخ بہلول جالندھری، میاں رحمت اللہ لاہوری، خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کشمیری (مولف تاریخ کشمیر اعظمی)، شیخ کمال الدین کشمیری اور صاحبزادگان سرہند میں سے حضرت خواجہ غلام محمد معصوم ثانی کے ساتھ اس کی مراسلت تھی۔ (وکیلی عزیزالدین: تیمور شاہ درانی ۲/۷۸-۶) نیز اس نے بٹالہ میں مشائخ سے متعدد ملاقاتیں کی تھیں جن کی تفصیل احمد شاہ بٹالوی نے تاریخ ہند میں دی ہے (بحوالہ گنڈا سنگھ ص ۲۲۶)۔

۷۵ ز لیرونی بازو رفیقان چست — ز یک حمله لاهور کردم بمشت[۱]
کنون گشت پنجاب در دست من — کلید زر آن گشت در مشت من
بمن هست لشکر ز اندازه بیش — سزاوار باشد کنم قصد پیش
دلیلم قوی رو به دهلی کنم — ستاننده کشور بگیتی شوم
کسی نیست شورد (؟) بمن بر زمین — به شمشیر گیرم ز خاتم نگین
۸۰ (ص ۸) بمن گر رفیقان یاور شوند — به تیغ و تبر دل دلاور کنند
زنم تیغ در ملک هندوستان — چو نادر شوم لشر اندر جهان
گمانش به لشکر غرورش بتن — تو گفتی که با فلک بازد سخن
شناسید خود را چو اسفندیار — ستیزه نموده بیک صوبه دار
به فهمیده بیش است رستم زمان — که شاید ستاند بیک تیر جان
۸۵ ندانست این چرخ را نیله رو — گهی شاد و خورم گهی تندخو
جهانست بر آب کشتی روان — کسی نیست ماند ز جنبش امان
جواب از رفیقان دلیلت قوی — بتو جفت باشند مهر و مهی
همه لشکری جان فدای تو اند — گزیننده هر دم رضای تو اند
سپاهان کمر بست در کام تو — سراسر فدا اند بر نام تو
درین معرکه بخت آزمائی بکن — ز ما جان نثاری بتو بی سخن
دلت هر چه خواهد بهمت سپار — بکن آنچه داری دریغت مدار
نیت کرد احمد به دهلی درست — بر امید لشکر کمر بست چست
نیت کر که آورد لشکر شمار — ز جنگی سواران شد(ه) سی هزار[۲]
(ص ۹) جوانان چندان شد(ه) سر بلند — ز کشتی بدیوان رسانند گزند
۹۵ ندانست در بند قدرت فزون — سلیمان کند دیو را سر نگون
ز لاهور افغان به لشکر گران — رسد او دمنده چو باد دمان
در آندم عطارد ز تقویم دید — همه لشکر افغان سوزان بدید
فلک را نبوده غرورش پسند — دو انگشت آتش به سویش فگند
قضا از قدر گشت آگاه یاب — که باشند افغان ز آتش خراب
۱۰۰ بهر راه آگاه کارش نمود — خدا گر نخواهد ز کوشش چه سود
که احمد به لشکر ز تندی تمام — رسیده به سهرند جویند(ه)[۳] کام

۱- درانی کا شہر لاہور پر ۲۲ محرم ۱۱۶۱/۱۲ جنوری ۱۷۴۸ء کو قبضہ ہوا -
۲- انند رام مخلص کے تذکرہ سے فوج کی اس تعداد کی تصدیق ہوتی ہے (گنڈا سنگھ ص ۵۷) -
۳- درانی ۱۲ ربیع الاول ۱۱۶۱ھ/یکم مارچ ۱۷۴۸ء کو قلعۂ سرہند کے قریب پہنچ گیا -

چو آن بلده سرکار سهرند نام — دران سکه رانند شاهان مدام
نهادند شمشیر بر خاص و عام — بغارت گرفتند زر هر کدام
صف آرائی کردند بدستور خویش — ز تندی نهادند قدمها پیش
۱۰۵ دران شهر بودند لشکر وزیر — قمر دین[1] خان چین بهادر امیر
دوان دو نهادند به لشکر کثیر — زخم تیغ و تیران کردند پذیر
رهاندند بندوق ها ی شمار — ستمکار کشتند بندوقدار
(ص ۱۰) کمربست احمد بجنگ استوار — سمند اسپ رومی دران کارزار
کهی لیزه رانده کهی تیغ تیز — کهی با کمان تیر کرده ستیز
۱۱۰ چنان جنگ کردند افغان جوان — پسندید گردید هندوستان
فلک گفت بیمهر در وقت جنگ — رزم گر جگر کرد چون سخت سنگ
وزان سو سپاهان ز لشکر وزیر — یلان نامداران شدند جنگ گیر
وزیر الممالک بخیمه نشست — یکی کرد تسبیح مرجان بدست
بدستور فرمود تدبیر جنگ — که باشند دشمن زخم گیر تنگ
۱۱۵ چنان سلک افواج آراسته — دران راه بدخواه نگذاشته
اجازت زبانی اشاره نمود — که توپان و بانان رهانید زود
ز توپان بانان نمودند جنگ — ز آتش رزمگاه گردید تنگ
بسی مرد مردم ز هر دو طرف — شمار آن نه آمد که آرم حرف
دها دهٔ بر آمد دران زرمگاه — بجای گریزان نکس را پناه
۱۲۰ رزم خواه گردید هر دو سپاه — نکس داد ده شد نکس داد خواه
چنان بانگ آمد ز توپان کلان — ز بن کوه لرزان بجنبش زمان
(ص ۱۱) برآمد چو آواز توپ و تفنگ — بدریا نهان گشت ماهی نهنگ
شنیدم که بانان مانند برق — شده سوز دشمن چو آتش (به) فرق
هزاران شده سوخت اندر نبرد — هزاران شده سوخت در خاک گرد
۱۲۵ ز توپان و بانان که پیکار شد — بر افغان لشکر جهان تار شد
چو دو طرف بودند توپ و تفنگ — نبوده بتوپان یک دم درنگ
دران جنگ بیداد حاکم قضا — ز حکمش رها بود بندوقها

۱- میر محمد فاضل نام ، اعتمادالدوله محمد امین خان بهادر کا لڑکا ہے ۔ عالمگیر کے آخر زمانے میں مناسب عہدہ اور قمرالدین خان کا خطاب پایا ۔ احمد شاہ شہزادۂ محمد شاہ بادشاہ کے ہمراہ احمد شاہ درانی سے مقابلہ کے لیے سرہند تک گیا ۔ اسی مقابلہ کے دن توپ کا ایک گولہ اس کے لگا اور اسی سنہ (۱۱۶۱ھ) میں وہ فوت ہو گیا ۔ ماثرالامراء ۱/۳۵۳—۳۵۶ ۔ آیندہ حواشی میں اس کے نامور فرزند معین الملک میر منو کا ذکر بھی کیا گیا ہے ۔

وزیر الممالک که در خیمه بود — قضا کرد نظرش نشانه نمود
چنان تیر از توپ باو رساند — بدن ماند در خیمه جانش نماند
۱۳۰ وزیر این وزارت بدنیا گذاشت — بمردی مراتب شهیدان یافت
وزیر الممالک ز گیتی گذشت — سرخرو مدامی که تاریخ گشت
قمر دین خان کرد ادا زندگی — ز رحمان رحمت برو شد بهی
جوانان مردان ز لشکر وزیر — فتادند به میدان ز شمشیر تیر
هزار و صد و شصت نه صد شمار — ز مردان نامی تازی سوار
۱۳۵ همآندم رسیده معین[1] الملک — بهادر جوان بن وزیرالملک
(ص ۱۲) بجائے پدر جنگ قائم نهاد — ستیزه جوانمرد وافر کشاد
ز همت جوانمرد لشکر دلبر — رزم جوئی گشتند مانند شیر
نشسته جوانمرد بر پیل مست — بجوش از جوانی نیت جنگ بست
خداوند را یاد کرده نخست — عزم داشت در جنگ کردن درست
۱۴۰ دلیری به لشکر فزون تر نمود — بدشمن کشی جنگ فرمود زود
شده جنگ سه روز خون ریز شد — ز هر سو زمین خون آمیز شد
سه روزه که شد جنگ در دشت کین — ز خون سرخ گردید روی زمین
فلک شد به میدان نظاره ور — هزاران تنان دید بریده سر
تردد چنان کرد آن نام جو — ز افغان نمانده کسی رزم جو
۱۴۵ ز بندوق بانان چندین بکشت — احمد خان چنان دیده بنمود پشت
ازان جنگ احمد گریزان شد — به نهصد رفیقان خود جان برد
برو فلک آتش که افشرده بد — ز افغان بمیدان سلامت نشد
گریزان سوزان دران پهن دشت — هزاران تنان مرد بیجان گشت
ز افغان لشکر بمیدان کسی — نمانده دران جنگ کشتند بسی
۱۵۰ (ص ۱۳) فتح کرد میدان معین‌الملک — زده کوس نصرت بیاری فلک
سپهر آن زمان بود در کام او — فتح کرد در جنگ آن نام جو
شده شادیانه ز طبلان زر — معین الملک گشت فیروز ور

۱- قمرالدین خان (اعتمادالدوله) کی وفات ۱۱۶۱ھ/۱۷۴۸ء کے بعد اس کے لڑکے معین الملک میر منو نے جنگ کی کمان سنبھالی اور شدید جنگ کے بعد درانی کو شکست ہوئی - اسی جنگ میں اس کو ''معین الملک رستم ہند'' کا خطاب ملا اور وہ لاہور اور ملتان کا صوبہ دار مقرر ہوا - میر منو ۱۱۶۲ھ اور ۱۱۶۵ھ کے درانی حملوں کے دوران بھی پیش پیش تھا - موخرالذکر سنہ میں درانی فوج سے مغلوب ہو گیا - میر منو نے ۱۱۶۸ھ/۱۷۵۳ء میں وفات پائی (مآثرلامراء ۱/ ۳۵۵) -

یکی مرد عاقل بدیدار پیر خرد مند پر هوش روشن ضمیر
ازین جنگ او داد ثابتؔ علم نموده بیان او ز رستم نظم
۱۵۵ گر این داستان شد ز گوینده خام صلاح از تو باشد شود خوش کلام

مآخذ مقدمہ و حواشی

۱- نور محمد ، قاضی : جنگ نامہ [درانی کے ساتویں حملہ ہند ۱۷۶۵ - ۱۷۶۴ء کے واقعات] مرتبہ گنڈا سنگھ ، امرتسر ۱۹۳۹ء -
۲- حافظ : شاہ نامۂ احمد شاہ ابدالی مرتبہ مشتاق احمد مشتاق ، پشاور ۱۹۶۵ء (پشتو نظم) -
۳- گلستانہ ، ابوالحسن بن محمد امین : مجمل التواریخ مرتبہ مدرس رضوی ، تہران ۱۳۴۴ش -
۴- عبدالکریم : بیان واقع - مرتبہ کے - بی نسیم، لاہور ۱۹۷۰ء -
۵- نامۂ اعلیٰ حضرت احمد شاہ بابا بنام سلطان مصطفیٰ ثالث عثمانی ، مرتبہ غلام جیلانی جلالی ، کابل ۱۳۴۶ش -
۶- خلیق احمد نظامی : شاہ ولی اللہ کے سیاسی مکتوبات ، دہلی ۱۹۶۹ء -
۷- صمصام الدولہ شاہ نواز خان : مآثرالامراء اردو ترجمہ محمد ایوب قاری ، لاہور ۱۹۶۸ - ۱۹۷۰ء -
۸- غلام سرور لاہوری : حدیقۃ الاولیاء مرتبہ محمد اقبال مجددی ، لاہور ۱۹۷۶ء -
۹- وکیلی عزیزالدین فوفلزئی : تیمور شاہ درانی (طبع دوم) ، کابل ۱۳۴۶ش -
۱۰- وکیلی : درۃ الزمان ، کابل ۱۳۳۷ش -
۱۱- کہزاد احمد علی : بالاحصار کابل ، کابل ۱۳۳۶ش ۱۳۴۰ش -
۱۲- نیر ، محمد نواز ہروی : لشکر کشیہای احمد شاہ درانی ، کابل ۱۳۴۸ش -
۱۳- کنہیا لال : تاریخ لاہور ، لاہور ۱۸۸۴ء -
۱۴ - محمد محبوب جنیدی : حیات آصف ، حیدر آباد دکن ۱۳۶۵ھ -
۱۵ - فقیراللہ علوی شاہ ، شکار پوری : مکتوبات ، لاہور ۱۹۱۹ء -

16. Irvine, William : Later Mughals, Calcutta 2 vols. 1922.
17. Fakhri, Nuruddin Husain : An Account of Najibuddaulah, Tr. by S. A. Rashid. Aligarh 1952.
18. Ganda Singh : Ahmed Shah Durrani, Quetta 1977.
19. Malik, Zahiruddin : The Reign of Muhammad Shah, Asia Pub. House, Bomby, 1977.
20. Malik, Z. U : Khan-i-Dauran, Bombay, 1973.

مطبوعات غالب صدی

مجلس یادگار غالب ، پنجاب یونیورسٹی لاہور کی طرف سے میرزا غالب کی صد سالہ برسی کے موقع پر جو کتابیں شائع ہوئیں وہ محدود تعداد میں پنجاب یونیورسٹی سیلز ڈپو پر موجود ہیں :

۱۔ دیوان غالب (اردو) ، مرتبہ حامد علی خاں — ۱۲٫۰۰ روپے
۲۔ خطوط غالب (اردو) ، دو جلد ، مرتبہ مولانا غلام رسول مہر ،
ہر حصہ — ۱۵٫۵۰ روپے
۳۔ غزلیات غالب (فارسی) ، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی — ۱۲٫۵۰ روپے
۴۔ قصائد و مثنویات غالب (فارسی) مرتبہ مولانا غلام رسول مہر — ۲۷٫۵۰ روپے
۵۔ قطعات ، رباعیات ترا کیب بند وغیرہ (فارسی)
مرتبہ مولانا غلام رسول مہر — ۱۳٫۵۰ روپے
۶۔ سبد چین ، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی — ۸٫۵۰ روپے
۷۔ مہر نیم روز ، مرتبہ ڈاکٹر عبدالشکور احسن — ۸٫۵۰ روپے
۸۔ پنج آہنگ ، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی — ۲۹٫۵۰ روپے
۹۔ دستنبو، مرتبہ ڈاکٹر عبدالشکور احسن — ۴٫۰۰ روپے
۱۰۔ درفش کاویانی، مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر — ۱۲٫۰۰ روپے
۱۱۔ افادات غالب ، مرتبہ سید وزیر الحسن عابدی — ۱۱٫۵۰ روپے
۱۲۔ غالب ذاتی تصورات کے آئینے میں ، ڈاکٹر عبدالشکور احسن — ۷٫۵۰ روپے
۱۳۔ تنقید غالب کے سو سال ، مرتبہ سید فیاض محمود — ۱۹٫۵۰ روپے
۱۴۔ اشاریۂ غالب، ڈاکٹر سید معین الرحمن — ۱۸٫۰۰ روپے
۱۵۔ Ghalib ، سید فیاض محمود — ۱۰٫۵۰ روپے
۱۶۔ قادر نامہ ، مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر — ۲٫۰۰ روپے

ملنے کا پتہ :

پنجاب یونیورسٹی سیلز ڈپو (اولڈ کیمپس) لاہور

سید جمیل احمد رضوی*

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مائیکروفلم اور روٹوگراف ـــــ کتابیاتی جائزہ

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مائیکرو فلم اور روٹوگراف کاپیوں کی تعداد تین سو اکتیس ہے - یہ مختلف لائبریریوں اور اشخاص سے حاصل کی گئی ہیں - جائزے میں اندراجات کی ترتیب مصنف کے لحاظ سے الفبائی ہے - ہر اندراج میں دی گئی معلومات کی ترتیب اس طرح ہے :

(ا) مصنف
(ب) عنوان
(ج) قسم یعنی مائیکروفلم یا روٹوگراف
(د) ذریعۂ حصول
(ہ) اوراق
(و) زبان
(ی) طلب نمبر (Call No.)

ذریعہ حصول سے مراد یہ ہے کہ مائیکروفلم یا روٹوگراف کاپی کس لائبریری یا فرد سے حاصل کی گئی - لائبریری میں موجود نادر و نایاب مخطوطات کو محفوظ کرنے کے لیے بھی مائیکرو فلم کاپیاں تیار کی گئی ہیں یا ایسی مطبوعات جو نایاب ہو چکی ہیں ، ان کو بھی محفوظ کرنے کے لیے کاغذی پیرہن کی بجائے مائیکرو فلم کا لباس پہنا دیا گیا ہے - ایسی نقول کا ذریعۂ حصولِ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ہے - یعنی ان کا اصل مخطوطہ اس جامعہ کی مرکزی لائبریری میں موجود ہے - جہاں ستارے کا نشان (*) ہے وہ پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے -

۱- آرزو ، سراج الدین ، مجمع النفائس ، مائیکرو فلم ، کتب خانہ ریاست کلیانی ، ۴۰۴ ورق (فارسی) ، ۱۰۹۳۴ -

۲- آقا بن عابد ، کتاب العناوین ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۳۹ ورق (عربی) ، ۱۰۰۲۸ -

---

* اسسٹنٹ لائبریرین ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، لاہور

۳- آئی - آر - آر ، کتاب درعلم موسیقی ، روٹوگراف ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۵ ورق (فارسی) ، ۱۱۵/۲۹۶۵ -
۴- ابراہیم بن امیر بن علی ، القول المطاع ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۳ ورق (عربی) ، ۹۸۸۶ -
۵- ابرو ، حافظ ، زبدۃ التواریخ ، روٹوگراف ، بوڈلین ، آکسفورڈ ، ۴۴۷ ورق (فارسی) ، ۲/۸۷۱ -
۶- ابرو ، حافظ ، زبدۃ التواریخ ، فوٹو سٹیٹ ، استنبول لائبریری ، ۲۹۷ ورق (فارسی) ، ۱۳۸/۸۸۴۸ -
۷- الحجازی ، شہاب الدین احمد ، روض الادب ، روٹوگراف ، مولوی محمد شفیع مرحوم ، ۱۱۶ ، ۱۲۹ ورق (عربی) ، ۱۳۷/۸۸۸۷ -
(الف) ابن الامیل ، الدرۃ البیضاء ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۵ ورق (عربی) ، ۱۰۱۲۵ -
۸- ابن درید ، امالی ، فوٹو سٹیٹ ، علامہ میمنی مرحوم ، سابق صدر شعبہ عربی ، پنجاب یونیورسٹی ، نے رباط (مراکش) سے مہیا کی - ۶۶ ورق (غیر مطبوعہ ، ایڈٹ نہیں ہوئی) (عربی) ، ۱۴۵/۹۳۴۵ -
۹- ابن درید ، صفۃ السرج واللجام ، مائیکرو فلم ، ۱۳۶ ورق (عربی) ، ۱۰۹۶۵ -
۱۰- ابن سیدہ ، باقیات الصالحات ، جزء ثانی ، مائیکرو فلم ، (عربی) ، ۱۰۹۴۵ -
۱۱- ابن سینا ، کتاب‌الشفاء ، روٹوگراف ، مولوی محمد شفیع مرحوم ، ۱۰۰ ورق (عربی) ، ۱۳۱/۷۱۲۹ -
۱۲- ابن سینا ، دانش نامہ علائی ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۴۴۵ ورق (فارسی) ، ۱۰۳۱۴ -
۱۳- ابن طلسانی ، شرح لمع الادلہ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۹۸ ورق (عربی) ، ۱۰۹۴۳ -
۱۴- ابن عزیز سجزی ، غرائب‌القرآن ، روٹوگراف ، احتشام الدین دہلوی ، ۷۷ ورق (عربی) ، ۸۷/۲۲۴۰ -
۱۵- ابن عماد ، طریقت نامہ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۶۸ ورق (فارسی) ، ۱۰۳۰۲ -
۱۶- ابن الفوطی ، مجمع الالقاب ، روٹوگراف ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۱— ۲۴۲ ورق (عربی) ، ۱۳۲/۷۸۸۵ -
۱۷- ابن الفوطی ، معجم الالقاب ، [تحقیق مولانا حافظ عبدالقدوس] روٹوگراف ، ۲۰۹ ورق (عربی) ، ۲۸ ۱۰۱/۲۵ -

۱۸- ابن الفوطی، کمال الدین عبدالرزاق، مجمع الآداب، مائیکروفلم، (عربی) ۳۳۹۰۱۰-
۱۹- ابن القیم الجوزیہ ، الکلم الطیب والعمل الصالح ، روٹوگراف ، مکتبۃالاوقاف ، بغداد ، ۱۱۴ ورق (عربی) ، ۱۰۹۷۱ -
۲۰- ابن القیم الجوزیہ ، الکلم الطیب والعمل الصالح ، روٹوگراف ، مکتبۃ الاوقاف ، بغداد ، ۶۹ ورق (عربی) ، ۱۰۹۶۸ -
۲۱- ابن ماکولا ، الاکمال ، روٹوگراف ، برٹش میوزیم ، ۳۸۲ ورق (عربی) ، ۱۵۰۸/۳۳ -
۲۲- ابن سکانس ، فخرالدین ، الارجوزۃ المعروفۃ بالسلاطین والاشراف ، روٹوگراف ، مولوی محمد شفیع مرحوم ، ۳۹ ورق (عربی) ، ۸۹۵۰/۱۳۹ -
۲۳- ابن منذیری ، تکملہ وفیات ، روٹوگراف ، برٹش میوزیم ، ۲۶۶ ورق (عربی) ، ۱۳۷۶/۲۷ -
۲۴- ابن حجر ، الدررالکامنہ ، روٹوگراف ، برٹش میوزیم ، ۱۷۲+۱۸۷ ورق (عربی) ، (مطبوعہ حیدرآباد)، ۹۶۹، ۹۷۲/۱۱ -
۲۵- ابن الہیثم ، تحریر المناظر ، ببلیوتیک ناسیونال ، پیرس ، ۲۶ ورق (عربی) ، ۲۲۶۸/۷۷ -
(۱) البنانی ، ابو یوسف محمد بن یعقوب ، شرح الحسای ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۵۲ ورق (عربی) ، ۱۰۰۰۹ -
۲۶- ابوالقاسم و علی‌الحائری ، تفسیر انوارالتنزیل ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ج - ۱،۳۱—۱۶ (فارسی) ، ۱۰۲۱۳—۱۶ -
۲۷- ابوالقاسم ، سید ، مجموعہ نغز ، مائیکروفلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۵۰۳ ورق (فارسی) ، ۹۳۱۱ -
۲۸- ابوبکر ، جواہر نامہ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۰۵ ورق (فارسی) ، ۹۹۸۷ -
۲۹- ابوبکر الکرمانی ، جواہرالفتاویٰ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۳۲ ورق (عربی) ، ۱۰۰۹۹ -
۳۰- ابوسہل عیسیٰ بن یحییٰ المسیحی ، کلیات (فی الطب) ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۹۰ ورق (عربی)، ۱۰۰۱۰ -
۳۱- ابو مسلم ، طبقات ، روٹوگراف ، ۳۷ ورق (عربی) ، ۲۲۶۷/۷۶ -
۳۲- ابو مسلم ، طبقات ، روٹوگراف ، احتشام‌الدین دہلوی ، ۲۰۵ ورق (عربی) ، ۲۲۷۳/۹۱ -
۳۳*- ابوالولید الوقشی، ابن السید البطلیوسی، القرط علی الکامل(ھی الطرر والحواشی

علی الکامل للمبرد) (ڈاکٹر) ظہور احمد اظہر ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۹۳۹ ورق (عربی) ، ۱۰۱۳۲ -

۳۴- اثیرالدین الابہری ، عقدالدرر شرح ایساغوجی ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۸ ورق (عربی) ، ۱۰۱۱۰ -

۳۵- احمد بن عماد ، تنبیہ الغافلین ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۰ ورق ، ۱۰۰۱۷ -

۳۶- احمد بن عمر دولت آبادی ، اصول ابراهیم شاہی ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۱ ورق (فارسی) ، ۱۰۱۱٦ -

۳۷- احمد بن محمد الغزنوی ، المقدمةالغزنویة ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۹۰ ورق (عربی) ، ۱۰۰۲۰ -

۳۸- احمد قندھاری ، ملا ، حاشیة میر زاھد (رسالہ) ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۵ ورق (عربی) ، ۱۰۰۰۵ -

۳۹- احمد حرکامی ، الحساب الیسر ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۴۰ ورق (عربی) ، ۹۹۹۹ -

*۴۰- ارشد ، ارشاد احمد (ڈاکٹر)، اردو میں شخصی ، مذہبی اور قومی مرثیہ نگاری، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۱۸ ورق (اردو) ، ۱۰۲۹۷ -

۴۱- اسماعیل الکرمانی ، حاشیة علی حاشیة الخیالی ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، (عربی) ، ۱۰۳۰۰ -

*۴۲- افتخار احمد صدیقی (ڈاکٹر) ، نذیر احمد اور ان کا ادب ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۱۵ ورق (اردو) ، ۱۰۲۹۳ -

۴۳- اکبر علی خاں ، تاریخ ممتاز ، فوٹو ، ڈاکٹر محمد باقر ، ۸۳ ورق (فارسی) ، ۱۲۸/٦۸۲۲ -

۴۴- امینی ، تاریخ عالم آرای امینی ، روٹوگراف ، ببلیوتیک ناسیونال ، پیرس ، ۲۷—۳٦ ورق (فارسی) ، ۲۲۱۲/۷۰ -

۴۵- انجمن پنجاب ، لاہور ، دی ریفارمر (سہ روزہ) ، لاہور ، ۱۸۸۲ء ، مائیکروفلم پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، (اردو) ، ۱۰۹۴۷ -

۴٦- India. Bureau of Education. Selections from educational records, pt. I, 1781—1839. پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مائیکروفلم (انگریزی) ، ۱۰۹٦۱ -

۴۷- India. Home Department. A collection of despatches on the subject of education in India, 1854—1868. (انگریزی) ، مائیکروفلم ۱۰۹٦۲ -

۴۸- اودھ اخبار، لکھنؤ، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، (اردو)، ۱۰۹۴۸ -

۴۹- اودھ پنچ، لکھنؤ، ۱۹۱۱ء، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری (اردو)، ۱۰۹۴۹ -

۵۰- بابر، ظہیرالدین، واقعات بابری، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۲۸۰ ورق (فارسی)، ۱۰۲۲۴ -

۵۱- الباخرزی، ابوالحسن علی بن الحسین، دمیۃالقصر، روٹوگراف، برٹش میوزیم، ۱۹۵ ورق (عربی)، ۵/۹۵۷ -

۵۲- الباخرزی، ابوالحسن علی بن الحسین، دمیۃالقصر، روٹوگراف، برٹش میوزیم، ۳۰۱ ورق (عربی) ۹/۹٦۵ -

*۵۳- بایزید انصاری، مقصود المومنین، انگریزی ترجمہ از ڈاکٹر میر ولی خان، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۲۲۹ص (انگریزی)، ۱۰۱۳۰ -

*۵۴- بایزید انصاری، مقصودالمومنین، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۲۳٦ص (تحقیق ڈاکٹر میر ولی خان) (عربی)، ۱۰۱۴۱ -

*۵۵- بختاور خان، مرآت‌العالم، مائیکروفلم، برٹش میوزیم، ۱۵۰ ورق (فارسی)، ۹۱۷۲ -

۵٦- بدر، رسالہ معجزات، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۲۴ ورق، ۲۳۲۷ -

۵۷- بسم‌اللہ بیگ، تقویم، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۱۵ ورق، (فارسی)، ۱۰۱۳۷ -

۵۸- بہاءالدین زکریا ملتانی، الاوراد، روٹوگراف، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۲۹۱ ورق (عربی)، ۱۳۲/۹۰۱۲ -

۵۹- بیدل، عبدالقادر، دیوان، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۴۴۸ ورق [مطبوعہ افغانستان، ۴ جلد] (فارسی)، ۱۰۳۰۱ -

٦۰- بیہقی، ابوالفضل محمد بن الحسین، تاریخ بیہقی، روٹوگراف، برٹش میوزیم، ۱۷۹ ورق (فارسی) (کتاب طبع ہو چکی ہے)، ۳۳/۱۵۰۷ -

٦۱- بیہقی، ابوالفضل محمد بن الحسین، تاریخ بیہقی، روٹوگراف، برلن ۱٦۹ ورق (فارسی)، ۵۷/۰۲٦۴ -

٦۲- بیہقی، ابوالفضل محمد بن الحسین، تاریخ حکمائے اسلام، روٹوگراف، برلن، ۹۰ ورق (فارسی)، ۲۳/۱۳۷۲ -

٦۳- البیہقی، ابوبکر معرفۃ السنن و الآثار، مائیکروفلم، سعید اقبال، استاد اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور، (عربی)، ۹٦۴۹ -

۶۴- The Pioneer, Allahabad, 1870—1888. مائیکروفلم ، مائیکرو میتھڈز لمیٹڈ ، پارکس ، 025.54 p 58 (انگریزی) -

۶۵- تاباں ، عبدالحئی ، دیوان ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۳ ورق ، ۹۳۵۰ -

۶۶- تونق ، محمد تقی ، مرزا ، دیوان ، مائیکروفلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۱۰۵ ورق (اردو) ، ۹۳۶۳ -

۶۷- تمکین ، خواجہ عبداللہ، فوائد ہمدانی ، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۲۹ ورق (فارسی) ، ۱۰۰۳۶ -

۶۸- توکل بیگ ، احوال شاہی ، مائیکروفلم ، برٹش میوزیم ، ۱۵۲ ورق (فارسی) - ۱۰۳۱۹

۶۹- ثعالبی ، ابو منصور عبدالملک ، تتمۃالیتیمۃ ، روٹوگراف ، پیرس ، ۱۵۰ ورق (عربی)، ۶۳۲۲/۱۳۰ق -

۷۰- ثعالبی ، ابو منصور عبدالملک ، کتاب ذیل الیتیمۃ ، روٹوگراف ، برلن (عربی) ، ۱۰۹۶۶ -

۷۱- ثعالبی ، ابو منصور عبدالملک ، کتاب النہایۃ فی فن الکنایۃ ، روٹوگراف ، برٹش میوزیم ، ۱۲۷ ورق (عربی) ، ۱۳۷۳/۲۳ -

۷۲- ثعالبی ، ابو منصور عبدالملک ، المتشابہ ، روٹوگراف ، مصری لائبریری ، ۱۴۳ب—۱۵۲ق (عربی) ، ۲۶۵۷/۱۰۸ -

۷۳- جان محمد ، رسالۃ فی اثبات الخلافۃ للمعاویۃ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۰ ورق، (عربی) ، ۱۰۳۱۲ -

۷۴- جان محمد ، رسالۃ فی اقامۃ الجمعۃ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۱ ورق (عربی) ، ۱۰۰۴۴ -

۷۵- جرأت ، قلندر بخش ، دیوان جرأت ، مائیکروفلم ، برٹش میوزیم ، (اردو) ، ۹۱۰۴ -

۷۶- جرأت ، قلندر بخش ، کلیات ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۵۱۰ ورق (اردو) ، ۹۳۴۶ -

۷۷- الجرجانی ، عبدالقاہر ، درج الدرر ، مائیکروفلم ، سلیمانیہ کتب خانہ ، ۲۱۰ ورق (عربی) ، ۹۰۰۶ -

۷۸- جرجیسؒ بن العمیدالتسہیر بالمکین ، تاریخ المسلمین ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۰۰+۳۹ ورق (عربی) ، ۱۰۲۲۲ -

۷۹- جزری ، مقدمۃ الجزریہ ، روٹوگراف ، مولوی محمد شفیع مرحوم ، ۲۸ ورق ، (عربی) ، ۶۸۴۰/۱۲۹ -

۸۱- جعفر بوبکانی ، التنمیق فی توقیت المرأة فی التطلیق ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، (عربی) ، ۱۰۰۲۹ -
۸۲- جعفر بوبکانی، البیان المبرم، مائیکرو فلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۱۵ ورق (عربی)، ۱۰۰۳۴ -
۸۳- جعفر بوبکانی، قرنة فی حکم الحلف ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۶ ورق (عربی) ، ۹۹۹۸ -
۸۴- جعفر بوبکانی ، کتاب المتانة ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۳۳ ورق (عربی) ، ۱۰۰۳۵ -
۸۵- جعفر بوبکانی ، کتاب المتانة ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۳۶ ورق (عربی) ، ۱۰۱۰۰ -
۸۶- جنون ، ضیاء الدین ، دیوان ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۸۰ ورق (اردو) ، ۱۰۹۳۲ -
۸۷- جواہر حکمت ، روٹو گراف ، کپورتھلہ ، ۱۳۳ ورق (فارسی) ، ۳۱/۱۸۴۷ -
۸۸- جہانگیر و شاہ جہان ، فرامین ، روٹو گراف ، محکمہ آثار قدیم ، آگرہ ، ۴ ورق (فارسی) ، ۷۵/۲۲۴۲ -
۸۹- حاتم، شاہ ، دیوان زادہ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۶۸ ورق، (اردو) ، ۹۳۴۹ -
۹۰- حافظ ، شمس الدین ، دیوان ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۱۴۱ ورق (فارسی)، ۳۲/۷۰۳۸ -
۹۱- حافظ ، شمس الدین ، دیوان ، روٹو گراف ، بوڈلین لائبریری ، ۲۶۳ ورق، (فارسی) ، ۱۵/۱۳۵۶ -
۹۲- حافظ تابش، عبداللہ نامہ ، مائیکرو فلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۱۳۴ ورق، (فارسی) ، ۱۰۲۲۵ -
۹۳- حامد بن کمال الدین بوبکانی ، درهم الکیس ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۵ ورق (عربی) ، ۱۰۰۴۱ -
۹۴- حبیب اللہ شیرازی ، حاشیة علی محکمات ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۰۳ ورق (عربی) ، ۱۰۳۰۶ -
۹۵- حبیب بلاق ، Sale deeds in favour of Habib ، روٹوگراف ، پرائیوٹ ، (امرتسر) ۲+۲ ورق (فارسی) ، ۹۵/۲۳۸۲ -
۹۶- حبیب بلاق ، Sale deeds in favour of Habib ، روٹو گراف ، امرتسر ۳+۳ ورق (فارسی) ، ۹۶/۲۳۸۳ -
۹۷- حسن بن محمد نیشاپوری ، شرح کتاب الایضاح ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی

لائبریری ، ۹۷ ورق ، ۱۰۹۳۲ -

۹۸- حسن نظامی ، تاج المآثر ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۱۳۵ ورق (فارسی) ، ۹۸/۲۲۷۲ -

۹۹- حسین صوفی ، ذات الصفائح ، روٹو گراف ، حیدر حسن خاں ، لکھنؤ ، ۱۲۷ ورق ، ۱۹۳۱ -

۱۰۰- حاکم لاہوری ، تذکرہ مردم دیدہ ، روٹو گراف ، نواب صدر یار جنگ ، ۱۵۰ ورق (فارسی) ، ۱۱۸/۵۳۱۰ -

۱۰۱- حیدر علی ، حاشیہ میر زاھد ، رسالہ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۲ ورق (عربی) ، ۱۰۰۲۳ -

۱۰۲- خان آرزو ، نوادر الالفاظ ، روٹو گراف ، انجمن ترقی اردو ، ۱۳۷ ورق ۱۱۹/۶۳۱۹ -

۱۰۳- خان ملا ، حاشیہ میر زاھد ، رسالہ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۱۳ ورق (عربی) ، ۱۰۰۱۹ -

۱۰۴- خازنی عبدالرحمن ، میزان الحکمۃ ، روٹو گراف ، لاہور ، ۷۴ ورق (عربی) ، ۵۴ -

۱۰۵- خسرو ، امیر ، خالق باری ، روٹو گراف ، نجیب اشرف ، ۱۷ ورق (فارسی و اردو) ، ۲۹/۲۳۰۱ -

۱۰۶- خسرو ، خالق باری ، روٹو گراف ، کپورتھلہ ، ۱ ورق ، (فارسی) ، ۳۶/۱۶۵۹ -

*۱۰۷- خسرو ، امیر ، نقوش خیال ، قصائد غرۃ الکمال ، مرتبہ غلام یسین‌خان نیازی ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۹۴ ورق (فارسی) ، ۱۰۲۸۹ -

۱۰۸- خواجو کرمانی ، دیوان ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۴۳۲ ورق [تحقیق تاج محمد خاں بلوچ مرحوم] (فارسی) ، ۳۱/۱۷۶۸ -

۱۰۹- خواجو کرمانی ، Ten full page miniature from his three poems ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۱۰ ورق (فارسی) ، ۸/۹۶۴ -

۱۱۰- خواجو کرمانی ، رباعیات ، روٹو گراف ، ببلیوتیک ناسیونال ، پیرس ، ۲۷۷-۲۸۹ ، ۳۴۰-۳۶۴ ورق (فارسی) ، ۷۲/۲۲۳۹ -

۱۱۱- خواجو کرمانی ، گل و نوروز ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۱ ورق (فارسی) ، ۶۳/۲۱۳۳ -

۱۱۲- خواجو کرمانی ، گل و نوروز ، گوہر نامہ ، برٹش میوزیم ، ۷۵ ب—۸۱۱ ؤ ، ۱۳۲ ب—۱۵۵ ؤ [تحقیق تاج محمد خاں بلوچ مرحوم] (فارسی) ، ۶۷/۲۲۰۱ -

۱۱۲- خواجو کرمانی ، مثنوی ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۹۳ ورق [تحقیق تاج محمد خاں بلوچ] (فارسی) ، ۱۳/۹۷۳ -

۱۱۴- خواجو کرمانی ، سام نامہ ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۹۸ ورق (فارسی) ، ۱۰۴/۲۶۲۷ -

۱۱۵- خواجو کرمانی ، کلیات ، روٹو گراف ، سربار جنگ (حبیب گنج ، علیگڑھ) ، ۳۶۳ ورق (فارسی) ، ۱۱۳/۲۷۴۴ -

۱۱۶- خوشحال خاں خٹک ، دیوان خوشحال ، روٹو گراف ، لاہور ، ۳۱۰ ورق (پشتو) ، ۵۲/۱۹۳۸ -

۱۱۷- خوشحال خاں خٹک ، فضل نامہ ، روٹو گراف ، لاہور ، ۲۴۱ ورق (پشتو) ، ۵۳/۱۹۴۷ -

۱۱۸- خیراتی لال ، بے جگر ، تذکرہ شعرائے اردو ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۲۰۸ ورق ، ۹۴۱۴ -

۱۱۹- داراشکوہ ، سفینۃ الاولیاء ، روٹو گراف ، دیوان انندکار ، ۲۲۵ ورق (فارسی)، ۶۸/۲۲۰۳ -

۱۲۰- دمیری ، کمال الدین محمد بن موسیٰ ، حیاۃ الحیوان ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۹۶ ورق (عربی) ، ۱۰۲۳۸ -

۱۲۱- Documents obtained from the Punjab Government ، روٹو گراف ، ۴ ورق (فارسی) ، ۱۹۷۱/۸۵ -

۱۲۲- Documents relating to Kabul ، روٹو گراف ، ۶ ورق (فارسی) ، ۹۷۷- ۸۴/۹۸۰ -

۱۲۳- ذکاء ، خوب چند ، عیار الشعراء ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۴۷۴ ورق (فارسی) ، ۹۴۱۳ -

۱۲۴- رامی ، انیس العشاق ، روٹو گراف ، لاہور ، ۲۴ ورق (فارسی)، ۷۳/۲۲۴۰ -

۱۲۵- رشید الدین ، مکتوبات ، روٹو گراف ، استنبول یونیورسٹی ، ۱۴۷ ورق (فارسی) ، ۶۸۰۴ -

۱۲۶- رضوان ، علم المیقات ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۶۸ ورق (عربی) ، ۱۰۰۲۶ -

۱۲۷- رفاقت علی خاں ، Khaqani, his life and Works ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۶ ورق (انگریزی) ، ۱۰۲۸۱ -

۱۲۸- رفیع الدین ، اسرار المحبۃ ، روٹو گراف ، مولوی محمد شفیع مرحوم ، ۸۴ ورق (فارسی) ، ۱۲۶/۶۷۵۸ -

۱۲۹- رکن بن حسام ، فتاوئ حمادیہ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ،

۳۲۲ ورق (عربی) ، ۱۰۱۰۱ -

۱۳۰- رنگین ، سعادت یار خان ، آمیختہ ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۱۳ ورق (اردو) ، ۹۳۸۹ -

۱۳۱- رنگین ، سعادت یار خان ، اخبار رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۳۰ ورق (فارسی) ، ۹۳۹۷ -

۱۳۲- رنگین ، سعادت یار خان ، امتحان رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۳۴ ورق (فارسی و اردو) ، ۹۳۹۵ -

۱۳۳- رنگین ، سعادت یار خان ، ایجاد رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۴۹ ورق (اردو) ، ۹۳۹۸ -

۱۳۴- رنگین ، سعادت یار خان ، بیختہ ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۱۰ ورق (اردو) ، ۹۳۸۷ -

۱۳۵- رنگین ، سعادت یار خان ، تجربۂ رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۱۶ ورق (اردو) ، ۹۳۹۴ -

۱۳۶- رنگین ، سعادت یار خان ، تصنیف رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۱۵ ورق (اردو) ، ۹۴۰۶ -

۱۳۷- رنگین ، سعادت یار خان، جنگ نامہ رنگین ، مائیکرو فلم، انڈیا آفس لائبریری ۲۱ ورق (اردو) ، ۹۴۰۲ -

۱۳۸- رنگین ، سعادت یار خان ، حکایات رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۲۲ ورق (اردو) ، ۹۴۰۳ -

۱۳۹- رنگین ، سعادت یار خان ، خمسۂ رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۹۸ ورق (فارسی) ، ۹۴۰۱ -

۱۴۰- رنگین ، سعادت یار خان ، داستان رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۳۸ ورق (اردو) ، ۹۴۰۰ -

۱۴۱- رنگین ، سعادت یار خان ، رنگین نامہ ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۱۱ ورق (اردو) ، ۹۳۹۲ -

۱۴۲- رنگین ، سعادت یار خان ، ساق نامۂ رنگین ، مائیکرو فلم، انڈیا آفس لائبریر؛ ۱۲ ورق (اردو) ، ۹۳۹۳ -

۱۴۳- رنگین ، سعادت یار خان ، سبع سیارۂ رنگین، مائیکرو فلم، انڈیا آفس لائبریر؛ ۱۰۳ ورق (فارسی) ، ۹۴۰۵ -

۱۴۴- رنگین ، سعادت یار خان ، شش جہات ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۱۶۱ ورق (اردو) ، ۹۳۶۴ -

۱۴۵- رنگین ، سعادت یار خان ، عجائب و غرائب رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آ

لائبریری ، ۹۴ ورق (اردو) ، ۹۳۹۰ -

۱۴۶- رنگین ، سعادت یار خان ، فرس نامہ ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۵۹ ورق (اردو) ، ۹۴۰۴ -

۱۴۷- رنگین ، سعادت یار خان ، گلدستۂ رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۲۳ ورق (اردو) ، ۹۳۹۱ -

۱۴۸- رنگین ، سعادت یار خان ، مجموعۂ رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۴۰ ورق (اردو) ، ۹۳۸۸ -

۱۴۹- رنگین ، سعادت یار خان ، نظم رنگین ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۴۱ ورق (اردو) ، ۹۳۹۹ -

۱۵۰- رہبر ہند ، [اخبار]، لاہور ، ج ۲۰ تا ۲۲ (۱۸۹۴ء - ۱۸۹۶ء) ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری (اردو) ، ۱۰۹۵۴-۱۰۹۵۶ -

۱۵۱- ریاض خیر آبادی ، دیوان بجواب دیوان مرزا غالب ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۰۸ ورق (اردو) ، ۱۰۹۳۷ -

۱۵۲- ریاض الدین احمد ، حدیقۃ الهند ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۵۹۰ ورق (فارسی) ، ۱۰۳۱۶ -

۱۵۳- زخمی ، رتن سنگھ ، انیس العاشقین ، روٹو گراف ، پرشاد ، لکھنؤ ، ۳۱۷ ورق (فارسی) ، ۱۷۵۵/۳۹ -

۱۵۴- الزمخشری ، محمود بن احمد ، المستقصیٰ فی امثال العرب ، روٹو گراف ، پنجاب پبلک لائبریری ، ۱۳۷ ورق (عربی) ، ۸۹۰۱ -

۱۵۵- زکریا رازی ، سرالاسرار ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۵۸ ورق (عربی) ، ۱۰۰۰۰ -

۱۵۶- سراج الاخبار ، جہلم ۱۸۸۵ء ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، (اردو) ، ۱۰۹۵۷ تا ۱۰۹۶۰ -

۱۵۷- سرور ، میر محمد خان ، تذکرہ سرور ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۳۷۹ ورق (فارسی) ، ۹۴۱۲ -

۱۵۸- سعد اللہ ، المقالۃ العجالۃ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۱۰ ورق ، ۱۰۰۳۰ -

۱۵۹- سکندر ، شیخ ، مرآت سکندری ، روٹو گراف ، ڈاکٹر عبداللہ چغتائی ، ۱۲۴ ورق (فارسی) ، ۸۸۶۴ -

۱۶۰- سلمان ساوجی، خواجہ ، دیوان ، روٹوگراف ، کپورتھلہ ، ۲۲۲ ورق (فارسی) ، ۱۶۵۸/۳۵ -

۱۶۱- سنائی ، حکیم ، اشعار سنائی ، روٹو گراف ، انڈیا آفس لائبریری ، ۳۱۳ ورق (فارسی) ، ۲۶۵۶/۱۰۷ -
۱۶۲- سنائی ، حکیم ، دیوان (مطبوعہ) ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۸۷ ورق (فارسی) ، ۱۰۲۹۹ -
۱۶۳- سودا ، محمد رفیع ، کلیات ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۳۷۰ ورق (اردو) ، ۹۳۸۶ -
۱۶۴- سیادت ، دیوان، مائیکرو فلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۹۳ ورق (فارسی)،
۱۶۵- سید احمد خان ، سر ، آثار الصنادید (مطبوعہ) ، طبع اول ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۰۸ + ۶۳ ص (اردو) ، ۱۰۹۳۶ -
۱۶۶- سیف ابن محمد بن یعقوب الهروی ، تاریخ ہرات ، روٹو گراف ، عبدالعلم صافی ، ۱۹۹ ورق (فارسی) ، ۱۰۹۶۷ -
۱۶۷- شاہ عنایت قصوری ، غایۃ الحواشی ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسی لائبریری ، ۵۵۷ ورق (عربی) ، ۱۰۱۲۲ -
۱۶۸- شکیلہ نورجہاں ، بانگ درا کا تنقیدی جائزہ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۶۷ ورق (اردو) ، ۱۰۲۸۶ - [مقالہ ایم - اے]
۱۶۹- شمس الدین محمد بن عبداللہ احمد الغزی، منح الغفار لشرح تنویر الابصار،مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۶۳ ورق (عربی) ، ۱۰۰۶۵ ، ۱۰۰۱۲ -
۱۷۰- الشمنی ، ابوالعباس تقی الدین احمد بن محمد ، کمال الدرایۃ (جامع الرموز کے اوپر کے حاشیہ پر) ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۹۵ ورق (حواشی پر) [عربی] ، ۱۰۹۳۱ -
۱۷۱- شہاب دولت آبادی ، العقیدہ الارومیۃ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۵ ورق (عربی) ، ۱۰۰۹۶ -
۱۷۲- شہر زوری ، شمس الدین محمد ، تاریخ الحکماء ، روٹو گراف ، ندوۃ العلماء ، لکھنؤ ، ۹۷ ورق (عربی) ، ۱۶۵۷/۳۷ -
۱۷۳- شہر زوری ، شمس الدین محمد ، تاریخ حکمائے اسلام ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۱۶۳ ورق (عربی) ، ۹۲۳۷۹/۹۷ -
۱۷۴- شہر زوری ، شمس الدین محمد ، نزهۃ الارواح ، روٹو گراف ، برلن ، ۵۵+۲ ورق (عربی) ، ۱۳۷۱/۲۲ -
۱۷۵- شہر زوری ، شمس الدین محمد ، نزهۃ الارواح ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۱۶۲—۲۱۱ ورق (عربی) ، ۱۷۳۵/۳۸ -
۱۷۶- شیدا ، وارث علی ، مثنوی جذب و کیف ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی

لائبریری ، ۵۷ ورق (فارسی) ، ۱۰۱۰۹ -

۱۷۷- شیزری ، مسلم بن محمد ، عجائب الاشعار و غرائب الاخبار ، روٹو گراف ، اسلامیہ کالج لائبریری ، پشاور (عربی) ، ۱۳۳/۸۸۳۰ -

۱۷۸- شیفتہ ، محمد مصطفیٰ خاں ، دیوان مع مقدمہ ، روٹوگراف ، نواب اسماعیل خان، میرٹھ ، ۱۲۴+۹۰ ورق (اردو) ، ۱۲۵/۶۳۸۳ -

۱۷۹- صادر بن کمال الدین ، تجہیز الجنازہ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۵۷ ورق (عربی) ، ۱۰۰۱۶ -

۱۸۰- الصاغانی ، الحسن بن محمد بن الحسن بن حیدر ، العباب الزاخر و اللباب الفاخر، مائیکرو فلم اسلامک ریسرچ انسٹیٹیوٹ ، ۴ ج (عربی)، ۱۰۲۳۳-۱۰۲۳۶ -

۱۸۱- صدر بن رشید ، دستور القضاۃ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۵۳۶ ورق ، ۱۰۱۲۶ -

۱۸۲- صدیق بن حنیف ، توضیح السنۃ ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۲ ورق (عربی) ، ۱۰۰۴۵ -

۱۸۳- صفار ابوالقاسم ، اصول صفار ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۸ ورق (عربی) ، ۱۰۲۸۳ -

۱۸۴- صوفی خاکی ، بتخانہ ، روٹو گراف ، بوڈلین لائبریری ، ۱۷ ورق (فارسی) ، ۸۸/۲۲۷۱ -

۱۸۵- طاہر نصر آبادی ، تذکرہ ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۱۵۵-۱۵۶ ورق (فارسی) ، ۲۲۱۱/۷۱ -

۱۸۶- طوسی ، رسائل متوسطات ، روٹو گراف ، لاہور ، ۲۳۸ ورق (عربی) ، ۱۸۴۹/۴۶ -

۱۸۷- طوسی ، نزہۃ الناظر ، روٹو گراف ، ۸۳ ورق (عربی) ، ۶۷۶۲ -

۱۸۸- ظہور الدین احمد [ڈاکٹر] ، ابوالفضل ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۲۱ ورق (انگریزی) ، ۱۰۲۹۱ -

۱۸۹- ظہیر حسنین عابدی [ڈاکٹر ظہیر فتحپوری]، رسوا کی ناول نگاری، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۲۴ ورق (اردو) ، ۱۰۲۷۶ -

۱۹۰- عبداللہ ، حاشیہ بدیع الزمان ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۴ ورق ، ۱۰۱۰۴ -

۱۹۱- عبداللہ انصاری ، طبقات الصوفیۃ ، روٹو گراف ، ڈاکٹر رٹر ، ۲۴۶ ورق ، (فارسی) ، ۲۳۹۲/۱۰۳ -

۱۹۲- عبدالباسط قنوجی ، تذہیب التہذیب ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۸۵ ورق (عربی) ، ۱۰۱۱۵ -

۱۹۳- عبدالباق ، الآداب الباقیۃ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۰ ورق (عربی) ، ۱۰۱۰۷ -

۱۹۴- عبدالباق ، مقامات داؤدی ، فوٹو سٹیٹ ، سید محمد حیدر شیر گڑھی ، ۷۰ ورق ، ۸۹۰۱ -

۱۹۵- عبدالجلیل ، نافع المسلمین ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۳٦۹ ورق (فارسی) ، ۹۹۸۹ -

۱۹٦- عبدالحق المحدث الدهلوی البخاری ، الدر النفید فی بیان القرأۃ و التجوید روٹو گراف ، ۱۵ ورق (عربی) ، ٦۸۳۰/۱۲۹ -

*۱۹۷- عبدالحکیم سیالکوٹی ، ملا ، الرسالۃ الخاقانیہ ، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، [تحقیق ڈاکٹر امین اللہ وثیر] ، ۹٦ + ۹۷ + ۳۳ ورق (عربی) ۱۰۱۳۳ -

۱۹۸- عبدالحکیم سیالکوٹی، ملا ، الرسالۃ الخاقانیہ ، فوٹو سیٹ ، احمد حسین قریشی زمینداره کالج ، گجرات ، ۱۱ ورق (عربی) ، ۹۳۸۰ -

۱۹۹- عبدالرحمن چشتی، مرآۃ مداری (در احوال شیخ بدیع الدین ملقب بہ شاہ مدار مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، (فارسی) ، ۵۵ ورق ، ۱۰۱۲۳ ·

۲۰۰- عبدالرحمن چشتی ، مرآۃ الولایت ، در احوال شیخ عبدالجلیل ، مائیکروفلم پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ٦٦ ورق (فارسی) ، ۱۰۱۰٦ -

۲۰۱- عبدالرزاق سمرقندی ، مطلع السعدین ، روٹوگراف ، کرائسٹ کالج ، کیمبرج ۵۲۸ ورق [تحقیق مولوی محمد شفیع مرحوم] (فارسی) ، ۱/۸۷۲ -

۲۰۲- عبدالرؤف مناوی ، اتحافات السنیۃ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ٦۳ ورق (عربی) ۱۰۱۰۸ -

۲۰۳- عثمان بن علی الشافعی الکوہ کیلونی، بیان الفتاوی فی شرح الحاوی، مائیکروفلم پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۸۵ ورق (عربی) ، ۱۰۱۰۲ -

*۲۰۴- عبدالغنی [ڈاکٹر]، Life and works of Abdul Qadir Bedil، مائیکروفلم پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۹۱ + ۱۹ ورق (انگریزی) ، ۱۰۲۹۷ -

۲۰۵- عبدالقادر ، اخبار الاولیاء ، روٹو گراف ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۰۰ ورق (فارسی) ، ٦۱۵۳/۱۲۳ -

۲۰٦- عبدالکریم ، الآثار الباقیۃ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۵۱ ورق (عربی) ، ۱۰۱۱۹ -

۲۰۷- عبدالکریم ، بیان واقع در وقائع نادر شاہ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ٦۳ ورق (فارسی) ، ۱۰۳۰۷ -

۲۰۸- عبدالمکارم ، شرح مختصر وقایہ (جامع الرموز کے حاشیہ پر) ، مائیکرو فلم

پنجاب یونیورسٹی لائبریری (عربی) ، ۱۰۹۴۱ -

۲۰۹- عبدالنبی ، الشیخ ، وظائف النبی ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۴۵ ورق (عربی) ، ۱۰۹۷۲ -

۲۱۰- عبدالوارث ، کفایۃ القاری فی شرح صحیح البخاری ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۲۱ ورق (عربی) ، ۱۰۳۰۴ -

۲۱۱- عبرتی ، وزیر علی ، تذکرہ معراج الخیال ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسی لائبریری ، ۱۲۹ ورق (فارسی) ، ۱۰۹۳۳ -

۲۱۲- عبید زاکانی ، اخلاق الاشراف ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۵ ورق (فارسی) ، ۱۰۱۳۶ -

۲۱۳- عثمان الشامی ، شمۂ روائح الجنان ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسی لائبریری ، ۱۵۴ ورق (عربی) ، ۱۰۹۴۰ -

۲۱۴- عثمان الشاقی ، فضائل رمضان ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۴۸ ورق (عربی) ، ۲۵۳۱ -

۲۱۵- عرفی ، جمال الدین محمد ، نثر پاروں کا مجموعہ ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۲۷ ورق (فارسی) ، ۲۵/۱۳۷۴ -

۲۱۶- عرفی ، جمال الدین محمد ، کلیات ، روٹو گراف ، ۱۸۵ ورق (فارسی) ، ۵۳۷۹/ ۱۲۲ -

۲۱۷- عزلت ، نجم الدین ، دیوان ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۷۴ ورق (بشمول راگ مالا) [فارسی] ، ۹۳۸۵ -

۲۱۸- عزلت ، نجم الدین ، راگ مالا ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۷۴ ورق (بشمول دیوان) [فارسی] ، ۹۳۸۴ -

۲۱۹- عصار تبریزی ، شمس الدین محمد ، مہر و مشتری ، روٹو گراف ، ۱۸۱ ورق (فارسی) ، ۶۵/۲۰۴۶ -

۲۲۰- عصامی، فتوح السلاطین ، روٹو گراف ، ڈاکٹر مہدی حسین، آگرہ ، ۱۵-۳۳۳ ورق (فارسی) ، ۱۱۶/۲۹۷۱ -

۲۲۱- عصمت اللہ ، شرح تشریح الافلاک ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۱۳۰ ورق (عربی) ، ۹۹۹۵ -

۲۲۲- علائی ، خلاصہ احوال ہمدانی ، روٹو گراف ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۴۹ ورق (فارسی) ، ۱۳۸/۸۹۴۲ -

۲۲۳- علی بن حمزہ ، التنبیہات علی اغلاط الرواۃ فی الکامل للمبرد ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۴۴-۱۷ ورق (عربی) ، ۵۶/۲۰۲۴

۲۲۴- علی بن زکریا ، اللباب فی الجمع بین السنة و الکتاب ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۰۵ ورق (عربی) ، ۱۰۳۱۳ -

۲۲۵- علی الدین ، عبرت نامہ ، روٹو گراف ، انڈیا آفس لائبریری ۳۷۶ ور (فارسی) ، ۹۳/۲۳۳۷ -

۲۲۶- علی ہمدانی ، سید ، مناقب ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم ، ۱۱۱ ورق (فارسی) ۱۴۱/۹۰۰۵ -

۲۲۷- عماد کاتب ، خریدة القصر ، روٹو گراف ، ببلیوتیک ناسیونال ، پریس ، ۶۔ ۱۱۵ ورق (عربی) ، ۵۹/۲۰۷۱ -

۲۲۸- عماد کاتب ، خریدة القصر ، روٹو گراف ، برٹش میوزیم، ۶۷-۱۵۱ ورق (عربی) ۱۰/۹۶۶ -

۲۲۹- عماد کاتب ، خریدة القصر ، روٹو گراف ، لائیڈن ، ۲۰+۳۰ ورق (عربی) ۵۸/۲۰۶۵ -

۲۳۰- عنایت اللہ بلگرامی ، حاشیة عیسوا الغوجی ، مائیکرو فلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۴ ورق (عربی) ، ۱۰۱۲۱ -

۲۳۱- عیش ، حکیم آغا جان دہلوی ، دیوان ، مائیکرو فلم ، انڈیا آفس لائبریری ۱۱۴ ورق (اردو) ، ۹۳۶۲ -

۲۳۱- عین الملک شیرازی قریشی صدیقی ، مفتاح اول (در علم طب) ، مائیکروفلم پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۵۵ ورق (فارسی) ، ۱۰۳۱۵ -

۲۳۲- غفاری ، احمد بن محمد القاضی ، تاریخ جہان آرا ، روٹوگراف ، برٹش‌میوزیم ۲۳۸ ورق (فارسی)، ۶/۹۶۲ -

۲۳۳- غیاث الدین ، روزنامہ غزوات ، روٹوگراف ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۹۱ ورق (فارسی) ، ۱۴۰/۹۰۰۴ -

۲۳۴- الفاسی ، تحفةالکرام ، روٹوگراف ، ۱۵۴ ورق (فارسی) ، ۱۰۲/۰۰۰ -

۲۳۵- فخر رضی ، السرالمکتوم ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۴۷ ورق (عربی) ، ۱۰۱۱۸ -

۲۳۶- فخر مدبر ، آداب الحرب والشجاعة ، روٹوگراف ، ایشیاٹک سوسائٹی ۲۱۱ ورق (فارسی) (ایران میں طبع ہو چکی) ، ۶۲/۲۰۱۲ -

۲۳۷- فخر مدبر ، آداب الحرب والشجاعة ، روٹوگراف ، برٹش میوزیم ، ۱۹۰ ور (فارسی) (ایران میں طبع ہو چکی) ، ۱۹/۱۳۶۷ -

۲۳۸- فخری ، مجالس النفائس ، روٹوگراف ، برٹش میوزیم ، ۱۸۵ ورق (فارسی) ۴۴/۱۷۷۱ -

۲۳- عجائب البلدان کا پہلا ورق روٹوگراف ، ۲ ورق (فارسی) ، ۹۳۹۱/۹۷-
۲۴- فطرت ، معزالدین ، رقعات فطرت ، روٹوگراف ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۷ ورق (فارسی) ، ۱۰۹۶۹ -
۲۴- فضل خان ، انجمن خاقان ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۵۲ ورق (فارسی) ، ۱۰۹۳۱ -
۲۴- فقیراللہ ، الدلائل النیرہ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۱ ورق (عربی) ، ۱۰۱۲۴ -
۲۴- Four letters. ، روٹوگراف ، ۲ ورق ۱۳۵۴/۸۲ -
۲۴- فیضی ، داستان اکبر بادشاہ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسی لائبریری ، ۸ ورق (فارسی) ، ۱۰۲۲۳ -
۲۴- فیضی ، اللہ داد ، مدار الا فاضل ، روٹوگراف ، پشاور یونیورسٹی لائبریری ، ۳۰۱ ورق [تحقیق ڈاکٹر محمد باقر] (فارسی) ، ۱۸۸۷/۱۳۶ -
۲۴- قاسم ، میر قدرت اللہ، مجموعۂ نغز ، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسی لائبریری، ۳۹۸ ورق (فارسی) ، ۱۹۰۱۱ -
۲۴- قاضی مبارک ، الحاشیة علی حاشیہ میر زاھد ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۷۷ ورق (عربی) ، ۱۰۱۱۷ -
۲۴- قائم ، محمد قیام الدین ، مخزن نکات ، مائیکروفلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۸۶ ورق (فارسی) ، ۹۳۱۰ -
۲۴- القلقشندی ، احمد بن علی بن احمد الفزاری ، قلائد الجمان ، روٹوگراف ، دہلی ، ۸۳ ورق (عربی) ، ۲۲۷۳/۹۰ -
۲۵- الکلاباذی ، محمد بن اسحاق ، ضوء السراج ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۷۵ ورق (عربی) ، ۹۹۷۵ -
۲۵- الکلاباذی ، محمد بن اسحاق ، فوائد (مجموعہ حدیث) ، روٹوگراف ، لاہور ، ۲۷۹ ورق (عربی) ، ۱۷۷۷/۴۵ -
۲۵- کریم الدین ، مولوی ، گلدستۂ نازنینان (مطبوعہ مطبع رفاہ عام) ، روٹوگراف، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۶۴ ورق (اردو) ، ۱۰۹۷۰ -
۲۵- کوکب ، خلاصةالمضامین ، روٹوگراف ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲—۵۵۷ ورق (فارسی) ، ۲۷۳۹/۱۱۰ -
۲۵- گردیزی ، فتح علی حسینی ، تذکرۂ ریختہ گویان ، مائیکروفلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۲۷ ورق (فارسی) ، ۹۳۰۹ -
۲۵- لارنس گزٹ ، میرٹھ ، ۱۲۸۸ھ/۱۸۷۲ء (ج—۹) ، مائیکروفلم ، پنجاب

یونیورسٹی لائبریری ، (اردو) ، ۱۰۹۵۲—۱۰۹۵۳ -

۲۵۶- لطف ، مرزا علی ، گلشن ہند ، مائیکروفلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۱۹۶ ورق (اردو) ، ۹۳۶۵ -

۲۵۷- المجریطی ، ابوالقاسم مسلمہ بن احمد الحاسب القرطبی ، رتبة الحکیم ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۷ ورق (عربی) ، ۱۰۰۰۷ -

۲۵۸- مجیرالدین ، تاریخ یروشلم، روٹوگراف ، برٹش میوزیم ، ۱۴۳ ورق، ۹۶۳/۷

۲۵۹- محب اللہ بن سید احمد شاہ واعظ ، احوال سندھ ، روٹوگراف ، نجم الدین سندھی ، گڑھی یاسین (سکھر) ، ۶۱ ورق (فارسی) ، ۲۵۲۷/۱۰۰ -

۲۶۰- محب اللہ ، شیخ ، رسالة القلوب ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۲۲ ورق ، ۱۰۳۱۸ -

۲۶۱- محمد ، دیباچہ ، فارسی ترجمہ احیاء علوم الدین غزالی ، روٹوگراف ، برٹش میوزیم ، ۱۳ ورق (فارسی) ، ۱۳۰/۶۹۳۱ -

۲۶۲- محمد البرزنجی ، النوافد الروافد ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۱۳۹ ورق (عربی) ، ۱۰۳۱۰ -

۲۶۳*- محمد اسلم (ڈاکٹر) ، ڈرامائی نظریے اور تکنیک کی روشنی میں اردو ڈرامے کا جائزہ ، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۴۷+۳۵ص (اردو) - ۱۰۲۹۲

۲۶۴- محمد اسلم ، فرحت الناظرین ، روٹوگراف ، بوڈلین لائبریری ، ۵۲۵—۹۷۵ ورق (فارسی) ، ۹۹/۲۳۰۵ -

۲۶۵- محمد اسلم ، فرحت الناظرین، روٹوگراف ، کپور تھلہ ، ۳۸۴ ورق (فارسی) - ۳۲/۱۸۳۸

۲۶۶- محمد بختاور خان ، مراۃ العالم ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۸۹۱ ورق (فارسی) ، ۱۰۲۸۸ -

۲۶۷- محمد بن اسلم ، حاشیة میر عماد ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ۱۲۰ ورق (عربی) ، ۱۰۰۱۳ -

۲۶۸- محمد بن حسن الطوسی ، تہذیب الاحکام ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۲۵ ورق (عربی) ، ۱۰۱۱۲ -

۲۶۹- محمد بن سید علی ، تنقیحة الائمة فی شرح الشمة، مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۱ ورق (عربی) ، ۱۰۰۲۷ -

۲۷۰- محمد بن علی بن محمد بن ابی بکر القرشی الشیبی ، تمثال الامثال ، روٹوگراف

پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۱۶۹ ورق (عربی) ' ۱۲۳/۹۹۸۰ و -

۲۷۰- محمد بن علی الغزی ، الفتاوی القاعدیة ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۱۹۰ ورق (عربی) ' ۱۰۰۲۳ -

۲۷۱- محمد بن منصور ، جواہر نامہ ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسی لائبریری ' ۱۲۰ ورق (فارسی) ' ۱۰۹۶۴ -

۲۷۲- محمد فاضل الدین ، شرح قصیدة الخمریة المشہور بالغوثیة ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۲ج (عربی) ' ۱۰۹۶۳—۱۰۹۶۴ -

۲۷۳- محمد ناصر بن شیخ نعمت اللہ ، حاشیة ابن غوجی ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۳۰ ورق (عربی) ' ۱۰۰۲۵ -

۲۷۵- محمد جواد ، ملا ، غایة الاصول ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۲۵۰ ورق (عربی) ' ۱۰۰۰۸ -

۲۷٦- محمد خراسانی ، جامع الرموز ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' (عربی) ' ۱۰۹۴۱ -

۲۷۷- محمد صدیق جاوید ، بال جبریل کا تنقیدی مطالعہ ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۲۰۹ص (اردو) ' ۱۰۲۸۴ - [مقالہ ایم اے]

۲۷۸- محمد ظفرخان، Persian poets of Kashmir, mughal period. مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۱۰۰۰ص (انگریزی) ' ۱۰۲۹۴ -

۲۷۹- محمد فاروق، حاشیہ بدیع المیزان ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۲۷ ورق (عربی) ' ۱۰۰۳۰ -

۲۸۰- محمد نورالعالم ، تحریرا لدائر ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۱۰۳ ورق (عربی) ' ۱۰۳۱۷ -

۲۸۱- محمد وارث ، پادشاہ نامہ ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۵۹۰ ورق (فارسی) ' ۱۰۱۱۱ -

۲۸۲- محمد کرمانی ، مآثر محمود شاہی ' روٹوگراف ' برٹش میوزیم ' ۳۱٦ ورق (فارسی) ' ۱٦/۱۳۵۷ -

۲۸۳- محمود احمد السبط لالاربنی ، الربع المجیب ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۴ ورق (عربی) ' ۱۰۰۳۱ -

۲۸۴- محمود لاہوری ، محمود نامہ ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۱۰ ورق ' ۱۰۹۳۵ -

۲۸۵- مخلص ، انند رام، مرآة الاصطلاح ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری،

۲۲۳ ورق (فارسی) ، ۹۵۳۰ -

۲۸۶- المراکشی ، شرف الدین ابوعلی الحسن ابن علی ابن عمر ، المبادی والغایات، روٹوگراف ، حیدر حسن خاں ، لکھنؤ ، ۳۹۸ ورق (عربی) ، ۱۹۳۲/۳۹ -

۲۸۷- المراکشی، شرف الدین ابوعلی الحسن ابن علی ابن عمر، مصححات الافلاطون، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۸۸ ورق (عربی) ، ۹۹۹۳ -

۲۸۸- مسیحا پانی پتی ، مثنوی پیغمبر نامہ ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۶۵ ورق (فارسی) ، ۱۰۳۰۸ -

*۲۸۹- مظفر حسن ملک ، مرزا دبیر ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۱۵ص (اردو) ، ۱۰۲۷۹-

۲۹۰- مظہر علی خاں ولا، تاریخ شیرشاہی ، مائیکروفلم ، انڈیا آفس لائبریری ، ۱۲۲ ورق (فارسی) ، ۹۳۰۷ -

۲۹۱- معصوم ، میر محمد ، تاریخ سندھ/تاریخ معصومی ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۱۵۸ ورق (فارسی) ، ۱۰۲۸۲ -

۲۹۲- معین الدین ، معلومات الافلاک ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۳۶ ورق (فارسی) ، ۱۰۲۲۱ -

۲۹۳- معین الدین بن صدر ، زبدۃ التفسیر ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری (عربی) ، ۱۰۰۰۳ -

۲۹۴- ملا شاہ بدخشی ، کلیات ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسی لائبریری ، ۲ج (۱۴۴+۱۹۸ ورق) (فارسی) ، ۱۰۱۲۰ ، ۱۰۱۱۴ -

۲۹۵- ممنون ، کلیات ، مائیکروفلم ، انڈیا آفس لائبریری ۰ ۳۷۹ ورق ، ۹۳۶۱ -

۲۹۶- میر تقی میر ، دیوان ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۳۴ ورق (اردو) ، ۹۳۴۸ -

۲۹۷- مرزا جان ، شمس الدین حبیب اللہ بن عبداللہ العلوی الدہلوی ، الحاشیۃ علی حاشیۃ الدوانی ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۲۳۲ ورق (عربی) ، ۱۰۳۱۱ -

۲۹۸- میرک بخاری ، شرح ہدایۃ الحکمت ، مائیکروفلم ، پنجاب یونیورسی لائبریری ، ۵۶ ورق ، ۹۹۹۰ -

۲۹۹- میمنی ، عبدالعزیز ، فہرس المطبوعات والمخطوطات من مکتبۃ المیمنی (بقلم

علامہ میمنی مرحوم)، فوٹوسٹیٹ ' علامہ میمنی مرحوم ' ۹۳ص (عربی) ، ۳۰۱۳۳ -

۳۰۰- نادر ، شنکرناتھ ، وقائع بھرتپور ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، ۳۶ ورق (فارسی) ' ۱۰۰۹۴ -

۳۰۱- ناظر حسن زیدی (ڈاکٹر) ، مومن دہلوی ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۵۰۲+۲۵ص (اردو) ' ۱۰۲۹۷ -

۳۰۲- نامی ، وامق و عذرا ' روٹوگراف ' ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ' ۶۶ ورق (فارسی) ' ۹۸/۲۳۹۸ -

۳۰۳- نامی ، وامق و عذرا ' روٹوگراف ' ایشاٹک سوسائٹی آف بنگال ' ۳۷ ورق (تحقیق مولوی محمد شفیع مرحوم) (فارسی) ' ۱۲۱/۵۵۰۴ -

۳۰۴- نسیم ، اے ۔ ڈی (ڈاکٹر) ، اردو شاعری کا مذہبی اور فلسفیانہ عنصر ' مائیکروفلم، پنجاب یونیورسٹی لائبریری' ۹۵۷+۲۹ص (اردو) ' ۱۰۲۹۵ -

۳۰۵- نصرالدین محمد بن حامدالکرمانی ، ترجمہ کنزالدقائق ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۲۱۰ ورق (فارسی) ' ۱۰۰۹۷ -

۳۰۶- نطنزی معین الدین ، منتخب التواریخ معینی ' روٹوگراف ' برٹش میوزیم ' ۴۳ ورق (فارسی) ' ۱۳۵/۸۸۶۱ -

۳۰۶الف- نظام حسینی، تاریخ کرمان ' روٹوگراف ' برٹش میوزیم ' ۱۵۹ ورق (فارسی)، ۲۱/۱۳۷۰ -

۳۰۷- نظامی گنجوی ، خمسہ نظامی ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۳۱۵ ورق (فارسی) ' ۱۰۳۰۵ -

۳۰۸- نظامی گنجوی ، مخزن اسرار ' روٹوگراف' برٹش میوزیم ' ۳۶ ورق (فارسی)، ۱۴۱۱/۴۷ -

۳۰۹- النفع العظیم لاھل ھذا الاقلیم (ہفتہ وار عربی اخبار) ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' (عربی) ' ۹۹۹۳ -

۳۱۰- نوراللہ شوستری ، حاشیة علی شرح التھذیب ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۱۷ ورق (عربی) ' ۱۰۰۱۸ -

۳۱۱- نور بخش ، ایک نظم ' روٹوگراف ' بوڈلین لائبریری ' ۲۰—۲۵ ورق (فارسی) ' ۲۸/۱۴۰۸ -

۳۱۲- نوربخش، غزلیات ' روٹوگراف ' برٹش میوزیم ' ۱۵ ورق (فارسی)' ۳/۸۷۳-

۳۱۳- نورالدین ، الدرالیتیم ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۵۸ ورق (عربی) ' ۱۰۳۰۹ -

۳۱۴- نورالدین جعفر بدخشی ، خلاصة المناقب ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۵۶۵ ورق (فارسی) ' ۱۰۲۹۰ -

۳۱۵- نور سراج ، رسالہ معرفت اعمال ربع ' روٹوگراف ' اسلامیہ کالج لائبریری پشاور ' ۱۸ ورق (فارسی) ' ۱۲۷/۶۷۵۹ -

*۳۱۶- نوشابہ حسن Persian literature during the period of Shah Jahan مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۱۶۸ص (انگریزی) ' ۱۰۲۸۷ -

۳۱۷- نوعی ، ساقی نامہ ' روٹوگراف ' برٹش میوزیم ' ۱۳ ورق (فارسی) ' ۲۶/۱۳۷۵ -

۳۱۸- واقف لاہوری ، دیوان ' روٹوگراف ' ۱ ورق (فارسی) ' ۶۶/۲۱۵۲ -

۳۱۹- واقدی ، ابو عبداللہ محمد ، کتاب المغازی ' روٹوگراف ' برٹش میوزیم ' ۲۵۲ ورق (عربی) ' ۱۳/۹۷۳ -

۳۲۰- Vamik und Azra ‹Von Hammer, (وامق و عذرا)' روٹوگراف' ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال ' ۴۰ص (جرمن) ' ۱۰۹/۲۶۹۲ -

۳۲۱- وحشی و نوعی ، ساقی نامہ' روٹوگراف ' انڈیا آفس لائبریری ' ۹+۱۲ ورق ' ۱۲/۷۳۸۹ -

*۳۲۲- وحید قریشی [ڈاکٹر] ، Insha Literature in Persian-a critical study مائیکروفلم' پنجاب یونیورسٹی لائبریری' ۲۳۱ ورق (انگریزی)' ۱۰۲۸۰ -

۳۲۳- وحید الدین ، مفتی ، شرح خلاصة الحساب ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۵۲ ورق (عربی) ' ۱۰۱۱۳ -

۳۲۴- ولی ، شمس الدین محمد ، دیوان ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۸۲ ورق (فارسی) ' ۱۰۰۲۲ -

۳۲۵- ہر چرن داس ، چہار گلزار شجاعی' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ۵۷۳ ورق (فارسی) ' ۱۰۰۹۵ -

۳۲۶- ہمت خان ، ساقی نامہ' روٹوگراف ' ظفر حسن ' ۳۶۷+۳ ورق (فارسی) ' ۹۴/۲۳۳۹ -

۳۲۷- یاسمین سلطانہ ، اقبال کی طویل نظموں کا تجزیہ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۲۵۸ص (اردو) ' ۱۰۲۸۵ - [مقالہ ایم اے]

۳۲۸- یحییٰ ، فتوح الحرمین ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۲۲ ورق (فارسی) ' ۱۰۰۴۳ -

۳۳۰- یوسف البحرانی، الرسالة المحمدیة ' مائیکروفلم ' پنجاب یونیورسٹی لائبریری ' ۹۸ ورق (عربی) ' ۱۰۰۹۸ -

ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک*

کتاب المذکر و المؤنث

(متن - آخری قسط)

و کذلک قوله تبارک و تعالی و قطعناهم اثنتی عشرة اسباطا امما[1]. لان المعنی واقع علی جماعات و علی هذ اتقول عندی عشرة نشابات لانک ترید رجالا و انما نشابات نعت[2] و تقول اذا غلبت المذکر عندی ثلاثة دواب یاقتی ، لان الدواب نعت ، فکأنک قلت ثلثة برازین دواب یاقتی و یجوز نصب ذواب[3] و تقول فی باب منه اخر عندی ثلث من البط ذکور لان واحدها بطة و هو اسم یقع علی المذکر والمؤنث[4] و کذلک عندی خمس من الشیاء یاقتی لان الواحد شاه لذکر کان او انثی. فان قلت عندی ثلثة ذکور من الشاء ذکرت لانک انما جئت بقولک من الشیاء بعد ان او قعت العدد علی ذکور و تقول فی باب منه اخر.

و هذه ابل و هذه غنم و هذه خیل لانه اسم وقع فی الاصل للجماعة من غیرالادمیین[5]

---

* پروفیسر و صدر شعبۂ عربی ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

۱- الاعراف ۷ : ۱۶۰ و اسباطا بمعنی امم، ولذا انث العدد [المحقق]

۲- فعلت الهاء فی العدد لانه واقع علی رجال والمعنی عندی عشرة رجال نشابات و نشابات نعت للرجال [المحقق]

۳- انما صح هذا المثال لان العدد واقع علی المذکر و براذین ، و دواب نعت للمعدود المحذوف و جواز النصب انما علی التمییز.

٤- قال سیبویه هذا باب المؤنث الذی یستعمل للتانیث والتذکیر والتانیث اصله. قال تقول عندی ثلاث بطات ذکور و ثلاث من الابل ذکور لانک تقول هذا ابل و کذلک ثلاث من الغنم ذکور. فان قلت عندی ثلاثة ذکور من الابل لم یکن الا التذکیر لانک انما ذکرت ذکورا ثم جئت بقولک من الابل بعد ان معنی الکلام علی التذکیر والایام واللیالی بمنزلة البقر و الغنم تقول اقام فلان عندی ستة عشر یوما و لیلة و خمس عشرة لیلة و یوما. [الانباری ۱۷۵]

۵- تقول عندی خمس عشرة من الابل وست عشرة من الغنم و کذلک تقول عندی ست من البقر وسبع من الغنم و تسع من الابل فیکون التانیث هوالغالب فی هذا الباب. [ابن القاسم الانباری ۱۷۵]

و انما صحت هذه الأمثلة : لان ابل و غنم و ما یشبهها یقع علی المذکر والمؤنث فیکون التانیث هوالغالب فی هذا الباب [المحقق]

فاذا صغرت شيئاً من هذه قلت خييلة و غنيمة و ابيلة فتانيثه كتانيث الواحد. فان كان شی من ذلک للناس فهو مذکر و لک ان تجعله علی التانیث فی المواضع التی اصفها لک ا شاء الله تعالی.

تقول فی تصغیر قوم[1] قويم ، و فی نفر نفير و فی رهط رهيط ، و انما خالف ها ذاک : لانک تقول فی ذلک الجمع الاول : هی ابل وهی غنم ، و تقول فی الناس هم ولا تكون لغيرهم. فان قلت فقد اقول : جاءت الرجال[2] و كذبت قوم نوح[3] و ما اشبه ذلک. فانما ترید جاءت جاعة الرجال و كذبت جاعة قوم نوح كقول الله عز جل «واسئل القرية[4] انما يريد اهل القرية و اهل العير و على هذا تقول هذه تميم ة جاءت و هذه بكر تحارب علی ما و صفت[5].

و قدأبان ذلک قوله عزوجل : كذبت قبلهم نوح و ما اشبهه و تقول هذا تميم بن مر اذا اردت الجاعة و هذه تغلب بنت وائل كما قال الفرذوق :[6]

لولا فوارس تغلب ابنة وائل　　　ورد العدو عليک كل مكان

و تقول فی عقیب هذا : ابنة باهلة بن يعفر ، و باهلة امرأة. و لانک اردت هه الحی کما اردت فی تمیم و تغلب : الجاعة والقبيلة. فما كان من هذا فانت فی تانيثه تذكيره مخير الا ترى ان الله تعالى يقول : «تنزع الناس كانهم اعجاز نخل منقعر[7]. فه علی لفظ الجنسی. و قال :

كانهم اعجاز نخل خاوية[8]　　　علی　　معنی　　الجاعة[9]

۱- قال ابوالعباس : القوم ، رجال لا امراة فیهم [الانباری ۳ ٤ ۱]
۲- علی معنی جاعتهم. فحذف المضاف و هو جاعة و اقام المضاف اليه مقامه و هو قوم
۳- القران ٢٦ : ١٠٥ فحذف المضاف و اقام المضاف اليه مقامه
٤- القران ١٢ : ٨٢
٥- یعنی ان التانيث علی ارادة القبيلة اوالجاعة
٦- البيت فی اللسان ١: ٦٥٢ والمقتضب ٣ : ٣٦٠ و وائل اسم رجل غلب علی حی وقد معروف يجعل اسماً للقبيلة ولا يصرف. اللسان ١١: ٩١٧ و معنی و ردالعدو: نزل والشاهد فیه تغلب ابنة وائل حيث اراد بالتانيث هنا الجاعة او القبيلة و هما مؤنثان
٧- القران ٥٤ : ٢٠ و قد ذكر لفظ النخل مقصودا به الجنسی
٨- القران ٦٩ : ٧
٩- کل جمع بين واحده الهاء فمامته يذكر و يؤنث كقولهم النخل والبقر والشعير والتمر يقال هذا نخل و هذه نخل و هذا البقر و هذه بقر و هذا تمر و هذه تمر. قال امرؤ القيس :

لتقول هذا حصى كثيرة و حصى كثير ، و كذلک كل ما كان ليس بين جمعه و واحده الاالهاء و نذكره فى عقب هذا الباب ان شاء الله.

وانشد سيبويه[١] قول الراجز :

هل تعرف الدار يعفيها المور
الدجن يوما والسحاب المهمور
لكل ريح[٢] فيه ذيل مسفور

حمل الدار[٣] على انها مكان فقال فيه : اى فى هذا المكان و كذلک قول الاعشى :

فان تبصريني ولى لمة   فان الحوادث اودى بها[٤]

لان الحوادث جمع حدث والحدث مصدر والمصدر واحده و جمعيه يؤلان الى معنى و كذلک قول عامر بن جوين الطائى[٥]

و حدث بأن زالت بليل حمولهم   كنخل من الاعراض غير منبق

و قال العبدى :

النخل باطنه خيل مظاهره خيل   تكدس   بالفرسان   كالنعم

و قال ابو هفان انشدنى مصعب الزبيرى لايوب بن عباية الاسلمى فى تانيث النخل :

و ما اعتقد من عقده سوى   النخل يغرس منها الفسيل

[الانبارى ١٤٤]

١- الكتاب ١ : ٣٤١ قال سيبويه هذا الدار يقصد البلد فانث حيث كان الدار. راجع اللسان ٣ : ٤٩ والتحقيق ان هذا الشاهد قد ورد فيه لفظ الدار مؤنثا و لذا رجع اليها الضمير فى قوله يعفيها لانه اراد البلد. و ورد ذلک مذكرا و لذا رجع اليه الضمير فى قوله «فيه» لانه اراد المكان.

٢- اسماء الرياح و كذلک لفظ الريح جميعها مؤنثة. يقال هى الشمال و هى الجنوب وهى الصبا وهى الدبور وهى القبول النكباء وهى الحرور وهى الأزيب وهى النعامى و هكذا [راجع الانبارى ١٠٦]

٣- والدار مؤنثة يقال فى جمعها فى القلة ادور و ادور بالهمز و غيرالهمز و يقال فى الجمع الكثير الدور والديار. [الانبارى ١٠٧]

٤- البيت فى المخصص ٥ : ٨٢ و فى اللسان ٢ : ١٣٢ و فى شرح المفصل ٥ : ٩٥ و هذا و انما حمل الحوادث على الحدثان و لما كانوا يقولون الحدثان فيريدون بها الكثرة والجنسى كما يراد ذلک بلفظ الجمع فجعل الجمع كالواحد لموافقته فى المعنى.

٥- هذا الشاهد فى شرح المفصل لابن يعيش ٥ : ٩٤ وابن الانبارى ٥٧ والمخصص ٥ : ٨٦ واللسان ١١ : ٦٠ والكامل للمؤلف ١ : ٤٠٥ و ١ : ٤٨٤ و فى الكامل

فلا مزنة ودقت ودقها ولا ارض ابقل ابقالها

لان ارضا و مكانا سواء ولو قال على هذا ان زينب قام لايجوز ، لان تانيث هذا تانيث مستقر ، فمها اعتوره من اسم فخبرت ، فخبرت عنه لذلک الاسم ، فالخبر عنه ، لاعن الاسم.

واعلم ان من التانيث والتذكير مالا يعلم ما قصد به، كما انه ياتيک من الاسماء مالا تعرف لای مسمی هو. وان كان المؤنث والمذكر يشترک فيها وزن واحد. تقول: عدل[1] و حمل فهذا على «فعل» و هو مذكر و تقول : فهد ، فهی مؤنثة ، و تصغيرها فهيدة و تقول : قتب لحشوة البطن و هو «المصير[2]» و تصغيره قتيبة و بذلک سمی الرجل

للمؤلف ١ : ٤٨٤ الودق المطر. قال الله تبارک و تعالى فترى الودق يخرج من خلاله. و قال ابن الانباری : العرب تجترى على تذكير المؤنث اذا لم تكن فيه الهاء [ابن الانباری ٦٧]

وابقلت الارض : اخرجت بقلها. والشاهد فيه «ارض ابقل» فلم يؤنث لفظ الفعل «ابقل» لان هذا اللفظ «ارض» بمعنى مكان فحمل عليها فى التذكير. ولو اراد بلفظ الارض البقعة مجاز التانيث. و هذا خلاف لفظ «زينب» حيث تانيثه ثابت لانه واقع على انثى حقيقية وان لم تلحقه العلامات اللفظية فاذا اخبرنا عنه فان الخبر يكون ملاحظا فيه هذا التانيث الكامن فيه.

١- كل ماكان على وزن فعل، وكان نعتا فانه يكون بلفظ واحد للمذكر والمؤنث والمثنى والجمع بنوعيه. تقول رجل عدل و امراة عدل و رجلان عدل و امراتان عدل و رجال عدل و نساء عدل.

قال زهير

متى يشتجر قوم يقل سرواتهم هم بيننا فهم رضى و هم عدل

انشدنا ابوالعباس :

فک السرى عن الندى اغلاله فجرى و كان مكبلا مغلولا

[الانباری ٥٥]

٢- المصير : ما ينتقل الطعام اليه بعد هضمه. والجمع : امصرة و مصران و جمع الجمع مصارين و هو مذكر.

قال النابغة :

من و حش و جرة موشى اكارعه طاوى المصير كسيف الصيقل الفرد

والمصير المرجع مذكر من قول الله تعالى و الى الله المصير [الانباری ٦٤]

«قتيبة[1]» و يقال للواحد : المصير او مصير و للجمع مصران ، كقولك رغيفة و رغفان، و جريب و جربان و فى اقل العدد مصرة ، و جمع الجمع : مصارين. كما تقول : سليط للواحد ، والسلطان[2] جمع. يقال هي السلطان فهذه الاغلب الاكثر فى كلام العرب جمع الجمع سلاطين. والجمع يجمع[3] اذا اختلفت انواعه. كقولك التمور و فى ازمته نخلان وجاءنى زيد بتمران و ابراز كثيرة[4]. و كذلك تقول : طريق و طرق و طرقات[5] وجزر و جزرات و اوطب و اواطب كما قال الراجز :

تحلب منهاستة الاواطب[6]

و ما لم اذكره لك من الجمع فجمعة جائز، الا ما كان على مثال مفاعل و مفاعيل[7]

١- والقتب من اقتاب البطن مؤنثة وهى من الاسماء و تصغيرها قتيبة و بتصغيرها سمى الرجل قتيبة. والقتب من ادارة السانية مذكر. والسانية البعير الذى يسنو من البئرالى يستقى [الانبارى ٧٠]

٢- السطان يذكر و يؤنث. تقول قضت به عليك السلطان و قد اخذت فلاناً السلطان اخبرنا بتذكيره و تانيثه ابوالعباس عن سلمة عن الفراء و قال يعقوب التانيث اكثر عندالفصحاء. و قال السجستانى : سمعت من اثق بفصاحته يقول : اتتنا سلطان جائرة. قال و اما ما جاء فى القرآن فمذكر كله. يرادبه الحجة. كقوله جل ثناءه اولياتينى بسلطان مبين و قوله و ما كان لى عليكم بسلطان [الانبارى ٧٨]

٣- و كذلك يجمع كما يجمع الواحد و ذلك مثل بيوت و بيوتات [المقتضب ٣ : ٢٣٠]

٤- التحقيق فى هذه الامثلة ان تمور و نخلان و تمران جموع الجمع ، والجمع فى كل منها على الترتيب تمر و نخل و تمرات. و هكذا. و انما صح ان يجمع الجمع لان انواعه و اصنافه مختلفة و حيث كان الاختلاف فى الانواع كان جمعه على هذه الصورة صحيحا.

٥- والطريق قال الفراء يونثه اهل الحجاز و يذكره اهل نجد والتذكير فيه اكثر من التانيث و اجود و بذلك نزل القران. قال الله تعالى يهدى الى الحق والى طريق مستقيم فذكر و قال فى موضع اخرفا ضرب لهم طريقافى البحريبسا. [الانبارى ٨٦] و قال الفراء يقال فى جمع الصراط فى القلة اصرطة و فى الكثرة صرط وقال ابن السكيت يقال فى جمع الطريق على التذكير ثلاثة اطرقة والطرق الكثير. قال والطروق الكثيرة و طرقات سمعتها من العرب [الانبارى ٨٧]

٦- هذا الشاهد فى اللسان ١ : ٨٩٧ و شرح الكتاب للسيرافى ٢ : ٢٠٠ و او اطب جمع او طب كا كالب جمع اكلب. والشاهد فيه ان الاواطب ، فانها جمع او طب.

٧- و ذلك مثل درهم و دراهم و مساجد و مساجيد و قنادل و قناديل فان هذين الوزنين وقفا عند هذا الحد فلا يجمعان مرة اخرى.

فانه لا تكسيريتجاوز هذه الغاية. و قد بينا ذلک فی المقتضب فيما يجری ولا يجری باستقصاء علته[1].

و اعلم ان الشیء قد يكون علی لفظ واحد مذكرا و مؤنثا ، فمن ذلک اللسان يقال : هواللسان ، وهی اللسان ، فمن جمع اللسان المذكر قال فی جمعه : السنة لانه علی مثال فراش و افرشة و حمار و احمرة و جمعه الكثير لسن مثل فرش و حمر. و من قال هی[2] اللسان فانث فجمعه السن[3] علی مثال قولک : ذراع[4] و اذرع، و شمال و اشمل و كراع واكراع. قال ابوالنجم :

یاتی لها من ايمن واشكل[5]

١- يريد ان يقول : ان هذين الوزنين اذا جاء الجمع عليها فيمنع الصرف لصيغته منتهی الجموع. هذا اذا لم تلحق بها الالف واللام او اذا لم يضافا.

٢- واللسان يذكر و ربما انث اذا قصدوا باللسان قصيد الرسالة والقصيدة من الشعر. وانشدنا ابوالعباس عن سلمة عن الفراء :

لسان السوء تهديها الينا و حنت و ما حسبتک ان تحينا

وانشد ايضا عن سلمة عن الفراء :

اتتنی لسان بنی عامر احاديثها بعد قول تكذر

و قال الفراء و ذكرها الحطيئة فقال :

ندمت علی لسان فاتانی فليت بانه فی جوف عكم

اخبرنا ابوالعباس عن سلمة عن الفراء انه قال : اللسان بعينه لم اسمعه من العرب الامذكرا [الانباری ٢ ٧٢)

٣- راجع الكامل للمؤلف ١ : ٥٠ ، ٧٥٢

٤- كل شیء كان علی فعال من المؤنث فجمعه افعل وكذلک و فعال تقول ذراع واذرع وكراع واكراع لانهما مؤنثتان و من انث اللسان قال السن و من ذكره قال السنة و شمال واشمل كما قال ابوالنجم العجلی : یاتی لها من المن واشمل [الكامل للمبرد ١ : ٥٠]

٥- ذكر المؤنث هذا الشاهد ايضا فی كتابه الكامل ١ : ٥٠ ، ٧٥٢ والشاهد موجود فی [شرح الكتاب للسيرافی ٢ : ١٩٥]

والشمال : نقيض اليمين والجمع اشمل و شمائل و شمل. [اللسان ١١ : ٣٦٤]

والشاهد فی هذا البيت انه جمع شمال علی اشمل و يمين علی ايمن و ذهب الكوفيون الی ان قولهم فی القسم ايمن الله ايضا جمع يمين ، و ذهب البصريون الی انه ليس جمع يمين ، و هو اسم مفرد مشتق من اليمين. و حجة الكوفيين علی ان ايمن جمع

و تقول هوالقفا وهی القفا من ذلک قوله :

و ما المولی و ان عظمت قفاه بما حمل للمازم من حمار[1]

و تقول هوالطریق وهی الطریق وهی السبیل وهو السبیل. قال الله عزوجل : «قل هذه سبیلی[2]» ۰ و قال الشاعر :

فلا تجزع فکل فتی اناس سیصبح سالکا تلک السبیلا[3]

و قد ذکرنا هذه الاجناس التی حقها ان ینفصل منها واحدها بهاء التانیث وبغیرها.

اعلم ان هذه الاجناس التی لیس بین واحدها و جمعها الاالهاء بینها ان مؤنثها تکون له مذکر من لفظه، لانه لوکان کذلک البس الواحد المذکر بالجمع[4] وجملتها

یمین انه علی وزن افعل ، و هو وزن یختص بالجمع و هم یقولون فی جمع یمین ایمن [ابن الانباری ۱۷۷]

۱. قفا : مقصور ، مؤخر العنق ، الفها واو ، والعرب تؤنثها ، والتذکیرا عم. والبیت فی اللسان هکذا :

فما المولی وان عرضت قفاه بما حمل للملازم من حمار

[اللسان ۱۵ : ۱۹۲]

المولی یطلق علی السید والعبد. و عظمت قفاه : عرضت قفاه : و هذا ذم والشاهد استعمال القفاقی هذا البیت علی انها مؤنثة ، حیث انث الفعل قبله و قال السجستانی : قال ابو زید القفا یذکر و یؤنث و قال الاصمعی : لا اعرف فی القفا الا التانیث. قال فعجبت من قوله. والقفایقال فی جمعه اقفاء وقفی وربما قالوا اقف للثلاثة [الانباری ۷٤]

۲. القرآن ۱۲ : ۱۰۸۰

۳. الجزع : الخرن ، فتی اناس : شخص من الناس ، سالکا ، : سائراً. والشاهد فیه «تلک السبیلا» علی التانیث و لو ذکر لقال : ذلک السبیلا قال ابن السکیت : والسبیل یقال فی جمعه اسبل و سبل قال : و اذا کانت مؤنثة جمعت السبول کما قالوا العنوق. [الانباری ۸۷]

والسبیل یذکر و یؤنث. قال الله تعالی : قل هذه سبیلی» علی التانیث. و قال : وان یروا سبیل الرحمن لا یتخذوه سبیلا ، و ان یروا سبیل الغی یتخذوه سبیلا. و قال : ولتستبین سبیل المجرمین فکان ابن کثیر و ابو عمر و یرفعان السبیل و یقرآن ولتستبین بالتاء فیؤنثان السبیل و کان عاصم والاعمش والکسائی یقرؤون ولیستبین بالیاء مع رفع السبیل فیذکرون.

٤. قال الفراء : لیس المراد هنا التانیث المحض انما ارادو الواحد فحرسوا ان یقولوا عندی شاه و بقر و جرادوهم یریدون الواحد فلایقع بین الواحد و الجمع فصل

انها مخلوقات على هيئة و ذلک قولک نخل و شجر و بر و تمر و شعیر و سمک و بقر و نحل و نعل ، فکل هذا لیس لمؤنثه مذکر من لفظه تقول : قائم و قائمة ، و صاحب و صاحبة ، و کذلک النعوت. و تقع فی الاسماء مثل ذلک نحو : غلام و غلامة[1] ، فتى و فتاة ، و شیخ و شیخة. کما قال عبد یغوث[2] :

و تضحک منی شیخة عبشمیة کأن لم ترى قبلی أسیرا یمانیا

و لوکان یقال مثل ذلک للمذکر من السمک اوالبقر او من الدجاج لم یسغ ان یقع للجمع[3] ولکنه مما وقع مبثوثا علی فطرة واحدة فلما احتیج الی ان یفصل منه المؤنث لحقة الهاء للتانیث و کان حقه ان یکون مذکرا لانه جنس ویجوز تانیثه لانه جماعة و ان کان علی هیئة و قد ذکرنا هذا.

فان کان من المصنوعات لم یلحقه مالحق هذا لان واحده قبل جمعه، و ذلک قولک: جفنة و صحفة و قصعة و رحبة. تقول فی جفنة. جفان، و فی صحفة : صحاف، و ما لم نذکره من هذا فهذا[4] بابه لان هذا مما افرد ثم جمع، والاول مما یقع جنسا، ثم یفرد و ما کان داخلا

فجعلت الهاء دلیلا علی الواحد و قد یکون الاسم واقعا علی المذکر و المؤنث ولا علامة للتانیث فیه کقولهم عقرب ذکر و عقرب انثی و یقال رأیت عقر با علی عقرب و کذلک یقال ضبع ذکر و ضبع انثی. (الانباری ٤)

١- قالوا غلام و غلامة ، علی ان المؤنث جاء بلفظ المذکر مع الفرق بالها. قال اوس الجهمی یصف فرسا :

بسلهبة صریحی ابوها تهان بها الغلامة و الغلام

(راجع شرح المفصل ٥ : ٩٧)

٢- هو عبد یغوث بن الحرث بن وقاص بن صلاءة بن المعقل بن ربیعه بن کعب. شاعر جاهلی فارس سید قومه بنی الحرث بن کعب ، و کان قائدهم فی یوم کلاب الثانی الی بنی تمیم (راجع الاغانی ١٥ : ٦٩ : المفضلیات ١٥٥) و الشاهد قوله «شیخة» حیث جاء مؤنثه بلفظ مذکره و فرق بینهما بالهاء و قد ذکر هذا الشاهد ایضا فی المذکر و المونث لا بن القاسم الانباری ص ١٤ حیث یقول و انشد الفراء وغیره.

و تضحیک منی شیخة عبشمیة کأن لم ترى قبلی اسیراً یمانیا

عبشمیة منسوبة الی عبد شمس.

٣- برید انه لوکان مثل شیخ و شیخة لم یصح ان یقع مثل السمک و البقر و الدجاج علی ان هذه الالفاظ مذکر و الذی بالهاء مؤنث. فیضیع معنی الجمع.

٤- و ذلک ان مثل جفنة و قصعة لیست اسم جنس و انماهی جموع تکسیر وان کان فی واحدها الهاء.

من هذا فى غيره ، فعلى جهة التشبيه ، و ليس كذلك بمانع له من ان يجئ على مابه، فمن ذلك قولك : سدرة[1] و سنبلة فهذ الباب. و من قال سد رفجعله كقطعة و قطع ، و بركة و برك ، فعلى التشبيه بما يشاكله فى الوزن على اختلاف الاصلين و مثل ذلك : طلحة و طلاح. انما الاصل طلح و طلاح[2] مشبه بقولك صحفة و صحاف و جفنة و جفان و كذلك قولك صخرة و صخور و انما الاصل صخرة و صخر و صخر و صخور مشبه بقولك بدرة و بدور و مانة[3] و مؤون و الاصل ما ذكرت لك. و المانة موضع الخاصرة. قال المثقب العبدى :

يشبهن السفين ، و هن بخت عراضات الاباهر و المؤون[4]

فهذا يقع فى الحيوان وغيره على المخرج الذى و صفناه. فاما بطة و بط ، و دجاجة و دجاج ، و بقرة و بقر و سمكة و سمك فهو على هذا الذى و صفناه مما وقع فى واحده الها. و اماحية فانما من قولهم ان يقولوا فى الجنس حى ، لانها فى الأصل نعت وحى يقع لكل مذكر من الحيوان ثم تنفصل اجناسها بضروب فيقال لقبيل منها الاشجع و يقال لقبيل منها الاخر الاسود و لقبيل آخر الشعبان. و كذلك الافاعى و الاصل فانما جمله هذا ما و صفنا و ما خرج عنه مانعاً يعرض فيه مما يخالف اصلَ هذا الباب كثرت حروفه او قلت و ليس ما به الحيوان. و انما حد هذه الأشياء المبثوثة كالحصى والنوى[5] و البسر

١- و السدر مذكر. قال السجستانى : من سكن الدال ذكره و من فتح الدال انثه فقال هذه سدر. قال الشاعر فى التذكير :

تبدل هذا السدرا هلا و وليتنى ارى السدر بعدى كيف كانت بدايله

(الانبارى ١٤٤)

٢- اذا سميت رجلاً باسم فيه هاء التانيث كقولك قام طلحة و حمزة ثم جمعته كان لك فيه و جهان احد هما ان تقول قام الطلحون و الحمزون فتجمعه بالوا و والنون اذا كان للمذكر و الوجه الاخران تجمعه على لفظه فتقول قام الطلحات و الحمزات. قال الشاعر :

رحم الله اعظماً دفنوها بسجستان طلحة الطلحات

و ان جمعت طلحة جمع التكسير قلت الاطلح و الطلوح و الطلاح و انما فتحو اللام فى الطلحات و الميم فى الحمزات لان طلحة و حمزة اسمان و العرب تثقل جمع الاسم و تخفف جمع النعت. (الانبارى ١٤٧)

٣- المأن و المأنة : الطفطفة و الجمع مأنات و مؤون على فصول مثل بدرة و بدور على غير قياس. (اللسان ١٣ : ٣٩٥)

٤- هذا الشاهد مذكور فى اللسان و منسوب الى قائله. (اللسان ١٣ : ٣٩٥)

٥- النوى على ثلاثه اوجه ، (ا) النوى بمعنى البعد مؤنثة. (ب) و النوى بمعنى الموضع الذى نووا الذهاب اليه مؤنثة. (ج) و النوى جمع نواة مذكر.

و النبق و ماكان شانه ان يقع جملة فكل ما ورد عليک مالا تعرف اسمه فهذا قياسه و اما قول القطامی :

و كنا كالحريق اصاب غابا فيخبوا ساعة و يهشب ساعا

فانما حمله على هذه الاجناس التی ذكرنا تشبيها و ليس منها فجعله كهامة[1] لانها فعله و فعل كقولک بقرة و بقر و كذا راحة و راح الا ان راحة اقرب الى هذه لانها وان كانت موصولة بغيرها كهامة و هام و قصرة و قصر و كان حق هذا ان يكون فی رقبة[2] و رقب و هو يقال و لكن الا كثر الرقاب كقولک رحبة و رحاب و جذبة و جذاب و قولهم ارض كان حقها ان يكون للواحد ارضة و الجمع ارض لوكان ينفصل بعضها من بعض و لكن لما كانت نمطا واحدا وقع على جميعها اسم واحد[3] كما قال الله عزوجل : فاطر السموات والارض[4]. و قال تبرک و تعالى : و من الارض مثلهن[5].

فاذا اختلف اجناسها بالخلقة ، او بانفصال بعضها من بعض . بما يعرض من بحروجبل قلت ارضون كما تقول فی التمر تمرات و عنده بران و كذلک جميع الاجناس فی الاختلاف و انما تاويل ذلک ضربان من كذا. و كان حق الا رض ان يكون فيها الهاء ، لولا ما ذكرنا[6] فانما قالوا ارضون والمؤنث يجمع بالوا و والنون[7] ، الا ان يكون

۱- و هامة اصلها هوم ، تحركت الواو و انفتح ما قبلها فقلبت الفا فصارت هامة على وزن فعلة ، و كذلک راحة و راح اصلها الواو على وزن فعلة و فعل.

۲- رقبة مؤنثة وهی تجمع على رقب و رقاب و الاخيرة هی المشهورة فی الاستعمال.

۳- ذهب الكوفيون الى ان الاسم الذی اخره تاء التانيث اذا سميت به رجلا يجوزان يجمع بالواو و النون و ذلک نحو طلحة و طلحون كما قالوا ارضون حملا على ارضات و ذهب البصريون الى ان ذلک لايجوز. (الانصاف ۱۸)

و قال ابن القاسم الانباری : الارض على خمسة اوجه : الارض التی نحن عليها مؤنثة و الارض من الدابة مؤنث و هو ما ولی الارض من الحافر و الارض الرعدة مؤنثة يقال عرضت لفلان ارض شديدة يعنی بذلک الرعدة اذا اخذته و الارض الزكمة مؤنثة يقال بفلان ارض شديد من الزكام و الارض مصدر الماروض مذكر يقال ارض الشیء يارض ارضا اذا اكلته الارضة. (الانباری ۹۳)

٤- القرآن ٦ : ١٤ -   ٥- القرآن ٦٥ : ١٢ -

٦- من انفصال بعضها من بعض ، و ذلک بما يعرض من بحر و جبل. وكان حق القياس ان يقال فی الجمع ارضات على ان واحدها ارضة الا انه لم يسمع هذا الجمع عن العرب.

۷- و كذلک قالوا كنا فی ارضين بسابس ذهب الى شیء من الارض بعد شیء ثم ان العرب كثر هذا عندهم حتى استعملوه فقالوا ثلاث ارضين و بنيته على ارضات لذلک جمع بالتفصيل [الانباری ۱۷۸]

منقوصا . نحو سنة[1] و ثبة و ظبة ، لان الهاء و ان كانت زائدة فقد كانت لها فى الاصل فلذلک جاءت الواو والنون عوضا کما يعوض ما ذهب منه حرف من اصله ، و لولا ذلک ما دخلتا على اسم تام والباب فى هذا واحد والتفصيل ما ذكرنا[2]

و لنذکر السماء و ما فيها من الجمع ان شاء الله

السماء تكون واحدة مؤنث[3] بالبنية على وزن عناق و اتان ، فاذا كانت كذلک

۱- اما سنة و سنين فانه لم يبن على واحدته ولكنهم كسروا اوله و جعلوه على مذهب فعول و ان كان على هجاءن [الانبارى ۱۷۸]

۲- و ذلک انهم لما ان قالو فى المنقوص قلة و عزة و جدوا الناقص منه لام الفعل فلما جمعوه بالتاء فقالوا قلات و عزات ظنوا ان هذه الالف هى الحرف الذى كان نقص اخرج على التمام فاشبه الجمع عندهم الواحدة فقالوا تاتى بجماع غير النساء مما هو جماع فلم يجدوا ذلک الا فى النون والواو مثل صالحون و صالحات و قالو لايتوهم علينا انا نريد بالواو والنون مذهب ذكران والواحدة منه انثى خاصة فقالوا ذلک فى كل ما كان متصوصة منه اللام مثل قلة و برة و جميع ماكان نقصانه من لامه و لم يقولوه فيما كان نقصانه من اوله مثل عدة و زنة وصلة [الانبارى ۱۷۸]

۳- السماء اتى تظل الارض تؤنث و تذكر و قال الفراء التذكير قليل ، قال و كانه جميع سماوة وسماءة. قال الله جل ثناؤه السماء : اسماء منفطربه وانشدنا ابوالعباس عن سلمة عن الفراء :

فلو رفع السماء اليه قوما لحقنا بالسماء مع السحاب

و قال يونس فى قوله جل و عز : منفطربه. المعنى السقف منفطربه. وقال ربما ذكرو السماء سقفاً محفوظاً. و قال جل ثناءه ، فليمدد و بسبب الى السماء : اراد الى سقف البيت. و قال الشاعر :

و بيت بمرماة هتكت سماءه الى كوكب يزوى له الوجه شاربه

ارادهتكت سقفه و قال الاخفش مثل قول الفراء فى انه ذكر منفطرا لان السماء جمع سماوة وسماءة فيكون جمعا مذكرا بمنزلة قولهم سحابة وسحاب، وسماء كل شىءٍ اعلاه. و قال الله تعالى: اذا السماء انشقت وانفطرت على حد الواحدة و تانيثها والسماء المطر مؤنثة ، يقال اصابتنا سماء مروية : اى مطر.

و يقال ما زلنا نطا السماء اى اثر المطر. قال الله تعالى و ارسلنا السماء عليهم مدرارا قال ابو عبيدة : معناه انزلنا المطر عليهم و قال زهير :

عفا من آل فاطمة الجواء فيمن فالقوادم فالحساء

فذو هاش فميت عريتنات عفتها الريح بعدک والسماء

اراد بالسماء : المطر. [الانبارى ٩٤]

جمعت فقيل سماوات يجوز سماءات ، والواو المستعملة و ذلک ليس بخطاء و يجوز فی جمعها سمی واسم واسمية ولكن الفصول فی الاستعمال واقعة ليفصل بين السماء من المطر والسماء مبنية ، فالمستعمل فی المبينة : سموات و سمايا ، و فی سماء المطر اسمية[1] كقولک فی قذال اقذلة و سمی كقولک فی عناق عنوق كقوله :

كنهور[2] كان من اعقاب السمی

الكنهور : الغيم المتراكب ، و يقال اصابتنا اسمية.

فاما قوله : سماء الله فوق سمائنا ، فانه رده الی الاصل من ثلاثه اوجه. منها انه جمع فقال علی فعايل فكان حقه سماء فاعلم مثل خطآ فی خطيئة ، فاذا صار الی هذا الجمع لزمه القلب ، و نقل الهمز حتی تصير سمايا[3] مثل : خطايا فجاء به مثل خطأ فاعلم و هوكان الاصل ان تبدل الهمزة الثابتة فجاء بشيئين : ان جمعه علی فعايل ثم اقره علی الاصل ، ثم حمله علی بناء غير المنفصل و لم يجعله كجوار فاعلم[4]. و حق هذا

١- والسما : المطر يجمع اسمية. يقال اصابتنا اسمية كثيرة العام. فان قال قائل لم جمعوا السماء اسمية والاسم المؤنث اذا كان فعال مثل عناق جمع فی ادنی العدد علی افعل كقولک عناق واعنق قيل له شذ هذالحرف فی باب الممدود كما شذ فی باب المقصور اندية فی جمع الندی وارحية فی جمع رحا واقفية فی جمع قفا والاختيار ان يقال فی جمع الرحا ارحاء و فی جمع القفا اقفاء و فی جمع الندی انداء. والاندية جمع الندی وهو المجلس [الانباری ٩٤]

٢- الكنهور من السحاب : المتراكب الثخين. قال الاصمعی وغيره : هو قطع من السحاب امثال الجبال :

والشطر موجود فی اصل النسخه لابی نخيلة [راجع اللسان ١٥ : ١٥٣]

٣- سمايا اصلها سماوا تطرفت الواو بعد الف فقلبت ياء فصارت سمايا مثل خطايا. و الدليل علی ان اصلها الواو قول طفيل :

سماوته اسمال برد محبر و صهوته من اتحمی معصب

يصف الفرس و سماوته اعلاه و الاسمال الخلقات واحدها سمل و الصهوة موضع اللبد (الانباری ٩٥).

٤- يريد ان يقول : سمايا مثل خطايا ، واذا كانت سمايا مثل خطايا فيكون قد اجتمع فی الاخر همزتان و الاصل سماء مثل خطأ. فقلبت الاولی فی كل منهما ياء و الثانية الف فصارت كل منهما علی هذه الصورة. و وزن كل منهما علی هذه الصوره فعايل ، لان الاصل سمايئ و خطايئ ثم قلبت الهمزه الاخيرة فی كل منهما الفا لتصرفها فی الجمع و الثانية كان اصلا الهمزة فقلبت ياء بعد الف فعايل.

كان ان يصرف[١] ، لان التنوين فيه عوض ، فجعله كقولك مررت بجوار[٢] فمنعه الانصراف على الاصل. قال الله عز و جل فى السماء المبينة ''والسموات مطويات بيمينه'' فلم تقع جمعها الا بالالف و التاء ، لان عدد هذه معروف. و اما السماء من المطر فكسائر مايجمع ففيها ما ذكرت لك من الجمع[٣].

و الذى قال فوق سبع سمايا جاء بها على النظائر و اصل التكسير و يقال لكل سقف سماء فاعلم. و سماوة كما قال سماوته الحمى مسرعب الى اعلاه ويقال ما سما بيتك فما كان من هذا فانت فى جمعه مخير.[٤] فاما قوله عز و جل ''السماء منفطر به'' قال الخليل : انما قيل منفطر و لم يقل منفطرة[٥] ، لانه اريد به السقف. كقوله دجاجة معضل ، و امرأة مرضع و طبية مشدق و اذا جاءت على الفعل لم يجز الامنفطرة كقوله منشقة على قولك انشقت. و كذلك منفطرة على قوله اذا السماء انفطرت. كما قال الله عز و جل : تذهل

١- يريد ان يقول ان من حق جوار ان يكون منصرفا بوجود التنوين ، لكنه عومل حسب الاصل فمنع من الانصراف.

٢- و تصغير السماء سمية فان قال قائل لم صغروها بالهاء وهى على اربعة أحرف و المؤنث اذا كان على اربعة احرف لم تدخل الهاء فى تصغيره كقولك عقرب و عقيرب. قيل له العلة فى هذا انهم لما صغروا حذفوا احدى اليا ات استثقالا لاجتماعهن فصار على ثلثة احرف فصغروه كما يصغرون ذوات الثلاثه اذ صار على ثلاثة احرف و اليآت اولهن ياء التصغير ثم الياء التى هى بدل من الالف ثم الياء التى هى لام الفعل فلما اجتمعت ثلاث يا آت حذفت احداهن فبقيت يا آن ثم الهوها الهاء لهذا المعنى. و الياء التى هى لام الفعل فى التصغير هى واو فى الاصل و انما انقلبت فى التصغيرياء (الانبارى ٩٥).

٣- ان الصرفيين فرقوا بين السماء المبنية فى الجمع فقالوا سموات و بين سماء المطر فقالوا فى جمعها اسمية و سمى و السماء اذا اريد به السقف فيكون مذكرا و اذا اريد بها المطر فتكون مؤنثة.

٤- بمعنى انك اذا اردت السقف فيكون سماء جمع سماوة او سماءة فيكون جمعا مذكر بمنزله قولهم سحابه و سحاب ، و سماء كل شيء اعلاه و كل ما علاك فهوسماء. و اذا اردت به المطر فيكون مؤنثا و يجمع على اسمية و اما اذا اردت السماء البنية فتكون مؤنثه و جمعها سموات. و بهذه الانواع الثلاثه وردت فى القرآن الكريم و فى النظم الفصيح.

٥- و قال الفراء يجوزان يكون ذكر منفطرا لان السماء لاعلامة للتانيث فيها. (الانبارى ٩٥).

كل مرضعة[١] كما ذكر الفعل جرى الاسم عليه[٢]. و قال غيره من النحويين : السماء هاهنا جمع سماوة[٣] كما تقول : فی صلاية و علاوة و هراوة صلا هراء.[٤] و احتجوا بقول الله عز و جل ثم استوى الى السماء فسواهن. و كلا القولين حسن جميل. و قول الخليل احب الى من غير وضع للاخر[٥]. و من المؤنث قولهم فيما فيه الف التانيث مقصورة او ممدودة : بهمى واحدة و بهمى للجميع و شكاعى واحدة و كذلك الجميع. و من هذا الباب قول سيبويه : قصيبا يافتى، و حلفاء و طرفاء، و العلة فی ذلک، انه فی الاصل من باب ثمرة و ثمر و نخلة و نخل ماليس بين جمعه و واحده الا الهاء ، فاما الواحد منه بعد الجمع كما ذكرنا. فلما كانت الف التانيث فی الجمع لم يجزان يدخل عليها الهاء ، لانه لايدخل تانيث على تأنيث فامتنعت لذلک. فاذا اردت ان تبين الواحد من الجمع قلت : قصبا واحدة و قصبا كثير و كذلک جميع ما ذكرنا و ما كان فی قياسه مما لم نذكره. و كان الاصمعی يقول : واحد الحلفا. حلفة و واحد الطرفا طرفة ، و واحد القصبا ، قصبة ، و الذی قاله غير ناقض لما قال سيبويه ، لانه انما اراد بهذا اسم الجنس ، و لم يرد جمعا كسر عليه الواحد. واعلم ان من الجمع ماليس تانيثه فی لفظه. و منه مايبنی

١- القرآن ٢٢ : ٢.

٢- ذلک الفعل هو ارضعت فبنی عليه مرضعة وان الحقته الهاء.

٣- الاسم المؤنث اذا كان على فعال مثل عناق جمع فی ادنى العدد على افعل كقولک عناق و اعنق. و السماء التی تظل الارض تؤنث و تذكر و قال الفراء التذكير قليل قال و كانه جمع سماوة و سماءة. قال الله جل ثناءه اسماء منفطربه و انشدنا ابوالعباس عن سلمة عن الفراء :

فلو رفع السماء اليه قوما لحقنا بالسماء مع السحاب

(الانباری ٩٥)

شذ هذا الحرف فی باب ممدود كماشذ فی باب المقصور اندية فی جمع الندى وارحية فی جمع رحا واقفية فی جمع قفا و الاختيار ان يقال فی جمع الرحا ارحاء و فی جمع القفا اقفاء و فی جمع الندى انداء. (الانباری ٩٥)

٤- و على قول النحويين ان سماء جمع و المفرد سماوة يجوز صلاية و صلاء و هراوة و هراء و على ذلک احتجوا بالاية على ان السماء جمع و لذا جاء الضمير ، هن ، جمعا.

٥- و قد رجح المؤلف رأی الخليل على ان السماء مفرد مع ان كلا الريين صحيحان.

٦- و الذوج يذكر و يؤنث يقال فلان زوج فلانة و فلانة زوج فلان قال الفراء هذا قول اهل الحجاز و اهل نجد يقولون فلانة زوجة فلان قال و هو اكثر من زوج. (الانباری ٩٧)

على التأنيث فى اللفظ الا ان كل جماعة مخبر عنها فلک ان تؤنثها على معنى و قد معنى بعض ذلک. تقول جاء تنی القوم ، و قامت الرجال ، و جاءت البغال. کما قال الله عز و جل : کذبت قبلهم نوم لوح.[1] فمماجاء فى الجمع مؤنثا بالها قولک غلمة و صبية و اجوبة و اقضرة و احمرة و کذلک اصفياء و اصدقاء و کرماء و طرفاء. فهذا قبيل و قد يكون الشى من هذا مؤنث اللفظ ان شئت وان شئت حذفت منه علامة التانيث و ذلک نحو صياقلة و صيارفة و مهالبة. تقول الصياقل و المهالب ، و کذلک جميع هذا. فان کانت الهاء عوضا لم يجز حذفها الا ان ترد ما عوضتها منه. و ذلک قولک حجاجة و بطارقة و فزازنة لان الاصل حجاجيج و بطاريق و فرازين لان الواحد حجاج و بطريق و فرزان و کان لحاق الهاء على غير تعويض ، قد بيناه فيما مضى. واعلم ان المؤنث التانيث الصحيح بالعلامة و السمة. فکل ماکان منه بالف التانيث مقصورة او ممدودة فهولا ينصرف فى معرفة و لانکرة. و ما کان بالهاء کثرت حروفه او قلت او بالبينة نحو عناق و عقرب فجميع ذلک لا ينصرف فى المعرفة و ينصرف فى النکرة الاما ذکرنا مما هو على ثلثه احرف اوسطها ساکن لا علامة فيه نحو قدر و شمس و حمل و دعد يجوز صرفه فى المعرفة و النکرة و ترک للصرف فى المعرفة اجود اذاکان اسما لمؤنث. فان کان اعجميا من هذا القبيل لم ينصرف فى المعرفة نحو جور و حمص و ماء و ما کان نحو ذلک. فان کان شيء من ذلک مذکر الاصل اوقعته على مؤنث نحو امرأة سميتها بزيد او عمرو فان اکثر النحويين و هم سيبويه و الخليل و من کان من قبيلهما و هو القول الفاشى : ان لا يصرفوا شيئا من ذلک فى المعرفة. واعلما ن جميع ذلک مؤنثا کان او اعجميا سميت به مذکرا فهو ينصرف نحو رجل سمية بهند او دعد او قدر او لوط او نوح او سقر. کل ذلک ينصرف الا ان تکون فيه علامة التانيث نحو : شاة و ثبة او يکون من باب فعل المعدول نحو عمر و قثم او يکون على مالم يسم فاعله نحو ضرب و قتل او يکون فى اوله زيادة نحو يرث و يصنع فان ذلک الذى استسنيناه غير منصرف فى المعرفة و منصرف فى النکره.

هذا باب اسماء السور و البلاد و القبائل

أما السور فاذا قصدت لها فى انفسها فهى مؤنثة[2] لانک تريد سورة بعينها و ذلک قولک : هذه هود يافتى اذا جعلت هودا اسما للسورة ، فانما هى بمنزلة امرأة سميتها زيدا

١- القرآن ٢٦ : ١٠٥

٢- و يقول الانبارى : اعلم ان اسماء السور کلها مؤنثة. تقول هذه يونس و هذه لقمان والاعراف و آل عمران اتقنتها. فاذا قلت هذه هود و نوح کان لک مذهبان ان شئت قلت هذه هود و نوح بالاجراء و ان شئت قلت هذه هود و نوح بلا اجراء فمن

او عمرا[١] و قد خبرتک ان المؤنث اذا سمی بمذکر ساکن الاوسط علی مثال الاسماء لم ینصرف عند الخلیل و سیبویه. و جملة النحویین الاعیسی بن عمر و من قال بقوله فانه یصرف امراءة سمیتها زیدا او عمرا. و کذلک تقول هذه نوح یاقی. فاذا جعلت نوحاً اسما للسورة لم تصرفها با جماع لان نوحاً اسم اعجمی فهو ینصرف اذا کان اسما بمذکر و ما کان مثله ولاینصرف اسما لمؤنث[٢] باجماع لانه تجتمع فیه العجمة و التانیث[٣]. و تقول: ان اردت اسم السورة هذه اقتربه ، تقطع الف الوصل و تقف علی الهاء ، لانک اخرجتها الی الاسماء. فان قلت : هذه هود ، و هذه نوح ، ترید هذه سورة نوح و هذه سورة هود صرفت لانک انما اردت الاضافة الی مذکر فحذفته[٤] کقوله : ''و اسأل القریة'' انما هو اهل القریة و بنو فلان یطوهم الطریق : ای اهل الطریق. و یدلک علی ما ذکرنا انک تقول : هذه الرحمن : ای سورة الرحمن[٥]. فعلی ما ذکرنا فاجرباب السور. واعلم انک اذا سمیت السور بجملة او حکیتها و حذفت المضاف ان الجملة تؤدی علی ماکانت. تقول قرأت السورة اقتربت الساعة، و قرأت سورة الحمدلله رب العالمین[٦]. و کذلک ان لم تذکر سورة. و لکن تقول : قرأت الحمدلله رب العالمین[٧]. و قرأت :

اجراها قال اردت هذه سورة نوح و سورة هود فحذفت السورة واقمت نوحا و هودا مقامهما و من لم یجرها قال هما اسمان للسورتین و هما مؤنثتان (الانباری ٧ ۱ ۱).

١- التحقیق ان الاسم المذکر اذا وضع علم للانثی فانه یمنع من الصرف لانه توجد فیه علتان : العلمیة و التانیث. و هذا کاف فی منع الاسم من الصرف.

٢- ان نوحا اذا جعل علم للسورة فیکون ممنوعا من الصرف للعلمیه و التانیث المعنوی. اما اذا جعل علم لمذکر فانه ینصرف ، لانه ثلاثی ساکن الاوسط. و هکذا کل اسم للمذکر جعل للمؤنث فانه یکون ممنوعا من الصرف کما ذکر المصنف.

٣- هذه کافیة فی منع الاسم من الصرف.

٤- و ذلک انک لم ترد ان لفظ هود او نوح علم السورة و انما اردت الاضافة فحذفت المضاف واقمت المضاف الیه مقامه.

٥- حیث ان لفظ 'الرحمن' مذکر. و الاشارة قبله لمؤنث و لم تکن الاشارة مقصوداً بها المؤنث لماصح المثال المذکور.

٦- ان اسم السورة مرکب من لفظ السورة و جملة اقتربت الساعة و کذلک الذی بعدها. و التفصیل تکون : السورة مبتدأ و جملة اقتربت الساعة خبر. و الجملة الاسمیة فی محل نصب علی الحکایة.

٧- فیکون مرفوعا علی الحکایة.

ألهاكم التكاثر[١]. فان جعلت شيئا من ذلک اسما قلت قرأت الحمد[٢] یافتی، و قرأت الناس[٣] یافتی. و قراءت قل اعوذ برب الناس حکایة علی ما کانت ، لانه شیء قد عمل بعضه فی بعض کما تقول : رأیت تابط شرا و رأیت برق نحره و اما القبائل فاعرابها علی هذا المنهاج الا ان لک ان تمنع الاسم علی القبیلة فیکون مؤنثا ، و ان تضعه علی الحی فیکون مذکرا. و یکون فیه الاضافة کالاضافة فی السورة ، و ذلک قولک : هذه تمیم بالتنوین اذا اردت قبیلة تمیم[٤] و هذه قیس. تصرف حینئذ تمیما و قیسا[٥]. فان جعلت تمیما و قیسا اسما للقبیلة نفسها ، کما قلت فی السورة قلت هذه تمیم (غیر مصروف) فاعلم ، و هذه تمیم بنت مر ، و قیس بنت عیلان ، و یصرف تمیما و قیسا اذا جعله اسما للقبیلة علی ماشوحت لک. و تقول هذه تغلب بنت[٦] وائل ، تجعل تغلب اسما للقبیلة تسمیها باسم ابیها. وتقول هذه باهلة[٧] علی ذلک، لانک لست تومی الی المرأة التی ولدتهم کما انک: اذا قلت هذا تمیم[٨]. فلست تومی الی ابیهم ، و انما ترید الحی.

١- فیکون هذه الجملة اسما للسورة و یکون مرفوعا علی الحکایه.

٢- الرفع علی الحکایة.

٣- النصب علی الترجمة عن موضع قل اعوذ برب الناس.

٤- اعلم ان اسماء القبائل مؤنثة کقولک هذه تمیم تشهد علیک و قد حضرتک هاشم.

٥- تمیم و قیس واسد. انت بالخیار فیها. ان شئت صرفتها علی انها اسماء معروفة مذکرة سمیت القبیلة بها فاجریتها حیث التذکیر. و ان شئت منعتها من الصرف للتعریف و التانیث.

٦- فمن ذکر ذهب الی معنی الحی ، و من انث ذهب الی معنی القبیلة ، و کذلک یقال فی قیس عیلان مثله. قال الشاعر.

اذا ماشددت الرأس منی بمشود فغیک منی تغلب ابنت وائل
(الانباری ١٤١)

فمن قال ابن ذهب الی معنی الحی و من قال بنت ذهب الی معنی القبیلة. قال الفراء : قیل لبعضهم ممن الرجل فقال من عبدالله بنت کعب فجعل عبدالله اسما للقبیلة و انشد الفراء :

و فیمن و لدوا عامر ذات الطول و العرض
فجعل عامرا اسما للقبیلة فانثه و لم یجره
(الانباری ١٤١)

٧- باهلة : اسم امرأة نجعل علم علی القبیلة.

٨- فتکون الاشارة واقعة علی الحی ولیست الی شخص بعینه.

العرب تجتنب مثل هذا لئلا يلتبس الحي بالرجل ولا القبيلة بالمرأة و لكن يقولون ذلک مطردا مستحسنا فی کل ما تبین فیه القول[1]. فیقولون هذه تمیم لان هذا لایلبس کما قال الشماخ.[2]

وجاءت سلیم قضها بقضیضها تنفض حولی بالبقیع سبالها

و کما قال امرو القیس[3] :

تمیم بن مر و اشیاعها و کندة حولی جمیعا صبر

و کذلک یقولون فیما وقعت سمته علی الجماعة[4] و لم تقل فیه بنو فلان و لکنه اسم للقبیلة او للحی قریش و ثقیف و سعد و قحطان والیمن اذا لم یرد البلدة ولا الاب و سیبویه مختار فی جمیع هذا التذکیر ولایستبعد فیه التانیث[5]. قال ابن الرقاع[6].

غلب المسامیح الولید سماحة وکفی قریش المعضلات و سادها

فجعل قریش اسما للقبیلة و انشد :

١- التحقيق : ان العرب حین یذکر اشارة الی الحی فلیس المراد بذلک الرجل الذی والد القبیلة. و حین تؤنث فیکون المراد القبیلة ولیس المراد المرأة التی ولدتهم. واصبح هذان الاستعمالان مشهورین فی کلام العرب.

٢- هذا الشاهد ذکره صاحب تاج العروس ٥ : ٧٨ هکذا :

اتتنی سلیم قضها بقضیضها تمسح حولی بالبقیع سبالها

و ذکره مرة اخری ٧ : ٣٦٧ هکذا :

وجاءت سلیم قضها بقضیضها تنشر حولی بالبقیع سابها

و هو فی کلا الروایتین منسوب الی الشماخ.

ویقال جاؤاقضهم بفتح الضاد و بضمها و فتح الکاف و کسرها بقضیضهم : ای باجمعهم. التاج ٥ : ٧٨.

٣- هذا الشاهد ذکره ابن قتیبة فی کتابه الشعر و الشعراء ٥٧ ، ٥٧٤. و الشاهد فیه : تمیم بن مر ، حیث ارادالشاعر القبیلة و قد انث لها الضمیر فی قوله و اشیاعها.

٤- یرید ان التانیث یکون مثبتاً اذا کان المراد : الجماعة المندرجه تحت اسم عام.

٥- اما التذکیر فعل ان المراد الحی ، و اما التانیث فعل انه یرید القبیلة.

٦- ذکر المؤلف فی کتابه الکامل ٢ : ٥١٤ ان جریراً ادخل الی الولید و ابن الرقاع عنده ینشده القصیدة التی یقول فیها :

غلب المسامیح الولید سماحة

و هذا الشاهد مذکور ایضا فی کتابه المقتضب ٣ : ٣٦٢.

و ایضا فی کتاب المذکر و المؤنث لابن القاسم الانباری ١٤٢.

علم القبائل من معد و غیرها ان الجواد محمد بن عطارد[۱]
هذا اخرخط ابی بکر و الصفار ابی علی.

و اعلم ان تاویل القبیلة[۲] انما هو القطعة من الحی و اصل ذلک قبائل الرأس و قبائل الجفنة و الصفحة و هی القطع المشعوب بعضها الی بعض و موصلها الذی به اخذ بعضها بعضاً تسمی الشوؤن واحد شأن. والشعوب واحدها شعب مذکر وهو فوق القبائل الما القبائل عنها. فتیمم شعب لانک تقول فی تمیم بنو دارم و بنو یربوع و بنو عمرو و بنو اسمعیل و ماتحت هذه الشعوب ماینضم علی قبائل متفرقة یقال له ایضا شعب قال ابن احمر.[۳]

من شعب همدان اوسعد[۴] العشیرة اوکهلان او مذحج حواله ذربا

فهی احیاء و شعوب و المعنی واحد الا ان الشعب لایکون الا للجملة کما خبرتک و الحی یکون للکثیر من الشعب و یکون للقلیل و ما بینها فاذا نزلت عن القبائل صرت الی الفصائل و هی الاحیاء القریبة ، فصیلة الرجل لایکون الا لما قرب الحدمنه تقول هاشم بن عبدمناف فصیلة لانک تقول محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب بن هاشم. و العشیرة تکون الفصیلة و الحی. قال الله عز و جل :

''و فصیلته التی تؤویه''[۵] ''و انذ رعشیرتک الاقربین''[۶] و کان لبنی هاشم و بنی المطلب بالحلف لان حلیف القوم منهم و هم اخوتهم ، و لیس ذلک لسائر اخوتهم لان هؤلاء اتو بالحلف. قال روبة[۷].

و الناس ان فصلتهم فصائلا کل الینا یبتغی الوسائلا

۱- هذا الشاهد ذکره المؤلف فی کتابه الکامل ۱ : ۷٤، و ذکره سیبویه فی کتابه ۳ : ۲۵۰.

۲- حکی ابو عبیدة عن ابن الکلبی عن ابیه : الشعب اکبر من القبیلة ثم الفصیلة ثم العمارة ثم البطن ثم الفخذ (التاج ۱ : ۳۱۸).

۳- هو عمرو بن احمر بن فراص بن معن بن اعصر و عمر تسعین سنة ، و سقی بطنه فمات.الشعر و الشعراء ۱ : ۲۷۳ ، الخزانة ۳ : ۳۸

٤- بنو سعد العشیرة حی من کهلان من القحطاینة و هم بنو سعد العشیره ابن مالک و مذحج هو ابن ادد بن زید بن یشجب بن عریب بن زید بن کهلان و همدان بطن من کهلان من القحطالیه نهایة الارب ۲۹۰ ، ٤۳۸

۵- القرآن ، ۷۰ : ۱۳

٦- القرآن ، ۲٦ : ۲۱٤

۷- هذا الشاهد ذکره المبرد فی کتابه الکامل ۱ : ۵۲٦.

و انما ذکرنا ما ذکرنا و انلم یکن کتاب نسب لیعلم ما یذکر و یؤنث و ما یجتمع فیه الامران و مایختار فیه احدها کذکرنا الحی و العشیرة و الشعب و القبیلة و باللہ التوفیق. واعلم ان الاماکن فیها امران لک ان تناول فیها ای الامرین شئت من قولک بلدة و بلد و بقعة و مکان و ناحیة وصقع. انشد سیبویه[1] :

هل تعرف الداریعفیها المور   و الدجن یوما و السحاب المهمور

لکل ریح ذیل مسفور

فرد الی المعنی یرید المکان

و فی کتاب اللہ عز و جل : ''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها'' انما اوقع عشرا علی حسنات امثالها و ''کذلک اثنتی عشرة اسباطا'' انما لان السبط جماعة کقول ابن ابی ربیعه :

فکان مجنی دون من کنت اتقی   ثلاث شخوص کاعبان و معصر

و قد مضی هذا.

تم المذکر و المؤنث.

الحمدللہ و منه ، و صلواة علی نبیه محمد و آله وسلم.

۱- الکتاب ۱ : ۲۶۱ و قد نسبه لبعض السعدیین و معنی الهمر : الصب. و قیل الهمر صب الدمع والمطر. (اللسان ۵ : ۲۶۰)

مطبوعات ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

۱- اصطلاحات معاشیات	۱۰/-
۲- اصطلاحات نفسیات	۱۰/-
۳- اصطلاحات اطلاقی نفسیات	۱۰/-
۴- اضافیت کا نظریہ خصوصی ، از جناب خالد لطیف میر	۱۶/-
۵- سوئی گیس اور اس کا مصرف ، از ڈاکٹر محمد نذیر رومانی	۱۵/-
۶- ہم ربطی کیمیا ، از ڈاکٹر محمد ظفر اقبال ، ڈاکٹر نصیر احمد	۱۰/-
۷- فولاد سازی ، از ڈاکٹر فضل کریم و آئی ایچ خان	۱۸/-
۸- نظریہ گروپ ، از جناب عبدالمجید	۱۴/-
۹- تسونت مادے ، از ڈاکٹر ایم - اے عظیم	۳/۵۰
۱۰- جبذ ، از ڈاکٹر ایم - اے عظیم	۳/۵۰
۱۱- ایٹم کی ساخت ، از ڈاکٹر شفیق حسین	۱۲/-
۱۲- شماریاتی میکانیات ، از ڈاکٹر عبدالبصیر پال	۱۰/-
۱۳- مرکزائی کیمیا ، از ڈاکٹر ظفر اقبال	۱۵/-
۱۴- فونڈری ٹیکنالوجی ، از ڈاکٹر فضل کریم	۴۵/-
۱۵- مرکزائی اشعاع اور زراعت میں ان کی اہمیت ، از ڈاکٹر احمد سعید بھٹی	۱۰/-
۱۶- تجاذب اور سیاروی حرکت ، از ڈاکٹر عبدالبصیر پال	۱۲/-
۱۷- صنعتی معاشریات ، از پروفیسر ڈاکٹر سی اے قادر	۱۰/-
۱۸- قاموس نباتیات ، از جناب وہاب اختر عزیز	۱۵/-
۱۹- علم افزائش آبادی کے تکنیکی پیمانے ، از جناب مظہر حسین	۱۲/-
۲۰- کیمیائی بند و ساخت ، از ڈاکٹر محمد ظفر اقبال	۱۴/-
۲۱- ویکٹر اور ٹینسر ، از جناب خالد لطیف میر	۲۵/-
۲۲- پاکستان کی معدنی دولت ، از جناب ذوالفقار احمد	۲۲/-
۲۳- دھاتیں اور ان کے استعمالات ، از ڈاکٹر فضل کریم	۴۵/-

ملنے کا پتہ :

سیلز ڈپو ، پنجاب یونیورسٹی ، اولڈ کیمپس ، لاہور

impossible as the complete similarity of human emotion. A single word yes or بلی may convey an entirely different feeling if the pitch is changed. بلی spoken with a feeling of triumph will be different from بلی spoken in a state of disappointment or in response to an order.

However, the main features of Persian intonation may be described as under :

1 Definite statements have a fall at the end, e.g.

دیروز رقم خرید

2 Interrogative sentences have a rise at the end, e.g.

ساعت چند است ؟

3 Commands have a fall at the end, e.g.

برو منزل

4 In joy or surprise there is a rise at the end, e.g.

چه منظره ی زیبای !

5 In sorrow and despondency there is a fall at the end, e.g.

حیف او بر من پیروز شد

6 Insistence ends in a rise, e.g.

حتماً این کار را میکنم

In certain phrases dissatisfaction with the ordinary means of expression may lead to immense variation. Such phrases as جانم کجایید 'janam' may become a tune when uttered with fervour and passion.

It follows from the above that there are no hard and fast rules that would govern intonation. A standardized intonation would mean a standardized human soul.

Verb	:	'Darguzasht (he or she died)
Noun	:	Dar'guzasht (death)
Verb	:	Dar'amad (came out, appeared)
Noun	:	Dar'amad (income)

Pronouns

Personal Pronouns

If a personal pronoun has more than one syllable stress will be on the last syllable, e.g.

شما : Shu'ma

ایشان : Ish'an

Intonation

The vibration of vocal chords produces different sounds in the same way as the vibration of a musical instrument produces different notes. The pitch of the sounds produced with the vocal chords varies due to the intermingling of the voiced and voiceless sounds and the use of different syllables. This rise and fall of sounds tends to produce a specific harmony which is known as intonation. For its quality of high and low "notes" intonation has been regarded as the music of speech.[1]

Every language has its own intonation. But inspite of a general similarity of intonation, the language is not spoken in a rigidly uniform manner.

The intonation of a language is essentially a mirror of the feelings and emotions of the people who speak it, and the varying tones of feeling must necessarily bring about a corresponding change in intonation. Thus the intonation of words uttered in a joyous mood must be different from that of words spoken in a sad or sullen moment. The language of affirmation and interrogation must have an intonation different from the language of surprise or frustration. The intonation of words spoken in a state of poise and confidence must differ from that of the words uttered in excitement and uncertainty. The complete similarity of intonation, therefore, is as

1 Ripman : *English Phonetics and Specimens of English*, p. 8.

syllable of the Short Infinite, e.g.

خواهد شنید : Khwa'had Sha'nid

Imperative

If the imperative is used without the ب of the imperative (بای امر) the stress is on the last syllable. If it has the ب of the imperative, as it generally has, stress is on ب, e.g.

شنو : Shi'nau

گسل : Gu'sil

بشنو : 'Bishnau

بگسل : 'Bigusil

Generally, the imperatives are monosyllabic. If the first letter of the imperative is followed by the vowel O, the vowel following the prefix ب may also change into O, e.g.

گذار : Gu'zar

بگذار : 'Bugzar

Negative Imperative

Stress is on the م or ن of the Negative.

مزن : 'Mazan

نرو : 'Narau [1]

Negative

As in the above, the stress is on ن ; in this case called the letter of the negative (حرف نہی), e.g.

نرفت : 'Naraft

نگفت : 'Naguft

Note.—Whenever a verb is preceded by a prefix, the stress is always on the latter. In some cases stress is the sole criterion between a noun and a verb and a shift in the strcss leads to a change of meaning, e.g.

---

1 In modern colloquial the tendency is to use ن instead of م in the case of the Negative Imperative.

Verbs

Preterite

With the exception of the 3rd person singular stress is on the last but one syllable, e.g.

شنیدند : Sha'nidand

رفتیم : 'Raftim

In the 3rd person singular stress is on the last syllable, e.g.

شنید : Sha'nid

If the ب of decoration (بای زینت) precedes the preterite, the stress is on ب, e.g.

برفت : 'Beraft

Past Imperfect

Stress is on the prefix می, e.g.

میرفتند : 'Mlraft and

Present Perfect

Stress is on the last syllable of the Past Participle, e.g,

رفته است : Raf'teh ast[1]

Plueperfect

As in the Present Perfect, stress is on the last syllable of the Past Participle, e.g.

آمده بود : Ama'deh bud

Present

Stress is on the prefix می, e.g.

میبینید : 'Mibinid

میروید : 'Miravid

Future

There is stress on the last syllable of خواهد and also on the last

---

1 In colloquial Persian the Pretirite and the Present Perfect will sound alike. Only the change of stress will determine the position, e.g. Preterite : دیدم : 'Didam Present Perfect دیده ام : Di'dam.

iii **In case of *izafeh* a new syllable is added through 'zir'. But the stress does not change its position, e.g.**

پادشاه : **Pad'shah**

پادشاه ایران : **Pad'shah-i-Iran**

Adjective

Stress is always on the last syllable, e.g.

نیکو : Ni'ku

زیبا : Zi'ba

Adverb

Stress is on the last syllable, e.g.

ابدآ : Aba'dan (usually **pronounced as** abada)

متاسفانه : Mutassifa'neh

Whatever the number of syllables stress is on the last syllable, e.g.

جوانمرد : Ja/wan/'mard (adjective)

جوانمردی : Ja/wan/mar/'di (noun)

جوانمردانه : Ja/wan/mar/da/'neh (adverb)

نا جوانمردانه : Na/ja/wan/mar/da/'neh (adverb)

Invariables

These include conjunstions, interrogatives and the sign of *izafeh*. Stress is generally on the first syllable, e.g.

مگر : 'magar

شاید : 'Shayad

اما : 'Amma

لیکن : 'Likan

If interrogatives are not monosyllables, stress is on the last syllable, e.g.

کجا : **Ku'ja**

کدام : **Ku'dam**

Syllables

Sound may be regarded as the smallest unit in speech. A wo contains more than one sounds. It may have one or more than o syllables. In other words it may be a monosyllable or a multi-syl able. من, which consists of two consonants and a vowel, is a mon syllable. شما, on the other hand, comprises of two syllables, i. e. ش ـُـ and م + ا . In Persian language there are both monosyllabl and multi-syllables.[1]

Stress

The syllables of a word do not receive equal stress. One syllab may be pronounced with greater force of breath on stress than other

The position of stress varies in Persian words. There is only o stress in a word, whether it is a monosyllable or otherwise. This employed with almost scientific precision with regard to vario parts of speech as shown under :

Noun

Stress is on the last syllable, e.g.

حسن : Ha'san
دانشگاه : Danish'gah
گوینده : Guyan'deh

Exceptions :

i In vocative noun stress will be on the last but one syllabl e.g.

حسن : 'Hasan
پسر : 'Pisar

ii ی of unity (یای وحدت)

In case of addition of ی of unity to a noun stress is on the la but one syllable, e.g.

روزی : 'Ruzi (One day)[2]

---

1 Syllable, Like vowels and consonants, was not unknown to Abu Ali Sina a Nasiru'd-Din Tusi who described it as Muqatta'.

2 The correct use of stress determines the meaning of a word. If the stress is the last syllable in the above case the meaning will change, to wit : Ruz sustenance.

like کیف and کم.

گ Like ک it has two pronunciations. The variation in the two pronunciations is exactly on the ک pattern, i. e. before the back vowels a, o and u it is not palatized and sounds like the English 'g' in gown, but in all other positions it sounds, as if it were, 'gy'. In some English words like 'geeze' and 'geezer' g is slightly palatized, but in Persian, as in the case of ک ، گ is strongly palatal. گ is not palatized in گاو ، گفتم and گوشت ; it is palatized in :

(i) ²میگم ، میگه ، میگید
(ii) رگ ، سگ
(iii) گفت ، گرم and
(iv) قشنگ and نشنگ

ق It respresent two sounds. The first is a voiced uvular stop and completely stops the breath like ب ، پ ، ت etc. The second is a voiced fricative.

The first occurs :

(i) When a word begins with ق as in قسم ، قبیله ، قدر.
(ii) When ق occurs double as in رقاص.
(iii) When ق occurs in the middle of a word and is preceded by the bi-lateral nasal م and the bi-lateral stop ب as in مقدار and بقایا .

The second occurs :

(i) When ق takes its position in the middle as in چقدر .
(ii) When ق occurs between vowels as in آقا and رفقا .

At the end of a word ق may sound as a stop or as a fricative. These variations may be noted in such words as رفیق and شرق .

In some Persian dialects the stop and fricative varieties of ق are two different sounds, For example in Tehrani Persian قاضی and غازی sound alike, while in Afghan and Tajik Persian and in the Kirmani dialect the two sounds are distinctly different from one another.

---

2 These are the colloquial forms of میگویم ، میگوید and میگویید .

غ may be voiced or voiceless. It is prone to be voiced when pronounced between two back vowels.

There are certain consonants in Persian which do not belong to the Indo-Aryan group of languages. These letters which were incorporated into Persian under Arabic influence are as follows :

ح ، ص ، ض ، ط ، ظ ، ع ، ق

The Iranis have not adopted these sounds in their orginal, and the organ and manner of their articulation is the same as those of the Persian sounds noted below against them, because these are the nearest consonant sounds in Persian.

Arabic	Persian
ح	ه
ص	س
ض ، ظ	ز
ط	ت
ق	غ
ع	ا

Certain Persian consonants require more intimate study, to wit :

ک It has two pronunciations. It stands for one sound before the vowels a, o, u, which are made in the back of the mouth, and for another sound elsewhere. Before the vowels mentioned above it sounds very much like the English k in 'kayak', e. g. کجا ، کار and کوه Before (i) the vowels ī, e and a, (ii) at the end of a syllable (iii) before another consonant and (iv) at the end of a word it has a palatal sound e.g.

(i) کی ، کتاب ، کم

(ii) شک ، یک

(iii) بکتر

(iv) باریک ، عک

"In English words like 'key' and ,keel' k is slightly palatal but Persian palatization is much stronger.[1]

In some regions palatal ک verges on چ as for example in words

1 Hodge, Carleton T, and Associates : *Spoken Iranian*, Washington, 1960, p. 2.0.

and then sudden removal of the barrier after a pause, producing a short explosion.[1]

Examples : ب ، پ ، ت ، د ، ع ، ک ، گ ، ء

2 Fricative (صفیری ، سائیشی)

Formed by the air passing through a narrow passage at some point with a hissing sound.

Examples : ح ، ذ ، ر ، ز ، ژ ، س ، ش ، و ، ه

3 Nasal (خیشومی یا غنه)

Formed by closing the mouth, but allowing the air a free passage through the nose—the soft palate in this case keeping hanging down loose.

Examples : ن ، م

4 Lateral (کناری)

Formed by the tongue touching the middle of the mouth and putting an obstacle while the breath escapes at the sides.

Example : ل

5 Plosive-fricative (انسدادی و سایشی)

These include consonants which possess the characteristics of both plosives and fricatives. In their case the stoppage of air is not complete and the removal of barrier is not sudden. In the latter the tongue produces friction by touching the palate.

Examples : ج ، چ

It has been noted that consonants in Persian sounds may be voiced or voiceless.

The following are the voiced consonants :

ب ، ج ، د ، ذ ، ر ، ز ، ژ ، ل ، م ، ن ، و

And the following are the voiceless consonants :

پ ، ت ، ث ، چ ، خ ، س ، ش ، ف ، ک

---

1 The breath may be released with such considerable force opposite that we have the impression of 'h' sound after the stop. The stop and the 'h' sound together form what is known as aspirate. Examples : پ ، ت ، ک

These may be further divided into the following :

(a) Bi-labial sounds produced by the meeting of the two lips which stop the flow of the breath.

Examples : ب ، پ ، م

(b) Labi-dental sounds produced when the lower lip meets the upper teeth.

Examples : ف and و

2 Dental (دندانی)

Sounds produced when the tip or the blade of the tongue meets the upper teeth or gums.

Examples : ت ، د

3 Alveolar (لثوی)

Sounds produced when the tip of the tongue meets the back of the upper teeth.

Examples : ت ، ذ ، ر ، ژ ، ل ، ن

4 Palatal (کامی)

Sounds produced when the front of the tongue meets the velum or the soft palate.

Examples : ک ، گ

5 Velar (ملاذی)

Sounds produced when the back of the tongue meets the velum or the soft palate.

Examples : خ ، غ

6 Glottal (حلقی)

Sounds produced in the glottis.

Examples ہ ، ح and in certain cases ع ، especially when the latter is preceded and followed by vowels.

According to the second classification Persian consants may be divided into the following five main groups :

1 Plosives or stops (انسدادی)

Formed by complete stoppage of air at some point in the mouth

has described it as واو مجهول.[1]

This ' majhul' sound is extinct in contemporary Persian. The Kurds in Iran, however, still use this vowel.

(ی) The long vowel ī is indicated by ی as in دیروز - پیروز - ماتی - the 'majhul' ی (ē) does not exist in present-day Persian, though it ناهید. Like the 'majhul' و had been bequeathed to classical Persian by the ancient Iranian phonology. In the following couplet of Sadi the majhul ی has rhymed with alif-i-Imaleh :

متّا بلند و موزون حرکات دلفریبت　　　متوجه است باما سخنان با عتیبت

This sound survives today in a few Iranian dialects like Kurdi and Luri.

Diphthongs

Diphthong means two sounds. In fact a diphthong consists of a series of sounds which result when the tongue moves from one point to another. The first and last sounds are more easily noticed by the ear and are used to designate the diphthong.

There are two diphthongs in Persian. In the first the two noticeable sounds are o and u ; and in the second these are e and i. The first is indicated by و in such words as نو ، رو (go), جوشن ، روشن etc. It reads like the English sound 'au'.

The second is indicated by ی in such words as می (wine) دی (the tenth month of the Persian calendar), کی (king , when) etc. It reads like the English sound 'ei' in the words mentioned above.

Consonants

Consonants may be classified in two ways, i.e. according to the organs which have been used in producing them, and according to the manner in which the organs have produced them.

According to the first classification Persian consonants may be divided into the following six main groups :

1 Labial (لبی)

---

1 Parviz Natil Khanlari : *Tahqiq-i-Intiqadi dar Aruz-i- Farsi*, Tehran, 1327 A. H. (s), p. 61.

The following illustrations will elucidate the sounds represented by individual vowels.

Short Vowels

e — It approximate to e in the English word 'bed'. It is present in. کشت ، کتاب ، گل ، دل

a — It is intermediate between the vowels in the English words 'bed' and 'bad'. It is present in. دست، چشم، سر

o — It is more rounded than the vowel in the English word 'book'. It is present in. در ، پل ، گل [1]

Short vowels are slightly prolonged when they are followed by a group of two consonants in the same syllable, e.g.

e (ـِ) in خشت and سفت
a (ـَ) in رفت and دشت
o (ـُ) in مشت and تست

Long Vowels

ā (ا) : In the beginning of a word ā is indicated by آ as in آفتاب, آتش, in the middle or at the end of a word by ا as in کتاب ، توانا ، آشنا etc. ا, however, also substitutes ء[2], as e.g. in اسپ ، اشاره and اصول. When followed by ن ، ا produces ā which is dark and resembles the the vowel in the English word 'all'.

ū (و) : The letter indicates not only the long vowel ū as in زور ، دور ، سوداپه ، but is also a consonant in such words as آوردن ، ورزش ، وگرنه, and a diphthong as in کوکب and خسرو.

ū (و) : In classical Persian و also indicated the vowel ō which existed in the Old and Middle groups of Iranian languages and survived in the pre-Mongol era of Persian language. Nasirud-Did Tusi

---

1 O is indicated by Pish (ـُ) as a rule, but there are a few exception in which it is represented by و , e. g. in دو (two). تو (you) and چو (contracted and poetic form of چون)

2 The difference between the two is :

"همزه قبول حرکت کند و الف همیشه ساکن باشد"

Ustadan-i-Danishgah-i-Tehran, *Dastur-i-Zaban-i-Farsi,* Tehran, 1332 A. H.(s), p. 5.

vowels ; those in which the breath is sustained are called long vowels.

Persian Vowels

In Persian there are six cardinal vowels, viz.

i, e, a, *a*, o, u,

The characteristics of these vowels are as follows :

(1) i. Front, closed, spread, long.
(2) e. Front (behind i), half-close,[1] spread, short.
(3) a. Front (behind e), half-open, spread, short.
(4) *a*. Back, Open, round, long.
(5) o. Back (behind *a*), open, round, short.
(6) u. Back (behind o), close, round, long.

In a few words like پانزده and شانزده, where ā is followed by n, a nasalized vowel also exists which is intermediate between ā and o. This is an old sound dating back to the Avestan era. A special letter was introduced for it in the Avestan script invented during the Sasanian period. This sound could not be preserved in the Modern Persian alphabet which was borrowed from Arabic. However, it survived in certain parts of Khurasan till the 8th/14th century.[2]

The three short vowels are indicated in Persian as under :

Vowel	Indication	
e	Zir or kasreh	(ـِ)
a	Zabar or fatheh	(ـَ)
o	Pish or zammeh	(ـُ)[3]

Long vowels are indicated by the following letters :

ī	ی
ā	ا , آ
ū	و

1 Half-close and half-open vowels are produced when the position of the tongue is neither raised, nor flat, but intermediate.

2 Muhammad Taqi Bahar : *Sabk Shinasi*, Tehran, 1321, A. H. (s) Vol. 1, p. 189.

3 Great confusion is caused in reading Persian by Urdu-speaking people, because these signs are also employed in Urdu to indicate short vowels. But in Urdu they represent entirely different sounds ; Zir stands for i, Zabar for a and Pish for u. This is one of the major causes of faulty pronunciation of Persian speech-sounds amongst Pakistanis and Indians.

A vowal is a voiced sound in normal speech.[1]
A consonant may be voiced or unvoiced.[2]
Some sounds are more sonorous than others.

Vowels have greater sonority that consonants.
Prof. Daniel Jones looks upon the relative sonority of sounds as the basis of distinction between vowels and consonants.[3]

Open vowels are more sonorous than closed vowels.

Among consonants, the nasal ones have greater carrying power than other consonants.

Classification of Vowels

The body of the vowel is derived from the voice produced by the vibration of the vocal chords. The features that distinguish one vowel from another are determined by the shape of the passage through which the breath passes.

There is a very large number of vowels as the shape of the passage is liable to a large variety of changes. Daniel Jones puts them at fifty exclusive of the nasal vowels.[4] The tongue and the lips play most important part in producing these variations.

Vowels obtained with the raising of the front of the tongue are called front vowels ; those produced with the raising of the back of the tongue are known as back vowels.

Vowels produced with the tongue at the lowest possible position are called open vowels. In this case sufficient space is provided between the tongue and the palate.

Vowels produced with lips drawn together with a round opening called round vowels. Vowels produced with lips prominently spread are out with a narrow opening between them are called spread vowels.

Vowels which are produced with a short pause are called short

---

1 Whispered speech is not normal, because in such speech voice is substituted by 'whisper', and there is audible friction in every sound.

2 "A sound is not wholly voiced or voiceless ; it may be devoiced in part." Ripman, W, *English Phonetics and Specimens of English*, London, p. 21.

3 *An Outline of English Phonetics*, Cambridge, 1950, p. 6.

4 . Ibid, p. 29.

*Dr. A. S. Ahsan**

Persian Phonetics

Before discussing Persian phonetics it will be worthwhile to make a reference to speech-sounds in general.

The speech-sounds are mainly divided into vowels, and consonants.[1]

A vowel may be defined as a sound in which the air freely passes through the mouth or simultaneously through the mouth and the nose without causing any audible friction. When the breath passes through the mouth an oral vowal is produced : when it passes through the mouth and the nose at one and the same time a nasal vowal is produced.

A consonant may be defined as a sound for which the air coming from the lungs meets a hindrance somewhere in the mouth. It may either stop completely or may have to pass through a narrow passage before it bursts out through the stoppage in the mouth or passes out through the nose ; or instead of a complete stoppage the breath, may continue to pass through a narrow passage in the mouth.

Sounds may also be classified into the voiced and the unvoiced. When produced with vibration of vocal chords they are voiced ; when produced without such a vibration they are unvoiced.

---

*Professor Emeritus, Punjab University Lahore.

1 This classification of sounds was not unknown to early Iranian savants. Two of the greatest scholars of Classical Persia, viz. the physian-philosopher Abu 'Ali Sina (370-428/980-1037) and the astronomer-philosopher Nasiru'd-Din Tusi (597-672/1201-1274) have discussed them in some detail ; the former in his *Shifa* (Chapter on Logic - the Art of Poetry), and the latter in his *Mi 'yarul' - 'Ash'ar*. (Tehran ed. pp 11-12). Ibn-i-Sina's discussion is the oldest on the subject in Iranian literature. He has used the terms مصوت and صامت for the first time, which correspond to the modern terms vowel and consonant. That is why they are now used in this sense in Persian discourses on phonetics. This classification by Ibn-i-Sina is based on the principles of the old science of Cadence (علم ایقاع).

Quarterly

RESEARCH JOURNAL

FACULTY OF ISLAMIC & ORIENTAL LEARNING

UNIVERSITY OF THE PUNJAB, LAHORE

(PAKISTAN)

کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ

پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

(پاکستان)

مجلۂ تحقیق

مدیر :

ڈاکٹر وحید قریشی

جلد : ۲

شمارۂ خاص : ۳-۴

ناشر : گلزار احمد

طابع : مرزا نصیر بیگ

مطبع : جدید اردو ٹائپ پریس، ۳۹- چیمبرلین روڈ لاہور

مقام اشاعت : فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اوریئنٹل لرننگ، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

فون : ۶۷۵۶۰

چندہ سالانہ : ۴۰ روپے

قیمت فی شمارہ : روپے

قیمت شمارۂ خاص ۳، ۴ :

ترتیب

اداریہ

مجلۂ تحقیق کا یہ دوسرا خصوصی شمارہ ۱۹۷۸-۱۹۷۹ء کے مالی سال کا آخری پرچہ ہے۔ ڈیکلریشن میں تاخیر کے سبب خصوصی شمارہ (۱، ۲) اور شمارہ خاص (۳، ۴) کسی قدر دیر سے قاری کی خدمت میں پیش ہو رہے ہیں جس کے لیے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں۔ اس خاص نمبر کی اشاعت سے جلد اول مکمل ہو گئی ہے۔ نئے مالی سال میں انشاء اللہ دوسری جلد کا آغاز ہوگا اور ہر سہ ماہی میں باقاعدگی سے جریدہ شائع ہوا کرے گا۔

پہلے شمارے کے اداریے میں عرض کیا جا چکا ہے کہ اس تحقیقی مجلے کے مقالات میں بیان شدہ مواد کی عمومی ذمہ داری مقالہ نگاروں پر ہے۔ اس لیے کسی مقالہ نگار کی رائے پنجاب یونیورسٹی یا اورینٹل فیکلٹی کی رائے تصور نہ کی جائے۔ مقالات کی اشاعت کے وقت اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ کوئی عبارت پاکستان یا اسلام کے منافی شائع نہ ہو۔ آئندہ کے لیے یہ بھی فیصلہ کیا گیا ہے کہ دنیا کے دوسرے ممالک کے تحقیقی جراید کی پیروی میں ہم بھی آئندہ اشاعت سے ہر مقالے کے بارے میں پہلے ماہرین موضوع سے رائے بھی حاصل کیا کریں گے۔ علاوہ ازیں جلد دوم سے مجلے کی مجلس مشاورت بھی قائم کر دی گئی ہے جو صدر شعبہ اردو، صدر شعبہ فارسی، صدر شعبہ عربی، صدر شعبہ اسلامیات اور صدر شعبہ پنجابی پر مشتمل ہوگی۔ مجلس مشاورت میں مزید توسیع بھی زیر غور ہے۔

مدیر

ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار

پنجاب کا سیاسی، تہذیبی اور ثقافتی ماحول
(عہد اسلامی میں)

سر زمین پنجاب کا نام (پنج+آب) اور اس خطے میں آردو (ہندوی) کا آغاز اسلامی عہد سے وابستہ ہے۔ پنجاب کے سیاسی جغرافیے میں مختلف تاریخی ادوار میں تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے لیکن اس کا طبیعی محل وقوع دریائے سندھ (اٹک) سے دریائے جمنا کا درمیانی علاقہ ہے جو شمال میں کشمیر اور شمال مشرق میں شوالک کی پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اور یہ پہاڑی سلسلے کوہ ہمالیہ سے پیوست ہیں۔ ان پہاڑیوں سے اتر کر پنجاب کا میدانی علاقہ شروع ہو جاتا ہے جسے پانچ دریا جہلم، چناب، راوی، بیاس، ستلج سیراب کرتے ہیں۔ ان دریاؤں کے منابع کوہ ہمالیہ میں ہیں اور پنج ند کے مقام پر یہ سب دریا مل کر آگے دریائے سندھ میں شامل ہو جاتے ہیں اور یہیں سے پنجاب کی جنوب مغربی حد ختم ہو جاتی ہے۔ جنوب میں راجستھان (بیکانیر، جیسلمیر، راجپوتانہ) کا صحرائی علاقہ ہے۔ پنجاب کا یہ زرخیز و شاداب میدانی علاقہ صدیوں سے مختلف تہذیبوں کا گہوارہ بنا رہا ہے۔ ازمنۂ قدیم کی تہذیب کے آثار جو کھدائی کے بعد ملے، ہڑپہ سے موہنجوڈارو تک پھیلے ہوئے ہیں۔ آریاؤں کی آمد کے بعد جو نیا تہذیبی منظر وجود میں آیا اس کے قدیم آثار ٹیکسلا میں ملتے ہیں۔ سنہ ایک ہزار عیسوی کے اختتام پر ان علاقوں میں اسلامی تہذیب کا عمل دخل شروع ہوا، اور یہی تہذیب پرانے آثار کو اپنے اندر جذب کر کے ایک زندہ تہذیب کے طور پر اس خطۂ مینو سواد میں گزشتہ ایک ہزار سال سے جاری و ساری ہے۔

برصغیر پاک و ہند سے مسلمانوں کا تعلق ان عرب تاجروں کی بدولت اسلام کے ظہور ہی سے قائم ہوگیا تھا جن کی بادبانی کشتیاں ساحل عرب سے سواحل ہند و چین تک شب و روز [illegible] کرتی تھیں اور ان کے ذریعے مال تجارت ہی کا لین دین نہیں [illegible] [illegible]یب و تمدن کی آمدورفت کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ۷۱۲ء میں محمد بن قاسمؒ نے باب الاسلام دیبل کو فتح کر کے شمال کی طرف پیش قدمی کی اور دو سال کے عرصے میں ملتان تک فتح کے جھنڈے گاڑ دیے۔ یہ کامیاب مہم جس کا

* ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ اردو پنجاب یونیورسٹی۔

آغاز تادیبی کارروائی کے طور پر ہوا تھا ، یہیں پہنچ کر رک گئی ۔ اسلامی فتوحات اس زمانے میں وسط ایشیا ، شمالی افریقہ اور ہسپانیہ کو اپنی آغوش میں لے چکی تھیں اور ان وسیع و عریض علاقوں میں نظم و نسق قائم کرنا ، مزید فتوحات سے زیادہ اہم اور ضروری تھا ورنہ برصغیر کے حالات عربوں کی فاتحانہ یلغار کے لیے بڑے سازگار تھے ۔ کیونکہ مہاراجہ ہرش کی وفات (۶۴۷ء) کے بعد یہاں صدیوں تک انتشار کا عالم رہا اور چھوٹی چھوٹی راجپوت ریاستیں باہمی رزم آرائیوں میں مبتلا رہیں ۔ ان حالات میں عرب فاتحین کی یلغار کا عمل جاری رہتا تو اس ملک کی تاریخ کا رخ شاید کچھ اور ہوتا ۔ بہرکیف پنجاب کے شاداب میدان آئندہ تین صدیوں تک اسلامی تہذیب کے اثرات سے محروم ، تاریکی کے پردے میں مستور رہے ۔ سندھ کے مفتوحہ علاقے بنو امیہ اور بنو عباس کے دور خلافت میں کچھ عرصہ تک تو مرکز کے زیر اختیار رہے ۔ جب مرکز کی گرفت ڈھیلی پڑی تو منصورہ اور ملتان میں خود مختار امارتیں قائم ہوگئیں اور اسماعیلی فرقے نے یہاں اپنا تسلط جما لیا ۔ اس منظر میں شمال مغرب سے درۂ خیبر کے راستے ان ترکمانوں اور افغانوں کے قدم پنجاب کی طرف بڑھے جو گزشتہ دو تین سو سال کے عرصے میں اسلام قبول کر کے اسلامی تہذیب کے پرجوش نمائندے بن چکے تھے ۔ یہاں سے برصغیر میں اسلامی تہذیب کے اثر و نفوذ کا نیا باب کھل گیا ۔

دسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں لاہور اور کابل کے علاقوں پر راجہ جیپال حکمران تھا ۔ سلطنت غزنی کی سرحدیں اس کے علاقوں سے ملتی تھیں ۔ جیپال نے حفظ ماتقدم کے طور پر چڑھائی کی ۔ لمغان کے قریب ۹۸۶ء میں معرکہ آرائی ہوئی ۔ جیپال شکست کھا کر صلح کا خواستگار ہوا ۔ معاہدے کے مطابق راجہ نے امیر سبکتگین کو تاوان جنگ اور خراج دینا قبول کیا جسے وصول کرنے کے لیے سلطان کے آدمی اس کے ہمراہ گئے ۔ لیکن لاہور پہنچ کر راجہ معاہدے سے منحرف ہوگیا اور سلطان کے آدمیوں کو قید کر دیا ۔ سلطان نے راجہ کی بدعہدی اور اپنے آدمیوں کی گرفتاری پر شدید ردعمل ظاہر کیا اور چڑھائی کردی ۔ جیپال کی مدد کو برصغیر کے راجے اور راؤ اپنی اپنی فوجیں لے کر آئے ۔ پشاور کے قریب جنگ ہوئی ۔ ہندوستان کی متحدہ افواج کو شکست فاش ہوئی اور پشاور تک کا علاقہ سلطنت غزنی میں شامل کر لیا گیا ۔ امیر سبکتگین کی وفات (۹۹۷ء) کے بعد سلطان محمود نے برصغیر پر متعدد یلغاریں کیں اور دور دراز گوشوں (قنوج ، گوالیار ، کانگڑہ ، کالنجر ، سومنات وغیرہ) تک پہنچ کر بار بار ہندوستانی راجاؤں کو شکستیں دیں اور آئندہ اسلامی فتوحات کے لیے زمین ہموار کردی ۔ سلطان نے اپنی ان فتوحات کو کبھی مستقل حیثیت نہ دی ۔ صرف پنجاب کو یہاں کے راجہ کی بد عہدیوں کی وجہ سے بالآخر ۱۰۲۲ء میں اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور یہاں اپنا والی (گورنر) مقرر کیا ۔

پنجاب کے غزنوی سلطنت سے ملحق ہونے سے یہاں تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوا ، جسے اسلامی عہد کہا جا سکتا ہے ۔ اس عہد کو (پنجاب کی حد تک) چار ادوار میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ۔ (۱) غزنوی دور (۲) سلاطین دہلی کے عہد میں (۳) مغلوں کے زیر سایہ (۴) مغلوں کے زوال کے بعد ، سکھا شاہی دور ۔ ان ادوار کے کوائف کا اجمالی تذکرہ درج ذیل ہے :

غزنوی دور (۱۰۲۲ء-۱۱۸۶ء) :

اس دور کا آغاز ۱۰۲۲ء سے ہوتا ہے جب سلطان محمود نے پنجاب کا الحاق غزنوی سلطنت سے کر لیا اور لاہور میں اپنے معتمد ملک ایاز کو والی مقرر کیا ۔ غزنوی خاندان کے آٹھ سلاطین (مسعود اول تا سلطان ابراہیم) تک پنجاب پر والیوں کے ذریعے حکومت ہوتی رہی ۔ جب آل سلجوق نے سلطنت غزنہ کے مغربی اقطاع (ایران و خراسان) پر قبضہ کر لیا تو مسعود ثالث کے عہد (۱۰۹۹ء-۱۱۱۴ء) میں غزنی کے بجائے لاہور کو زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی ۔ سلاطین کا زیادہ تر وقت پنجاب میں گزرتا ۔ حتیٰ کہ غوریوں نے غزنی پر قبضہ (۱۱۷۳ء) کرنے کے بعد ۱۱۸۶ء میں آخری غزنوی سلطان خسرو ملک سے لاہور بھی چھین لیا اور اس طرح غزنوی عہد ختم ہوا ۔ غزنوی سلطنت کی حدود پنجاب میں بٹھنڈہ اور سرہند تک تھیں کیونکہ معزالدین محمد بن سام انہی سرحدی علاقوں کی گشت پر تھا جب ترائن کے میدان میں رائے پتھورا سے اس کی پہلی جھڑپ (۱۱۹۱ء میں) ہوئی جس میں اسے ہزیمت ہوئی ۔ اگلے سال (۱۱۹۲ء) ترائن کے اسی میدان میں سلطان نے رائے پتھورا اور اس کے ساتھی راجاؤں کو فیصلہ کن شکست دے کر ۱۱۹۳ء میں دہلی اور اجمیر فتح کر لیے اور شمالی ہند ان کے قدموں میں آ گیا ۔

پنجاب میں مسلمان فاتحانہ حیثیت سے آئے تھے لیکن بہت جلد انہوں نے مفتوحہ علاقے کو اپنا وطن بنا لیا اور یہاں مستقل طور پر آباد ہو کر مقامی باشندوں سے رہ و رسم بڑھانی شروع کردی ۔ ہندو راجاؤں نے ۱۰۴۵ء میں سلطان محمود کے پوتے مودود غزنوی کے عہد میں لاہور کو واپس لینے کی کوشش کی لیکن چھ ماہ کی تگ و دو کے بعد انہیں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا ۔ مسلمانوں کے قدم مضبوطی سے یہاں جم چکے تھے اور انہوں نے یہاں پائیدار نظم و نسق قائم کر دیا تھا ۔ گکھڑوں کی سرکشی کچھ عرصے تک جاری رہی ۔ لیکن عام ہندو رعایا پرامن تھی اور فاتحین کا سلوک ان کے ساتھ نرمی اور اعتدال کا تھا ۔ مسلمان عسکریوں کے علاوہ تاجر ، ہنرور ، عالم ، مشایخ یہاں آ کر کاروبار زندگی میں حصہ لینے لگے ۔ علما و مشایخ نے یہاں تبلیغ دین کا فریضہ انجام دینا شروع کیا اور ان کے آستانے خاص و عام سب کے لیے رشد و ہدایت کا مرکز بن گئے ۔ مشایخ میں سب سے پہلے شیخ اسماعیلؒ یہاں آئے ۔ ان کی آمد کا سال ۳۹۵ھ ۱۰۰۴ء ہے جب لاہور ابھی سلطنت غزنہ میں شامل

نہیں ہوا تھا ۔ انھوں نے اپنی وفات (۴۴۸ھ م ۱۰۵۶ء) تک وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری رکھا ۔ ''ان کی مجلس وعظ میں ہزارہا آدمی مشرف بہ اسلام ہوتے تھے ۔''[1]
شیخ علی بن عثمان ہجویری (داتا گنج بخش) سلطان مسعود بن محمود غزنوی ۱۰۳۰-۱۰۴۰ء) کے آخر عہد میں لاہور آئے اور درس و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا ۔ ہزاروں لوگ آپ کے دست حق پرست پر بیعت ہو کر مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ ان میں رائے راجو بھی تھا جو سلطان مودود بن مسعود کی طرف سے لاہور کا نائب تھا ۔ اسے شیخ ہندی کا لقب ملا ۔ شیخ عزیزالدین مکی (پیر مکی شریف) ۴۷۵ھ میں لاہور تشریف لائے اور یہیں رشد و ہدایت میں مصروف رہ کر ۶۱۲ھ میں فوت ہوئے ۔ انھوں نے بھی ہزاروں لوگوں کے سینوں کو نور ایمان سے منور کیا ۔ اس دور میں لاہور آ کر مقیم ہونے اور تبلیغ دین کی خدمت سر انجام دینے والے ان بزرگوں کے علاوہ سید احمد ترمذی (وفات ۶۰۲ھ) ، سید یعقوب زنجانی (وفات ۶۰۴ھ) بھی قابل ذکر ہیں ۔ پنجاب کے دوسرے علاقوں میں آ کر دین حق کی تبلیغ کرنے والوں میں سخی صفی الدین گازرنی (وفات ۱۰۰۷ء ، اوچ) ، شاہ یوسف گردیزی (وفات ۱۱۵۲ء ملتان) سلطان سخی سرور ، سید احمد (وفات ۱۱۸۱ء ، شاہ کوٹ ، ڈیرہ غازی خان) قابل ذکر ہیں ۔ ان بزرگان دین کی کوششوں سے سرزمین پنجاب میں اسلام پھیلنا شروع ہوا اور یہاں اسلامی تہذیب و معاشرت کی بنیادیں استوار ہونے لگیں ، تاہم غزنوی عہد میں تبلیغ کا یہ دائرہ لاہور، ملتان اور چند دیگر قصبات تک محدود رہا ۔
مشائخ کے بعد علما اور شعرا کے کارناموں کی وجہ سے بھی غزنوی عہد تاریخ میں یادگار ہے ۔ سلطان محمود فاتح ہی نہیں تھا بلکہ علماء و ادباء کا قدردان بھی تھا ۔ یہ روایت اس کے جانشینوں کے عہد میں بھی پھلتی پھولتی رہی ۔ ابو ریحان البیرونی (۹۷۳ء - ۱۰۴۸ء) اس عہد کا پہلا جید عالم ہے جو برصغیر میں آ کر کئی سال تک یہاں کے احوال و کوائف کا مطالعہ کرتا رہا اور بعد میں اپنے مشاہدات کو کتاب الہند میں قلم بند کیا ۔ ابوالفرج رونی اور مسعود سعد سلمان اس عہد کے نامور شعرا تھے جن کی بدولت غزنی کی طرح لاہور بھی علم و ادب کے فروغ کا مرکز بن گیا تھا ۔ نورالدین محمد عوفی نے لباب الالباب (تدوین ۶۱۸ھ م ۱۲۲۲ء) کی ایک فصل میں اس مرکز کا تذکرہ کرتے ہوئے مسعود سعد سلمان کو تین زبانوں (عربی ، فارسی ، ہندوی) کا شاعر قرار دیا ہے ''او را سہ دیوان است ، یکے بہ تازی ، یکے بہ پارسی ، یکے بہ ہندوی''[2] یہ ایک قریب العہد تذکرہ نگار کا بیان ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں ہندوی (قدیم اردو) کے خط و خال نمایاں ہو چکے تھے اور مسلمان شعرا اسے قابل اعتنا خیال کرنے لگے تھے ۔ یہ زبان مشائخ کے آستانوں پر اور گلیوں و

۱- تذکرہ علمائے ہند ، ص ۱۱۱ و ۱۱۴ (دونوں جگہ ایک ہی بزرگ کا تذکرہ ہے)

بازاروں میں مسلمان فاتحین اور مقامی باشندوں کے میل جول کے نتیجے میں تشکیل پا رہی تھی۔ امیر خسرو کے بیان سے بھی مسعود سعد سلمان کے ہندوی کلام کی تائید ہوتی ہے[1] جو مثنوی نہ سپہر میں ہندوی کے علاوہ لاہوری (پنجابی) کا ذکر بھی کرتا ہے۔ غزنوی عہد کی یادگار کوئی عمارت تو محفوظ نہیں رہی لیکن اس دور کے بزرگان دین کی تبلیغی کاوشوں کا یہ ثمر ہے کہ لاہور صدیوں سے قبۃ الاسلام کی حیثیت سے جریدۂ عالم پر موجود ہے۔

معز الدین محمد بن سام غوری کے ساتھ جب مسلمانوں کے قدم دہلی کی طرف بڑھتے ہیں تو غزنوی عہد میں پنجاب میں پروان پانے والی تہذیبی و معاشرتی روایت کے ساتھ ساتھ یہ ہندوی زبان بھی وہاں کے کوچہ و بازار میں پہنچ جاتی ہے۔

پنجاب سلاطین دہلی کے عہد میں (۱۱۹۳ء-۱۵۲۶ء)

ترائن کی فیصلہ کن جنگ (۱۱۹۲ء) نے برصغیر کی تاریخ کا ورق الٹ دیا۔ ۱۱۹۳ء میں دہلی اور اجمیر مسلمانوں کے قبضے میں آئے اور چھ سال کے عرصے میں بنگال تک سارا شمالی ہند ان کے زیر نگیں آ گیا۔ سلطان نے مفتوحہ علاقوں میں قطب الدین ایبک کو نائب السلطنت مقرر کیا۔ توسیع سلطنت کے بعد دہلی کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی۔ تاہم پنجاب کو اس کے بعد بھی صدیوں تک سلطنت کے بیس کیمپ (Base Camp) کا درجہ حاصل رہا۔ سلطان معزالدین محمد بن سام کی شہادت (۱۲۰۶ء) کے بعد ان کے بھتیجے سلطان غیاث الدین محمود نے قطب الدین ایبک کو سلطانی کا خطاب عطا کیا اور وہ ۱۲۰۶ء میں لاہور میں برصغیر کے پہلے خود مختار مسلم فرمانروا کے طور پر سریر آرائے سلطنت ہوئے۔ وہ جود و سخا کی وجہ سے عوام میں لکھ بخش کے لقب سے مشہور تھے۔ سلطان قطب الدین ایبک کو اپنے معاصر والیوں تاج الدین یلدز (غزنہ) اور ناصر الدین قباچہ (سندھ و ملتان) کے جارحانہ عزائم کی وجہ سے زیادہ تر پنجاب میں رہنا پڑا اور یہیں چوگان کھیلتے ہوئے ۱۲۱۰ء میں وہ راہیے ملک عدم ہوئے۔ انھوں نے چودہ سال تک نائب السلطنت اور پانچ سال تک خود مختار حکمران کے طور پر حکومت کی۔ ان سے خاندان غلاماں کی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا جو ۱۲۹۰ء تک رہا اور اس کے بعد مرکز سلطنت دہلی میں مندرجہ ذیل حکمران خاندان برسر اقتدار آئے:

سلاطین خلجی : ۱۲۹۰ء تا ۱۳۲۰ء
سلاطین تغلق : ۱۳۲۰ء تا ۱۴۱۳ء
سلاطین سادات : ۱۴۱۴ء تا ۱۴۵۰ء
سلاطین لودھی : ۱۴۵۱ء تا ۱۵۲۶ء

۱۔ دیباچہ غرۃ الکمال (امیر خسرو نے علاقائی زبانوں کے ضمن میں لاہوری کا ذکر الگ کیا ہے)۔

ان حکمران خاندانوں کے زمانے میں پنجاب کو سلطنت کے قیام و استحکام میں بڑی اہمیت حاصل رہی ۔ کیونکہ مرکز میں جب کوئی حکمران خاندان زوال پذیر ہوتا ، تو نیا حکمران خاندان پنجاب سے جا کر اُس کی جگہ سنبھالتا تھا ۔ اس طرح مرکز سلطنت کی رگوں میں پنجاب کا تازہ خون رواں دواں رہتا تھا ۔ دوسرے ، برصغیر کی اسلامی سلطنت کے دفاع میں پنجاب ایک اہم حصار تھا ، خصوصاً چنگیز خانی تاتاریوں کی متواتر یلغاروں نے پنجاب کو عرصۂ دراز تک میدان حرب و ضرب بنائے رکھا لیکن یہ سیلاب یہیں جذب ہو جاتا رہا ، دہلی اس کے ریلے سے محفوظ رہی ۔ سلطان شمس الدین ایلتتمش کے عہد (۱۲۱۰ء - ۱۲۳۶ء) میں چنگیز خاں نے صحرائے گوبی سے خروج کیا اور خوارزم شاہی کا خاتمہ کرکے تاتاری ٹڈی دل کی طرح ترکستان ، خراسان و ایران میں پھیل گئے ۔ چنگیز خان سلطان جلال الدین منکبرنی کا تعاقب کرتے ہوئے دریائے سندھ تک آیا ۔ سلطان جلال الدین دریائے سندھ عبور کرکے چند ماہ پنجاب میں رہا اور پھر ملتان ، سندھ اور مکران سے ہوتا ہوا ایران چلا گیا ۔ تاتاریوں کی اس پہلی یلغار سے پنجاب محفوظ رہا لیکن آئندہ کے لیے یہ خطرہ مسلسل بن گیا ۔ ۱۲۴۱ء میں منگولوں نے لاہور کو تسخیر کرکے اسے لوٹا اور تاراج کیا ۔ غیاث الدین بلبن نے سلطان ناصر الدین محمود کے نائب السلطنت کی حیثیت سے جہاں ملک میں نظم و نسق قائم کیا وہاں تاتاری حملوں کا سدباب کرنے کے لیے پنجاب کے اکثر شہروں میں مضبوط قلعے بنائے اور یہاں سامان حرب و ضرب سے لیس افواج مقرر کیں ۔ دفاعی نظام کو بہتر بنانے کے علاوہ بلبن نے تاتاریوں سے دوستانہ مراسم قائم کرنے کی بھی کوشش کی اور ۱۲۵۸ء میں ہلاکو خاں کے دربار میں سفیر بھیجے ۔ بلبن نے بیس سال تک نائب السلطنت کی حیثیت سے اور اکیس سال تک (۶۶ - ۱۲۸۷ء) سلطان کی حیثیت سے برصغیر میں بڑے رعب و دبدبے اور دانش و حکمت سے حکومت کی ۔ پنجاب کو اُس کے عہد وزارت و سلطنت میں عسکری لحاظ سے بڑی اہمیت حاصل رہی ۔ تاتاری بار بار یہاں آتے اور اس دفاعی حصار سے ٹکرا ٹکرا کر واپس چلے جاتے ۔ اسی حرب و پیکار میں بلبن کا بہادر اور لائق فرزند سلطان محمد ۱۲۸۶ء میں لاہور اور دیپالپور کے درمیان تاتاریوں سے جنگ کرتے ہوئے شہید ہوا ۔ امیر خسرو اور امیر حسن سجزی نے اس واقعہ پر بڑے پردرد مرثیے لکھے ۔ سلطان کو اپنے بہادر فرزند اور ولی عہد کی شہادت کا اتنا رنج ہوا کہ بقیہ عمر اُس نے بڑے غم و اندوہ میں گزار کر جان جان آفریں کے سپرد کی ۔

بلبن کے بعد اُس کے کمزور جانشین زیادہ دیر تک کاروبار سلطنت نہ چلا سکے

کے گورنر کی حیثیت سے منگولوں کے خلاف جنگ میں نام پیدا کر چکا تھا ۔ خلجی خاندان کے برسر اقتدار آنے سے ایک نیا دور شروع ہوا ۔ اس خاندان کے دوسرے سلطان علاء الدین خلجی کے عہد (۱۲۹۶ - ۱۳۱۶ء) میں جنوبی ہند (دکن) فتح ہوکر سلطنت کا حصہ بنا ۔ منگولوں کے حملے اس دور میں بھی بڑی شدت سے جاری رہے ۔ علاء الدین خلجی نے اپنے آزمودہ کار جرنیل غازی الملک کو پنجاب کا والی مقرر کیا جس نے منگولوں کو پے در پے شکستیں دے کر ان کا رخ موڑ دیا ۔ علائی عہد فتوحات (دکن و گجرات) کے علاوہ علوم و فنون کی ترقی کے لیے تاریخ میں مشہور ہے ۔ تاہم ان سیاسی اور تہذیبی سرگرمیوں کا مرکز دہلی تھا ۔ پنجاب کی حیثیت ایک سرحدی چھاؤنی کی تھی جہاں غازی الملک (غیاث الدین تغلق) نے مضبوط دفاعی حصار قائم کیا ہوا تھا ۔ علاء الدین خلجی کے انتقال کے بعد سلطنت میں اختلال رونما ہوا ۔ ایک برائے نام نو مسلم خسرو خان نے اقتدار پر قبضہ کرکے غلبۂ ہنود کی راہ ہموار کرنی شروع کی ۔ غازی الملک نے پنجاب سے اٹھ کر اسے شکست دی اور ۱۳۲۰ء میں تغلق سلطنت کی بنیاد رکھی ۔ غازی الملک سلطان غیاث الدین تغلق کی ماں پنجاب کے ایک جاٹ قبیلے سے تھی ۔ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ پنجاب میں گزرا تھا ۔ ۱۳۰۵ء میں سلطان علاء الدین نے اس کی شجاعت اور تدبر کی وجہ سے اسے دیپالپور کا والی مقرر کیا ۔ اس نے منگولوں کے خلاف ۲۹ جنگیں لڑیں اور انہیں شکستیں دیں ۔ سربر آرائے سلطنت ہوکر اس نے اپنے تدبر اور دانشمندی سے چند برسوں میں سیاسی انتشار اور اقتصادی بدحالی کو دور کیا اور مرکز کو دوبارہ مضبوط بنا دیا ۔ اس کا جانشین سلطان محمد تغلق (۱۳۲۵ء - ۱۳۵۱ء) تاریخ کا ایک عظیم مدبر حکمران تھا لیکن اس کی دانشمندانہ منصوبہ بندیوں کی ناکامی نے اسے بدنام کر دیا ۔ اس نے ۱۳۲۷ء میں دولت آباد (دیوگری) کو دارالسلطنت بنایا ۔ پنجاب کی دفاعی اہمیت کم ہوئی تو ۱۳۲۹ء میں منگول یلغار کرتے ہوئے نواح دہلی میں پہنچ گئے جنہیں کثیر زر و مال دے کر ٹالا گیا ۔ سلطان کی مہمات اور منصوبوں کی ناکامی کی وجہ سے آخر عمر میں جنوبی ہند اور بنگال کے علاقے خود مختار ہوگئے تاہم پنجاب میں تغلقوں کا اقتدار محفوظ رہا اور سلطان فیروز شاہ تغلق کے طویل عہد (۱۳۵۱ء - ۱۳۸۸ء) میں مرکز کے علاوہ یہاں بھی نئے شہر بسائے گئے ، عمارتیں تعمیر ہوئیں ، نہریں کھودی گئیں جن سے زمین سرسبز و شاداب ہوئی اور باغات لگائے گئے ۔ فیروز تغلق کے عہد میں حدود سلطنت سمٹ گئی تھیں لیکن یہ دور خوشحالی اور فارغ البالی کا تھا جس میں پنجاب بھی شریک تھا ۔ اس کے بعد ۱۴۱۳ء تک چار تغلق سلاطین یکے بعد دیگرے برسر اقتدار آئے لیکن سلطنت میں ضعف آ چکا تھا ۔ ۱۳۹۸ء - ۱۳۹۹ء میں امیر تیمور نے حملہ کیا اور لاہور و دیپالپور پر قبضہ

کرنے کے بعد دہلی کی طرف بڑھا ۔ سلطان محمود تغلق نے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر گجرات کی راہ لی ۔ ۱۸ دسمبر ۱۳۹۸ء کو تیمور فاتحانہ دہلی میں داخل ہوا اور پانچ روز تک یہاں قتل عام جاری رہا ۔ دہلی کے بعد گرد و نواح کے علاقوں پر تاخت کرکے تیموری لشکر واپس ہوا۔ تیمور نے واپسی پر لاہور ، ملتان اور دیپالپور کو خضر خاں کے سپرد کیا اور خود سمرقند کا رخ کیا ۔ تیموری تاخت و تاراج کے اثرات مرکز سلطنت اور پنجاب میں عرصے تک محسوس کیے گئے ۔ محمود تغلق (وفات ۱۴۱۳ء) اپنے دارالحکومت میں واپس آیا لیکن نظام سلطنت اس سے بحال نہ ہو سکا ۔

پنجاب کے حاکم خضر خاں نے ۱۴۱۴ء میں دہلی کو فتح کرکے یہاں خاندان سادات کی حکومت قائم کی ۔ اس خاندان کے چار سلاطین نے ۳۷ سال تک دہلی اور اس کے گرد و نواح میں حکومت کی ۔ وہ سلطنت دہلی کی قدیم حشمت بحال نہ کر سکے ۔ سادات اپنے آپ کو امیر تیمور کا نائب سمجھتے تھے ۔ اس دوران پنجاب میں لودھی افغانوں کو اقتدار حاصل ہوا ۔ دیپالپور اور سرہند کے والی بہلول لودھی نے ۱۴۵۱ء میں دہلی پر قبضہ کیا ۔ آخری سادات حکمران علاء الدین عالم شاہ بدایوں چلا گیا تھا اور کاروبار سلطنت سے دستبردار ہوگیا تھا ۔ بہلول لودھی نے اپنے تدبر اور دانشمندی سے مرکز سلطنت کے وقار کو بحال کیا ۔ باغی امرا کی سرکوبی کرکے جونپور تک کھوئے ہوئے علاقے فتح کیے اور اپنے عہد (۱۴۵۱ء ۔ ۱۴۸۸ء) میں شمالی ہند میں مسلمانوں کے اقتدار کو دوبارہ مضبوط کرکے پہلی افغان حکومت قائم کی ۔ بہلول لودھی ایک فراخ دل اور سادا مزاج حکمران تھا ۔ اس نے نظم و نسق کو قائم کیا اور عدل و انصاف کو جاری کیا ۔ اس کے عہد میں زراعت اور تجارت کو ترقی ہوئی ۔ پنجاب میں پٹھانوں کی بہت سی بستیاں آباد ہوئیں ۔ سکندر لودھی (۱۴۸۸ء - ۱۵۱۷ء) نے بھی اپنے باپ کے اس کام کو جاری رکھا اور فتوحات کے حصول کے علاوہ نظم و ضبط قائم کیا ۔ اس نے ۱۵۰۴ء میں نیا دارالحکومت سکندر آباد (آگرہ) تعمیر کیا ۔ سکندر لودھی کے بعد اس کا بڑا لڑکا ابراہیم لودھی تخت نشین ہوا جو اس خاندان کا آخری تاجدار تھا ۔ اس کے بھائیوں اور امرا نے بغاوتیں کیں ۔ پنجاب کے گورنر دولت خاں لودھی نے کابل سے ظہیر الدین بابر کو دہلی پر حملہ آور ہونے کی دعوت دی جسے قبول کرکے بابر یہاں آیا ۔ ۱۵۲۴ء میں بابر نے لاہور پر قبضہ کیا اور اس شہر کو لوٹ کر واپس ہوا ۔ ۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء کو پانی پت کی پہلی تاریخی جنگ ہوئی جس میں سلطان ابراہیم کو شکست ہوئی اور وہ مارا گیا ۔ بابر نے دہلی و آگرہ پر قبضہ کرکے برصغیر میں مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی ۔

مسلمان پنجاب تک محدود رہے اور بعد میں دہلی مرکز سلطنت رہا) اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس طویل عرصے میں پنجاب سیاسی قوت کا سرچشمہ رہا۔ ابتدائی فاتحین اگرچہ نسلاً ترک تھے لیکن غزنی سے تعلق منقطع ہو جانے کے بعد برصغیر میں انہیں طاقت کے اعتبار سے خود کفیل ہونا پڑا۔ تاتاریوں کی یلغار کے نتیجے میں وسط ایشیا ، خراسان ، ایران تباہ و برباد ہوگئے ۔ مرکز خلافت بغداد کی تباہی (۱۲۵۸ء) کے بعد ایشیا میں مسلمانوں کے لیے برصغیر ہی ایک گوشۂ عافیت تھا۔ یہاں کے مسلمانوں نے نہ صرف تباہ حال مہاجرین کو پناہ دی بلکہ اپنی حفاظت کا سامان بھی کیا اور تاتاریوں کی وحشیانہ یلغاروں کو پنجاب کے میدانوں میں روک کر آن کا رخ پھیر دیا ۔ مرکز سلطنت میں جب کوئی سیاسی بحران پیدا ہوا تو پنجاب نے آسے بھی دور کرکے مرکزی حکومت کے وقار کو بحال کیا ۔ اس لحاظ سے سلاطین دہلی کے درباروں اور دارالسلطنت میں اہل پنجاب کا اثر و رسوخ مسلم تھا ۔ اس عہد میں ملتان ، دیپالپور ، لاہور اور سرہند پنجاب کے اہم مراکز تھے ۔ دیپالپور کو دور سلاطین میں پنجاب کے دارالحکومت کی حیثیت حاصل تھی ۔ اگر پانچ سو سال کے اس طویل زمانے میں دہلی اور پنجاب کی زبان میں کوئی زیادہ مغائرت پیدا نہ ہوئی تو اس کی ایک بڑی وجہ اہل پنجاب کی مرکز میں اثر پذیری تھی ۔ مغلیہ دور میں پنجاب کی یہ سیاسی اہمیت کم ہوگئی ۔ کیونکہ پانچ سو سال کے بعد یہ پہلا خاندان تھا جو پنجاب کی بجائے وسط ایشیا سے آ کر یہاں حکمران بنا اور اسے اپنے اقتدار کے استحکام کے لیے نئی حکمت عملی وضع کرنی پڑی جس کے باعث پنجاب پر انحصار کم ہوگیا اور پنجاب Base Camp کی بجائے کابل ، قندھار اور کشمیر آنے جانے کے لیے ایک گزر گاہ یا پڑاؤ Transit Camp بن گیا۔

ابتدائی ترک سلاطین نے اپنی ترکانہ خصوصیات (شوکت و تجمل ، شجاعت و بہادری ، مہم جوئی و خطر پسندی) اور اسلامی عصبیت کو بڑی شدت سے برقرار رکھا ۔ یہ لوگ فاتح تھے اور ایک عظیم الشان تہذیب و تمدن کے نمائندے بن کر یہاں آئے تھے جس میں عرب کا سوز اور عجم کا ساز مل کر ایک نیا اسلوب حیات (جلال و جمال) نمایاں ہو رہا تھا ۔ یہ آس زمانے کی ترقی یافتہ اور برتر تہذیب تھی جس کے سامنے وحشی تاتاری بھی زیادہ دیر تک نہ ٹھہر سکے ۔ عربی ، فارسی ، ترکی زبانیں اور ان کا ادب اس تہذیب کی نمائندگی کر رہا تھا ۔ اس کے مقابلے میں برصغیر صدیوں سے سیاسی ، ذہنی اور فکری انتشار میں مبتلا تھا ۔ ہندو تہذیب طبقاتی اونچ نیچ کی وجہ سے پسماندگی کا شکار تھی جو مسلمانوں سے قبل آنے والے نیم وحشی فاتحین کو تو اپنے اندر جذب کر لیتی رہی لیکن نئے فاتحین کے سامنے اس تہذیب کا چراغ نہیں جل سکتا تھا جو توحید کے عقیدے کے ساتھ انسانی اخوت و مساوات کا پیغام لے کر یہاں آئے تھے ۔ تاہم ہندو معاشرہ ذات پات کے بندھنوں

میں جس طرح جکڑا ہوا تھا اُس کا اسلامی معاشرے اور تہذیب کے اندر جذب ہو جانا بھی اتنا آسان نہیں تھا ۔ اس لیے قدرتی طور پر شروع میں فاتح و مفتوح میں سخت مغائرت رہی ۔ فاتح اپنی قوت و حشمت اور تہذیبی برتری میں سرشار تھے تو مفتوح حیرت و شرمساری میں گرفتار ، لیکن فاتحین نے مقامی ہندو رعایا سے نرمی ، کشادہ دلی اور مہربانی کا سلوک کرکے ڈر اور خوف کی فضا کو بہت جلد دور کر دیا ۔ خلجی ، تغلق ، سادات اور لودھی عہد میں نرمی اور اعتدال کے مسلک میں اور بھی وسعت پیدا ہوئی اور حکمران اپنی ہندو اور مسلم ساری رعایا سے یکساں عدل و انصاف کرنے اور اُن کے حقوق کا خیال رکھنے لگے ۔ حکمرانوں کی کشور کشائی اور جہاں بانی سے الگ معاشرتی روابط اور تہذیبی و فکری نفوذ کا ایک دوسرا میدان بھی تھا ۔ صوفیا و مشائخ کے متعدد سلسلوں نے تبلیغ دین اور تسخیر قلوب کے لیے برصغیر کے مختلف گوشوں میں روحانی مراکز قائم کیے ۔ پنجاب میں غزنوی عہد کے بعد ملتان ، اوچھ اور پاک پتن (اجودھن) بڑے روحانی مرکز بنے ۔ ملتان میں شیخ بہاء الدین زکریا سہروردی (۱۱۸۲ء - ۱۲۶۴ء) نے مرکز رشد و ہدایت قائم کیا ۔ آن کے فرزند مولانا صدر الدین (وفات ۱۲۸۵ء) اور پوتے رکن عالم ابوالفتح (وفات ۱۳۳۴ء) نے مغربی پنجاب ، سندھ اور بلوچستان میں تبلیغ دین کی خدمات سر انجام دیں ۔ پانچ دریاؤں کے سنگم پنج ند کے قریب اُوچ شریف میں شیخ بہاء الدین زکریا کے خلیفہ سید جلال الدین منیر بخاری (وفات ۱۲۹۱ء) اور آن کے پوتوں مخدوم جہانیاں جہاں گشت (۱۳۸٦ء) اور صدر الدین راجو قتال (وفات ۸۲۷ھ م ۱۴۲۳ء) نے اشاعت اسلام میں سرگرم حصہ لیا ۔ ان بزرگان دین کی بدولت پنجاب کے بہت سے راجپوت اور جاٹ قبائل (کھرل ، جویہ ، نون وغیرہ) مسلمان ہوئے ۔ بابا فرید الدین گنج شکر ، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری اور خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلوی دونوں بزرگوں کے جانشین و خلیفہ تھے ۔ آن کے آبا و اجداد چنگیزی حملے کے دوران کابل سے ہجرت کرکے ملتان آئے تھے ۔ آن کے دادا ملتان کے نزدیک کھوتوال میں قاضی تھے اور یہیں بابا فرید پیدا ہوئے ۔ مرشد (خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی رحلت (۱۲۳۵ء) کے بعد آپ اجودھن چلے آئے یہ جگہ اُس زمانے میں ویرانہ اور جنگل تھی ۔ آپ نے یہیں ڈیرہ ڈالا ، جنگل کی جڑی بوٹیاں کھا کر گزر اوقات کی اور اپنی وفات (۱۲٦۵ء) تک یہیں بیعت و ارشاد اور یاد الٰہی میں مصروف رہے ۔ مغربی پاکستان کے بڑے بڑے قبیلے (سیال ، وٹو وغیرہ) آپ کے ذریعے مشرف بہ اسلام ہوئے ۔ مغربی پنجاب میں اشاعت اسلام کے علاوہ حضرت بابا فرید چشتیہ سلسلے کی دو بڑی شاخوں صابریہ و نظامیہ کے موسسوں مخدوم علاء الدین صابر اور نظام الدین اولیا کے مرشد تھے ۔ شیخ جمال ہانسوی اور شیخ امام الحق سیالکوٹی بھی آپ کے خلفاء تھے جنھوں نے اپنے اپنے علاقوں میں

دین کی شمع روشن کی اور اسلام کا نور اس خطے میں پھیلایا ۔ دور سلاطین میں ان بزرگان دین کے مجاہدے و ریاضت اور رابطۂ عوام سے پنجاب میں اسلام کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوئی اور یہاں اسلامی تہذیب و معاشرت کے نقوش اجاگر ہونے لگے ۔ توحید کے نغموں نے انسانی مساوات اور بھائی چارے کا سبق عوام کے دلوں میں پیدا کیا ۔ زبان و ادب میں اسلام کے روحانی و اخلاقی تصورات منعکس ہوئے ۔ بابا فرید گنج شکر کے بعض اقوال و ارشادات فارسی تذکروں میں ملتے ہیں جو اردو زبان کا ابتدائی نمونہ ہیں ۔ اس سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان درویشوں کے آستانوں میں رشد و ہدایت کے لیے عوامی بھاشاؤں سے کام لیا جاتا تھا اور یہاں کی مقامی بولیوں پر اسلامی تہذیب و معاشرت کے اثرات روز بروز گہرے ہوتے جا رہے تھے ۔

اسی زمانے میں برصغیر میں ہندوؤں میں بھی مختلف مذہبی و معاشرتی تحریکیں ابھریں جو براہ راست ان بزرگان اسلام کی تبلیغی کاوشوں اور اسلامی افکار سے متاثر تھیں ۔ رامانند کی بھگتی تحریک کے پھیلنے کا زمانہ تقریباً چودھویں صدی عیسوی ہے ۔ اس کے فوراً بعد ہی دوآب میں کبیر پنتھی اور پنجاب میں نانک پنتھی سلسلے شروع ہوتے ہیں ۔ ان مذہبی و معاشرتی تحریکوں کے بانیوں کے نزدیک ہندو سماج کا ذات پات پر مبنی نظام ناپسندیدہ اور عقائد کا طلسماتی سلسلہ ناقابل فہم تھا ۔ انھوں نے کچھ خیالات مسلمان صوفیا و مشائخ سے مستعار لیے اور کچھ ہندوانہ افکار انھیں ورثے میں ملے ۔ اس طرح اسلام اور ہندومت کے بین بین انھوں نے اپنے خیال میں ایک ایسا راستہ اختیار کیا جس میں مذاہب کی باہمی نزاع ختم ہو سکے ۔ کبیر تو ایک خیال پرست شاعر تھا جس نے اپنے صالح کل جذبات کو اشعار کا جامہ پہنا کر اپنے پیروکاروں کو سرشار کیا ۔ اس کے برعکس بابا نانک اپنے مسلک میں عملی اور اخلاقی راہ اختیار کرکے ایک نئے مذہبی طریق کی بنا استوار کرتے ہیں ۔ بابا نانک ۱۴۶۹ء میں تلونڈی (ننکانہ صاحب ضلع شیخوپورہ) میں پیدا ہوئے ۔ ان کے اقوال و افکار سے ظاہر ہے کہ وہ اسلام سے ازحد متاثر تھے ۔ انھوں نے مسلمان صوفیا کی صحبت میں رہ کر اور بلاد اسلامی کی سیاحت کے دوران فکر اسلامی کا مطالعہ کیا اور اپنے مذہبی تصورات کی بنیاد عقیدۂ توحید پر رکھی : ”صرف ایک راستہ دربار الٰہی کی طرف جاتا ہے جہاں ایک مالک ازلی مسند نشیں ہے ۔“ بقول ڈاکٹر تارا چند : ”جو مذہبی تحریک نانک نے شروع کی تھی وہ اس کے جانشینوں کے زیر سایہ برابر زور پکڑتی چلی گئی ۔ اس تحریک کا سخت اخلاقی معیار اور انتہا درجے کی مذہبی احتیاط ایسے عناصر تھے جنھوں نے ہندوستان میں اسی قسم کی اور دوسری تحریکوں سے اس کو ممتاز کر دیا تھا ۔ اس تحریک کی عدم مصالحت کی روح کے ساتھ قتل و مقاتلے اور ایک منظم مذہب کے قیام کے امکانات وابستہ تھے ۔

عہد مغلیہ کے دور مابعد کے غیر مطمئن سیاسی حالات نے ان امکانات کو ابھرنے کا موقع دیا اور جن باتوں کی توقع تھی وہ ظاہر ہوئیں ۔ بعد میں آنے والے گرو ناگزیر طور پر سیاسیات کے چکر میں پھنس گئے اور انھوں نے مذہبی جماعت کو بدل کر فوجی معاشرہ بنا دیا ۔"[۱]

بھگتی اور نانک پنتھی تحریکیں اگرچہ ہندو سماج کی طبقاتی جکڑ بندیوں سے بے اطمینانی کا نتیجہ اور اسلام کی سیدھی سادی تعلیمات (توحید ، انسانی مساوات اور بھائی چارہ) سے متاثر تھیں لیکن اس بغاوت سے ہندو مت کو نقصان کی بجائے فائدہ ہی پہنچا ۔ درحقیقت ان تحریکوں نے ہندو مت اور اسلام کے درمیان ایک ایسا حصار تعمیر کر دیا کہ ہندو سماج کے ستائے اور دھتکارے ہوئے عوام الناس اسلام کی آغوش میں جانے اور ایک نئے معاشرتی نظام کا حصہ بننے کی بجائے اس درمیانی حصار میں رہ کر اپنے جذبات کی تسکین کا سامان بھی ڈھونڈ لیتے تھے اور معاشرتی لحاظ سے اپنے قدیم مسلک (ہندومت) سے بھی منسلک رہتے تھے ۔ چنانچہ زمانۂ مابعد میں یہ نئے مذہبی سلسلے اپنی جداگانہ ہستی رکھتے ہوئے بھی عملاً ہندو سماج کا حصہ تصور کیے گئے ۔ سلطانی دور میں مذہبی آزاد خیالی کے اس مسلک نے ہندومت کے طلسماتی قلعے کو تحفظ دے کر اسلام کی تبلیغی یلغار سے محفوظ کر دیا ۔ آئندہ زمانے (مغل دور میں) مشائخ و علما کی تبلیغی سرگرمیوں میں بھی وہ جوش و خروش باقی نہ رہا جو ہم سلطانی دور میں دیکھتے ہیں ۔ بلکہ مذہبی رواداری کے نام پر وسیع المشربی کا ایک ایسا صوفیانہ مسلک شروع ہوا جس میں پنتھوں کے گورو صاحبان اور مسلمان صوفیا ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں اور مغل فرمانروا بھی اپنی سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اسی مسلک کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری سمجھتے ہیں ۔

مغلوں کے زیر سایہ : (۱۵۲۶ء - ۱۷۰۷ء)

پانی پت کی پہلی جنگ (۲۱ اپریل ۱۵۲۶ء) کے بعد فتح مند بابر نے دہلی و آگرہ پہنچ کر مغل بادشاہت کی بنیاد رکھی ۔ بابر کا جد امجد تیمور سوا سو سال قبل دہلی فتح کر چکا تھا لیکن اس نے برصغیر کے مفتوحہ علاقوں کو اپنی سلطنت میں شامل نہ کیا تھا ۔ بابر نے وسط ایشیا میں اپنی موروثی سلطنت (سمرقند) کے حصول میں ناکام ہو کر ہندوستان میں قسمت آزمائی کا فیصلہ کیا تھا اور اس مقصد میں وہ کامیاب رہا ۔ اس لحاظ سے برصغیر میں پانچ سو سال کے بعد یہ پہلا خاندان تھا جو وسط ایشیا سے آ کر یہاں حکمران ہوا تھا ۔ پہلے فرمانروا سلاطین کہلاتے تھے (اور بعض سلاطین کو دربار خلافت سے خلعت و فرمان بھی عطا ہوتے رہے) لیکن بابر

۱۔ تمدن ہند پر اسلامی اثرات (ترجمہ) مسعود احمد ، ص ۲۸۸ ۔

نے اس سلسلے کو منقطع کر کے بادشاہ کا لقب اختیار کیا ۔ تاہم مغل بادشاہت کو اپنے استحکام کے لیے ابھی کچھ صبر آزما مراحل سے گزرنا تھا ۔ پہلا مرحلہ راجپوتوں کی متحدہ قوت سے ٹکراؤ تھا جو میواڑ کے رانا سانگا کی قیادت میں غلبۂ ہنود کے لیے کوشاں تھی ۔ سلاطین دہلی کے عہد میں بھی راجپوت راجاؤں نے کبھی کبھار سر اٹھایا لیکن سلطان محمود ، معز الدین محمد بن سام اور اُن کے بعد بلبن ، علاء الدین خلجی ، محمد تغلق جیسے کشور کشاؤں نے برصغیر میں رعب و دبدبے کی فضا قائم کر کے صدیوں تک ہنود پر ایسی ہیبت طاری کیے رکھی کہ مقامی راجاؤں کو راجستھان سے باہر نکلنے اور متحدہ محاذ بنانے کی کبھی جرأت نہ ہوئی تھی ۔ سلطان ابراہیم لودھی کے خلاف بابر کو دعوت دینے والوں میں بعض لودھی سرداروں کے علاوہ رانا سانگا بھی شامل تھا ۔ اُس کا خیال تھا بابر بھی تیمور کی طرح فتح کے بعد لوٹ مار کر کے واپس چلا جائے گا اور میدان اُس کے لیے خالی ہوگا ۔ اس لیے وہ پانی پت کی جنگ میں الگ تھلگ رہ کر نتائج کا منتظر رہا ۔ جب فتح کے بعد بابر نے یہاں بادشاہت کی طرح ڈالی تو رانا سانگا ایک لاکھ راجپوتوں کے لشکر جرار کے ساتھ خم ٹھونک کر میدان میں نکل آیا ۔ بابر کے لیے یہ معرکہ آرائی پہلے سے کہیں زیادہ دشوار تھی ۔ چنانچہ اس معرکے میں اُس نے مادی وسائل سے زیادہ روحانی اقدار کا سہارا لیا ، شراب سے توبہ کی اور اسلام کے نام پر جہاد کا اعلان کیا ۔ اس جذب و شوق کا نتیجہ تھا کہ کنواہہ کی فیصلہ کن جنگ (۱۶ مارچ ۱۵۲۷ء) نے مسلمانوں کو کامیاب اور راجپوتوں کی متحدہ قوت کو پاش پاش کر دیا ۔

دوسرا مرحلہ افغانوں کی مخاصمت کا تھا ۔ پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی تھی لیکن افغان سرداروں نے ابھی حوصلہ نہیں ہارا تھا اور اپنے اقتدار کی بازیافت کے لیے اُن کی کوششیں جاری تھیں جن کا خمیازہ بابر کے جانشین ہمایوں کو بھگتنا پڑا ۔ تیسرا مرحلہ برصغیر کے عوام سے رابطے کا تھا جو صدیوں سے منگولوں کی یلغاروں کے خوگر تھے اور بابر اور اُس کے لشکر کو بھی اسی قسم کے حملہ آور سمجھ رہے تھے ۔ یہ خوف دور کر کے عوام کے دلوں میں جگہ بنانی بھی بادشاہت کی کامیابی کے لیے ضروری تھی ۔ چنانچہ بابر نے اپنی وفات (۱۵۳۰ء) سے پہلے ہمایوں کو رعایا کے مختلف عناصر سے روا داری اور انصاف سے پیش آنے کی نصیحت کی اور ساتھ ہی بھائیوں سے فیاضانہ سلوک کرنے لیکن اُن پر کڑی نگاہ رکھنے کی تلقین کی ۔ یہ دونوں امور آئندہ مغل بادشاہت کے لیے بڑی اہمیت کے حامل رہے ۔

ہمایوں نے تخت نشین ہو کر باپ کی نصیحت کے مطابق سوتیلے بھائیوں سے فیاضانہ سلوک کیا اور سلطنت کے مختلف حصے اُن کو دے دیے ۔ پنجاب ، کابل اور قندھار مرزا کامران کی تحویل میں تھے ۔ ہمایوں راجپوتانہ اور گجرات کی تسخیر

میں مصروف تھا ۔ اُدھر شیر خان بلاد شرقیہ میں افغانوں کی قوت مجتمع کرکے اُس کے لیے بہت بڑا خطرہ بن رہا تھا ، ادھر بھائی اُس سے بے وفائی کر رہے تھے ۔ بالآخر شیر خاں کے مقابلے میں ہمایوں کو ہزیمت اٹھا کر تخت و تاج سے ہاتھ دھونے پڑے ۔ ۱۵۴۰ء میں آگرہ و دہلی کو خیر باد کہہ کر وہ لاہور آیا ۔ بھائی مشکل میں ساتھ دینے کی بجائے دشمنی پر تلے ہوئے تھے ۔ ہمایوں نے پنجاب سے سندھ اور وہاں سے بلوچستان کی راہ ایران کا رخ کیا ۔ شیر شاہ سوری (وفات ۱۵۴۵ء) اور اُس کے جانشین پندرہ سال تک شمالی ہند میں حکمرانی کرتے رہے ۔ حتیٰ کہ ۱۵۵۵ء میں ہمایوں واپس آ کر اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی میں کامیاب ہوا ۔ لیکن دوبارہ تخت نشینی کے چند ماہ بعد محل کے زینے سے پھسل کر وفات پائی (۱۵۵۶ء) ۔ ہمایوں کی رحلت کے وقت اکبر اپنے اتالیق بیرم خان کے ہمراہ پنجاب میں تھا ۔ کلانور کے مقام پر اُس کی تخت نشینی ہوئی ۔ اس مرحلے پر آگرہ و دہلی پھر مغلوں کے قبضے سے نکل گئے اور عادل شاہ سوری کے ہندو وزیر ہیمو بقال نے یہاں کے مغل گورنروں کو شکست دے کر راجہ بکرماجیت کے لقب سے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا ۔ راجپوت راجے اور افغان سردار بھی اُس کے جھنڈے تلے اکٹھے ہو گئے ۔ مغلوں کے لیے یہ بہت نازک وقت تھا ۔ اکثر چغتائی سردار واپس کابل جانے کو تیار تھے لیکن بیرم خاں نے مقابلے کا فیصلہ کیا اور خورد سال اکبر نے اس سے اتفاق کیا ۔ ۵ نومبر ۱۵۵۶ء کو پانی پت کی دوسری جنگ ہوئی ۔ ہیمو بقال اور اُس کی ہندو اور افغان افواج کو شکست فاش ہوئی ۔ دہلی ، آگرہ اور اس کے ساتھ ہی سارا شمالی ہند پھر مغلوں کے قبضے میں آ گیا اور اُن کے قدم مضبوطی سے یہاں جم گئے ۔ اکبر بادشاہ سے مغل شہنشاہیت کا وہ عظیم الشان دور شروع ہوا جس میں جہانگیر ، شاہجہان ، عالمگیر کے عہد تک سلطنت کی حدود پھیلتی ہی چلی گئیں اور استحکام ، خوشحالی اور فارغ البالی کے اعتبار سے یہ تاریخ کا مثالی دور بن گیا ۔ اکبر کے عہد میں کشمیر ۱۵۸۶ء میں فتح ہوا ۔ سندھ ۱۵۹۱ء میں اور بلوچستان ۱۵۹۵ء میں ملحق کیے گئے ۔ شمال مغرب میں کابل ، قندھار اور بدخشاں سے لے کر مشرق میں بنگال و بہار اور جنوب میں گجرات ، خاندیش ، برار اور احمد نگر سلطنت کا حصہ بنے ۔ دکن کی مہمات اورنگ زیب کے عہد میں مکمل ہوئیں اور پہلی بار برصغیر کی حدود میں اتنی وسعت آئی کہ جس کی مثال نہ اسلامی عہد سے پہلے ملتی ہے نہ بعد میں انگریزی اقتدار کے زمانے میں !

مغلوں کے اس درخشاں عہد میں ''لاہور کا ستارۂ عروج و اقبال چمکا ۔ بابر کے جانشینوں نے لاہور کو خوب رونق دی اور اسے واقعی ایک تختہ گلزار بنا دیا ۔ ہمایوں نے پنجاب ، کابل ، قندھار اپنے چھوٹے بھائی کامران کو دیے ۔ کامران نے

لاہور میں خوشنما عمارتیں بنوائیں"[1] شیر شاہ سوری نے ۱۵۴۰ء میں پنجاب پر قبضہ کیا تو لاہور سے اٹک اور دہلی تک شاہراہ اعظم تعمیر کی جو آگے بنگال تک چلی گئی - لاہور اور ملتان کے درمیان بھی پختہ سڑک بنوائی اور ان سڑکوں پر جگہ جگہ کاروان سرائیں ، چوکیاں بنائیں اور درخت لگوائے - جہلم کے قریب قلعہ رہتاس بنایا تاکہ اس علاقے میں امن و امان قائم ہو - ہمایوں کی واپسی پر کچھ عرصہ پنجاب میں ہل چل رہی اور اس کے بعد آگرہ مغلوں کا مرکز حکومت بن گیا اور دہلی و آگرہ کے علاقوں کو مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی - پنجاب اب نہ سرحدی علاقہ تھا اور نہ مرکزی مقام ، اس لیے اس صوبے کی دفاعی اور سیاسی لحاظ سے وہ اہمیت نہ رہی جو سلاطین دہلی کے زمانے میں تھی - تاہم پنجاب مرکز سلطنت کے قریب تھا اور دارالحکومت سے کشمیر ، کابل ، بدخشاں ، قندھار ، سندھ اور بلوچستان جاتے ہوئے ایک اہم پڑاؤ تھا جہاں سے کبھی کبھی شاہی قافلے بھی گزرتے تھے - اس لیے اس شاہی گزرگاہ (پنجاب کے مرکز لاہور) کو مغلوں کے دور اقتدار میں بڑی رونق حاصل ہوئی - اکبر ۱۵۸۴ء اور ۱۵۹۸ء کے دوران لاہور میں رہا اور قلعۂ لاہور کی تعمیر کروائی - جہانگیر اور شاہجہان کشمیر آتے جاتے لاہور میں قیام کرتے - جہانگیر کی وفات ۱۶۲۷ء میں کشمیر سے آتے ہوئے راجوری میں ہوئی تو اس کا مدفن لاہور بنا - نورجہان نے اپنی بیوگی کا زمانہ یہیں گزار کر ۱۶۴۶ء میں انتقال کیا اور اپنے مرحوم شوہر کے قریب شاہدرہ میں دفن ہوئیں - شاہجہان کے عہد میں شالیمار باغ ، مسجد وزیر خاں (۱۰۴۵ھ) اور بہت سی دوسری عمارات تعمیر ہوئیں - دارا شکوہ کو بھی لاہور سے بڑا انس تھا کیونکہ اس کے مرشد میاں میر یہیں تھے - اورنگ زیب عالمگیر کو اپنی دکن کی مہمات کی وجہ سے ادھر آنے کے مواقع کم ملے - تاہم اس کے عہد میں پنجاب امن و عافیت کا گہوارہ بنا رہا - عالمگیر نے بادشاہی مسجد تعمیر کروا کے (۱۰۸۴ھ) لاہور کے حسن میں اضافہ کیا اور راوی پر کئی میل لمبا پختہ بند بنوا کر شہر کو سیلاب سے محفوظ کیا - اگرچہ وسیع و عریض مغل سلطنت میں پنجاب اپنی سابق سیاسی اہمیت کا حامل نہ رہا تھا لیکن خوشحالی و فارغ البالی میں یہ صوبہ بھی کسی سے پیچھے نہ تھا - ثقافتی و تہذیبی لحاظ سے اس دور میں پنجاب نے بھی بڑی ترقی کی - سلطنت کے مراکز آگرہ اور دہلی میں ایرانی و تورانی اثرات کے تحت نیا ہندوستانی رنگ ثقافت ابھر رہا تھا - مرکز میں پنجاب کا غلبہ و اثر نسبتاً کم ہونے لگا تھا - اس لیے یہی زمانہ ہے جس میں پنجاب اور دہلی و آگرہ کے مابین لسانی اختلافات ابھرنے لگے اور مرکز سلطنت کا اپنا محاورہ و روزمرہ بننے لگا -

---

۱- تاریخ پنجاب ، سید محمد لطیف ، صفحہ ۳۲ ...

اکبری دور کی سیاسی منصوبہ بندی اور مذہبی و معاشرتی حکمت عملی کا مرکز فتح پور سیکری تھا ، پنجاب اس سے براہ راست متاثر نہیں ہوا ۔ تاہم اس عمل اور اس کے رد عمل سے مجموعی طور پر ملکی حالات جتنے متاثر ہوئے پنجاب بھی اُن سے باہر نہیں تھا ۔ دور سلاطین کے آخر میں مختلف مذاہب کے درمیان رابطے کا جو عمل شروع ہوا تھا ، اُس کے نتیجے میں کچھ صلح کل تحریکیں ابھریں۔ ہندوؤں میں احیائی رجحان پیدا ہوا ۔ اکبری دور میں یہ تحریکیں اور رجحانات ایک خاص رنگ لائے ۔ اکبر نے مغل سلطنت کے استحکام کے لیے راجپوتوں سے رشتے ناطے شروع کیے اور اس کے ساتھ ہی ایک نئی مذہبی روش اختیار کی جو اُس کی سیاسی حکمت کے تابع تھی ۔ اکبر شروع شروع میں ایک سیدھا سادا مسلمان تھا لیکن رفتہ رفتہ سیاسی ضرورتوں اور بعض حالات نے اُسے ایک نئی راہ پر ڈال دیا جس کے کچھ سیاسی فوائد بھی تھے اور بہت سے ملی نقصانات بھی تھے ۔ ہندوؤں سے تعلقات بنانا اور مختلف مسلکوں اور مذہبوں کے ماننے والوں سے روا دارانہ سلوک کوئی بری بات نہ تھی لیکن یہ راہ اسلام کی ساکھ کو نقصان پہنچائے بغیر بھی اختیار کی جا سکتی تھی لیکن اکبر سے اجتہادی غلطی یہ ہوئی کہ اُس نے سیاست اور مذہب میں اپنی ذات کو مرکز بنا کر ایک نیا مسلک اختیار کیا جس کا خمیازہ بہ حیثیت مجموعی ملت اسلامیہ کو بھگتنا پڑا ۔ اکبر نیم خواندہ لیکن زیرک حکمران تھا ۔ اُس نے فتحپور سیکری میں عبادت خانہ کی تعمیر (١٥٧٥ء) کرکے وہاں مختلف مذاہب کے بارے میں معلومات کے حصول کے لیے مباحثے کا طریق اختیار کیا ۔ علمی لحاظ سے اس میں قباحت نہ تھی لیکن عملی طور پر یہ طریق مضر ثابت ہوا ۔ اس جگہ بعض علما کے باہمی مناقشوں نے اکبر کو بدظن کیا ۔ اکبر کے مصاحب خوشامدی دانشوروں نے اُس کے ذہن کو گمراہی کی طرف آمادہ کیا ، نتیجہ یہ نکلا کہ اکبر نے مجتہد بن کر من مانی مذہبی اصطلاحات و اختراعات کا سلسلہ شروع کر دیا ۔ اکبر کا یہ طریق کار ہندوؤں کے نزدیک تو اس لحاظ سے بہتر تھا کہ اس طرح ایک دنیوی حکومت اور مذہبی رواداری کے نام پر لامذہب سا نظام اُن کے لیے اسلام کے شرعی نظام عدالت و حکومت کے مقابلے میں قابل قبول تھا ۔ کیونکہ اس میں ہندومت کو ہاتھ سے کچھ نہیں دینا پڑتا تھا ، نقصان سراسر مسلمانوں کے اجتماعی نظام معاشرت کو پہنچتا تھا جو اپنے مرکز ثقل (شریعت) سے ہٹ کر اپنی ہستی سے بیگانہ ہو جاتا تھا لیکن یہ مسلک اکبری دانشوروں کے حلقے اور بعض خوشامدی مصاحبوں سے آگے نہ بڑھ سکا ۔ وہ اکبری امرا جو کشور کشائی میں اُس کے دست و بازو تھے ، اس مسلک کو ناپسند کرتے تھے ۔ ملک کے مختلف حصوں میں اکبر کے الحاد کے خلاف شورش پیدا ہوئی اور عام مسلمانوں میں

اس پر سخت رد عمل ہوا ۔ اسی زمانے میں برصغیر میں سلسلۂ نقشبندی کے بانی خواجہ باقی باللہ (متوفی ۱۶۰۳ء) دہلی پہنچے اور انہوں نے اکبری الحاد کے سدباب اور نفاذ شریعت میں امرا کی رہنمائی کی ۔ خواجہ صاحب کے مرید اور خلیفہ شیخ احمد سرہندی المعروف بہ مجدد الف ثانی (۱۵۶۳ء - ۱۶۲۴ء) نے احیائے دین اور نفاذ شریعت کی تحریک شد و مد سے اٹھائی ۔ خواجہ باقی باللہ اور حضرت مجدد صاحب کی کاوشوں کے نتیجے میں عہد جہانگیری میں اکبری مسلک کا قلع قمع ہوگیا ۔ مغل شہنشاہوں (جہانگیر ، شاہجہان ، اورنگ زیب عالمگیر) نے اسلامی اقدار و روایات پر عمل کرتے ہوئے مذہبی رواداری ، اعتدال کو فروغ دیا اور تمام رعایا سے بلاامتیاز عقیدہ و مسلک عدل و انصاف کو شعار بنایا ۔ عالمگیر کے عہد میں اکبری دور کے بعض خلاف شرع طریقے (بادشاہ کو سجدہ وغیرہ) بالکل ترک کر دیے گئے ۔ خان قلیچ خاں اکبری عہد کا ایک متدین امیر تھا جو اکبر کے آخری زمانے میں پنجاب کا گورنر تھا ۔ ''وہ گورنری کے زمانے میں ہر روز مدرسہ میں جا کر تین گھنٹے تک فقہ و تفسیر کا درس دیتا ، اور علوم شرعی کی ترویج کرتا ۔''[1] خان اعظم قلیچ خاں کے بعد بھی جو امرا (مرتضیٰ خان ، خلیل اللہ خاں ، وزیر خان ، علی مردان خان ، مکرم خاں) پنجاب کے گورنر رہے انہوں نے یہاں اسلامی ماحول کو فروغ دیا ۔ نقشبندی اور قادری سلسلے کے بزرگوں نے اس دور میں پنجاب میں اشاعت اسلام کا سلسلہ جاری رکھا ۔ ہندوؤں کی جارحانہ احیائی تحریکوں کے بارے میں اگرچہ نقشبندی سلسلے کے بزرگوں کا رویہ سخت تھا ، تاہم امرا کے علاوہ علما و مشائخ نے بھی پنجاب میں مذہبی رواداری کی فضا کو قائم رکھا ۔ اکبر نے گورو رامداس کو پانچ سو بیگہ اراضی عطا کی جہاں امرتسر کی بنیاد رکھی گئی ۔ مغل بادشاہ سکھ گوروؤں کی خاطر داری کرتے تھے ۔ معاصر علما و مشائخ کے بھی سکھ گوروؤں سے مہر و اخلاص کے تعلقات تھے ۔ کہا جاتا ہے کہ دربار صاحب امرتسر کا سنگ بنیاد حضرت میاں میر صاحب نے رکھا ۔ لیکن رفتہ رفتہ سکھ گوروؤں کا رجحان درویشی سے بڑھ کر اپنے سلسلے کے اجتماعی نظام کے قیام و استحکام کی طرف ہوگیا ۔ پانچویں گوروارجن دیو نے عہد جہانگیری میں شہزادہ خسرو کی بغاوت میں مدد کرکے پہلی بار سیاست کے کوچے میں قدم رکھا ۔ چھٹے گورو ہرگوبند سنگھ نے سکھوں میں عسکری تنظیم کا آغاز کیا ۔ اُن کے پیروؤں نے اس رجحان کو ترقی دی ۔ نویں گورو تیغ بہادر نے مغل حکومت کے خلاف باغیانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے پنجاب اور کشمیر میں قتل و غارت کا سلسلہ شروع کیا جس پر شاہی افواج نے آسے گرفتار کرکے دہلی بھیج دیا جہاں ۱۶۷۵ء

۱- رود کوثر ، شیخ اکرم ، صفحہ ۱۹۵ -

میں بغاوت اور قتل و غارت کے جرائم میں انہیں سزائے موت دی گئی ۔ اس کے بعد دسویں گورو گوبند سنگھ نے بھی پنجاب میں قتل و غارت کا بازار گرم کیا ۔ ان کے خلاف فوجی کارروائی ہوئی ۔ دو لڑکے گرفتار ہو کر قتل ہوئے ۔ بعد ازاں گورو نے اطاعت قبول کر لی اور بہادر شاہ کے دربار میں پہنچ کر اطاعت کا یقین دلایا ۔ سکھوں کا یہ آخری گورو ۱۷۰۸ء میں ایک افغان کے ہاتھوں قتل ہوا ۔ پنجاب کی فضا میں اس معمولی شورش کے علاوہ ، جو عالمگیر کے آخر عہد میں ہوئی ، مجموعی طور پر امن و امان رہا ۔ اور اس فضا میں یہاں معاشرتی ، معاشی ، تہذیبی اور ثقافتی لحاظ سے ترقی ہوئی ۔ ثقافتی سرگرمیوں کے اصل مراکز اگرچہ دہلی و آگرہ تھے لیکن مغل امرا کی سرپرستی اور یہاں سے گزر کر کشمیر جانے والے بادشاہوں کی توجہ سے لاہور کو بھی ترقی و خوشحالی نصیب ہوئی ۔ یہاں فن تعمیر کے نادر نمونے (مقبرہ جہانگیر ، مسجد وزیر خاں ، بادشاہی مسجد) وجود میں آئے ۔ امرا کی حویلیاں ، باغات اور اکثر مقبرے حوادث زمانہ کی نذر ہوگئے لیکن بعض آثار باقیہ اس عہد کے لاہور کا بڑا خوبصورت تصور پیش کرتے ہیں ۔

مغلوں کا زوال اور سکھا شاہی دور (۱۷۰۷ء - ۱۸۴۹ء)

اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں مغلیہ سلطنت کی حدود پورے برصغیر کا احاطہ کرنے کے علاوہ شمال مغرب میں بدخشاں اور کابل و ہرات اور مشرق میں اراکان (برما) تک پھیلی ہوئی تھیں اور ملک میں کوئی فتنہ و فساد باقی نہیں رہا تھا ۔ لیکن احمد نگر (دکن) میں عالمگیر کی آنکھیں بند ہوتے ہی (۱۱۱۸ء / ۱۷۰۷ء) زوال کے سائے پھیلنے لگے ۔ مغلوں کے نظام حکومت کا سب سے نازک مسئلہ وراثت تخت و تاج کا تھا جو بابر سے لے کر عالمگیر تک ہر دور میں کسی نہ کسی شکل میں سر اٹھاتا رہا ۔ ہمایوں کے لیے سب سے زیادہ درد سر کا باعث اس کے بھائی بنے ۔ اکبر کو بھائی (حکیم مرزا) اور فرزند (سلیم) کی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا ۔ جہانگیر کو بھی اپنے بیٹوں خسرو اور خرم کی سر کشی سے واسطہ پڑا ۔ شاہجہان کی زندگی ہی میں اس کے چاروں فرزند (دارا ، شجاع ، اورنگ زیب اور مراد) حصول تخت کے لیے نبرد آزما ہوئے ۔ تاہم ان مغل شہزادوں کی اس فطری خواہش کے خون آشام اظہار نے سلطنت کے نظم و نسق اور عام کاروبار زندگی کو زیادہ متاثر نہ ہونے دیا ۔ اول تو معرکہ آرائی کے بعد اعلیٰ صلاحیتوں کا حامل شہزادہ وارث تخت و تاج بنتا ۔ پھر وہ کامیابی کے بعد اپنے حریفوں کے امرا و سرداروں کو معاف کرکے ان کے منصب بحال رکھتا اور سلطنت کے قیام و استحکام میں ان سے مدد لیتا ۔ اور پھر قدرت نے انہیں بادشاہت کے لیے اتنی مہلت دی کہ وہ اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کر سکے ۔ اس لیے ان کی تخت نشینی کے خونریز واقعات کو لوگوں

نے فراموش کرکے اُن کی ملکی خدمات کو سراہا ۔ لیکن عالمگیر کے بعد یہ باتیں تقریباً مفقود ہوگئیں اور تخت و تاج کے لیے جنگوں کا جو طویل سلسلہ شروع ہوا اُس نے دس پندرہ سال میں عظیم مغل سلطنت کی طنابیں ہلا کر رکھ دیں اور زوال و انحطاط کا عمل تیزی سے شروع ہوگیا ۔ اس عمل کے اثرات مختلف صوبوں میں اپنے اپنے حالات کے مطابق ہوئے ۔ ہم یہاں صرف پنجاب کے حالات پر اپنی توجہ مرکوز رکھیں گے ۔

عالمگیر کی وفات کے بعد شہزادوں (معظم ، اعظم ، کام بخش) کے مابین حصول تخت کی جنگیں ہوئیں ۔ محمد معظم نے کامیاب ہو کر بہادر شاہ کے لقب سے تخت شاہی کو رونق بخشی ۔ اُس کا پانچ سالہ عہد راجپوتوں اور سکھوں کی شورشوں کو فرو کرنے میں گزرا ۔ پنجاب میں گورو گوبند کے بعد اُس کے ایک چیلے بندہ بیراگی نے شورش برپا کی اور کرنال و لدھیانہ کے علاقوں میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا اور پھر ستلج پار کرکے کئی شہروں اور قصبوں کو لوٹتا ہوا لاہور تک آ پہنچا ۔ لاہور کے گورنر سید اسلم نے شہر سے نکل کر اُس کا مقابلہ کیا اور ہزیمت اٹھائی ۔ بہادر شاہ خود اس فتنے کے اِستیصال کے لیے پنجاب آیا ۔ بندہ بیراگی شاہی افواج کے مقابلے کی تاب نہ لا کر پہاڑوں میں روپوش ہوگیا ۔ ۱۷۱۲ء میں بہادر شاہ اس شورش کو دبا کر اپنے چاروں بیٹوں (جہاندار ، عظیم الشان ، رفیع الشان ، جہان شاہ) سمیت لاہور میں تھا کہ اُسے پیغام اجل آ پہنچا ۔ باپ ابھی نزع کے عالم میں تھا کہ چاروں شہزادوں نے حصول تخت کے لیے جدال و قتال کا آغاز کر دیا ۔ یہ جنگ لاہور کے نواح میں راوی کے کنارے کئی روز تک جاری رہی ۔ پہلے جہاندار شاہ اور عظیم الشان کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی ۔ جس میں عظیم الشان ، اُس کے بیٹے اور بے شمار امرا و سپاہی کام آئے ، پھر جہاندار شاہ اور جہان شاہ میں تصادم ہوا ، اس میں بھی جہاندار کامیاب ہوا ۔ آخر میں رفیع الشان اور جہاندار شاہ کی افواج ٹکرائیں جس میں رفیع الشان مع اپنے تین فرزندوں کے بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا ۔ تقریباً تین ہفتے کی اس خون آشام جنگ کے بعد جس میں خون برادر پانی کی طرح بہا ، جہاندار شاہ باپ اور بھائیوں کی میتوں کو لے کر دہلی روانہ ہوا ۔ مقتول شہزادوں کی افواج منتشر کر دی گئیں ۔ لاہور امرا موت کے گھاٹ اتار دیے گئے ۔ بچے کھچے امرا کو طوق و سلاسل میں جکڑ کر دہلی پہنچایا گیا ۔ اس طرح حریفان اقتدار کو خاک و خون میں ملا کر جہاندار شاہ نے تخت شاہی پر قدم رکھا ۔

جہاندار شاہ مغلیہ خاندان کا پہلا بدترین حکمران تھا جس نے کامیابی کے بعد ذمے داری سے بے نیاز ہو کر ظلم و ستم اور عیش و نشاط کی راہ اختیار کی ۔ سلطنت کے دست و بازو امرا مقتول اور محبوس ہوئے ، اور شاہی قلعہ طوائفوں اور بھانڈوں

کا مسکن بنا ۔ لیکن یہ دور ایک سال بھی نہ چل سکا ۔ عظیم الشان کے بیٹے فرخ سیر نے سادات بارہہ کی مدد سے بلاد شرقیہ سے آ کر جہاندار شاہ کے اقتدار کا خاتمہ کر دیا اور وہ اپنے عبرت انگیز انجام کو پہنچا ۔ فرخ سیر کے چھ سالہ عہد میں بھی کئی امرا کو قید و بند کے حوالے اور کئی مغل شہزادے نور بصارت سے محروم کر دیے گئے ۔ اقتدار پر سادات بارہہ کی گرفت مضبوط تھی ۔ فرخ سیر کے دور حکومت میں انگریزوں کو تجارتی حقوق ملے ۔ راجپوتوں اور سکھوں کی بغاوتیں فرو ہوئیں ۔ لاہور کی جنگ تخت نشینی کے بعد بدنظمی و انتشار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پنجاب میں بندہ بیراگی نے پھر سر اٹھایا ۔ اس نے سرہند پر قبضہ کرکے وہاں مسلمانوں کا قتل عام کیا ۔ پھر ستلج ، بیاس اور راوی کے درمیان کئی قصبوں کو جلا کر تباہ کر دیا اور مسلمانوں کو قتل و غارت گری کا نشانہ بنایا ۔ پنجاب کے مشہور علمی و ثقافتی مرکز بٹالہ میں قتل و غارت کرکے اس کے ایک حصے کو آگ لگا دی جو بعد میں اس تاخت کے نتیجے میں کھنڈے کھولے کہلاتا رہا ۔ بندہ بیراگی کی غارتگری سے لاہور بھی نہ بچ سکا ۔ فرخ سیر نے نواب عبدالصمد خاں کو لاہور کی صوبیداری پر مامور کرکے بندہ بیراگی کی سرکوبی کا حکم دیا ۔ نواب عبدالصمد نے سکھوں کو شکست دے کر گورداسپور کے قلعے میں محصور کر لیا ۔ کئی ماہ کے محاصرے کے بعد سکھوں نے ہتھیار ڈالے ۔ بندہ بیراگی اور اس کے سرکش ہمراہی گرفتار کرکے دہلی بھیجے گئے جہاں وہ اپنے انجام کو پہنچے ۔ باقی ماندہ سکھ جنگلوں اور پہاڑوں میں جا چھپے ۔ بندہ کے قتل کے بعد عرصے تک سکھوں کی شورش دب گئی ۔

مرکز میں سادات بارہہ نے فرخ سیر کو معزول و مقتول کرکے دو کمزور شہزادے (رفیع القدر اور رفیع الدرجات) تخت طاؤس پر بٹھائے جو تین تین ماہ کی نمائشی بادشاہی کرکے گزر گئے ۔ ان کے بعد ایک تیموری شہزادے روشن اختر کو محمد شاہ کے لقب سے تخت شاہی پر بٹھایا گیا (۱۱۳۱ھ / ۱۷۱۹ء) ۔ اس کے دوسرے سال جلوس ہی میں بادشاہ گر سادات کا زور ٹوٹ گیا اور یہ مغل بادشاہ ۱۷۴۸ء تک تخت دہلی پر متمکن رہا ۔ اس کا دور حکومت طویل تھا لیکن اسی دور میں زوال سلطنت اپنی انتہا کو پہنچا ۔ اور صوبے خود مختار ہوگئے ۔ دہلی کے لال قلعے میں مغل بادشاہ کا اقتدار بالادست امرا کے رحم و کرم کا محتاج ہوگیا ۔ اسی زمانے میں طویل سکوت کے بعد دکن میں مرہٹوں نے سر اٹھایا اور وہ شمالی ہند تک یلغاریں کرنے لگے ۔ ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا اور دہلی میں قتل عام کرکے اور کروڑوں کا مال غنیمت سمیٹ کر ایران لوٹا ۔ اور پھر اس کی وفات کے بعد اس کے ایک جرنیل احمد شاہ ابدالی نے کابل و قندھار میں اپنی حکومت

قائم کرکے برصغیر کو مسلسل تاخت کا نشانہ بنایا ۔

پنجاب میں ۱۷۱۷ء اور ۱۷۳۸ء کے درمیانی عرصے میں سکھ بالکل دبکے رہے ۔ نواب عبدالصمد کے بعد اُس کا بیٹا زکریا خاں پنجاب کا گورنر ہوا ۔ ان دونوں گورنروں کے عہد میں پنجاب خوش حال رہا اور یہاں فن تعمیر اور علم و ادب کو بہت فروغ ہوا ۔ شرف النساء بیگم اسی نواب عبدالصمد کی دختر تھی جس نے قرآن اور شمشیر کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھا اور وفات کے بعد یہ دونوں چیزیں حسب وصیت اُس کی لحد پر رکھی گئیں ۔[۱] نومبر ۱۷۳۸ء میں نادر شاہ پنجاب کے دریاؤں کو عبور کرتا ہوا آگے بڑھا ۔ زکریا خاں نے پہلے وزیر آباد میں مقابلہ کیا ، پھر لاہور میں راوی کے پار تین روز تک مقابلہ کیا ۔ ناکامی کے بعد شہر میں محصور ہوکر صلح کی درخواست کی جسے نادر شاہ نے منظور کر لیا اور شہر کو امان ملنے کے علاوہ زکریا خاں کی صوبیداری بحال رہی ۔ ہندوستان سے نادر شاہ کی واپسی کے بعد سکھوں نے پھر سر نکالا اور مختلف مقامات پر گڑھیاں بنا کر انھوں نے غارت گری کا سلسلہ شروع کیا ۔ اسی اثنا میں زکریا خاں فوت ہوا اور اُس کا بیٹا یحییٰ خاں صوبیدار بنا ۔ اس کے عہد میں سکھوں نے شورش برپا کر دی اور لاہور کے دیوان لکھپت رائے کے بھائی جسپت رائے (فوجدار ایمن آباد) کو قتل کر دیا ۔ ۱۷۴۶ء میں لکھپت رائے یحییٰ خان کی فوج کے ہمراہ سکھوں کی سرکوبی کے لیے گیا ۔ سکھ جموں کی طرف بھاگ گئے ۔ ایک ہزار گرفتار ہوئے جنھیں لاہور لا کر دہلی دروازے کے باہر قتل کیا گیا ۔ کچھ عرصے کے لیے سکھوں کا فتنہ پھر دب گیا ۔ اس کے بعد پنجاب کی گورنری کے لیے صوبیدار شہنواز خاں (نواب عبدالصمد کا پوتا) اور نواب یحییٰ خاں کے درمیان وراثت کا جھگڑا شروع ہوا ۔ یحییٰ خاں شکست کھا کر دہلی بھاگ گیا اور شہنواز خاں لاہور کا والی بن بیٹھا ۔ اُس نے جالندھر کے ناظم آدینہ بیگ کے مشورے سے احمد شاہ ابدالی سے موافقت کر لی اور ابدالی نے ۱۷۴۸ء میں برصغیر پر اپنے حملوں کا آغاز کیا ۔ اس حملے میں اُسے سرہند کی لڑائی میں ہزیمت ہوئی اور اُسے واپس جانا پڑا ۔ اسی سال محمد شاہ فوت ہوا اور احمد شاہ اُس کا بیٹا تخت دہلی پر بیٹھا ۔ مغل وزیر نواب قمر الدین (جو سرہند کی لڑائی میں ہلاک ہوا) کا بیٹا معین الملک عرف میر منو پنجاب کا نیا صوبیدار مقرر ہوا ۔ مغلوں اور افغانوں کی لڑائی کے نتیجے میں جو ابتری پھیلی سکھوں نے اس سے فائدہ اٹھا کر پھر لوٹ مار کا بازار گرم کر دیا تھا ۔ میر منو سکھوں کی سرکوبی کے لیے نکلا تو سکھ پھر

۱۔ اقبال نے جاوید نامہ میں اس روایت کو تفصیل سے نظم کرکے پنجاب کی مابعد صورت حال کا عبرت انگیز حال بیان کیا ہے ۔

اپنی پناہ گاہوں میں دبک گئے۔ احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر دوسری بار (۱۷۴۹ء میں) اور پھر تیسری بار (۱۷۵۲ء میں) یلغار کی ۔ میر منو نے مقابلہ کرکے شکست کھائی اور پنجاب کے چار اضلاع کا مالیہ بطور خراج دینا قبول کرکے صلح کر لی ۔ میر منو ایک حادثے میں فوت ہوا تو اُس کا شیر خوار بیٹا لاہور کا صوبیدار بنایا گیا اور میر منو کی بیوہ مراد بیگم (عرف مغلانی بیگم) اُس کی سرپرست بنی ۔ لاہور کے اس وقت دو دعویدار تھے مغل بادشاہ احمد شاہ بن محمد شاہ اور افغان حکمران احمد شاہ ابدالی ۔ مغلانی بیگم نے اپنی ڈپلومیسی سے دونوں درباروں سے موافقت رکھی ۔ لیکن ان دو طرفہ تعلقات نے لاہور اور پنجاب کے لوگوں کا مستقبل تاریک کر دیا تھا ۔ ۱۷۵۴ء میں احمد شاہ کو معزول اور آنکھوں سے معذور کرکے عالمگیر ثانی کو تخت دہلی پر بٹھایا گیا ۔ مغلانی بیگم کی دعوت پر احمد شاہ ابدالی چوتھی بار پنجاب پر یلغار کرکے واپس ہوا تو وزیر عماد الملک نے اپنے سپاہیوں کے ذریعے مغلانی بیگم (اپنی ساس) کو گرفتار کرا کے دہلی منگوایا اور آدینہ بیگ کو لاہور کا صوبیدار مقرر کیا ۔ وزیر کے اس فعل کو احمد شاہ ابدالی نے اپنی توہین سمجھا اور ۱۷۵۶ء میں لاہور کا رخ کیا ۔ آدینہ بیگ نے راہ فرار اختیار کی ۔ ابدالی اپنے بیٹے تیمور کو لاہور میں چھوڑ کر دہلی پہنچا ۔ دہلی کو لوٹا اور وہاں قتل عام کیا ۔ دو ماہ بعد واپسی پر محمد شاہ کی دختر سے خود شادی کی اور تیمور کا نکاح عالمگیر ثانی کی بیٹی سے کیا ۔ عماد الملک نے اپنی ساس کی سفارش سے معافی حاصل کی اور اپنا اقتدار بحال کیا ۔ احمد شاہ ابدالی نے نجیب الدولہ کو دہلی میں اپنا مختار اور تیمور کو لاہور کا ناظم مقرر کیا ۔ تیمور خاں سکھوں اور آدینہ بیگ کی سرکوبی پر کمربستہ ہوا ۔ سکھ حسب معمول پہاڑوں کی طرف چلے گئے ۔ آدینہ بیگ بھی اُن کے ساتھ روپوش ہوگیا اور انھیں تیمور خاں کے خلاف ابھارتا رہا ۔ ۱۷۵۸ء میں سکھوں نے ٹڈی دل کی طرح اپنی گڑھیوں اور پہاڑی کمین گاہوں سے نکل کر لاہور کا محاصرہ کر لیا ۔ تیمور خاں مقابلے کی تاب نہ لا کر چناب کی طرف پسپا ہوگیا اور پہلی بار سکھوں نے جسا سنگھ کلال کی سرکردگی میں لاہور پر قبضہ کر لیا ۔ آدینہ بیگ نے مرہٹوں سے ساز باز کر لی اور مرہٹوں نے پنجاب پر قبضہ کرکے آدینہ بیگ کو ۷۵ لاکھ سالانہ خراج کے عوض یہاں کا گورنر بنا دیا ۔ سکھوں نے لاہور خالی کر دیا اور افغان سپاہ اٹک کے پار چلی گئی ۔ ۱۷۵۹ء میں عماد الملک نے عالمگیر ثانی کو قتل کروا دیا ۔ مرکز اور پنجاب میں مرہٹوں کے غلبے کی یہ خبریں سن کر احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان کا رخ کیا ۔ مرہٹے ملتان و لاہور خالی کرکے دہلی کی طرف آ گئے ۔ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی تیسری جنگ میں مرہٹوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کا خاتمہ ہوگیا ۔ فاتح احمد شاہ ابدالی دہلی کو نجیب الدولہ کے حوالے کرکے اور لاہور میں بلند خاں کو حاکم بنا کر کابل

واپس چلا گیا ۔ ابدالی کی واپسی کے بعد سکھوں نے پھر سر اٹھایا ۔ چڑت سنگھ (رنجیت سنگھ کے دادا) نے گوجرانوالہ میں گڑھی بنا لی تھی ۔ بلند خان نے ۱۷۶۲ء میں اس پر حملہ کیا اور شکست کھائی ۔ سکھوں کے حوصلے اور بڑھ گئے ۔

پانی پت کی تیسری جنگ برصغیر کی تاریخ میں اس لحاظ سے فیصلہ کن ہے کہ اس میں مفتوح بھی پس گئے اور فاتح نے بھی اس سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا ۔ شمالی ہند میں جو سیاسی خلا پیدا ہوا ، اسے ایک تیسری طاقت (ایسٹ انڈیا کمپنی) نے پر کیا جو شاہ عالم ثانی کو بکسر کی جنگ (۱۷۶۴ء) میں شکست دے کر بتدریج آگے بڑھی اور ۱۸۰۳ء میں آگرہ و دہلی پر قابض ہو گئی ۔ جہاں تک پنجاب کا تعلق ہے یہاں معین الملک (میر منو) کے بعد بدامنی اور انتشار کا جو دور شروع ہوا تھا ، اس جنگ کے بعد اس میں بہت اضافہ ہوگیا ۔ بظاہر پنجاب اس زمانے میں ابدالی کی مملکت میں شامل تھا لیکن اس کے مقرر کردہ ناظم پنجاب کی حفاظت میں قطعاً ناکام رہے ۔ پنجاب کو لاوارث سمجھ کر سکھوں نے چاروں طرف یلغاریں کر کے لوٹ مار کا سلسلہ شروع کیا ۔ مسلمان خاص طور پر ان کے انتقام کا نشانہ بن رہے تھے ۔ سکھوں نے گورونانک کی تعلیم کو بھلا کر بہیمیت کی راہ اختیار کر لی تھی ۔ احمد شاہ ابدالی نے سکھوں کا زور توڑنے کے لیے دو تین بار پنجاب کا رخ کیا لیکن ہر بار فوجی یلغار کر کے کابل کی راہ لی اور یہاں کے نظم و نسق کو خدا کے حوالے کر دیا ۔ بقول سید محمد لطیف ''اس بادشاہ کی حالت عقاب کی طرح تھی ۔ پہاڑی کی بلندی پر سے نشیب زمین پر تیز نظروں سے تاکتا رہتا ۔ جہاں شکار اس کی نظر پڑتا اپنے پہاڑی آشیانے سے پرواز کر کے میدان میں آتا اور اپنے صید کا کام کر کے اس کے استخوان ، گوشت پوست جو کچھ ہاتھ لگتا چونچ میں دبا پھنکڑی مار چل دیتا ، اور پھر ویسے ہی موقع کی تاک میں بیٹھا رہتا''[۱]

۱۷۶۲ء میں ابدالی نے چھٹا حملہ کر کے سکھوں کو ستلج پار دھکیل دیا ۔ اس موقع پر آلا سنگھ کو سات لاکھ کے عوض پٹیالہ بخش دیا ۔ کابلی مل کو لاہور کا والی مقرر کیا ۔ تین سکھ سرداروں (گوجر سنگھ ، لہنا سنگھ ، سوبھا سنگھ) نے کابلی مل کو لاہور سے نکال کر یہاں اپنا قبضہ کر لیا ۔ لاہور کے علاوہ سکھوں نے قصور ، مالیر کوٹلہ ، سرہند کو بھی لوٹا اور تباہ کیا ۔ ابدالی ایک بار پھر (۱۷۶۴ء میں) یلغار کرتا ہوا آیا اور چلا گیا ۔ اس کی واپسی کے بعد سکھوں نے جمنا اور جہلم کے درمیان اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں ۔ مسجدوں کو مسمار اور مسلمانوں کا قتل عام کرنا ان کا روزمرہ کا معمول بن گیا ۔ پنجاب میں لاقانونیت کے اس دور کو صحیح معنوں میں سکھ گردی کا دور کہا جا سکتا ہے ۔ ابدالی آخری بار

۱۔ تاریخ پنجاب ، صفحہ ۷۹ ، ۸۰

۱۷۶ء میں یہاں آیا تو نقشہ ہی بدلا ہوا تھا ۔ سکھ ہر طرف دندنا رہے تھے۔ حالات
و قابو سے باہر دیکھ کر ابدالی خاموشی سے واپس ہوا اور پھر زندگی میں ادھر کا
خ نہ کیا ۔ اس کی واپسی پر سکھوں نے راولپنڈی کے علاقے تک قبضہ کر لیا ۔
دالی کی وفات (۱۷۷۳ء) کے بعد اس کا جانشین تیمور شاہ بھی ایک دو بار یہاں آیا ۔
۱۷۷ء میں تیمور شاہ نے ملتان پر قبضہ کیا ۔ ۱۷۹۳ء میں شاہ زمان کابل کے تخت
ر بیٹھا اور ۱۷۹۷ء میں پنجاب آ کر سکھ سرداروں سے تحائف اور نذرانے وصول
کر کے واپس ہوا ۔ اگلے سال پھر آیا لیکن اس کے بھائی محمود خان نے کابل میں
ورش برپا کی تو تیزی سے واپس ہوا ۔ واپسی کے موقع پر دریائے جہلم طغیانی پر
تھا ۔ بھاری توپیں دریا سے گزارنے میں رنجیت سنگھ نے اس کی امداد کی ۔ اس خدمت
پر شاہ زمان نے اسے لاہور کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا ۔

شاہ زمان کے پروانہ حکومت کی حیثیت کاغذ کے ایک حقیر پرزے سے زیادہ نہ
تھی لیکن اس نے رنجیت سنگھ کی حکمرانی کے لیے ایک آئینی جواز فراہم کر دیا ۔
رنجیت سنگھ نے اٹک اور ستلج کے درمیانی علاقے پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے بعد
فرید کوٹ اور انبالہ پر قبضہ کر لیا لیکن انگریزوں نے اسے واپس جانے پر مجبور
کیا اور ستلج کو سرحد قرار دینے پر اصرار کیا ۔ ۱۸۰۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی
اور رنجیت سنگھ کے درمیان معاہدہ امرتسر ہوا ، جسے اس نے ساری عمر حرز جاں
بنا کر رکھا اور اپنی توجہ مسلمانوں کے علاقوں کو فتح کرنے پر مرکوز کر دی ۔
۱۸۱۶ء میں جھنگ پر قبضہ کیا ۔ ۱۸۱۸ء میں ملتان فتح ہوا ۔ ۱۸۱۹ء میں
کشمیر پر تسلط جمایا ۔ ۱۸۲۰ء میں جنوب مغرب کے بقیہ مسلمان علاقے فتح کر کے
۱۸۲۳ء میں پشاور اور جمرود پر قبضہ کیا ۔ یہ رنجیت سنگھ کے انتہائی عروج و
اقبال کا زمانہ تھا ۔ رنجیت سنگھ کی شخصیت خوبیوں اور خرابیوں کا مجموعہ تھی ۔ وہ
ناخواندہ اور عیاش تھا لیکن ساتھ ہی زیرک ، معاملہ فہم اور دور اندیش بھی تھا ۔
ان پڑھ ہونے کے باوجود وہ عالموں کا قدردان تھا اور اسے اپنی رعایا کی بہبود کا
خیال تھا ۔ وہ درندہ خصلت سکھوں کی وحشیانہ حرکات کو قابو میں رکھنے میں
خاصا کامیاب رہا ۔ اگرچہ اکالی سکھ (جن کا سردار پھولا سنگھ ایک تند خو ، اکھڑ
سرپھرا تھا) کبھی کبھی اس کے لیے درد سر بنتے رہے لیکن پھر بھی اس نے تدبر سے
کام لے کر حکومت میں ایک نظم و ضبط پیدا کیا ۔ انتظامی معاملات میں اس کے
مسلمان وزیر فقیر عزیزالدین اور فقیر نور الدین بڑے معاون ثابت ہوئے ۔ بقول سید
محمد لطیف ''انیسویں صدی کی ابتدا میں تمدن کے لحاظ سے مہاراجہ رنجیت سنگھ کا
عروج خلق اللہ کی آسودگی کا باعث ہوا جسے وحوش خصال سکھوں نے اپنی جہالت
سے سخت اذیت و آزار دے رکھا تھا ۔ اور تمام ملک کو جو کبھی تختہ گلشن تھا

اوجاڑ کر بستر خار و گلخن بنا دیا تھا ۔"[1]

رنجیت سنگھ کے دور میں بھی مغلیہ دور کی طرح دفتری زبان فارسی تھی ۔ مہاراجہ ہمیشہ پنجابی زبان میں گفتگو کرتا لیکن انگریزوں سے بات چیت ہندوستانی (اردو) زبان میں ہوتی ۔ مہاراجہ چونکہ سلیس ہندوستانی نہ بول سکتا تھا اس لیے اکثر مترجم کی وساطت سے گفتگو ہوتی ۔ رنجیت سنگھ کو زمانے کی تبدیلیوں کا احساس تھا ۔ ان سے مطابقت پیدا کرنے کے لیے اس نے اپنی سپاہ کی تربیت یورپین طرز پر کی اور یورپین جرنیل ملازم رکھے ۔ لدھیانہ کے مشنری سکول میں سکھ نوجوانوں کو انگریزی زبان ، فن طبابت اور جراحی وغیرہ سیکھنے کے لیے بھیجا ۔ بحیثیت مجموعی رنجیت سنگھ کا دور حکومت (۱۷۹۹ء - ۱۸۳۹ء) پنجاب کے لیے قدرے سکون و عافیت کا دور تھا ۔ مہاراجہ کی جنگی مہمات اور فتوحات کا سلسلہ جاری رہا جس کا ہدف مسلمان امرا تھے ۔ رنجیت سنگھ اپنی ہندو ، مسلم ، سکھ رعایا کو اگرچہ ایک آنکھ سے دیکھتا تھا (یہ الگ بات ہے کہ وہ کانا تھا) لیکن عام مسلمانوں پر جنونی سکھوں اور اکالیوں کے جبرو استبداد کو پوری طرح ختم نہ کیا جا سکا ۔ ان سے بیگار لی جاتی تھی اور اہانت آمیز سلوک کیا جاتا تھا ۔ ان کی عزت و ناموس محفوظ نہ تھی ۔ انھیں اذان دینے کی اجازت نہ تھی ۔ ان کی بڑی بڑی مساجد سکھوں کے قبضے میں تھیں ۔ مسجدوں کو اصطبل اور بارود خانے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا ۔ خود بادشاہی مسجد لاہور اسی کام آتی تھی ۔ پنجاب میں مسلمانوں کی اس حالت زار کو دیکھ کر مولانا سید احمد اور ان کے رفقا نے ہندوستان سے سرحد پہنچ کر سکھوں کے خلاف جہاد شروع کیا (۱۸۲۶ء) ۔ مجاہدین اپنی ان کوششوں میں مقامی آبادی کے عدم تعاون اور مخاصمت کی وجہ سے ناکام رہے اور سید احمد اور ان کے اکثر رفقا بالاکوٹ کے معرکے (۱۸۳۱ء) میں شہید ہوگئے ۔ لیکن یہ سکھا شاہی دور بھی رنجیت سنگھ کی وفات (۳۰ جون ۱۸۳۹ء) کے ساتھ ہی انتشار و بدنظمی کا شکار ہو کر چند برسوں میں ختم ہوگیا ۔

رنجیت سنگھ کے بعد اس کے جانشین کھڑک سنگھ ، نونہال سنگھ ، شیر سنگھ ، دلیپ سنگھ یکے بعد دیگرے گدی نشیں ہوئے لیکن وراثت کے جھگڑوں میں خالصہ فوج کی وحشت و بربریت عود کر آئی تھی ۔ جس فوج کو رنجیت سنگھ نے بڑے چاؤ سے تیار کیا تھا وہ اس کے بعد کسی نظم و ضبط کی پابند نہ رہی ۔ حکمران طبقہ اور عوام سبھی ان کا شکار تھے ۔ خالصہ سپاہ کے زور کو توڑنے کے لیے رام لال سنگھ وزیر اور تیغ سنگھ سپہ سالار نے کوشش کی کہ فوج کو انگریزوں سے بھڑا دیا جائے ۔ چنانچہ ۱۸۴۵ء میں خالصہ فوج ستلج پار کر کے انگریزی علاقے پر حملہ آور ہوئی ۔ جو آبادیاں راستے میں آئیں لوٹ لی گئیں ۔ مدکی ، بھائی پھیرو ، بدووال ،

---

۱ - تاریخ پنجاب ، ص ۱۷۸

علی وال ، سبھراؤں کے مقامات پر پانچ لڑائیاں ہوئیں سخت خونریزی کے بعد خالصہ فوج کو شکست ہوئی ۔ قصور پر انگریزی قبضے کے بعد سکھوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ معاہدہ لاہور کے مطابق ستلج سے بیاس تک کا علاقہ کمپنی کے قبضے میں چلا گیا ۔ ڈیڑھ کروڑ روپیہ تاوان جنگ کی وصولی کے لیے وادی کشمیر ۵۷ لاکھ کے عوض گلاب سنگھ کے حوالے کردی گئی اور اسے بھی دلیپ سنگھ کے ساتھ خطاب مہاراجگی دے کر اپنا ماتحت بنا لیا گیا ۔ تین سال بعد سکھوں سے انگریزوں کی دوسری جنگ ہوئی جو چناب کے آس پاس رام نگر ، چیلیانوالہ ، گجرات میں لڑی گئی ۔ شکست کھانے کے بعد سکھوں کے سپہ سالار شیر سنگھ اٹاری والا نے ۱۲ مارچ ۱۸۴۹ء کو مانکیالہ میں انگریزی سپاہ کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو گورنر جنرل نے پنجاب کے اپنی سلطنت کے ساتھ الحاق کا اعلان کیا ۔

اس طرح پنجاب نے غزنوی اور دہلوی سلاطین اور پھر مغلیہ عہد کی طویل خوش حالی و ترقی کے بعد پون صدی تک سکھ گردی کا جو اذیت ناک دور دیکھا وہ اپنے پیچھے تباہی و بربادی کے بھیانک مناظر تاریخی عمارتوں کے کھنڈروں کی صورت میں چھوڑتا ہوا رخصت ہوا ۔ یہ مناظر ایک عرصے تک مقامی باشندوں اور غیر ملکی سیاحوں کے لیے عبرت کا سماں پیش کرتے رہے اور بربادی کے بعض نقوش اب بھی چند عمارتوں میں نمایاں ہیں ، لیکن ان زخموں کو کون دیکھ سکتا ہے جو لوگوں کے جسموں اور روحوں پر لگے ۔

پنجاب میں آٹھ صدیوں پر پھیلا ہوا اسلامی عہد کا یہ طویل دور نفسیاتی لحاظ سے تین رجحانات کا آئینہ دار ہے ۔ پہلا رجحان عہد سلاطین کی پانچ سو سالہ تاریخ میں ملتا ہے ۔ اس دور میں پنجاب قوت ، اقتدار اور استحکام کا سرچشمہ بنا رہا ۔ مرکز سلطنت کو ضرورت کے موقع پر نئی قیادت اور تازہ خون فراہم کرنا اور تاتاریوں کی وحشیانہ یلغاروں کو روکنا پنجاب کی تاریخی ذمہ داری ہو گئی تھی ۔ اس ذمے داری کو اہل پنجاب نے بڑے اعتماد اور جرأت سے سر انجام دیا ۔ عہد مغلیہ میں پنجاب کی یہ ذمے داری ختم ہو گئی نتیجتاً وہ عسکری قوت اور خود اعتمادی بھی باقی نہ رہی ۔ تاہم مغل سلطنت کے خوشحال صوبجات میں پنجاب کا بھی شمار ہوتا تھا۔ اس خوشحالی نے تہذیب و ثقافت کی ترقی میں نمایاں حصہ لیا، اگرچہ اس تہذیب و ثقافت کے مرکز دہلی و آگرہ تھے۔ اس تقلیدی رجحان نے رفتہ رفتہ قوائے عمل کو شل کر دیا اور دور زوال میں یہاں مسلمان اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی قلیل التعداد سکھوں کے محکوم اور ان کے مظالم کا شکار ہو گئے ۔ آخری دور کا یہ منفعل رجحان اور شکست خوردگی پہلے دور کے رجحان سے بالکل مختلف نظر آتا ہے لیکن اس رجحان کے تار و پود مغلیہ عہد کے سیاسی ، تہذیبی اور ثقافتی رویوں سے ملتے ہیں جنہوں نے پنجاب کے مسلمانوں کو خوشحالی اور فارغ البالی تو دی لیکن ساتھ ہی انہیں اس ذمے داری سے سبکدوش اور خود اعتمادی سے محروم کر دیا جو پانچ صدیوں تک ان کا طرۂ امتیاز رہا تھا ۔

ڈاکٹر آفتاب اصغر*

امیر خسروؒ کی مرثیہ نگاری اور مرثیہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ

بلا شبہ امیر خسروؒ ایک نابغۂ ادبی اور نادر روزگار شخصیت کے مالک تھے۔ قلمرو سخن کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا ہوگا جہاں ان کے اشہب قلم نے اپنی جولانیاں نہ دکھائی ہوں۔ اگرچہ دنیائے شعر و ادب کے اس آفتاب عالمتاب اور ہمارے زمانے کے درمیان بیتی صدیوں کے سات دبیز پردے حائل ہیں لیکن اس کی ضیاء پاشیاں آج بھی جوں کی توں اور چار دانگ عالم پر محیط ہیں اور اب جب کہ جہان ادب و عرفان اور عالم دانش و بینش کا یہ رستم سات طویل اور پر پیچ صدیوں کا ہفت خوان طے کرکے اورنگ ابدیت پر براجمان ہو چکا ہے پورے ایمان و ایقان کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جب تک اس عالم رنگ و بو میں سخندانی و سخن پرانی کا نام و نشان باقی ہے اس خسرو اقلیم سخن کی خسروی کا ڈنکا بجتا رہے گا جیسا کہ اس نے خود بھی پیشگوئی کی ہے:

مرا ست تا بقیامت ولایت معنی

ان کے معاصرین، متوسطین اور متأخرین میں سے بیسیوں مؤرخوں، تذکرہ‌نویسوں اور سخن‌پردازوں نے تواتر اور تسلسل کے ساتھ ان کی متنوع اور جامع الحیثیات شخصیت کو خراج تحسین پیش کیا ہے، مثلاً ان کے معاصرین میں سے ضیاء الدین برنی مؤلف تاریخ فیروز شاہی فرماتے ہیں:

"امیر خسرو در جمیع فنون ممتاز و مستغنی بود۔ همچنان ذوفنونی که در جمیع فن‌های شاعری سرآمده و استاد باشد در سلف نبود و در خلف تا قیامت پیدا آید یا نیاید"۔[1]

متوسطین میں سے شیخ عبدالحق محدث دهلوی صاحب اخبار الاخیار کے بقول:

"آنچه او را از مضامین و معانی اطوار سخن و انواع آن دست داد، هیچ کس را از شعرای متقدمین و متأخرین نداده و در طرز سخن بر فرمودهٔ شیخ خود رفته است"۔[2]

---

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ فارسی، پنجاب یونیورسٹی۔

۱۔ ضیاء الدین برنی، تاریخ فیروز شاہی، ص ۳۵۹۔

۲۔ شیخ عبدالحق محدث دهلوی، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، ص ۱۲۲۔

متأخرین میں سے علامہ شبلی نعمانی کا کہنا ہے :

"فردوسی ، سعدی ، انوری ، حافظ ، عرفی اور نظیری بے شک اقلیم سخن کے جم و کے ہیں لیکن ان کی حدود مملکت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتی - فردوسی مثنوی سے آگے نہیں بڑھ سکتا ، سعدی قصیدہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے ، انوری مثنوی اور غزل کو نہیں چھو سکتا ، حافظ ، عرفی اور نظیری غزل کے دائرے سے نہیں نکل سکتے لیکن خسرو کی جہانگیری میں غزل ، مثنوی ، قصیدہ ، رباعی سب کچھ داخل ہے" -

آج کل کے علماً و ادباً میں سے بھی بے شمار نے امیر خسرو کی شخصیت کی جامعیت اور ہمہ گیری کا بالتفصیل ذکر کیا ہے - اگر ان حضرات کے محض نام ہی گنوانا مقصود ہو تو بھی کئی صفحات درکار ہوں گے لہٰذا اس ضمن میں عرشی امرتسری کے درج ذیل شعر پر اکتفا کرنا ہی مناسب ہے :

" بحر در کوزہ نیست آلا ھو
در کمالات لا شریک لہ "

اگرچہ گذشتہ قرون و اعصار کےدوران ہمیشہ تمام جہان فارسی میں طوطی شکر مقال حضرت امیر خسرو علیہ رحمہ کا طوطی بولتا رہا لیکن گذشتہ چند برسوں میں نہ صرف پاکستان ، ہندوستان ، افغانستان، ایران اور تاجکستان بلکہ سارے جہان میں ان کی زمزمہ پردازیوں اور ادب نوازیوں کا غیر معمولی چرچا رہا - ان کے سات سو سالہ جشن ولادت کی مناسبت سے دنیا بھر میں ان کے نبوغ ادبی کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا گیا - پاکستان میں بھی سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر ادبی جلسے ہوئے ، کانفرنسیں منعقد ہوئیں ، مجلات و جرائد کے یادگاری اور مخصوص شمارے نکالے گئے ، مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تصانیف کی نمائشیں ترتیب دی گئیں ، قلمی نسخوں کی چھان پھٹک کی گئی - ان کی تصحیح و اشاعت اور شائع شدہ متون کی تجدید اشاعت کے منصوبے بنائے گئے اور بعض دیگر اقدامات عمل میں لائے گئے -

پاکستان نیشنل بک فاؤنڈیشن کی طرف سے بھی امیر خسرو علیہ رحمہ سے متعلق بعض کتب کی اشاعت کا ایک منصوبہ بنایا گیا جس کے تحت مختلف موضوعات پر کتابوں کی ترتیب و تدوین اور تصحیح کا کام مختلف حضرات کے سپرد کیا گیا - اسی ضمن میں "متفرقات امیر خسروؒ" کی جمع آوری اور تصحیح و تحشیہ کی ذمہ داری راقم پر ڈالی گئی -

اس سلسلہ میں جب پہلے پہل حضرت امیر خسرو کے احوال و آثار اور اس سے متعلقہ وسیع کام کا ابتدائی اور سرسری جائزہ لیا تو اس کی وسعت اور ہمہ جہتی کی

۱- علامہ شبلی نعمانی ، حیات خسرو ، ص ۱۸ -

بنا پر خیال کیا کہ ''کار مغان بپایان رسید'' لیکن بنظر غائر جائزہ لینے پر پتہ چلا کہ ہنوز ''ہزار بادۂ ناخوردہ در رگ تاک است''۔

اگرچہ دور حاضر کے محققین نے ان کی کثیر الجہات شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بھرپور روشنی ڈالی ہے لیکن بیشمار پہلو ہنوز تاریکی میں ہیں۔ مثال کے طور پر بہت کم اہل علم کو اس بات کا علم ہے کہ وہ ایک عظیم مرثیہ نگار بھی تھے۔ وہ علامہ شبلی کے حوالہ سے اس بارے میں عموماً اتنا ہی جانتے ہیں کہ انھوں نے ''خان شہید کے مرنے پر جو مرثیہ لکھا تھا، غیاث الدین بلبن کے دربار میں جا کر پڑھا، دربار میں کہرام مچ گیا، کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ سلطان اس قدر رویا کہ بخار آ گیا اور بالآخر اسی صدمہ میں انتقال کر گیا''[1] اس مرثیہ کے، جو کہ ترکیب بند کی صورت میں ہے، دو بند شبلی نے ''حیات خسرو'' میں نقل کیے ہیں۔[2] بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ انھوں نے اس مشہور زمانہ مرثیہ کے علاوہ بھی بہت سے پر اثر اور درد انگیز مرثیے لکھے ہیں۔ خود خان شہید ہی کے تین اور مرثیے راقم کی نظر میں ہیں جن سے اکثر اہل نظر واقف نہیں۔ ان میں سے ایک مرثیہ کے چند شعر نذر قارئین ہیں:

''آوخ کہ تاج جوهر عالم بخاک شد
دردا کتاب گوهر آدم بخاک شد
در خاک رفت مردمک چشم روزگار
بس خون دل ز دیدہ درین غم بخاک شد
آن ماہ آسمان معانی بچاہ رفت
وان یادگار خان معظم بخاک شد''[3]

ایک اور مرثیہ کی صورت میں ان کے قلم نے کچھ یوں آنسو ٹپکائے ہیں:

''ای دل بغم نشین کہ ز شادی نشان نماند
ای دیدہ خون گری کہ طرب در جہان نماند
چشم و چراغ خسرو روی زمین برفت
پشت و پناہ کشور ہندوستان نماند
از مملکت چہ کام برآید چو خان نشد
وز کالبد چہ کار گشاید چو جان نماند''

۱- شبلی نعمانی، حیات خسرو، ص ۷۔

۲- ''واقعہ است این یا بلا کز آسمان آمد پدید
آفت است این یا قیامت در جہان آمد پدید''

۳- امیر خسرو، وسط الحیات، قلمی نسخہ نمبر ۲، انڈیا آفس، مائیکرو فلم مملوکہ اقبال صلاح الدین۔

ایک اور مرثیہ میں انھوں نے اپنے جوانمرگ ممدوح کی مفارقت پر یوں ماتم کیا ہے:

"امروز اگر ز تن برود جان، دریغ نیست
ور خون شود درونہ ز افغان، دریغ نیست
بر خشک ماند کشتی امید، تا روان
رانیم اگر ز ہر مژہ طوفان، دریغ نیست
تن ہمچو پیرہن ز سر روح برکشم
پس بر درم بجای گریبان، دریغ نیست"[1]

انھوں نے خان شہید کے علاوہ بھی بعض ممتاز تاریخی شخصیات کے مرثیے لکھے ہیں جن میں سے نمایاں ترین نام شہزادہ محمود خانخانان بن سلطان جلال الدین خلجی، سلطان علاء الدین خلجی اور سلطان قطب الدین مبارک خلجی کے ہیں۔ سلطان جلال الدین خلجی کے ولی عہد اور لائق فرزند، شہزادہ محمود سلطان، کی مرگ ناگہاں پر ان کے رنج و اندوہ کی تصویر ملاحظہ فرمائیں:

"چہ روز است این کہ من خورشید تابان را نمی بینم
وگر شب شد چرا ماہ درخشان را نمی بینم
دو روزی ہست کاندر ابر ماند است آفتاب من
کہ اندر چشمہا جز ابر و باران را نمی بینم
شہ آنک بر سر تخت و بزرگان صف زدہ ہر سو
ہمان ہستند لیکن خان خانان را نمی بینم
چو دولت کور دیدم، گفتمش، خواہی بصر؟ گفتا
چہ خواہم کرد چون محمود سلطان را نمی بینم"[2]

سلطان علاء الدین خلجی کے مرثیہ کے چند شعر پیش خدمت ہیں:

"کوچ است شاہ را علم و چتر بر کنید
وز دیدہ در رکاب نثار گہر کنید
عزمش بکشور دگر است از پی وداع
ہر جا کہ مخلص است بشہرش خبر کنید
ای اہل شہر شاہ جہان میشود روان
در بارگہ روید و وداع سفر کنید

۱۔ امیر خسرو علیہ رحمہ، وسط الحیات، قلمی نسخہ نمبر ۲، انڈیا آفس، مائیکرو فلم مملوکہ اقبال صلاح الدین۔

۲۔ امیر خسرو، غرۃ الکمال، قلمی نسخہ، زیر شمارہ ۲۵۸۰۷، برٹش میوزیم، مائیکرو فلم مملوکہ اقبال صلاح الدین۔

خورشید اگر بسر لکنند خاک ازین دریغ
زود از غبار کوکبه خاکش بسر کنید''[1]

قطب الدین مبارک خلجی کے مرثیہ میں انھوں نے یوں اشک بہائے ہیں :

''وہ چہ فتنہ است اینکہ پیدا ز انجم افلاک شد
کز سواد دھر نقش شاہ عالم پاک شد
مرکب چوبین گزید و رفت بیرون از جہان
آنکہ خاقان و قبادش بستۂ فتراک شد
در بہار عمرش از صد گل یکی نشگفتہ بود
نا شگفتہ آن ہمہ گلہا مگر خاشاک شد''[2]

شاہوں اور شاہزادوں کے علاوہ انھوں نے اپنے عزیزوں اور قرابتداروں کے مرثیے بھی لکھے ہیں جو فردیات ، قطعات ، رباعیات ، مثنویات ، ترکیب بند ، ترجیع بند ، غرض ہر صورت میں موجود ہیں -

زندگی کا سب سے پہلا صدمہ انھیں انتہائی بچپن میں والد کی شہادت کی صورت میں برداشت کرنا پڑا - ان کا اس سلسلہ کا یہ شعر آج بھی ہر یتیم بچے کے دل کی آواز ہے اور باپ کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو جانے والے بچوں کے دلوں کو دو نیم کیے دیتا ہے :

''سیف از سرم گذشت و دل من دو نیم شد
دریای من روان شد و در یتیم ماند''[3]

باپ کے بعد مشفق نانا ، عماد الملک ، نے اپنی بے پایاں شفقتیں ان پر نچھاور کیں مگر بیس سال کے ہوئے تو وہ بھی دامن چھڑا کر جنت کو سدھارے - انھوں نے اپنے شفیق نانا اور مربی کی وفات پر جو مرثیہ کہا وہ ایک ترکیب بند کی صورت میں تحفۃ الصغر میں موجود ہے - اس کے پہلے بند کے چند شعر درج ذیل ہیں :

''آوخ کہ باز شمع فلک در نقاب شد　　افسوس کان چراغ دو عالم بخواب شد
روشن زمانہ بر صفت شام تیرہ گشت　　مطلق جہان مقید رنج و عذاب شد
چندین ہزار گل کہ شب اندر ہوا فشاند　　از آہ من بشیشۂ گردون گلاب شد''[4]

۱- امیر خسروؒ ، بقیہ نقیہ ، نسخۂ ترکیہ ، مائیکرو فلم مملوکہ اقبال صلاح الدین -

۲- ایضاً ، نہایت الکمال ، قلمی نسخہ ، کتابخانۂ دانشگاہ پنجاب -

۳- ڈاکٹر وحید مرزا ، زندگی و آثار امیر خسرو ، ص ۲۲ -

۴- امیر خسرو ، تحفۃ الصغر ، نسخۂ برٹش میوزیم -

۸۹۸ھ میں جب کہ وہ مثنوی مجنون و لیلیٰ لکھنے میں مشغول تھے انھیں دو شدید جذباتی دھچکے پہنچے ۔ ان کی مادر مہربان ، دولت ناز ، اور برادر عزیز ، حسام الدین قتلغ ، یکے بعد دیگرے انھیں داغ مفارقت دے گئے ۔ غم دیدہ اور ستم رسیدہ شاعر نے اپنی دو عزیز ہستیوں کے غم کو ایک ہی مرثیے میں سمو دیا ۔ یہ مرثیہ جو کہ مثنوی کی صورت میں ہے اپنے سوز و گداز اور اثر آفرینی کے اعتبار سے حد درجہ اہم ہے ۔ فرماتے ہیں :

"امسال دو نور از اخترم رفت — ہم مادر و ہم برادرم رفت
چون مادر من بزیر خاک است — گر خاک بسر کنم چہ باک است
ای مادر من کجائی آخر — روی از چہ نمی نمائی آخر
چونست در بر تو همسر من — فرزند تو و برادر من
چون حرف پدر همہ ز بر کرد — هم عزم ولایت پدر کرد
شد جان پدر ز جان او شاد — لیکن غم او بہ جانم افتاد"[1]

اپنے جگر گوشے ، محمد ، کی وفات کے حادثۂ جانکاہ پر ان کے دل پر جو گزری دیکھیے اس کیفیت کو کیسے رقم کرتے ہیں :

"یا رب اندر دل خاک آن گل خندان چونست ؟
ماہ تابان من اندر شب هجران چونست ؟
من چو یعقوب ز بس کور شدم ، دیدہ سفید
آخر آن یوسف گم گشتہ بزندان چونست ؟
من درین خاک بزندان غم و دور از وی
او ز من دور بصحرا و بیابان چونست ؟
آن غریب من بیکس کہ بتنہا رفتہ است
بیکس و تنہا در کوی غریبان چونست ؟
گوهری بود کزین دیدہ بغلطید از خاک
دیدہ خود خاک شد آن گوهر غلطان چونست ؟"[2]

ایک دوسرے بیٹے ، حاجی ، کی موت پر یوں اپنے غم کو منعکس کرتے ہیں :

"بی رویت ای چراغ دل پارۂ پدر — جز سوختن نماند دگر چارۂ پدر
باز آی جان رفتۂ من از جمال خویش — باز آر عمر رفتۂ آوارۂ پدر
بر گور تو چو گریہ کنم خیز و از کفن — کن پاک خون ز دیدۂ رخسارۂ پدر"[3]

۱۔ اقتباس از مثنوی مجنون و لیلیٰ ۔
۲۔ امیر خسرو ، غرۃ الکمال ، نسخۂ ترکیہ ۔
۳۔ ایضاً ، دیوان نہائت الکمال (مطبوعہ) ، دھلی ایڈیشن ۔

کلامِ خسرو کے بحر ذخار میں معاصر بادشاہوں ، بادشاہ زادوں ، امراء اور ان کے اعزہ و اقرباء کے مرثیے مختلف اصناف سخن کی صورت میں موج در موج نظر آتے ہیں ۔ یہاں پر ''مشتی از خروار و اندکی از بسیار'' کے مصداق صرف چند ایک مراثی کا اجمالی ذکر کیا گیا ہے اور بیشتر ایسے مراثی سے جستہ جستہ اشعار نقل کیے گئے ہیں جو اس سے پہلے کبھی منظر عام پر نہیں آئے تھے ۔ اس اجمال کی تفصیل اور ان مرثیوں کے تجزیہ و تحلیل کی اس مقالہ میں گنجائش نہیں اس لیے بہتر ہے کہ اس کام کو کسی اگلے موقع کے لیے اٹھا رکھیں ۔

امیر خسروؒ کو جو تعلق خاطر اور والہانہ عشق سلطان المشائخ ، محبوب الٰہی ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی ذات بابرکات سے تھا وہ دنیائے تصوف میں شائد ہی کسی مرید باصفا کو اپنے پیر طریقت سے ہوا ہوگا ۔ مرید کے مراد سے عشق کی نمایاں ترین مثال مولانا روم کا شمس تبریز سے عشق ہے لیکن بظاہر یہ عشق یک طرفہ عشق تھا مگر جہاں تک خسرو نظام عشق کا تعلق ہے یہ عشق نہیں بلکہ معاشقہ تھا اور دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی ۔

حضرت امیر خسروؒ کو اپنے پیر و مرشد سے کچھ ایسا ہی عشق تھا جیسا پروانے کو چراغ سے ، بلبل کو پھول سے ، چکور کو چاند سے اور ماہی کو آب سے ہو سکتا ہے ۔ ابھی سات ہی برس کے تھے کہ حضرت خواجہ نظامؒ کے دست حق پرست پر بیعت کی ، پھر بیس سال کی عمر میں سن شعور کو پہنچنے کے بعد تجدید بیعت کی اور ہمیشہ کے لیے درگاہ محبوب الٰہی کی غلامی اختیار کر لی ۔ مرشد کی خوشنودی ان کا دین و ایمان بن گئی اور اس کے حصول کے لیے اگر کبھی ضرورت پڑی تو جان کی بازی لگا دی ۔[1] مہد سے لحد تک ان کی اپنے شیخ کے ساتھ محبت و ارادت نہ صرف یہ کہ ہمیشہ برقرار رہی بلکہ اس میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا چلا گیا ۔

ان کا کلام بلاغت نظام کم و بیش ان کے مرشد خواجہ نظامؒ ہی کی تعلیمات و خیالات کا پرتو ہے ۔ یہ اسی ربط باہمی ہی کا نتیجہ تھا کہ ان کی شاعری نہ صرف یہ کہ اپنے مرشد کے عارفانہ افکار و تصورات کی شارح اور مبلغ بلکہ اسرار معرفت و عرفان کی آئینہ دار بن گئی ۔ حضرت خواجہ سماع کے دلدادہ تھے تو حضرت امیر

۱۔ کہتے ہیں سلطان جلال الدین خلجی سلطان المشائخ کی زیارت کے مشتاق تھے اور سلطان المشائخ ملاقات سے بیزار ۔ خلجی سلطان نے بلا اطلاع جانے کا قصد ظاہر کیا ۔ امیر خسروؒ نے مخبری کر دی اور وہ بادشاہ کی آمد سے پہلے اجودھن (پاکپٹن) کی طرف نکل گئے ۔ جواب طلبی پر حضرت امیرؒ نے جواب دیا ''سلطان کے خفا ہونے سے جان جانے کا خطرہ تھا لیکن شیخ کی رنجش سے ایمان جانے کا خدشہ تھا'' ۔ فروغ اردو (لکھنؤ) ، امیر خسرو نمبر ، ص ۴۳ ۔

موسیقی اور عارفانہ شاعری کے رسیا - وہ صوفیانہ اشعار سناتے تو ان کے پیر طریقت ایک سرمدی کیف و سرور کی حالت میں جھوم جھوم جاتے اور جن اشعار پر وہ وجد فرماتے زبان زد خلائق ہوکر جریدۂ عالم پر ثبت ہو جاتے -

قسام ازل نے خسرو کو ایک ایسا دل دیا تھا جو حسن کا متوالا تھا - حسن خواہ مادی ہو خواہ معنوی ہر حال میں ان کے دامن دل کو کھینچ کھینچ لیتا تھا - جہاں تک حسن معنوی کا تعلق ہے محبوب الٰہی کی شخصیت کے معنوی حسن نے امیر کے دل کو ہمیشہ اپنا اسیر بنائے رکھا - ان کی غزلیات میں جب بھی محبوب کا ذکر آتا ہے عموماً ان کا روئے سخن اپنے مرشد روحانی ، محبوب الٰہی ، ہی کی طرف ہوتا ہے -

غزلیات و قصائد کے علاوہ دیگر اصناف سخن میں بھی انھوں نے جابجا اپنے مرشد کو خراج عقیدت و ارادت پیش کیا ہے اور اپنی پانچوں مثنویاں سلطان وقت سے پہلے سلطان مشائخ کے نام معنون کی ہیں[1] جن میں ان کے بارے میں مدحیہ اشعار کہے ہیں جو مطبوعہ صورت میں مل جاتے ہیں - ذیل میں اس موضوع پر ان کی چند رباعیات اور قطعات پیش کیے جاتے ہیں جو غالباً اس سے پہلے کبھی زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئے :

"شیخی کہ طلب کرد و مراد برسید در ملک ابد عنان گشاد و برسید
در درگہ حق بی جہت بست بلند بر ہر دو جہان پای نہاد و برسید"[2]

"ای خواجہ دلت چو محرم غیب بود می پوش ہر آنچہ لاریب بود
اسرار خدا برون میفگن کہ ز غیب یک نقطہ اگر برون فتد عیب بود"[3]

"ای پیر خاک پای تو نور سعادتست مقراض تو بمرتبۂ لا شہادتست
ہستی تو آن نظام کہ نون خطاب تست محراب راست کردہ برای عبادتست
در عہد تو قوام جہان از وجود تست مانند صورتی کہ قیامش بمادتست"[4]

"خواجۂ ما نظام حق شیخی است کافتاب کمال شد رخ او
از جنید و ز شبلی و معروف یادگاریست ذات فرخ او"[5]

۱- پروفیسر محمد حبیب ، حضرت امیر خسرو دھلوی ، ص ۳۹ -
۲- امیر خسرو ، غرۃ الکمال ، نسخۂ برٹش میوزیم ، ورق ۴۲۶ -
۳- ایضاً -
۴- ایضاً ، نہایت الکمال ، نسخۂ کتابخانۂ دانشگاہ پنجاب -
۵- ایضاً ، غرۃ الکمال ، نسخۂ برٹش میوزیم -

"چو پای برسر انجم نهاد شیخ نظام — اگر پرد بهوا این مگو کراماتش
بلند تخت ورا اطلس فلک ته پاش — ولی گلیم شده رایت علاماتش
ز ملک نقد بکمتر مرید می بخشد — ولایتی که دو عالم بود مضافاتش
رسید زلزلهٔ صور و می نیفتد چرخ — که شد ستونهٔ اورنگ بی ستون ذاتش
ہمیشه برسر سجاده باد تا بمیان — نجات زمرهٔ دین باشد از مناجاتش"[1]

بندهٔ شیخ ماست دنیا و مال — کش تو دینار و تنکه کردی نام
بنده گر نیست چون همی بخشد — بنده وارش روان بخاصه و عام
وان مشائخ دگر که در عهد اند — مال را بنده اند همچو غلام
پس از ینروی شان همه هستند — بندهٔ بندگان شیخ نظام"[2]

امیر خسرو کے لیے سلطان المشائخ کی ذات والاصفات بمنزلهٔ کعبهٔ عشق تھی اور وہ مرتے دم تک اسی قبلہ کی طرف رخ کرکے اپنی نماز عشق ادا کرتے رہے ۔ مرید و مراد کا یہ مشترکہ شعر اسی حقیقت کا عکاس ہے ۔

هر قوم راست راهی ، دینی و قبله گاهی
من قبله راست کردم بر سمت کجکلاهی

وہ سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں ہمیشہ اپنے پیر طریقت کے نام ہی کی مالا جپتے اور فنا فی‌اللہ ہونے کے لیے فنا فی الشیخ ہو جانے کے خواب دیکھتے رہتے تھے :

امید کز تو واصل گردد چو حرف پیر
خسرو که بی وصال چو حرف ارادت است

بالاخر نظام نظام کہتے کہتے خود ہی نظام ہوگئے اور یوں من و تو کا امتیاز ختم ہو کر رہ گیا :

من تو شدم تو من شدی ، من تن شدم تو جان شدی
تا کس نگوید بعد ازین من دیگرم تو دیگری

آتش عشق صرف خرمن پروانہ ہی میں نہیں لگتی بلکہ اس کے شعلہ سے خود شمع کا دامن بھی آگ پکڑے بغیر نہیں رہتا ۔ اگر امیر خسروؒ حضرت محبوب الٰہی پر پروانہ وار نثار ہونے کو تیار رہتے تھے تو حضرت محبوب الٰہی بھی شمع صفت امیر خسرو کی جدائی کی آگ میں جلتے رہتے تھے ۔

عشق اول در دل معشوق پیدا میشود — تا نسوزد شمع کی پروانه شیدا میشود ؟

۱- امیر خسرو ، بقیهٔ نقیه ، نسخهٔ ترکیه ۔
۲- ایضاً ۔

سلطان المشائخ جو کہ سلاطین وقت کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے اس خسرو اقلیم سخن کی یوں تعریف فرماتے اور کمال شفقت سے انھیں "خسرو ما" کہہ کر اپناتے تھے :

"خسرو کہ بشاعری نظیرش کم خاست در ملک سخنوری شهی خسرو راست
این خسرو ماست ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدای ناصر خسرو ماست"[۱]

کسی مرید کے اپنے پیر سے عشق کی تو بہت سی مثالیں مل جائیں گی لیکن کسی پیر کے اپنے مرید سے عشق کی مثال اس کے علاوہ شاذ ہی ملے گی۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے نظم و نثر میں مختلف مواقع پر امیر خسرو سے جس محبت کا اظہار فرمایا ہے اس کے پیش نظر یہ کہنا مشکل نہیں کہ جہان تصوف میں کبھی کسی پیر کو کسی مرید سے ایسی شدید محبت نہیں رہی جیسی کہ محبوب الٰہی کو اپنے محبوب (ترک) سے تھی۔ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے :

"اگر در روز حشر از من سئوال شود کہ نظام الدین چہ آوردی ؟ خسرو را تقدیم خواہم داشت"[۲]۔

ایک بار انھوں نے یہاں تک فرمایا :

"الٰہی بسوز سینہ این ترک مرا ببخش"[۳]

ایک روائت کے مطابق ایک دفعہ امیر خسرو نے کسی درویش سے اپنے مرشد کے نعلین مبارک پانچ لاکھ ٹنکوں کے عوض خریدے اور انھیں اپنے سر پر رکھے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا :

"نعلین ما را ارزان خریدی" انھوں نے جواب میں عرض کیا : "درویش بہ پنج لک تنکہ اکتفا کرد ، اگر جانم را ہم در بہای این طلب میکرد میدادم"[۴]۔

متاع وصل جانان بس گران است
گر این سودا بجان بودی چہ بودی

دوسری طرف حضرت امیرؒ نے بھی اپنی ظاہری و باطنی خوبیوں کے باعث شیخ الشیوخ حضرت محبوب الٰہی کے دل میں اس قدر گھر کر رکھا تھا کہ وہ بھی اپنے سر سے ہاتھ دھونے کو تیار تھے مگر اپنے ترک کو اپنے ہاتھ سے کھونے کو تیار نہ تھے۔ جیسا کہ اس ضمن میں انھوں نے خود اپنی زبان درر بار سے فرمایا ہے:

۱۔ قویم الدولہ ، امیر خسرو دہلوی ، تہران ، ص ۶۲ ۔
۲۔ ایضاً ، ص ۶۳ ۔
۳۔ سعید نفسی ، دیوان کامل امیر خسرو دہلوی ، ص ۱۰ ۔
۴۔ قویم الدولہ ، امیر خسرو دہلوی (تہران) ، ص ۶۳ ۔

"گر برای ترک ترکم اره بر تارک نهند
ترک تارک گیرم و ہرگز نگیرم ترک ترک"[1]

محبوب الہی حضرت خواجہ نظام الدین نے ۱۸ ربیع الثانی ۷۲۵ھ کو اس جہان فانی سے کوچ کیا۔ امیر خسرو اس وقت لکھنوتی یا ایک دوسری روائت کے مطابق لکھنئو میں تھے۔ مرشد کی وفات حسرت آیات کی خبر وحشت اثر دہلی پہنچ کر سنی یا سن کر دہلی پہنچے قطعیت کے ساتھ معلوم نہیں۔ بہرحال اس حادثہ جانکاہ کی اطلاع ملتے ہی بھاگم بھاگ سلطان المشائخ کے مرقد اقدس پر پہنچے اور بصد حسرت و یاس یہ شعر پڑھا :

"این مکانیست کہ منزلگہ جانان بودہ است
راہ آمد شد آن سرو خرامان بودہ است"[2]

پھر حیرت و استعجاب کے عالم میں بڑبڑائے :

سبحان اللہ ! آفتاب زیر زمین و خسرو زندہ"[3]

شدت اندوہ سے آپ پر دیوانگی کی سی کیفیت طاری ہوگئی، گریبان پھاڑ دیا اور بیہوش ہوکر گر پڑے۔ جب ذرا سنبھلے تو دنیا ان کی نظروں میں اندھیر ہوگئی اور ہر چیز سے ان کا جی بھر گیا۔ وہ رعنائی خیال جو کہ فقط محبوب الہی کے تصور سے تھی اب کہاں، ان کی رنگا رنگ بزم آرائیاں نقش و نگار طاق نسیاں ہوکر رہ گئیں۔ شعر گوئی سے بھی قریب قریب کنارہ کش ہوگئے۔ جب تک زندہ رہے خانقاہ نظامی میں جاروب کشی کے ساتھ ساتھ اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اور سوتے جاگتے اپنے اس دوہے کا ورد کرتے رہے :

"گوری سووے سیج پر مکھ پر ڈارے کیس
چل خسرو گھر آپنے رین بھئی چو دیس"[4]

حضرت امیر خسروؒ نے اپنے محبوب، محبوب الہی، کی وفات کے بعد بادشاہان دنیا کے درباروں سے رشتہ توڑ کر ہمیشہ کے لیے اس بادشاہ دین پناہ کی درگاہ سے ناطہ جوڑ لیا جس کے بارہ میں انھوں نے مثنوی مجنون و لیلیٰ میں حمد و نعت کے بعد اور مدح بادشاہ وقت، سلطان علاء الدین خلجی، سے پہلے فرمایا تھا :

"در حجرۂ فقر پادشاهی   در عالم جان جهان پناهی

۱- سعید نفیسی، دیوان کامل امیر خسرو دہلوی (تہران)، ص ۱۰ -
۲- ایضاً۔
۳- ایضاً۔
۴- ظ۔ انصاری و ابوالفیض سحر، خسرو شناسی، نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا، نئی دہلی، ص ۷ -

شاهنشه بی سریر و بی تاج   شاهانش بخاک پای محتاج"[1]

اور درگاہ محبوب الٰہی میں اللہ سے لو لگا کر اپنی زندگی کے دن گننے لگے :

"جدا گشتم از درگہ پادشاہ   بدان درگہم بیش ازین رہ نبود

گرفتم رہ درگہ ایزدی   گزین بہ مرا هیچ درگہ نبود"[2]

حضرت امیر خسروؒ کو یقین تھا کہ اب ان کی زندگی کا سورج بھی غروب ہوا چاہتا ہے کیونکہ بقول ان کے ان کی وارفتگی اور والہانہ پن دیکھ کر ان کے مرشد نے اپنی زندگی ہی میں پیشگوئی فرما دی تھی کہ وہ ان کے بعد زیادہ عرصہ زندہ نہ رہ سکیں گے۔[3] آخرکار ہجر و فراق کا یہ مختصر سا دور خدا خدا کرکے اختتام کو پہنچا اور جس طرح حضرت فاطمہؓ آنحضرتؐ کے وصال کے چھ ماہ بعد آپ سے جا ملی تھیں امیر خسروؒ بھی اپنے محبوب مرشد کی وفات کے ٹھیک چھ ماہ بعد ۱۸ شوال ۷۲۵ھ کو ان سے واصل ہوگئے۔

امیر خسروؒ اور محبوب الٰہی معنوی لحاظ سے ایک دوسرے کے اتنے قریب تھے کہ انھیں اگر "یک جان و دو قالب" کہیں تو بیجا نہ ہوگا۔ چنانچہ وہ زندگی بھر جلوت و خلوت میں ایک دوسرے کے ہمراز و دمساز رہے۔ حضرت محبوب الٰہیؒ فرمایا کرتے تھے کہ بعض اوقات مجھے نہ صرف دنیا سے بلکہ اپنی ذات سے بھی وحشت ہونے لگتی ہے۔ ایسے موقع پر صرف خسرو ہی کی صحبت میں طبیعت راہ راست پر آتی ہے۔[4] دونوں برگزیدہ ہستیوں کو نہ صرف زندگی میں بلکہ موت کے بعد بھی ایک دوسرے سے جدا ہونا پسند نہ تھا۔ بقول نفیسی ایک بار آپ نے فرمایا تھا :

"اگر در شرع شریف جایز می بود وصیت میکردم امیر خسرو را در قبر من دفن کنند تا هر دو در یک جا باشیم۔ پس از من نخواهد زیست و چون از این جهان رفت پیکرش را در کنار من بخاک بسپارید که او صاحب اسرار منست و من بی او قدم به بهشت نمی نهم"[5]۔

مختصر یہ کہ محبوب الٰہیؒ کے عاشق صادق امیر خسرو جو کہ اپنی زندگی کی بے شمار راتیں اس آرزو میں نہ سو پائے کہ ان کے قدموں میں آنکھیں بچھائیں اور

۱۔ اقتباس از مثنوی مجنون و لیلیٰ۔

۲۔ قویم الدولہ، امیر خسرو دہلوی (تہران)، ص ۷۸۔

۳۔ سعید نفیسی، دیوان کامل امیر خسرو دہلوی، تہران، ص ۱۰۔

۴۔ پروفیسر شرر نعمانی، خسرو — ایک مرید، مجلہ ہم سخن، کراچی، ص ۲۸۹۔

سو جائیں مرنے کے بعد آج تک اپنی اور اپنے محبوب کی خواہش کے عین مطابق ان کے بہت قریب ان کی پائنتی میں ابدی نیند سو رہے ہیں :

خفت خسرو مسکین ازین ھوس شبہا
کہ دیدہ بر کف پایت نہد ، بخواب شود

جیسا کہ گذشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا ہے حضرت امیر خسروؒ نے وقت کے تاجداروں کے علاوہ اپنے رشتہ داروں اور پیاروں کے مرثیے بھی لکھے ہیں ۔ ایک دنیا جانتی ہے اور جیسا کہ مندرجہ بالا امثال و اقوال اور اشعار سے بھی ظاہر و آشکار ہے کہ ان کے تمام متعلقین میں سے جو ان کی زندگی میں اس جہان فانی سے رخصت ہوئے ، جو ہستی انہیں اپنی ہستی سے بھی پیاری تھی ، جس کے سامنے سلاطین وقت بھی ہیچ تھے ، جس کے غم جدائی کے مقابل ماں ، باپ ، نانا ، بھائی اور بیٹے کی جدائی کا غم کوئی معنی نہیں رکھتا تھا ، جس کی رضا جوئی کی خاطر وہ بادشاہ وقت کی نا رضایتی کو بھی خاطر میں نہ لاتے تھے ، اپنی تمام کمائی کے بدلے جس کی جوتیاں خرید کر پھولے نہیں سماتے تھے اور سمجھتے تھے کہ نعلین نہیں بلکہ کونین کی دولت ان کے ہاتھ آ گئی ہے ، جس کے بغیر انہیں ایک پل چین نہیں پڑتا تھا اور بیکل ہو ہو جاتے تھے اور جس کو پا کر وہ دنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاتے اور فرماتے تھے :

چون من مسکین ترا دارم ھمینم بس بود
شیخ من بس مہربان و خالقم آمرزگار

جس کے ہم پیالۂ احساس و ہم سبوئے سخن تھے ، جس کے دام محبت میں عمر بھر گرفتار اور نشۂ محبت سے مرتے دم تک سرشار رہے ، جس کی موت کا صدمہ ان کے لیے جان لیوا ثابت ہوا اور جو ہستی ان کے لیے ”خیمہ ہا از ہم جدا دلہا یکیست“ کا مصداق تھی ، وہ ہستی کون تھی ؟ ظاہر ہے وہ ہستی ان کے پیر و مرشد ، شیخ الشیوخ ، محبوب الٰہی ، حضرت خواجہ نظام الحق والدین کے سوا اور کون ہو سکتی تھی اور جو تعلق خاطر انہیں اپنے پیر طریقت سے تھا وہ کسی اور ہستی سے کیوں کر ہو سکتا تھا ؟

”متفرقات خسرو“ کے سلسلہ میں جب ضمنی کام کے طور پر خسرو کے مراثی کی جمع آوری کا کام شروع کیا تو ان کے درمیان اس ہستی کے مرثیہ کی کمی بری طرح سے کھٹکی جو دنیا میں ان کو سب سے زیادہ عزیز تھی ۔ آہستہ آہستہ یہ کھٹک ایک مستقل خلش بن گئی ۔ پھر اس مبہم خلش نے تحقیق و تدقیق کا روپ دھارا جس نے راقم کو تفتیش و تجسس اور کنجکاوی پر ابھارا ۔ دل نہیں مانتا تھا کہ امیر خسروؒ جیسے پرگو اور قادر الکلام شاعر جو اپنے شیخ کی وفات کے

چھ ماہ بعد تک زندہ رہے ہوں ، جنہوں نے نظامی گنجوی کی مثنوی مخزن الاسرار کے جواب میں تین ہزار تین سو دس اشعار پر مشتمل مثنوی مطلع الانوار صرف پندرہ دن میں لکھی ہو ، جنہوں نے اپنے مرشد کی زندگی میں سینکڑوں شعر ان کی مدح میں کہے ہوں اور جنہوں نے خان شہید کے تین چار مرثیے لکھ ڈالے ہوں انہوں نے اپنی محبوب ترین ہستی کی وفات پر ایک مرثیہ بھی نہ لکھا ہو۔

اس مفروضہ مرثیہ کی جستجو میں بے شمار تواریخ اور تذکرے دیکھے، ملکی اور غیر ملکی خسرو شناسوں کے مقالات کی ورق گردانی کی ، قلمی نسخوں کی خاک پھانکی ، مائیکرو فلموں میں تلاش کیا اور ممتاز ماہرین خسرویات سے بھی دریافت کیا لیکن کہیں سے گوہر مقصود ہاتھ نہ آیا۔

مرثیہ تو نہ ملا مگر دل کی خلش سوا ہوگئی ۔ آخرکار یہ مرثیہ مل ہی گیا ۔ ایک روز کتابخانۂ دانشگاہ پنجاب میں حضرت امیر خسروؒ کے آخری دیوان یعنی نہایۃ الکمال کے ایک قلمی نسخہ کی ورق گردانی کے دوران اچانک ایک ترکیب بند پر نظر پڑی ۔ دل نے گواہی دی کہ یہ حضرت محبوب الٰہیؒ کا مرثیہ ہے جو ان کے محب صادق حضرت امیر خسرو کے معجز نگار قلم سے نکلا ہے ۔ پھر اس مرثیہ کو از اول تا آخر دوبارہ پڑھا ۔ دل میں طرح طرح کے وسوسوں اور اندیشوں نے جنم لیا ۔ بالآخر جب اسے بار بار پڑھا تو عین الیقین بتدریج حق الیقین اور پھر یقین الیقین میں بدل گیا اور یہ حقیقت اظہر من الشمس ہوگئی کہ یہ وہی مرثیہ ہے جس کی برسوں سے تلاش تھی ۔

اس دعویٰ کے اثبات کے لیے نہ تو کوئی خارجی شہادت موجود ہے اور نہ اس کی کوئی ضرورت ہی ہے کیونکہ ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کے مصداق دعویٰ اور دلیل دعویٰ ہر دو اس کے متن کے اندر ہی موجود ہیں ۔ اس کے اشعار پکار پکار کر امیر خسرو کے مخصوص اسلوب سخن کی گواہی دے رہے ہیں اور ان کے مضامین اس پر شاہد ہیں کہ یہ اشعار حضرت خواجہ نظام الدین کے رثا میں کہے گئے ہیں ۔ اس مرثیہ کے مکمل تجزیہ و تبصرہ کی اس مقالہ میں ، کہ جس کا بنیادی مقصد امیر خسرو کی مرثیہ نگاری کی نقاب کشائی اور خاص طور پر ان کے مرثیۂ خواجہ نظام الدین اولیاء کی رونمائی ہے ، گنجائش نہیں اور اس کے لیے کسی آئندہ فرصت میں ایک الگ مقالہ درکار ہے اور یوں بھی :

آنچہ کہ عیان است چہ حاجت بہ بیان است

اس مرثیہ میں بہت سے اشعار شاہد صادق ہیں لیکن چند ایک شعر تو ایسے ہیں جو اس مرثیے کے تعین کے سلسلہ میں کلیدی اہمیت رکھتے ہیں ۔ اس مرثیہ کے مختلف بندوں میں سے اس قبیل کے چند ایک منتخب شعر مع مختصر تبصرہ

پیش کیے جاتے ہیں۔

اس مرثیہ کا مطلع یہ ہے :

معظم بندہ ای کو را خدای مہربان خواند
بدرگاہ خودش از بہر قرب جاودان خواند

راقم کے خیال میں وہ بندۂ معظم جسے خدائے مہربان اپنی درگاہ میں قرب جاوداں کے لیے بلا رہا ہے وہ محبوب خسرو ، حضرت محبوب الٰہی ، کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

بدین مایہ نباشد بندہ ای جز مقتدای ما
کہ از وی مقتدی اسرار وحدت ہر زمان خواند

سکندر نامۂ خسروی میں حضرت امیر خسرو نے اپنے مرشد کو ''رہ قدس را پیشوای تمام'' کہا ہے اور یہاں پر وہ انھیں ''مقتدای ما'' قرار دے رہے ہیں جس سے راقم کے دعویٰ کی تائید ہو رہی ہے :

نظام حق کہ چون انّی عبیدک بر زبان آید
برو لبیک عبدی کردگار مہربان خواند

امیر خسرو کی عادت ہے کہ وہ محبوب الٰہی کے مدحیہ اشعار میں جابجا ان کا نام استعمال کرتے ہیں اور کبھی انھیں شیخ نظام ، کبھی نظام دین احمد اور کبھی نظام حق کہہ کہ خطاب کرتے ہیں۔ اس مرثیہ میں بھی انھوں نے حسب عادت انھیں نظام حق کہا ہے جس سے راقم الحروف کے دعویٰ کی تائید مزید ہوتی ہے۔

فرید اول اندر سلک خاصان چون گزین آمد
فرید دوم اندر سلک ایشان اینک این آمد

جو لوگ خواجہ نظام الدین اولیاؒ کی سوانح حیات سے واقف ہیں بخوبی آگاہ ہیں کہ وہ بابا فرید گنج شکر کے مرید اور خلیفہ تھے۔ اس شعر میں حضرت امیرؒ نے اپنے مرشد کی ان کے مرشد سے اسی نسبت مریدی کی طرف اشارہ کیا ہے جیسا کہ اس مرثیہ کے علاوہ ایک اور جگہ بھی انھوں نے ایسا کیا ہے۔ فرماتے ہیں :

شد سلک فرید از تو منظوم زانست کہ شد لقب نظامت

ایک شعر میں انھوں نے اپنے پیر طریقت کے تصفیۂ باطن ، تزکیۂ نفس اور ان کی ماسوی اللہ سے کنارہ کشی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے :

ہم اندر زندگی شد روح صافی کاندران حضرت
ہمہ تن روح باید گشتن و از خود جدا رفتن

اس مرثیہ کے کئی ایک شعروں میں مرحوم کے لیے ''خواجۂ ما'' ، ''شیخ ما''

اور "پیر ما" کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو عام طور پر امیر خسروؒ اپنے مرشد شیخ نظامؒ کے لیے استعمال کرتے ہیں ۔

ازان پروانۂ یدعوکم اللہ یافت ذات او
کہ سر لی مع اللہ بود مضمون برات او

امیر خسروؒ کے ہاں کم و بیش اسی مفہوم کا ایک اور شعر بھی ملتا ہے جس میں انھوں نے حضرت نظام الدین اولیا کو خاصۂ قرب لی مع اللہ قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے :

ای خاصۂ قرب لی مع اللہ سر خیل مقربان درگہ

ایک اور شعر میں انھوں نے سلطان مشائخ کے الفاظ استعمال کرکے اس امر میں شک و شبہ کی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑی کہ زیر بحث ترکیب بند آن کے مرشد ہی کا مرثیہ ہے کیونکہ سبھی جانتے ہیں کہ دنیائے تصوف میں سلطان المشائخ کا لقب حضرت خواجہ الدین اولیاؒ ہی کے لیے مخصوص ہے :

غلطہا افتد اندر سمت قبلہ بعد ازین زیرا
برفت از جای خود قطب فلک چون قطب پنہان شد

مرثیہ کے اس شعر کے علاوہ بھی امیر خسرو نے اپنی مثنوی مجنون لیلیٰ میں اپنے مرشد کو قطب قرار دیتے دیتے ہوئے فرمایا ہے :

قطب زمن و پناہ ایمان سر حلقۂ جملۂ کریمان

برصغیر پاک و ہند میں خواجہ معین الدین چشتیؒ ، قطب الدین بختیار کاکیؒ اور بابا فریدؒ جیسے صوفیائے کرام کے حسن پندار ، حسن گفتار اور حسن کردار نے غیر مسلموں کے قلوب و اذہان کو تسخیر کرکے دین اسلام کی جو قابل قدر خدمات سرانجام دیں وہ سلطان محمود غزنوی جیسے فاتح ، سلطان محمد غوری جیسے مبارز جو اور سلطان علاء الدین خلجی جیسے کشور کشا کی ضربت شمشیر کے بس کی بات نہ تھی ۔ غلبۂ اسلام کی خاطر سلاطین دین کی افواج قاہرہ کے ہاتھوں ہزاروں لوگ لقمۂ شمشیر بن گئے لیکن سلطان دین ، خواجہ نظام الدین ، کے دست حق پرست پر ہزاروں لوگوں نے برضا و رغبت اور بلامزاحمت اسلام قبول کر لیا اور ان کے حسن عمل کے باعث کسی کا گریبان تک پھٹنے نہ پایا ۔ بیت زیر میں انھوں نے اپنے مرشد معنوی کے اس روحانی تصرف کو خراج تحسین و عقیدت پیش کیا ہے :

ہزاران جانہا کان خاک شد لیکن ز بہر دین
نہ جیبی پارہ گشت و نی شکافی در گریبان شد

ایک اور شعر میں فرماتے ہیں کہ جب سے سلطان طریقت نے دنیا سے باہر اپنا دربار لگا لیا ہے (فوت ہوگئے ہیں) اس دنیا میں بارگاہ فقر ویران ہوگئی ہے ۔ اب

ان جیسا پیشوا کہاں ؟ ظاہر ہے امیر خسروؒ کے لیے ان کے اپنے پیر و مرشد حضرت نظامؒ جیسا سلطان طریقت اور پیشوا اور کون ہو سکتا ہے ۔ مذکورہ شعر درج ذیل ہے :

چو سلطان طریقت بارگہ بیرون زد از عالم
تہی شد پیشگاہ فقر چون او پیشوائی کو ؟

اس مرثیہ کے دوران ایک شعر میں انھوں نے کنایتاً محبوب الٰہی کے دسترخوان کی وسعت ، ہزاروں حاجت مندوں کی حاجت روائی اور ان کی داد و دہش کی طرف اشارہ کیا ہے ۔ اہل علم سے پوشیدہ نہیں کہ ایک بار سلطان خسرو خاں نے ان کی خدمت اقدس میں کئی لاکھ ٹنکے بطور نذرانہ پیش کیے تھے جو انھوں نے غروب آفتاب سے پہلے پہلے محتاجوں اور مستمندوں میں بانٹ دیے تھے ۔[1] راقم کے خیال میں امیر خسرو نے اس شعر میں اسی واقع کو تلمیحاً بیان کیا ہے :

ہزاران دست کوئی سرنگون ہر لحظہ بر خوانش
ہزاران کف ستان و پر زر از دست زر افشانش

چشتی سلسلۂ طریقت میں سماع جائز سمجھا جاتا ہے ۔ ان کے پیر طریقت حضرت نظامؒ بھی سماع کے بے حد شائق تھے ۔ درج ذیل شعر میں انھوں نے ذوق سماع کا جواز پیش کیا ہے اور معترضین کے اعتراضات کے مقابل ان کا دفاع کیا ہے :

سماع اینست بہر شعلہ ہای شوق پنہانی
ز علم من لدنی داشت فتوی ورنہ نشنیدی

بند ہفتم ، بیت نمبر ایک میں ''مسیح عہد'' سے مراد بھی حضرت نظامؒ کی ذات با برکات ہے کیونکہ امیر خسروؒ نے اپنے کلام میں اکثر انھیں ''مسیح'' کے نام سے یاد کیا ہے ۔ مثلاً سکندر نامۂ خسروی میں فرماتے ہیں :

بہ حجت مسیحی در آخر زمان   بر اہل زمین حجت آسمان

مندرجہ ذیل شعر سے اس ترکیب بند کے مرثیۂ نظام اولیا ہونے کے بارے میں رہے سہے شکوک و شبہات بھی ختم ہو جاتے ہیں :

چو برد ایزد ولی اللہ نظام الدین محمد را
ولی شد ہر مرید او نظام دین احمد را

خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ اس شعر کی شباہت خسرو کے ایک اور شعر میں بھی جھلکتی ہے جو انھوں نے اپنے مرشد کے بارے میں مثنوی مجنون لیلیٰ میں ارشاد فرمایا ہے ۔ تقابل کے لیے وہ شعر ملاحظہ ہو :

۱۔ ڈاکٹر وحید مرزا ، زندگی و آثار امیر خسرو ، ص ۱۳۱ ۔

در شرع نظام دین احمد یعنی کہ نظام دین محمد

اس مرثیہ کے بند ہشتم کا شعر نمبر ۵ تحقیق کے لحاظ سے حد درجہ اہمیت اور انتہائی دور رس نتائج کا حامل ہے کیونکہ اس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی تاریخ وفات خسرو کے دستور کے عین مطابق بڑی صراحت کے ساتھ منظوم کی گئی ہے جو راقم کے نزدیک صحیح ترین اور مستند ترین ہے۔ یاد رہے کہ حضرت خواجہؒ کی تاریخ وفات کے بارے میں مختلف مؤرخوں اور تذکرہ نگاروں میں شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ بہرحال عام طور پر ان کی تاریخ وفات ۱۷ ربیع الثانی مانی جاتی ہے۔ شاید اسی بنا پر ان کا عرس بھی اسی تاریخ کو منایا جاتا ہے اور اس موضوع پر ''بڑی سترھویں'' کے نام سے ایک کتاب بھی لکھی گئی ہے۔ اب اس مرثیہ میں دی گئی تاریخ کی روشنی میں امید واثق ہے کہ اس بارے میں اختلاف رائے ختم ہو جانے کا کیونکہ راقم کے تئیں اس ضمن میں ان کے یار غار اور محب مؤرخ، امیر خسروؒ کا قول قول فیصل کا حکم رکھتا ہے۔ حضرت خواجہؒ کی تاریخ وفات کے بارے میں اس تازہ ترین انکشاف کے بعد عرس کی تاریخ پر بھی نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اگرچہ ہژدہ (۱۸) کی جگہ ہفدہ (۱۷) بھی آسکتا ہے مگر اس نسخۂ منحصر بفرد میں ہژدہ (۱۸) ہی مرقوم ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ کبھی اس یگانۂ روزگار مرثیہ کا کوئی ایسا نسخہ ہاتھ آ جائے جس میں ''ہژدہ ز ماہ'' (چاند کی اٹھارہ) کی جگہ ''ہفدہ ز ماہ'' (چاند کی سترہ) لکھا ہوا ہو۔ بہرحال تب تک خسرو کی دی ہوئی اس تاریخ وفات کو ہی حضرت نظام الدین اولیاء کی اب تک مستند ترین تاریخ وفات ماننا ہوگا۔ متذکرہ بالا شعر درج ذیل ہے:

ربیع دوم و ہژدہ ز مہ در ابر رفت آں ماہ

۱۸ ربیع الثانی

زمانہ چوں شمار بیست دارد پنج و ہفتصد را

۷۰۰+۵+۲۰=۷۲۵

یہ روایت کس خسرو شناس کو معلوم نہیں کہ حضرت محبوب الٰہی حضرت امیر خسرو کو ''ترک اللہ'' کہہ کر مخاطب فرمایا کرتے تھے۔ بند نہم کے آخری شعر میں انھوں نے اپنے مرشد کی زبان سے ''ترک اللہ'' کے خطاب کو اپنے لیے حصول جنت اور نجات آخروی کا وسیلہ قرار دیا ہے جیسا کہ قصیدۂ حضرت نظام الدین کے ایک شعر میں بھی انھوں نے بارگاہ نظامی سے ''ترک اللہ'' کا خطاب عطا ہونے پر فخر و انبساط کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا ہے:

بر زبانت چوں خطاب بندہ ترک اللہ رفت

دست ترک اللہ بگیر و با الہش می سپار

بند دہم کے بیت نمبر ۱۰ میں مرثیہ نگار نے اپنے مرشد کے ماسوی اللہ سے

چشم پوشی اور ان کے رویت جمال خداوندی میں ہمہ تن اشتمال کا ذکر کیا ہے :

چو مشغول جمالی وز سوی الله چشم بر بستی
ازالجانب نگویم سوی دیگر چشم را واکن

جیسا کہ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے سبھی سوانح نگار جانتے ہیں کہ آپ نے تمام زندگی عائلی زندگی تشکیل نہ دی اور ہمیشہ تجرد کی زندگی گزاری - درج ذیل شعر میں غالباً امیر خسرو نے اپنے پیر طریقت کی زندگی کے اسی پہلو کی طرف اشارہ کیا ہے :

چو عشق پاک را ز آلایش شہوت نیالودی
وصال جاودان از قرب رب العالمین بادت

مندرجہ بالا اشعار کے پیش نظر یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ یہ ترکیب بند درحقیقت حضرت نظام الدین اولیاء کا مرثیہ ہے جو آن کی وفات کے بعد ان کے دل و جان سے چاہنے والے اور چہیتے مرید حضرت امیر خسرو نے صدیوں پہلے لکھا تھا اور اب تک اہل جہاں کی نظروں سے پنہاں تھا -

اس مرثیہ کا کوئی دوسرا نسخہ تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہیں ہو سکا۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حضرت امیر خسرو کے آخری شعری مجموعہ یعنی دیوان نہایت الکمال کے قلمی نسخے ان کے دیگر دواوین کی نسبت بہت معدود ہیں اور اس کے انڈیا آفس و برٹش میوزیم کے قلمی نسخوں کے مائیکرو فلم (مملوکہ جناب اقبال صلاح الدین) اور کتابخانۂ دانشگاہ پنجاب کے بعض دیگر قلمی نسخے جو راقم کی نظر سے گزرے ہیں ان میں یہ مرثیہ بعض نامعلوم اور نامفہوم وجوہ کی کی بنا پر معدوم ہے - یہی وجہ ہے کہ اس کا موازنہ اور مقابلہ نہیں ہو سکا اور اس کی تصحیح قیاساً عمل میں لائی گئی ہے - موجودہ متن اس مرثیہ کا محض نقش اول ہے اور امید واثق ہے کہ اس کی اشاعت کے بعد خسرو شناس دوستوں کی تلاش و جستجو کے نتیجہ میں اس مرثیہ کے دوسرے نسخے بھی سامنے آئیں گے اور اس کے صحیح تر متن کا تعین کیا جا سکے گا -

مرثیهٔ حضرت خواجه نظام الدین اولیاءرح
نوشتهٔ امیر خسرورح

(۱)

۱- معظم بنده ای[1] کو را خدای مهربان خواند
بدرگاه خودش از بهر قرب جاودان خواند

۲- پر از انوار رحمت صد جهان دیگرش بخشد
ز بهر جلوهٔ عزت گر او را زین جهان خواند

۳- کمندی بخشد از حبل الله آن عیار پر دل را
که او را از حضیض خاک سوی آسمان خواند

۴- عنایت با هزاران لطف و دلداریش پیش آید
بسان دوستی کو دوستی را میهمان خواند

۵- چو آن بنده بشوید لوح کاف و نون رسد آنجا
رقمهای نهان بیرون ز نقش کن فکان خواند

۶- ز حرف کن کی آلاید[2] زبان پاک دانائی[3]
که رمز تختهٔ انی انا الله بی زبان خواند

۷- گدازد نور طیب کور طینت هم رود بالا
ز منشور قضا دیباچهٔ نور و دخان خواند

۸- بر آید گرد آن ذروه[4] که آنجا حمد شد نازل
ملک آید[5] سلام الله اش[6] اندر گوش جان خواند

۹- شود حافظ و لیک از لوح محفوظ اندران مکتب
برون از دورهٔ حلقه[7] همان خسرو نهان خواند

۱۰- بدین مایه نباشد بنده ای جز مقتدای ما
که ازوی مقتدی اسرار وحدت هر زمان خواند

۱۱- نظام حق که چون انی عبیدک[8] بر زبان آید
برو لبیک عبدی کردگار مهربان خواند

۱- ن ۱ : بندهٔ
۲- ن ۱ : حرف کن کی الاید
۳- ن ۱ : دانای
۴- ن ۱ : دزده
۵- ن ۱ : بسراید
۶- ن ۱ : آتش
۷- ن ۱ : دور به حلقه
۸- ن ۱ : جوان نی

۱۲- فرید اول اندر سلک خاصان چون گزین آمد
فرید دوم اندر سلک ایشان اینک این آمد

(۲)

۱- کسی کش آرزو[1] باشد بملک کبریا رفتن
بود تا جان و سر بر جای کی[2] شاید بپا رفتن؟

۲- ز عین عشق باید ساخت نعل مرکب همت
که بی این نعل نتوآن آن ره بی منتها رفتن

۳- بروح القدوس باید شد ز بهر بام علیین[3]
که نتوان از پر شیطان ببام کبریا رفتن

۴- قدم ز آلایش طینت برون باید نهاد آنرا
بلوث آب وگل نتوان بصدر پادشا رفتن

۵- روش[4] بر آسمان باید که خس را هم بود ممکن
دوان بر آب یا پران ببالای هوا رفتن

۶- بصدر قرب شد جا خواجه[5] ما را چنین باری
که از دارالفنا باید سوی دارالبقا رفتن

۷- نشاید مرده خواند آن زندهٔ جاوید را هی هی[6]
که از زیر زمین داند ببالای سما رفتن

۸- براهِ مصطفا رفت و رسید و بوسه زد برپا
که بودش پی به پی[6] دنبال پای مصطفا رفتن

۹- چو هستی جز خدا را نیست زد برنیستی خیمه
که با هستی ادب نبود بدرگاه خدا رفتن

۱۰- هم اندر زندگی شد روح صافی‌کاندران حضرت
همه تن روح باید گشتن و از[8] خود جدا رفتن

۱۱- همه کس زین سرا خود میرود تا آن سرا لیکن
چو او باید دو منزل برتر از هر دو سرا رفتن

۱۲- ازان پروانهٔ یدعوکم الله[9] یافت ذات او
که سر لی مع الله[10] بود مضمون برات او

۱- ن ل : ارزد
۲- ن ل : جامکه
۳- ن ل : پیام علیین
۴- ن ل : روسن
۵- ن ل : همی
۶- ن ل : نی به نی
۷- ن ل : بهر
۸- ن ل : و ز
۹- ن ل : یدعوکم بالله
۱۰- ن ل : سر لیه مع الله

(۳)

۱- عیالست[1] اینکه[2] می بینم[3] یا خواب و خیالست[4] این
زمینست[5] این نمیدانم یا گنج جمالست این
۲- مسلسل قصه[6] خالی که اینک[7] زلف و رویست آن[8]
غرور نامه[6] خالی که اینک خط و خالست این
۳- فقیری از خرابی چند تازنده[8] که ملکست آن
لئیمی بر کاوخی چند درنده که مالست این
۴- یکی امروز شد پیدا و دیگر روز ناپیدا
عجب کاری چه‌مشکلست آن تعالی‌الله چه حالست این
۵- بسا ضحاک و جم کان خورد گیتی شد مشو غره
بروز خویش آ[9] رستم همان[10] خونخواره زالست این
۶- بملک نیمروز ای آفتاب[11] گشته روشن
مکن گرمی گرت گویم که هنگام زوالست این
۷- بگرد آوردن دنیا ز پیرانرا[12] که می بینی
بسان شهوت طفلان ببازی سفالست این
۸- صفای شیخ مارا بود آن آئینه[6] ای[13] در دل
که دیدی نقشهای عالم و گفتی خیالست این
۹- فلک کان از[14] شکم چندین ولد زاید همی هر دم
خلف یعنی دگر مانند او زاید محالست این
۱۰- بر آنگونه[15] که شد ختم رسالت بر رسول ما
ولایت ختم شد بر شیخ ما کزوی مثالست این[16]
۱۱- چو دیدندش بحق مشغول دو پرسنده در تربت
نکردند این قدر جرأت که هنگام سئوالست این ؟
۱۲- بخاکش سبزهٔ رحمت چو از ابر کرم روید
خضر با سبز پوشان فلک نیز این محل جوید

۱- ن و : مثالست　۲- ن و : اینک　۳- ن و : بینم
۴- ن و : خواب خیالست　۵- ن و : نمیدانم　۶- ن و : این
۷- ن و : درونست آن　۸- ن و : جند تار نده　۹- ن و : کای
۱۰- ن و : خان　۱۱- ن و : بملک نیم روزی کا فتاب　۱۲- ن و : رهبرا لرا
۱۲- ن و : آئینه　۱۳- ن و : له
۱۴- ن و : بران گونه　۱۶- ن و : شیخ کزوی مثالست این

(۴)

۱- چه روز است این که در عالم ز خون دیده طوفان شد
چه سوز است اینکه از طوفان آتش خلق بریان شد

۲- کجا مانیم زنده چون زبان شد در گلو خنجر
چسان بینیم گیتی چون مژه در دیده پیکان شد

۳- فرشته تهنیت گردان جهان را بهر جان تو
و لیکن داشت بهر این جهان ماتم که بیجان شد

۴- ملایک طرقو گویان رسیدند از فلک زینسو
چو استدعای سلطان مشائخ سوی یزدان شد

۵- چو روح پاک او برشد باوج هفتمین ایوان
زحل از دیدنش زنار بگسست و مسلمان شد

۶- بسان مردم از سه روح شد بر آسمان زنده
چو بر روح الله و روح الامین آن روح مهمان شد

۷- تنش هم بر فلک رفتی بدان تعظیم شد در گل
که جسم انبیاء و اولیاء در خاک پنهان شد

۸- چو تابان گشت خورشید از پس آن آفتاب دین
همان نور رخ خورشید بر خورشید تابان شد

۹- اگرچه او سوی[1] یزدان برفت از نالهٔ خلقی
اجل شرمنده و گردون خجل ، اختر[2] پشیمان شد

۱۰- غلطها افتد اندر سمت قبله بعد ازین زیرا
برفت از جای خود قطب فلک[3] چون قطب پنهان[4] شد

۱۱- هزاران جانها کان خاک شد لیکن ز بهر دین
نه حبیبی[5] پاره گشت و نی شکافی در گریبان شد

۱۲- چو نعشش دید قاری[6] بر فراز چرخ زنکاری
بران شد افتد از بالا شود این نعش را قاری

(۵)

۱- خوشست این بوستان لیکن درو برگ وفائی کو
به است این باغ لیک از وی بری راحت فزائی کو

۱- ن ؤ : سوئی
۲- ن ؤ : آخر
۳- ن ؤ : فلک قطب
۴- ن ؤ بنیان
۵- ن ؤ : جیبنی
۶- کذا فی الاصل

۲- هزاران عکس در آئینه های[1] آسمان پیدا
علی العکس اندر آنها صورت صدق و صفائی کو

۳- مروت از جهان[2] سیماب شد کبریت احمر شد
بچندین تودهٔ گل[3] از سعادت کیمیائی کو

۴- شگفته هر کس از باد غرور خویشتن چون گل
زر و سیمش تو بر تو ولی بوی عطائی[4] کو

۵- چو خضرای دمن هر مهتری سر سبزه و تازه
ولی در وی کرم مقدار برگ گندنائی کو

۶- به بین تا چند پاکانرا زمانه میکشد هردم
جز افسوس و دریغ و آه رسم خونبهائی[5] کو

۷- چو سلطان طریقت بارگه[6] بیرون زد از عالم
تهی شد پیشگاه فقر چون او پیشوائی کو

۸- ره افتد آن طریقت ره نوردی را کنون هرجا
که پیرما[7] بمنزل رفت چون او رهنمائی کو

۹- نشانی داشت خوانش[8] از خلیل و یوسف و عیسیٰ
کجا آن نعمت و بر آنچنان خوانی[9] صلائی کو

۱۲- هزاران دست گوئی سرنگون هر لحظه بر خوانش
هزاران کف ستان و پر زر از دست زر افشانش

(٦)

۱- نفس[12] ز اخلاص در سبع مثانی چون بجنبیدی[13]
ازان باد نفس سبع شداد آن دم[14] بلرزیدی

۲- نوشتی قصهٔ یوسف ز اشک عارفان بر رخ
ز یاسین زنده کردی مردگان را چون بخندیدی[15]

۳- سماع اینست بهر شعله های شوق پنهانی[16]
ز علم من لدنی داشت فتوی ورنه نشنیدی

۱- ن ﻭ : اینهای
۲- ن ﻭ : حسان
۳- ن ﻭ : توبه گل
۴- ن ﻭ : بوئی عطائی
۵- ن ﻭ : خون بهای
۶- ن ﻭ : بارگاه
۷- ن ﻭ : پسرما
۸- ن ﻭ : اخوانش
۹- ن ﻭ : آنچنان بر خوان
۱۰- بیت دهم در نسخهٔ اساسی نیامده است
۱۱- بیت یازدهم : ایضاً
۱۲- ن ﻭ : بغن
۱۳- ن ﻭ : خون جهیدی
۱۴- ن ﻭ : سبع شد اوان دم
۱۵- ن ﻭ : خون جنبیدی
۱۶- ن ﻭ : بنیانی

۴- ز پر جبرئیلی[1] می پرید از بس که بر بالا
دو عالم پیش چشمش نیم پر پشه نیارزیدی
۵- نگنجید از بزرگی در جهان زان رفت ازو بیرون
نگنجیدی جهان در خود گر آن در وی بگنجیدی
۶- بداماں مریدی نقد درویشی نیفگندی
مگر آنرا که داماں دل از دو کون برچیدی
۷- عوام عابدان را از پی درمان دعا گفتی
ولی خاصان خدمت را متاع درد بخشیدی
۸- بعین عفو شستی لوث چرک دیدهٔ هرکس[2]
فرو پوشیدی از ذیل کرم وان پرده ندریدی
۹- فقیران را بصد تعظیم با خود همنشین کردی
بخواری دیدی اهل مال را زان شرم کم دیدی[3]
۱۰- شدی خوش گر مثل تردامنی آبی بکس[4] دادی
وگر زاهد بدی[5] خورشید زهد خشک نخریدی
۱۲- سران دولت از عز کلاهش مانده سر درکش
گدایان خلق پیشش به از[7] خانان لشکرکش

(۷)

۱- در آندم کان مسیح عهد درکوئی گزر کردی
نه مرده بل جمادی را بیک دم جانوری کردی
۲- شدی در حال یاقوت باکلیل[8] فلک در خور
ز چشم مهر اگر در سنگ ناقابل[9] نظر کردی
۳- جهان تاریک گردد بعد ازین کان شمع روشن شد
که هر صبح آفتاب از وی چراغ خویش برکردی
۴- هم از کوب قدم هفت اختر اندرگل فرو بردی
هم از باد نفس نه چرخ را زیر و زبر کردی
۵- نهفتی از حیا نور خود از مه هم بنور او
که پیدا هم ز نور خویش خورشید دگر کردی

۱- ن ۱ : ز بهر جبرئیلی ۲- ن ۱ : چرکی دیدهٔ از کس ۳- ن ۱ : شرم دهد
۴- ن ۱ : آبی بکس ۵- ن ۱ : بودی
۶- بیت یازدهم در نسخهٔ اساسی نیامده است ۷- ن ۱ : پیشش به ار
۸- ن ۱ : یاقوب ما کلیل ۹- ن ۱ : سگ ناقابل

۶- تو نشنیدی کراماً کاتبین شرح نیاز از خون
چو از خونابهای شوق هردم دیده ترکردی
۷- ملائک همچو گنجشکان پریدن کم بماندندی
ز بس آن[1] گریه‌ٔ دزد اندران مرغان اثر کردی
۸- جهانی سوخت آه از بهر آن عاشق که هر ساعت
جهانی سوختی زان آه گر سوز جگر کردی
۹- گلی بود از ریاض قدس کو از غنچهٔ خندان
تبسم پیش بخشیدی تبسم بیشتر کردی
۱۰- شهان دریای زر اندر زمین غرقه کنند لیک او
بدرویشی زمین را غرقه در دریای زر کردی
۱۲- اگرچه جون را بود از روش پیش درش آبی
ز رشک بخشش او خشک گشت و رفت پرتابی

(۸)

۱- چو برد ایزد ولی الله نظام الدین محمد را
ولی شد هر مرید او نظام دین احمد را
۲- یگانه بود فرد الدهر در آفاق خلقش[3] نی
چو اوحد بود چون گویم که بود او ثانی اوحد را
۳- حضوری بود داغش از شرار[4] عاشقی از دل
که از نقش حضور اوست آن ذات مجرد را
۴- ولی بود او شهید عشق در هر دوجهت زنده
کجاه کو تهمت مردن نهد آن حی سرمد را
۵- ربیع دوم و هژده ز مه در ابر رفت آن مه
۱۸ ربیع الثانی
زمانه چون شمار بیست دارد پنج و هفتصد[6] را
۷۰۰+۵+۲۰=۷۲۵
۶- دمید اندر ظلام خاک صبح صادق اندر دم
چو آن خورشید نورانی ز نور آراست مرقد را

۱- ن ۹ : کان
۲- نسخهٔ اساسی بیت یازدهم ندارد
۳- ن ۹ : حسنش
۴- ن ۹ : شراری
۵- ن ۹ : کسی
۶- ن ۹ : دادو نهج هفتصد

۷- ز بهر اوست ما را غم که نبود زنده را ماتم
ولی سوز فراقش میکند دیوانه بخرد را
۸- سخن ز اخلاص میگویم چه کردم از وفاداری
نکردم خویش را بسمل نه آتش در زدم خود را
۹- فغانی چند کردم گریهٔ تزویر هم لختی
اگر این راست بودی سوختی هم دام هم دد را
۱۰- کم از هندو نباید[1] بود خود دیدم که[2] چون آتش
بآتش داد او پرکاله، پرکاله تن خود را
۱۱- نپندارم[3] که خود را مؤمنی کشتی بمرگ کس
روا بودی اگر این رسمها دین محمد را
۱۲- برهمن را چو عشق یار و بت این سوز فرماید
نگه کن اهل دل را سوز حب الله چه فرماید

(۹)

۱- رخت[4] ای جان پاکان جان پاکان زار روی تو[5]
زمان مردن آمد پاک جانان را بکوی تو
۲- گر از دریای عالم دست شستی برحق زیرا
که از جنت رحیق و سلسبیل آمد بجوی تو
۳- چو اندر بارگاه قرب یابی بار ربانی
ز هر باریکی[6] کز پوست بیرون داد موی تو
۴- کسی کو روی تو[7] دیدی خدا یاد آمدش زیرا
که بود آئینهٔ رویت لوجه الله روی تو
۵- توئی چون گلستان عشق روح کرخی و بلخی
چو زنبوران گل گرد تو میگردد ببوی تو
۶- بدنیا نیز طوبیٰ سایه گستردی اگر رضوان
به بیخ طوبیٰ افگندی نمی ز آب وضوی تو
۷- ملک گر بر نشستن خواستی تنگ آمدی در خط[8]
اگر در مجمره[9] قطره فکندی ارغبوی تو[10]

۱- ن ل : هندو نیابد
۲- ن ل : که دیدم خود که
۳- ن ل : نه پندارم
۴- ن ل : برفت
۵- ن ل : رویتو
۶- ن ل : باریکی
۷- ن ل : رویتو
۸- کذا فی الاصل
۹- ن ل : مجره
۱۰- کذا فی الاصل

۸- بیان خلق حق شمه بشمه کردی اخلاقت
که از خلق پیمبر صد شمامه داشت خوی تو
۹- ز سر کرده ملایک پیش رویت سجدهٔ آدم
قضا محکم زده ابلیس را از گفت و گوی تو
۱۰- توئی در اوج علیین رسیدن کی توان در تو
وگر نه مخلصان پیش از اجل آیند سوی تو
۱۱- ز بهرت گرچه دل غربیل شد چون تو نئی[1] درگل
چه بیزم خاک بیهوده ز بهر جستجوی تو
۱۲- بس است این یک[2] اضافت بهر جنت فتح باب من
که کردی[3] از زبان خویش ترک الله خطاب من

(۱۰)

۱- چه ماندی در حجاب قدس آخر پرده بالا کن
بچشم عاشقان ذات مقدس را هویدا کن
۲- چو زینجا جز لباس حق نبردی سوی آن عالم
ز نگهت طیلسان[4] مشتری بستان مصلا کن
۳- قیامت آمدست و منتظر کانجم فرو ریزد
سماع زهره کن در گوش و یکره دست بالا کن
۴- غلط کردم که تو مستغرق الحان داؤدی
ز نعمتهای آن دعوت نصیبی بهرهٔ ما کن
۵- ابابد اطلس گردون کند آزرده[5] پایت را
بفردوس اندرون نعلین ادریس است در پا کن
۶- چو اندر بارگاه قرب یابی بار ربانی
درون تر شو سلام الله بگوش وحدت اصغا کن
۷- قدمگاه نبی شد عرش ادب نبود بران رفتن
ولی بنشین بکرسی تکیه[6] بر عرش معلا[7] کن
۸- ز معراجی که دارد بایزید از حد آن بگذر
باوج لامکانش زین دو سه گامی تماشا کن

۱- ن ؤ : خولتونه ۲- ن ؤ : اینک ۳- ن ؤ : کردی
۴- ن ؤ : طیلیان ۵- ن ؤ : از روه
۶- ن ؤ : یکته ۷- ن ؤ : مولا

۹- ز پیغامبر که داری سرمهٔ مازاغ در همت
که نظارهٔ پنهان همان در چشم بینا کن

۱۰- چو مشغول جمالی وز[1] سوی الله چشم بر بستی[2]
ازانجانب نگویم سوی دیگر چشم را وا کن

۱۲- ز عزت علویان جایت بچشم خود پسندیده
ز گریه بی تو ما را آب مروارید در دیده

(۱۱)

۱- بشادروان حق روح پیمبر همنشین بادت
فروتر جایگه[3] بالاتر از خلد برین بادت

۲- زمینی کز ره صورت درینجا خوابگه داری
شعاع مهر نور الله بساط این زمین بادت

۳- بر آنگونه[5] که اینجا یار بودت عون یزدانی
بدآنجا هم عنایتهای ربانی قرین بادت

۴- چو تو جبریل قدری را ادب نبود مگس خواندن
که گویم ره سوی طوبی و شیرو انگبین[6] بادت

۵- ترا چون روشنی ز انوار دین بودت در این دنیا
بظلمات لحد مشعل همان انوار دین بادت

۶- چو بودی فرد دهر و فرد رفتی کی توان گفتن
که غلمانت غلام و یا حواری حور عین بادت

۷- چو عشق پاک را ز آلایش شهوت نیالودی
وصال جاودان از قرب رب‌العالمین بادت

۸- ز گنج معرفت سرمایه[8] علم الیقین بودت
همان علم‌الیقین رهبر سوی عین الیقین بادت

۹- چو گشت روضه[8] جنت بدنبال نبی خواهی
براق ازرق[7] او فروتر زیر زین بادت

۱۰- چو با حبل الوریدت بود محکم عقد حبل الله
کمند کنگر قربت همان حبل المتین بادت

۱۲- چو در دیدار چشم آرزو[9] را درگشاد آری
در آن حالت ز حال خسرو بیچاره یاد آری

۱- ن ۱ : و از ۲- ن ۱ : بر بسته ۳- نسخهٔ اساسی بیت یازدهم ندارد
۴- ن ۱ : جایکه ۵- ن ۱ : بران گونه ۶- ن ۱ : شیرنگبین
۷- ن ۱ : براق از برق ۸- نسخهٔ اساسی بیت یازدهم ندارد ۹- ن ۱ : ارزد

تبسم کاشمیری*

انجمن پنجاب، اوریئنٹل یونیورسٹی کی تحریک اور سرسید احمد خان

۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو لاہور کے سکھشا سبھا ہال میں لاہور کے پڑھے لکھے سنجیدہ لوگوں کا ایک جلسہ ڈاکٹر لائیٹز کی سرپرستی میں منعقد ہوا، جس میں ہندوستان کے دیگر شہروں کی طرز پر ایک نئی سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا اور اس کا نام ''انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب'' تجویز کیا گیا اور بعد ازاں اس انجمن کو ''انجمن پنجاب'' کے نام سے زبردست شہرت حاصل ہوئی اور اس انجمن نے برصغیر کی تہذیبی اور ادبی نشاۃ الثانیہ میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

انجمن پنجاب کے اس تاسیسی جلسے میں پنڈت من پھول کو انجمن کا صدر اور منشی ہرسکھ رائے اور بابو نوبین چندر کو سیکرٹری مقرر کیا گیا۔

انجمن پنجاب کے اغراض و مقاصد یہ تھے کہ مشرق کے قدیم علوم کو ترقی دینے کے اسباب مہیا کیے جائیں۔ مغربی علوم کو سیکھنے کے لیے دیسی زبانوں کا استعمال کیا جائے۔ ملک کی قدیم فرسودہ رسومات کو ترک کرنے کی تحریک چلائی جائے اور حکومت و عام لوگوں کے درمیان مسائل حل کرانے کے لیے رابطہ قائم کیا جائے۔

انجمن پنجاب کے مقاصد برطانوی حکومت کی سرکاری پالیسیوں کے عین مطابق تھے۔ حکومت پنجاب کی سرکاری کارروائیوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انجمن کے آغاز ہی سے اسے سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی تھی، اور پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر سر ڈانلڈ میکلوڈ، انجمن کے اغراض و مقاصد اور اس کی کارروائیوں میں ذاتی طور پر دلچسپی رکھتے تھے۔ خاص طور پر مشرقی علوم کی ترویج و اشاعت اور دیسی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم بنانے کی تحریک میں وہ محرک ثابت ہوئے تھے۔ ۶ فروری ۱۸۶۵ء کو ڈاکٹر لائیٹز نے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب کو ایک خصوصی مراسلے کے ذریعے انجمن پنجاب کے منصوبوں کی اطلاع دیتے ہوئے حکومت سے مدد کے لیے درخواست کی۔[1] سیکرٹری حکومت پنجاب نے ان منصوبوں کے لیے لفٹیننٹ گورنر پنجاب کی خوشنودی کا اظہار کیا۔ اس خط کا متن ملاحظہ ہو:

---

*اسسٹنٹ پروفیسر اردو برائے غیر ملکی طلبہ پنجاب یونیورسٹی۔

From the Secretary to Government Punjab, to the Director of Public Instruction Punjab, No. 120, dated 2nd March 1865.

I am directed to acknowledgo the receipt of your letter No. 82, dated 20th February, reporting the establishment at Lahore, by Dr. Leitner, of a Vernacular Scientific and Literary Society, and proposing a grant-in-aid of 150 rupees for the purchase of Oriental works in addition to those already contributed by the members.

2. In reply I am directed to convey His Honor's sanction to the grant proposed, and to remark that His Honor highly appreciates Dr. Leitner's exertion and will be glad to aid them in every mode which may be feasible.

3. His Honor will further be glad to know from time to time of the progress of the institution.[2]

انجمن پنجاب نے مشرقی زبانوں کی اشاعت کے لیے اپنے قیام کے پہلے ہی سال میں ان زبانوں کا امتحان لینے کے لیے کمیٹیاں مقرر کیں ۔ اس سلسلے میں عربی فارسی ، اردو اور سنسکرت میں امتحان منعقد کروانے کے لیے خصوصی کمیٹیاں بنائی گئیں اور ان میں سے ہر زبان کے لیے پچاس روپے کا انعام مقرر ہوا ۔ اور امتحانوں کے لیے قواعد بھی مقرر کیے گئے ۔[3] دیسی زبانوں کی سرپرستی کرتے ہوئے انجمن پنجاب کو لفٹیننٹ گورنر پنجاب نے امتحانات کے لیے اپنے پاس سے ماہ روپے دیے ۔ سر ڈانلڈ میکلوڈ نے انجمن کی سرپرستی کرتے ہوئے ۲۹ اپریل ۱۸۶۵ء کو انجمن کے ایک اجلاس میں شرکت کی ۔ انھوں نے اس جلسے میں انجمن کے بنیادی اغراض و مقاصد کی تائید کی اور خاص طور پر دیسی زبانوں کی تعلیمی ترقی کے لیے اختیار کرنے کی اہمیت واضح کی ۔ ان کی تقریر سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو :

> ”طالب علمان دیس کو چاہیے کہ زیادہ تر ترقیٔ تحصیل علوم اپنے دیس کی زبان میں کریں نہ یہ کہ اپنی زبان سے بے بہرہ رہیں اور غیر زبان میں ترقی کریں ۔ اگر اول اپنی زبان میں ترقیٔ کامل کریں گے تو غیر زبان میں ترقی حاصل کرنی سہل ہوگی ۔ اس باب میں زیادہ تر کوشش صاحب پرنسپل (ڈاکٹر لائیٹنر) اور صاحب ڈائریکٹر بہادر پنجاب کی بکار ہے ۔“[4]

مقامی زبانوں اور مشرقی علوم کی سرپرستی کی یہ پالیسی اس عہد کی برطانوی حکمت عملی میں شامل تھی ۔ جس کا مقصد مقامی باشندوں کی ہمدردی اور تعاون حاصل کرنا تھا ۔ برطانوی حکومت اس حکمت عملی کے ذریعے ۱۸۵۷ء کے خون ریز واقعات کی تلخیوں کو ختم کرنا چاہتی تھی اور اس ابتدائی دور میں ا

مقصد کے لیے علمی ، تعلیمی اور ثقافتی سوسائیٹیوں سے یہ کام لیا جا رہا تھا۔ سر ڈانلڈ میکلوڈ نے اسی حکمت عملی کو لے کر ایک قدم اور آگے بڑھایا اور خصوصی احکامات جاری کیے جنہیں سیکرٹری حکومت پنجاب نے مراسلہ نمبر ۲۹۶ کے ذریعے ۱۰ جون ۱۸۶۵ء کو ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن پنجاب تک پہنچایا ان احکامات میں یہ کہا گیا تھا کہ اب وقت آ پہنچا ہے کہ پنجاب کے محکمۂ تعلیم کو پہلے سے زیادہ فیصلہ کن انداز میں ورنیکلر ادب کی توسیع اور تخلیق کے سلسلے میں اقدامات کرنے چاہییں۔ کیونکہ یہ حکومت کا فرض ہے کہ ہندوستانی قوم کے مستقبل کے لیے نمایاں کارکردگی کا مظاہرہ کرے۔ موجودہ کام کی رفتار کو تیز کرنے اور اسے مزید ترقی دینے کے لیے کام کرنا چاہیے۔ لفٹیننٹ گورنر کی طرف سے اسی سلسلے کی جملہ تجاویز کے لیے خوشنودی کا اظہار کیا گیا تھا ، اور ہر طرح سے ممکن حد تک مالی تعاون کی پیش کش کی گئی تھی۔ اس تاریخی مراسلے کا متن یہ ہے :

From the Secretary to Government Punjab, to the Director of Public Instruction Punjab, No. 296, dated 10th June 1865.

The Lieutenant Governor is of opinion that the time has arrived when the Educational Department of the Punjab should take some more decided steps than it heretofore done towards the creation or extention of a Vernacular Literature. The Scientific Associations of the North Western Proviuces, founded by the Principal Sudder Ameen Suyad Ahmad, and other bodies or individuals elsewhere, no doubt have done, and are doing, something towards this end, and there efforts are deserving of all commendation and encouragement; but is more especially incumbent on the Government, in His Honor's opinion, to take a prominent lead in a matter so intimately connected with the future progress of the Indian nation. What the extension of English education, the facilities for transferring into the languages of the country the knowledge, literatnre, and science of the West have vastiy increased; but it seems pretty certain that unless some specific action be takeo on our part, and some really effective stimulus applicd the process will be carried on at a rate much less rapid than is desirable, and in seme sense necessary, if we would do justice to the position in which the Ruler of Events has seen fit to place us here.

2. His Honor will be glad, therefore, to be favored with such suggestions on this subject as may occur to you, after communicating with others interested in such subjects and capable of advising. I am to add that limited as is the amount at our disposal for Educational

purposes, His Honor, neverthless, considers it indispensable that a portion of this be yearly set apart for the prosecution of this most important work, and will be quite prepared to devote to it as large a sum as you may be disposed to recommend.[5]

لفٹیننٹ گورنر کا یہ مراسلہ ایک سرکار کی شکل میں انجمن پنجاب کے پاس بھی پہنچا اور پنجاب میں اس سرکار کو عملی جامہ پہنانے کے لیے انجمن پنجاب حرکت میں آ گئی۔ ڈاکٹر لائیٹنر جو مشرق علوم اور مشرق زبانوں سے بے حد دلچسپی رکھتے تھے اس وقت آگے بڑھے اور انھوں نے اگست ۱۸۶۵ء کے پہلے ہفتے میں لاہور کے سرکردہ رؤسا کے سامنے ایک بھرپور عملی پروگرام پیش کر کے ان سے تعاون کی درخواست کی۔ لاہور کے رؤسا کے نام یہ اپیل پنجاب یونیورسٹی کی تشکیل کا پہلا پتھر کہی جا سکتی ہے:

ڈاکٹر لائیٹنر نے حاضرین سے مخاطب ہوتے ہوئے اس جلسے کی اہمیت واضح کی:

"جس مضمون کی بابت میں آج آپ صاحبان کے سامنے بحث کرنا چاہتا ہوں وہ ملک اور گورنمنٹ اور خاص تمہارے لیے نہایت مفید ہے۔

مجھے آپ صاحبان کی اس جلسہ میں تشریف آوری نے نہایت معزز کیا اور یہ جلسہ میں یقین کرتا ہوں کہ اس ملک کی تاریخ میں ایک نہایت مشہور واقعات میں سے ہوگا۔ آپ صاحبان اس طرف توجہ کریں اور یقین رکھیں کہ جس شخص کی طرف آپ توجہ مبذول کر رہے ہیں وہ باشندگان ہندوستان کا فقط دلسوز ہی نہیں بلکہ تم صاحبان میں سے ہر ایک کی دوستی کا بدل خواہاں ہے۔"[6]

ڈاکٹر لائیٹنر نے کہا کہ اس وقت سب سے اہم مسئلہ تعلیم کی ترقی ہے اور تعلیمی ترقی کے بارے میں حکومت کی پالیسی کیا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے انھوں نے یہ بیان دیا:

"سیکرٹری آف سٹیٹ کے مراسلہ سر رشتۂ تعلیم کو ملاحظہ کرو کیا اس کا منشا یہ نہیں ہے کہ ہم کو ایسا سر رشتۂ تعلیم جس کو عوام الناس خود مقرر کریں قائم کرنا چاہیے وہ اس جلسے کا نتیجہ ہوگا ایسا سر رشتہ تعلیم جس کو تم خود مقرر کرو گے اور تم خود اس کی اعانت و تکمیل کی ذمہ داری اپنے سر پر رکھو گے اور اس بات کی انجام دہی کے لیے اس وقت سے اچھا موقع نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ ہمارے عالم و نیک دل لفٹیننٹ گورنر بہادر سر ڈانلڈ میکلوڈ صاحب کا دلی منشا ہے کہ ہندوستان کی زبانہائے قدیم مستحفظ رہیں اور اس کے دیسی علم و ادب کی تکمیل ہووے اور

علم جدیدہ کا اس طرح رواج ہووے کہ علم قدیمہ کو کچھ نقصان نہ پہنچے ۔''[۶]

ڈاکٹر لائیٹنر نے حکومت پنجاب کی تعلیمی حکمت عملی کی وضاحت کرتے ہوئے اس کے دو بڑے مقاصد بتائے ۔

۱۔ قدیم مشرقی علوم کو ازسر نو زندہ کرنا ۔

۲۔ اس ملک کی دیسی زبانوں کی تکمیل ۔

پہلے مقصد کے حصول کے لیے انھوں نے کہا کہ عربی ، فارسی اور سنسکرت کے تمام علمی مخازن کو یکجا جمع کر دیا جائے اور ان زبانوں میں قدیم علوم پر کتابیں لکھے جانے کی ترغیب دی جائے ۔ دوسرے مقصد کے بارے میں انھوں نے یہ رائے دی کہ یورپ کے مستند مصنفوں کی کتابوں کا دیسی زبانوں میں ترجمہ کیا جائے اور انعامات و نوکریوں کے ذریعے سے ان لوگوں کی قدر دانی کی جائے ۔

اس موقع پر ڈاکٹر لائیٹنر نے پنجاب کے لیے ایک جداگانہ یونیورسٹی کی تحریک پیش کی اس یونیورسٹی کے بارے میں انھوں نے کہا :

''اس یونیورسٹی کے مربی لفٹیننٹ گورنر صاحب اور اس کے گورنر راجگان پنجاب اور اس کے سینٹ کے ممبر رؤسا و شرفاء پنجاب ہوں گے ۔ اور ایک کمیٹی واسطے حفظ و ترقی علوم مسلمانان و ہندواں و سکھاں مقرر ہوگی اور سرکاری تعلیم اور اس سر رشتہ کی تعلیم میں یہ فرق ہوگا کہ یہ سر رشتہ تعلیم دینے اور تعلیم پانے میں آزادی مطلق کے اصول کو برتے گا تمام ملک میں خاص وقت میں تمام علوم اور زبانہائے مشرق میں امتحان لینے کے لیے کمیٹیاں مقرر کی جائیں گی اور بڑے بڑے شہروں میں لائق لیکچرار مقرر کیے جاویں گے ۔ یہ لیکچرار امتحان کے واسطے تعلیم دیں گے ۔ ہر ایک شخص امتحان میں داخل ہو سکتا ہے اور اگر لائق ہو تو ڈگری اور خطاب پا سکتا ہے ۔ قصہ مختصر کہ ہماری اسی سر رشتہ تعلیم میں سب طرح کی آزادی اور ترغیب ہے اور ممانعت اور روک کسی طرح کی نہیں ۔''[۸]

ڈاکٹر لائیٹنر نے ابتدائی طور پر اس مجوزہ یونیورسٹی کو دارالعلوم مشرق یا اورئینٹل یونیورسٹی کا نام دیا ۔ اس مشرقی دارالعلوم کی ہیئت کیا ہوگی اس بارے میں ڈاکٹر لائیٹنر نے یہ بتایا کہ یہ ہندوستان کا قومی دارالعلوم ہوگا جو مشرقی علوم ، ادب اور مغربی فنون کی اعلیٰ تعلیم کا ادارہ ہوگا ۔ اس کا خاص مقصد یہ ہوگا ۔

''ہندوستان میں مغربی فنون کی عبارات کو دیسی زبانوں کی عبارات پر اٹھانا چاہیے اور فقط دیسی زبان کی تعلیم سے وہ تہذیب ذہنی حاصل ہو سکتی ہے جس کے بغیر ہر ایک طرح کا علم لغو اور دھوکہ کی ٹٹی ہے ۔''[۹]

انجمن پنجاب نے اورئینٹل یونیورسٹی کی تحریک چلانے کے لیے اس پہلے جلسے میں دیسی زبانوں کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے کے جس منصوبے کی اہمیت پر زور دیا تھا ۔ انجمن اس منصوبے کو لے کر آگے بڑھی اور پورے پنجاب میں نہایت سرگرمی سے اس تحریک کی افادیت پر زور شور سے جلسے منعقد ہونے لگے ۔ لائیٹنر ان جلسوں کی روح رواں تھے اور انھوں نے مذکورہ بالا مقاصد کے حصول کے لیے تندہی سے کام کیا ۔

انجمن پنجاب کی اورئینٹل یونیورسٹی کی تحریک جاری تھی کہ برصغیر کے بعض حلقے اس سے متاثر ہونے لگے ۔ انجمن کی اس تحریک کی خبریں برصغیر سے نکل کر لندن کے علمی اور صحافتی حلقوں تک جا پہنچیں جہاں ان عزائم کی خاطر خواہ طور پر پذیرائی کی گئی اور اسے نہایت مفید تحریک قرار دیا گیا ۔

برصغیر میں اس تحریک نے سرسید احمد خاں کو خاص طور سے متاثر کیا ، اور انجمن پنجاب کے اس منصوبے کی روشنی میں انھوں نے خود ایک ورنیکلر یونیورسٹی کا پروگرام تشکیل دیا اور ڈاکٹر لائیٹنر کو اس ورنیکلر یونیورسٹی کا خاکہ بھیج کر آن سے رائے بھی طلب کی جس کا ذکر انجمن کی روئداد میں موجود ہے ۔[١٠] عام طور سے یہ خیال ظاہر کیا جاتا ہے کہ ورنیکلر یونیورسٹی کا تصور سرسید کی ذہنی تخلیق ہے ۔ جیسا کہ مولوی عبدالحق نے یہ تاثر دیا ہے :

''حیرت ہوتی ہے کہ اس زمانے میں جب کہ انگریزی تعلیم کا آغاز تھا سرسید کو دیسی یونیورسٹی قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا ۔ اس سے آن کی روشن خیالی اور دور اندیشی کا پتہ لگتا ہے ۔''

''دیسی زبان کی یونیورسٹی قائم کرنے اور اس کے ذریعے اعلیٰ تعلیم دینے کی تجویز سب سے پہلے سرسید نے سوچی ۔''[١٢]

شیخ محمد اسماعیل پانی پتی بھی ورنیکلر یونیورسٹی کے متن کا ابتدائیہ لکھتے ہوئے اسی نوعیت کا تاثر دیتے ہیں :

''سرسید کی ذہانت اور دوربینی پر تعجب آتا ہے کہ انھوں نے ایسے وقت میں ایسی یونیورسٹی کی تحریک اٹھائی جب انگریزی تعلیم کا آغاز تھا ۔ سارے ملک پر انگریزی تسلط پورے طور پر بیٹھا ہوا تھا اور ان حالات میں اپنی مادری یونیورسٹی قائم کرنے کا خیال دماغ میں آ ہی نہیں سکتا تھا ۔''[١٣]

حقیقت تو یہ ہے کہ ورنیکلر یونیورسٹی کا تصور سرسید احمد خاں کی ذہنی تخلیق نہیں تھا ۔ اس کی باقاعدہ داغ بیل انجمن پنجاب نے ڈالی تھی اور انجمن ہی

سے متاثر ہو کر سرسید نے ورنیکلر یونیورسٹی کا خاکہ تیار کیا تھا۔ انھوں نے برٹش انڈین ایسوسی ایشن سے اضلاع شمال مغرب کے ذریعے گورنر جنرل کی خدمت میں ایک عرض داشت اس مقصد سے پیش کی تھی جس کا متن ۹ اگست ۱۸۶۷ء کے اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ میں شائع ہوا تھا۔ اس عرضداشت میں ذریعہ تعلیم بدلنے اور ایک نئی یونیورسٹی قائم کرنے کی تجویز پیش کی گئی تھی۔ عرضداشت میں کہا گیا تھا۔

''ہم مسکینی اور نہایت عاجزی سے گزارش کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہند اعلیٰ درجے کی تعلیم عام کا ایسا سر رشتہ قائم کرے جس میں بڑے بڑے علوم و فنون کی تعلیم دیسی زبان کے ذریعے سے ہوا کرے اور دیسی زبان میں انھیں مضمونوں کا امتحان سالانہ ہوا کرے جس میں کہ اب طالب علم کلکتہ یونیورسٹی میں انگریزی زبان میں امتحان دیتے ہیں اور جو سند اب انگریزی زبان کے طالب علموں کو علم کی مختلف شاخوں میں لیاقت حاصل کرنے کے عوض میں عطا ہوتی ہیں وہی سندیں ان طالب علموں کو عطا ہوا کریں جو انھیں مضمونوں کا دیسی زبان میں امتحان دے کر کامیاب ہوں۔ حاصل یہ ہے کہ خواہ تو ایک اردو فریق کلکتہ کی یونیورسٹی میں قائم کیا جائے یا ممالک شمالی و مغربی میں ایک یونیورسٹی دیسی زبان کی علیحدہ مقرر کی جائے۔''[۱۴]

سرسید احمد خان نے نصابی کتابوں کے مسئلے پر بھی روشنی ڈالی اور اس مسئلے میں جو مشکلات درپیش تھیں ان کا حل بھی تجویز کیا۔

''یہ بات البتہ سچ ہے کہ بالفعل ایسی کتابیں دیسی زبان میں موجود نہیں ہیں جن کے ذریعے سے طالب علم اس درجہ تک علم کی تحصیل کر سکے جو اب یونیورسٹی میں امتحان دینے کے واسطے ضروری ہوتا ہے۔ لیکن ایسی کتابوں کا موجود ہو جانا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ جو کتابیں یونیورسٹی کے امتحان کی فہرست میں مندرج ہیں ان کے ترجمے دیسی زبان میں تیار ہو سکتے ہیں اور بعض مضمونوں کی اصل کتابیں تصنیف ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ بہت سے عالم و فاضل اس کام کے لائق موجود ہیں اور علی گڑھ کی سائنٹفک سوسائٹی اس کام کو انجام دے رہی ہے۔''[۱۵]

سرسید احمد خان کی پیش کردہ عرضداشت سے تین اہم نکات سامنے آتے ہیں۔

۱۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے دیسی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جائے۔

۲۔ اعلیٰ تعلیم دیسی زبان میں دینے کے لیے نصابی کتب کے تراجم کی تیاری کا کام سائنٹفک سوسائٹی انجام دے سکتی ہے۔

۳۔ شمال مغربی اضلاع میں ایک جداگانہ ورنیکلر یونیورسٹی کا قیام عمل میں لایا جائے یا پھر کلکتہ یونیورسٹی کے موجودہ نظام میں اردو ذریعہ امتحان کا الگ شعبہ قائم کیا جائے۔

۱۸۶۹ء میں سرسید احمد خان انگلستان چلے جاتے ہیں۔ جہاں وہ خطبات احمدیہ کے کام میں مصروف ہوگئے۔ مگر دیسی زبان میں تعلیم دینے کا تصور ان میں مکمل طور پر راسخ رہا بلکہ اس میں مزید پختگی پیدا ہوتی گئی۔ انگلستان کی زبردست تہذیبی و علمی ترقی کو دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ اس شاندار ترقی کا راز یہ ہے کہ یہاں قومی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا گیا ہے۔ سیکرٹری سائنٹیفک سوسائٹی کے نام اپنے ایک مکتوب میں انہوں نے ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔ یہ خط ۱۵ اکتوبر ۱۸۶۹ء کو لکھا گیا ہے:

”تمام ترقی کا باعث انگلستان میں صرف یہ ہے کہ تمام چیزیں، تمام علوم، تمام فن جو کچھ ہے اسی قوم کی زبان میں ہے جو عموماً یا قریب عموماً کے بولی جاتی ہے۔ گو ابھی انگلستان میں بعض مقاموں کی زبانیں ایسی گنواری ہیں جن پر انگریزی کا اطلاق کرنا مشکل ہے، مگر انگریزی زبان انگلستان میں ایسی ہے جیسے ہندوستان میں علی الخصوص شمال و مغربی اضلاع اور صوبہ بہار میں اردو، جس کو ہر کوئی سمجھ سکتا ہے۔ پس وہ لوگ جو ہندوستان کی بھلائی اور ترقی چاہنے والے ہیں۔ وہ یقین جان لیں کہ ہندوستان کی بھلائی صرف اسی میں منحصر ہے کہ تمام علوم اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک انھی کی زبان میں ان کو دیے جاویں۔“[۱۶]

اسی مکتوب میں سرسید احمد خان نے اس نظریہ کے پیش نظر ایک دعویٰ بھی کیا ہے، سرسید کی تحریروں میں تاریخی نوعیت کے اس بیان کو ملاحظہ فرمائیے۔

”میری یہ رائے ہندوستان کے ہمالیہ پہاڑ کی چوٹی پر بڑے بڑے حرفوں میں آئندہ زمانہ کی یادگاری کے لیے کھود دے جاویں۔

اگر تمام علوم ہندوستان کو اسی کی زبان میں نہ دیے جاویں گے کبھی ہندوستان کو شائستگی و تربیت کا درجہ نصیب نہیں ہونے کا۔ یہی سچ ہے یہی سچ ہے یہی سچ ہے۔“[۱۷]

۱۸۸۰ء میں جب کہ پنجاب یونیورسٹی کی تحریک زور پر تھی اور برطانوی حکومت اس بات پہ تقریباً رضامند ہوگئی تھی کہ مشرقی علوم اور زبانوں کو اس مشرقی یونیورسٹی میں از سر نو زندہ کیا جائے، ذریعہ تعلیم ممکن حد تک دیسی زبان کو بنایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ انگریزی اور مغربی علوم کی تعلیم دی جائے۔ ڈاکٹر لائیٹنر اور ان کے پیرو یہ چاہتے تھے کہ مشرق و مغرب کے بہترین

علوم کی تربیت کا مرکز یہ اورئینٹل یونیورسٹی بنے ۔ اسی زمانہ میں لارڈ رپن لاہور نے تو انجمن پنجاب اور پنجاب یونیورسٹی کی طرف سے انہیں الگ الگ ایڈریس پیش کیے گئے اور تعلیم کے سلسلے میں پنجاب کا نقطۂ نظر پیش کیا گیا ۔ پنجاب یونیورسٹی کے ایڈریس کے جواب میں لارڈ رپن نے کہا :

''جہاں تک میری محدود واقفیت معاملات ہندوستان میں ہے میں ان خیالات سے اتفاق رکھتا ہوں جو میرے یقین میں آپ لوگ رکھتے ہیں کہ اس ملک میں صرف زبانہائے دیسی کے توسل سے علوم و فنون کی ترقی و اشاعت بہترین سہولت سے ہو سکتی ہے ۔''

''مجھے آپ کے ایڈریس سے اس بات کے دریافت ہونے سے بہت ہی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ آپ کا خاص منشا زبان ہا اور علوم ہائے مشرق کے ترقی دینے کا ہے آپ ہرگز تعلیم مغربی کے فوائد سے کان بند نہیں کرتے اور نیز اس امر کے دریافت ہونے سے کہ آپ لوگ زبان انگریزی ، انشائے انگریزی اور علوم و فنون انگریزی کی ترقی کو برطرف رکھنا نہیں چاہتے مجھے یقین ہے کہ صرف علوم مشرق اور مغربی کو مساوی ترقی دینے ہی سے اُن اقوام مختلف میں بطور کامل رشتۂ محبت پیدا ہو سکتا ہے جو ملک کی سر زمین میں آ کر جمع ہوئی ہیں ۔''[۸]

لارڈ رپن کے بیانات اور برطانوی حکمت عملی سے یہ امید پیدا ہو چکی تھی کہ اورئینٹل یونیورسٹی وجود میں آ جائے گی ۔ اس اثناء میں علی گڑھ سے سرسید احمد خان نے اس یونیورسٹی کی سکیم کے خلاف تابڑ توڑ کئی مضمون لکھ ڈالے اور اپنی پرانی پالیسیوں اور تعلیمی پروگرام کو یکسر رد کرکے پنجاب یونیورسٹی پر زبردست حملے کیے ۔ اس صورت حال سے ظاہر ہے کہ پنجاب میں اُن کے خلاف شدید رد عمل پیدا ہوا ۔

سرسید احمد خان کے نزدیک مشرقی علوم اور دیسی زبانوں کی ترقی بے معنی بات بن گئی اور اسی خیال سے انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کو قوم کے لیے آفت عظیم قرار دیا ۔

''یونیورسٹی کالج لاہور نے اب تک ہم کو کس نتیجہ پر پہنچایا ہے جو آئندہ پوری یونیورسٹی ہو کر اور مردہ علوم مشرق کو زندہ کرکے اور ہماری شائستگی کو پھر پیدا کرکے ہم کو پہنچاوے گی ۔ کچھ شبہ نہیں کہ یونیورسٹی کالج اب بھی ہماری ترقیوں کا سد راہ ہے اور جب وہ یونیورسٹی ہو جاوے گا اور ضرور ہو جاوے گا تو ملک کے لیے ، قوم کے لیے ، ملکی ترقی کے لیے ، قومی ترقی کے لیے آفت عظیم ہوگا ۔''

"پنجاب یونیورسٹی ، اگر قائم ہو جائے تو ہمارے حق میں بجز اس کے کہ ہمارے اعلیٰ درجے کی یورپین تعلیم کو برباد کر دے اور اس پالیسی پر عمل کرے جو ہمیں برباد کرنے والی ہے اور کیا کرے گی ؟"[۱۹]

سرسید کے ان بیانات سے پنجاب میں اُن کے خلاف جو رد عمل ہوا اس سے خود سرسید بھی پریشان ہوئے کیونکہ انہیں معلوم ہوا کہ اُن کی نیت پر بھی حملے کیے جا رہے ہیں اور ان کے روے کو پنجاب دشمنی کے مترادف سمجھا جا رہا ہے ۔ اس صورت حال کا سامنا کرتے ہوئے سرسید کو اپنے تند و تیز بیانات میں ترمیم کرنا پڑی اور انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کے بارے میں اعتدال پسندانہ رویہ اختیار کیا ۔ سرسید نے اس صورت حال کے بارے میں کہا ۔

"ہمارے دو آرٹیکلوں نے جو اسی آرٹیکل سے اوپر چھپے ہیں ہمارے پنجاب کے دوستوں کو گھبرا دیا ہے بلکہ کسی قدر رنجیدہ کر دیا ہے ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ان آرٹیکلوں سے ہم کو بالتخصیص پنجاب یونیورسٹی پر حملہ کرنا مقصود ہے اور اپنے حسن ظن سے اس کی بنیاد حسد پر قائم کی ہے ۔ ہم کو افسوس ہے اگر یہ کمینہ خصلت ہم میں ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی جس کے اصول سے بلاشبہ ہم مختلف الرائے ہیں اگر وہ یونیورسٹی ہو جائے تو ملک کو اور ایسے ملک کو جس میں تین اور یونیورسٹیاں موجود ہیں کوئی معتدبہ نقصان نہیں پہنچا سکتی ۔ اگر وہ صحیح اصول پر قائم ہوتی ہے اور اس سے ملک کو برخلاف ہماری رائے کے فائدہ پہنچنے والا ہے چشم ما روشن ہماری عین خوشی ہے کہ ملک کو فائدہ پہنچے اور ہماری رائے غلط ثابت ہو اور اگر وہ درحقیقت ملک کو فائدہ پہنچانے والی نہیں ہے تو اس کو ہونے دو اس سے مخالفت کی کچھ ضرورت نہیں ہے ۔ خود اس میں ناکامی کا بیج ہے اور وہ آپ ہی ناکام ہو جائے گی ۔"[۲۰]

اس صورت حال میں سرسید احمد خان نے اپنے لیے ایک واضح پالیسی اختیار کی اور یہ اعلان کیا کہ ملک و قوم کی ترقی کا تمام تر دارو مدار محض مغربی علوم اور مغربی زبان پر ہے انھوں نے کہا کہ ہمارے ملک اور قوم کو اگر درحقیقت ترقی کرنی ہے تو اس کے لیے بجز اس کے اور کوئی راہ نہیں ہے کہ وہ علوم مغربی و زبان مغربی میں اعلیٰ درجے کی ترقی حاصل کرے ۔ ہماری دولت ، ہماری حشمت ، ہماری عزت اور سوشل و پولیٹیکل حالت کا سارا دار و مدار اسی بات پر ہے جو شخص کہ ہم کو اس راہ سے بھٹکانا چاہتا ہے بلاشبہ وہ ہمارے ملک کا دوست نہیں ہے ، بلکہ بلاشبہ دشمن ہے اور ہم کو دھوکہ دیتا ہے ۔

پنجاب یونیورسٹی کی مجوزہ ہیئت پر تبصرہ کرتے ہوئے انھوں نے اس یونیورسٹ

کی افادیت سے مکمل طور پر انکار کیا۔

"ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ پنجاب یونیورسٹی مردہ مشرقی علوم اور مشرقی زبان کو زندہ کرکے اور ٹوٹی پھوٹی انگریزی سکھلا کر ہم کو کیا بخشے گی اور ہم کو کس رتبہ پر پہنچاوے گی۔"[۲۱]

حقیقت یہ ہے کہ سرسید احمد خان نے پنجاب یونیورسٹی کے مجوزہ خاکے کو توڑ پھوڑ کر پیش کرکے یہ ظاہر کیا کہ پنجاب یونیورسٹی کا مقصد محض مشرقی علوم اور زبانوں کے حصول تک ہی محدود ہے یا پھر ٹوٹی پھوٹی انگریزی سکھلانا ہے۔ حالانکہ ۱۸۶۹ء میں جب پہلے پہل پنجاب یونیورسٹی کالج وجود میں آیا تو اس کے ابتدائیہ میں واضح طور پر یہ کہا گیا تھا کہ انگریزی تعلیم مجوزہ یونیورسٹی میں تعلیم کی ایک بڑی شاخ ہوگی اور وہ مضامین کہ جن میں دیسی زبان میں تعلیم اور امتحان دینا ممکن نہیں ہے ان میں انگریزی کو اختیار کیا جائے گا اور یہ یونیورسٹی اس بات کا اہتمام کرے گی کہ تمام علوم و فنون دیسی زبانوں کے ذریعے یورپین طریقہ تعلیم، بموجب سکھلائے جائیں گے۔ تعلیم اگرچہ دیسی زبان میں ہوگی مگر اس کی نگرانی ایسی ہوگی کہ طلبہ کو وہ فوائد تعلیم حاصل رہیں جو ہندوستان کی دیگر یونیورسٹیوں سے حاصل ہوتے ہیں۔[۲۲]

پنجاب یونیورسٹی اسی ابتدائیے کے مطابق قائم کی جا رہی تھی۔ برصغیر کی دیگر یونیورسٹیوں میں یہ بات نہیں تھی۔ یہ یونیورسٹیاں قومی تہذیب و ثقافت کے شعور سے یکسر طور پر عاری تھیں۔ انیسویں صدی میں مشرقی زبانوں کے ذریعے قومی شعور پیدا کرنے کی یہ تحریک قابل قدر تھی یہ تحریک سرسید احمد خان کی طرح اپنے ماضی کے تہذیبی سرمائے کو مکمل طور پر رد نہیں کرتی تھی، بلکہ ماضی کے جاندار تہذیبی سرمائے اور تہذیبی عمل کو نئے دور کے سائنسی تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا چاہتی تھی۔ سرسید ماضی کے تہذیبی سرمائے سے مکمل طور سے انقطاع کا اعلان کر چکے تھے اور یوں وہ زمینی زندگی کے جملہ مظاہر سے بیزاری کا اظہار بھی کر چکے تھے۔ وہ برصغیر کے انسانوں کو مشورہ دے رہے تھے کہ تہذیب سیکھنے کے لیے پورے طور پر یورپین بن جاؤ۔ یورپین تعلیم اور یورپین تہذیب ہی ان کا اعلیٰ آدرش تھا جسے اختیار کرنے کا جذبہ شدت سے ان میں موجود تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ سرسید احمد خان پر حد سے زیادہ نو آبادیاتی ثقافتی غلبہ تھا۔ جس نے انھیں مشرق کے بارے میں ایک طرح کے ثقافتی صدمے سے دوچار کر دیا تھا۔ نو آبادتی ثقافتی غلبے سے مغلوب ہو کر ہی وہ پنجاب یونیورسٹی میں قومی تہذیبی سرمائے کی تحریک کی شدت سے مخالفت کر رہے تھے۔ سرسید احمد خان کے اسی رویے کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے انجمن پنجاب کی طرف سے

کہا گیا :

''جب ہم اپنی قوموں اور نشانوں ہی کو ملیامیٹ کر دیں تو ہمارے ستیاناس ہونے میں کیا کوئی کسر بھی خیال کی جا سکتی ہے۔''[23]

انجمن پنجاب کی رائے یہ تھی کہ سرسید احمد خان کی تہذیبی پالیسیوں کو اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ برصغیر کے لوگ اپنی قومی شناخت کو بھی گم کر دیں اور اس گمشدگی سے یہ ہوگا کہ کل ہماری نسلوں کی شناخت بھی مشکل ہو جائے گی۔ انجمن اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ صحیح راستہ یہ ہے کہ فاتح قوم کی محض نقالی نہ کی جائے بلکہ اس کے کمالوں کو حاصل کیا جائے جس سے قوم ترقی کر سکے۔''[24]

پنجاب میں اورئینٹل یونیورسٹی کی حمایت کرنے والے با اثر افراد کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ جس میں یورپین اور مقامی لوگ شامل تھے۔ سرسید احمد خان کے خلاف پنجاب کی مشرقی یونیورسٹی کی حمایت میں جو محاذ قائم ہوا اس کے سربراہ ڈاکٹر لائیٹنر تھے۔ پنجاب کے دو بڑے تہذیبی شہر امرتسر اور لاہور اس تحریک کے مراکز تھے۔ پورے پنجاب میں یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ پنجاب کے پڑھے لکھے باشندے گذشتہ پندرہ برس سے جس مہم کو چلا رہے تھے۔ سرسید کی مخالفت نے اس کو نقصان پہنچایا ہے۔ ۲۸ جولائی ۱۸۸۰ء کو امرتسر میں ایک جلسہ ہوا جس سے ڈپٹی برکت علی خان، ڈاکٹر رحیم خان، راجہ ہربنس سنگھ اور ڈاکٹر لائیٹنر نے یونیورسٹی کے سلسلے میں خطاب کیا۔ ایک جلسہ اسی دوران میں لاہور میں منعقد ہوا جس میں ایک قرارداد پاس کی گئی۔

''ہم ارکان جلسہ کسی ایسی تحریک کو روا نہیں رکھ سکتے جس کا مدعا یہ ہو کہ بانیان یونیورسٹی کالج کے مقاصد میں اختلال اور تزلزل واقع ہو۔ چنانچہ ان مقاصد کی تائید میں ہم ارکان جلسہ ہذا کی تمنا ہے کہ انگریزی اور مشرقی تعلیم دونوں کو پوری پوری ترقی دی جاوے اور جیسے انگریزی کو مشرقی علوم کی وجہ سے نقصان نہ اٹھانا چاہیے اسی طرح مشرقی تعلیم، مغربی تعلیم کی وجہ سے پستی اور زوال کی حالت میں نہ رہے۔''[25]

سرسید احمد خان کے اس دعویٰ کی تردید میں کہ محض انگریزی زبان ہی سے علوم کی تحصیل ممکن ہے، انجمن پنجاب نے زور دار مضمون شائع کیا جس میں یہ دعویٰ پیش کیا گیا تھا کہ دنیا کے کسی ملک نے آج تک غیر زبان کو اپنا کر ترقی نہیں کی اور جو قوم غیر زبان کو اپناتی ہے ترقی نہیں کر سکتی برباد ہو جاتی ہے۔

''ہم نے تمام دنیا میں کوئی ملک ایسا نہیں دیکھا اور نہ تاریخ نے بتایا کہ

جس نے اپنی دیسی زبانوں اور دیسی علوم میں ترقی کیے بغیر عزت و دولت و حشمت و حکومت حاصل کی ہو۔ انگلینڈ ، فرانس ، اطالیہ وغیرہ بہت سے ممالک کی تاریخیں بتا دیں گی کہ ان ممالک نے جب اپنی دیسی زبانوں اور دیسی علوم میں ترقی حاصل کر لی تب شائستگی کے رتبے تک پہنچے اور ہم دعوی کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اگر یہ ممالک اپنی دیسی زبانوں اور دیسی علوم میں ترقی نہ کرتے تو کبھی یہ عزت حاصل نہ کرتے جو اب انہوں نے کر رکھی ہے اور اگر کوئی ہم کو بتا دے گا کہ کسی ملک نے غیر زبان کو ذریعہ حصول تعلیم مانا ہے تو ہم اس کو ضرور بتا دیں گے کہ بے شک یا تو وہ قوم برباد و معدوم ہو گئی ہوگی یا بربادی کے کنارے تک پہنچ جائے گی اور جب قوم بربادی کے کنارے تک پہنچ جائے تو خیال کرنا چاہیے کہ اس نے غیر زبان کی تعلیم کے طفیل سے کیا خاک حاصل کیا۔ ہاں بربادی و معدومیت سے بھی کوئی نیچر کے مسئلے کی رو سے ترقی ہو تو شاید اس سے بے خبر ہوں گے۔"[۲۶]

انجمن پنجاب کے اس دعوی کا جواب دیتے ہوئے سرسید احمد خان نے کہا :

"ہندوستان میں اس خیال کا پیدا کرنا کہ ہم مشرقی علوم اور دیسی زبان اور دیسی علوم کو ترقی دے کر عزت و دولت و حشمت و حکومت حاصل کریں گے بعینہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی امریکہ کے اصل باشندوں کو خیال دلائے کہ تم اپنی دیسی زبان اور دیسی علوم میں ترقی کرکے اپنی حکمران قوم میں عزت و دولت و حشمت و حکومت حاصل کرو گے۔"[۲۷]

مندرجہ بالا دعوی میں سرسید نے امریکہ کی قدیم غیر مہذب اقوام کو جس طرح برصغیر کی مہذب اقوام سے مطابقت دی ہے ، اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ہر قسم کی مثال پیش کرنے سے بھی گریز نہ کر رہے تھے۔ انجمن پنجاب کی طرف سے اس مثال کے بارے یہ جواب دیا گیا۔

"امریکہ اور ہندوستان کی مثال ایک نہیں ہو سکتی۔ ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جو بڑے بڑے علوم و فنون کا مخزن تھا جس کو سب نے مانا ہے۔ ملک امریکہ کوئی ایسا نام اور ملک نہیں ہے جس میں علوم و فنون نے جلوے دکھائے ہوں۔ وہ تو اُن ممالک کا فیض یافتہ ہے جنھوں نے ہندوستان ہی سے کچھ حاصل کر لیا ہے۔ امریکہ کے قدیمی علوم و فنون تو ہم نے کانوں بھی نہیں سنے۔ ہاں ہندوستان کے تو اظہر من الشمس ہیں۔"[۲۸]

انجمن پنجاب نے اورئینٹل یونیورسٹی کی اس تحریک میں اپنے اس بنیادی اصول کو سختی سے اختیار کیا تھا کہ مادری زبان ہی کی تعلیم کے ذریعے حقیقی ترقی کا

راستہ کھل سکتا ہے۔ انجمن پنجاب نے اس مسلک کی اشاعت میں سرگرمی سے تحریک چلائی اور یہ یقین دلایا کہ مغربی علوم کو پنجاب یونیورسٹی ترجموں کے ذریعے پھیلانے کا عزم رکھتی ہے۔ سرسید نے یہ اعتراض بھی کیا تھا کہ ہندوستان میں کوئی واحد زبان نہیں ہے۔ اس لیے کسی ایک زبان کو اختیار نہیں کیا جا سکتا لیکن انجمن کا موقف یہ تھا کہ شمالی ہندوستان کے نہایت وسیع علاقے میں 'اردو' اس حیثیت کی مالک ہے اور اسی میں پہنچنے کے تمام تر امکانات موجود ہیں اس زبان کو اختیار کرنے سے یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ انجمن کی طرف سے اسی موقف کی وضاحت کرتے ہوئے یہ کہا گیا۔

"پکا اصول یہی ہے کہ ہمارا ملک دوسرے ملک اور علوم سے جب ہی فائدہ اٹھائے گا جب ہم کو ہماری مادری زبان میں تربیت دی جائے گی اور پھر ہم اپنے مشرقی اور مغربی علوم کو ٹٹول کر کچھ فوائد حاصل کریں گے جو ہم کو کرنے چاہئیں، بھلا ہم کیوں کر اپنی مادری زبان کو بھلا سکتے ہیں ۔۔۔ پنجاب یونیورسٹی کالج نئی تحقیقات اور تصنیفات مغربی کے سب ترجمے کرکے ملک کے سامنے دھر دے گا۔ یہی فائدہ ہے کہ وسائل ترقی ملک جاری کیے جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ملک آپ اس میں ترقی کرنے لگتا ہے۔"۲۹

"بے شک ہمارا ملک اسی دن شباب حاصل کرے گا جب دیگر ملکوں کے علوم و فنون کی کتابوں کو اپنی زبان میں لے آئے گا جس کے آثار ملک مسرت کے ساتھ ظاہر کر رہا ہے اور ہم یہ کیوں کر مان لیں گے کہ ہم اپنی زبان میں دیگر ملکوں کے علوم و فنون کو لا ہی نہیں سکتے۔ گو ہمارے ملک میں متعدد زبانیں ہیں۔ مگر ہماری ایک اردو زبان نے ایسی ہونہاریاں دکھا رکھی ہیں، جس سے بہت کچھ امید ہو سکتی ہے۔ یہ ہماری زبان ایسی نہیں ہے کہ جس پر کامل زبان کا اطلاق نہ ہو سکے اس میں سب علوم و فنون ترجمہ ہو سکتے ہیں۔"۳۰

جہاں تک ترجموں کے ذریعے علوم کی اشاعت کا تعلق ہے۔ سرسید احمد خان کی قائم کردہ سائنٹیفک سوسائٹی قابل قدر کام کر چکی تھی، اور اس سوسائٹی میں اتنی اہلیت موجود تھی کہ وہ اس کام کو مزید آگے بڑھا سکتی تھی۔ مگر بعد میں خود سرسید احمد اس کے خلاف ہو گئے اور انجمن پنجاب نے جب انہیں اس سوسائٹی کی خدمات یاد دلائیں تو انہوں نے کہا کہ اب وقت آگے بڑھ گیا ہے اور ترجموں کی ضرورت نہیں رہی ہے۔ سرسید احمد خان نے ترجموں کی اہمیت سے انکار کرکے ایک بڑی غلطی کی تھی اور یوں ملک میں پھیلنے والے علمی اور سائنسی شعور کو

ون نے اپنے نظریات ہی کے خلاف محدود کرنے کے وسائل مہیا کر دیے ۔ ذہنی
ر پر وہ چاہتے تھے کہ نئے ہندوستان کی تعمیر نو جدید عہد کے سائنسی شعور
بنیادوں پر ہو ۔ ملک ایک نئے بدلتے ہوئے تہذیبی ڈھانچے کی تشکیل کرے ۔
گی کا ہر شعبہ ، مغربی علوم و فنون کے حوالوں سے ازسر نو مرتب کیا جائے ،
ہاں زندگی نہایت تیزی سے بدلتے ہوئے تہذیبی افق کے ساتھ حرکت کر سکے ۔
گر ان نظریات کی اشاعت اسی صورت میں تیزی سے ہو سکتی تھی کہ برصغیر کی
ی نسل ان نظریات و افکار کو اپنی زبان میں حاصل کرے ، تا کہ ابلاغ کے راستے
یں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور ان نظریات کی صحیح ترین بنیادوں سے نوجوانوں کو
گاہی سے مل سکے ۔ یہ نئے دور کی سائنسی آگاہی سرسید احمد خاں کے تہذیبی شعور
کا ایک زبردست فیضان تھا جس سے پورے ملک میں تیزی سے روشنی پھیلتی ، مگر
انھوں نے اس فیضان کے فروغ اور اس کی اشاعت و ترویج کے ذرائع کو خود ہی
محدود کر دیا ۔

انجمن پنجاب اور سرسید احمد خاں کے درمیان پیدا ہونے والے اس تنازعے میں
فیصلہ کن کردار سرسید احمد خاں کا نہیں ہے ۔ اُن کی ساری مخالفت ایک خاص
زاویے سے تھی ۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نظری طور پر انجمن پنجاب کا نقطۂ نظر
خاصا وزنی معلوم ہوتا ہے ، مگر سرکاری دفاتر میں چونکہ برطانوی سرکار انگریزی
کو اپنائے ہوئے تھی اس لیے اردو اور انگریزی میں ایک دو عملی کی صورت پیدا
ہونے کا خدشہ موجود تھا ، پنجاب میں ذریعہ تعلیم اردو کو قرار دے کر اردو
سرکاری زبان بنانا ضروری تھی ، جس کے بارے میں برطانوی حکمت عملی غیر
واضح تھی ۔

سرسید اور انجمن کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعہ میں فیصلہ کن کردار دو
عناصر نے ادا کیا ۔

۱- وہ برطانوی عناصر جو مستشرقین کی حکمت عملی کے سخت خلاف تھے
اور چاہتے تھے کہ انگریزی زبان کو مکمل فوقیت دے کر ذریعہ تعلیم
بنایا جائے ۔

۲- ۱۸۸۲ء میں تعلیمی کمیشن کی سرگرمیوں کے باعث پنجاب میں سہ لسانی
صورت حال پیدا ہوگئی تھی ۔ اردو ، ہندی اور پنجابی کو ذریعۂ تعلیم
قرار دینے کے لیے ان تینوں زبانوں کے حامی تیزی سے سرگرم تھے ۔
بالعموم مسلمان ، ہندو اور سکھ علی الترتیب ان زبانوں کے لیے
دعویٰ رکھتے تھے ۔ ۱۸۸۲ء کے لگ بھگ پنجاب کا ہندو پریس نہایت
سرگرمی سے ہندی زبان کی حمایت کر رہا تھا ۔ ''اخبار عام'' ، ''ریفارمر''
اور دوسرے اخبار اس تحریک کی حمایت کر رہے تھے ۔ ہندی کی حمایت میں

مختلف انجمنیں شہر بہ شہر جلسے کرکے موافق ماحول پیدا کر رہی تھیں ۔
۱۸۸۲ء ہی وہ اہم سنہ ہے جب کہ پنجاب یونیورسٹی کو مکمل یونیورسٹی کا درجہ ملنے والا تھا اور ساتھ ہی ساتھ تعلیمی کمیشن کا نتیجہ بھی منظر عام پر آنے والا تھا ۔ اس عہد میں برطانوی حکومت کے لیے اردو ، ہندی یا پنجابی ، کسی ایک زبان کو بطور ذریعہ تعلیم اختیار کرنے سے لسانی بحران پیدا ہو سکتا تھا۔ جس سے فرقہ وارانہ کشیدگی کے پیدا ہونے کا وسیع امکان موجود تھا ۔ لہذا برطانوی حکمت عملی کے تقاضوں کے مطابق ان میں سے کسی زبان کو بھی یونیورسٹی کے لیے ذریعہ تعلیم قرار نہ دیا گیا اور غالباً برطانوی سرکار نے پورے برصغیر میں یکساں لسانی پالیسی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں انگریزی کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنا دیا گیا ۔

حوالے

1. Abstract of the proceedings of the 'Society for the Diffusion of useful knowledge' from commencement to end of March 1865 p. 1.
2. Proceedings of the Government of the Punjab, Education, March 1865, p. 112.

۳۔ رسالہ انجمن پنجاب فروری ، مارچ ۱۸٦۵ء۔
۴۔ ایضاً ۔

5. Proceedings of the Government of the Punjab, Education, June 1865, p. 204.

٦۔ اپیل بخدمت رئیسان لاہور از طرف جلسہ انجمن پنجاب منعقدہ ہفتہ اول اگست ۱۸٦۵ء مندرجہ رپورٹ پنجاب یونیورسٹی کالج ۱۸۸۰ء ۔
۷۔ ایضاً ۔
۸۔ ایضاً ۔ ۵۰ - ۴۹ ۔
۹۔ ایضاً ص ۵۱ ۔
۱۰۔ رسالہ انجمن پنجاب ستمبر ۱۸٦۷ء ۔
۱۱۔ سرسید احمد خان ۔ حالات و افکار ، ص ۱۰۰ - ۹۹ ۔
۱۲۔ ایضاً ص ۱۳۲ ۔
۱۳۔ مقالات سرسید حصہ ہشتم ص ۵۲ مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی ۔
۱۴۔ سرسید احمد خان حالات و افکار ص ، ۱۱۳ - ۱۱۲ ۔
۱۵۔ ایضاً ، ص ۱۱۴ - ۱۱۳ ۔
۱٦۔ مکاتیب سرسید مرتبہ مشتاق حسین ، ص ۳۵ - ۳۴ ۔
۱۷۔ ایضاً ۔

انھوں نے اپنے نظریات ہی کے خلاف محدود کرنے کے وسائل مہیا کر دیے - ذہنی طور پر وہ چاہتے تھے کہ نئے ہندوستان کی تعمیر نو جدید عہد کے سائنسی شعور کی بنیادوں پر ہو - ملک ایک نئے بدلتے ہوئے تہذیبی ڈھانچے کی تشکیل کرے - زندگی کا ہر شعبہ ، مغربی علوم و فنون کے حوالوں سے ازسر نو مرتب کیا جائے ، جہاں زندگی نہایت تیزی سے بدلتے ہوئے تہذیبی افق کے ساتھ حرکت کر سکے - مگر ان نظریات کی اشاعت اسی صورت میں تیزی سے ہو سکتی تھی کہ برصغیر کی نئی نسل ان نظریات و افکار کو اپنی زبان میں حاصل کرے ، تا کہ ابلاغ کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اور ان نظریات کی صحیح ترین بنیادوں سے نوجوانوں کو آگاہی سے مل سکے - یہ نئے دور کی سائنسی آگاہی سرسید احمد خاں کے تہذیبی شعور کا ایک زبردست فیضان تھا جس سے پورے ملک میں تیزی سے روشنی پھیلتی ، مگر انھوں نے اس فیضان کے فروغ اور اس کی اشاعت و ترویج کے ذرائع کو خود ہی محدود کر دیا -

انجمن پنجاب اور سرسید احمد خاں کے درمیان پیدا ہونے والے اس تنازعے میں فیصلہ کن کردار سرسید احمد خاں کا نہیں ہے - آں کی ساری مخالفت ایک خاص زاویے سے تھی - اس میں کچھ شک نہیں کہ نظری طور پر انجمن پنجاب کا نقطۂ نظر خاصا وزنی معلوم ہوتا ہے ، مگر سرکاری دفاتر میں چونکہ برطانوی سرکار انگریزی کو اپنائے ہوئے تھی اس لیے اردو اور انگریزی میں ایک دو عملی کی صورت پیدا ہونے کا خدشہ موجود تھا ، پنجاب میں ذریعہ تعلیم اردو کو قرار دے کر اردو سرکاری زبان بنانا ضروری تھی ، جس کے بارے میں برطانوی حکمت عملی غیر واضح تھی -

سرسید اور انجمن کے درمیان پیدا ہونے والے تنازعہ میں فیصلہ کن کردار دو عناصر نے ادا کیا -

۱- وہ برطانوی عناصر جو مستشرقین کی حکمت عملی کے سخت خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ انگریزی زبان کو مکمل فوقیت دے کر ذریعہ تعلیم بنایا جائے -

۲- ۱۸۸۲ء میں تعلیمی کمیشن کی سرگرمیوں کے باعث پنجاب میں سہ لسانی صورت حال پیدا ہوگئی تھی - اردو ، ہندی اور پنجابی کو ذریعۂ تعلیم قرار دینے کے لیے ان تینوں زبانوں کے حامی تیزی سے سرگرم تھے - بالعموم مسلمان ، ہندو اور سکھ علی الترتیب ان زبانوں کے لیے دعوی رکھتے تھے - ۱۸۸۲ء کے لگ بھگ پنجاب کا ہندو پریس نہایت سرگرمی سے ہندی زبان کی حمایت کر رہا تھا - "اخبار عام" ، "ریفارمر" اور دوسرے اخبار اس تحریک کی حمایت کر رہے تھے - ہندی کی حمایت میں

مختلف انجمنیں شہر بہ شہر جلسے کر کے موافق ماحول پیدا کر رہی تھیں ۔
۱۸۸۲ء ہی وہ اہم سنہ ہے جب کہ پنجاب یونیورسٹی کو مکمل یونیورسٹی کا درجہ ملنے والا تھا اور ساتھ ہی ساتھ تعلیمی کمیشن کا نتیجہ بھی منظر عام پر آنے والا تھا ۔ اس عہد میں برطانوی حکومت کے لیے اردو ، ہندی یا پنجابی ، کسی ایک زبان کو بطور ذریعہ تعلیم اختیار کرنے سے لسانی بحران پیدا ہو سکتا تھا۔ جس سے فرقہ وارانہ کشیدگی کے پیدا ہونے کا وسیع امکان موجود تھا ۔ لہذا برطانوی حکمت عملی کے تقاضوں کے مطابق ان میں سے کسی زبان کو بھی یونیورسٹی کے لیے ذریعہ تعلیم قرار نہ دیا گیا اور غالباً برطانوی سرکار نے پورے برصغیر میں یکساں لسانی پالیسی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا اور یوں انگریزی کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ بنا دیا گیا ۔

حوالے

1. Abstract of the proceedings of the 'Society for the Diffusion of useful knowledge' from commencement to end of March 1865 p. 1.
2. Proceedings of the Government of the Punjab, Education, March 1865, p. 112.

۳۔ رسالہ انجمن پنجاب فروری ، مارچ ۱۸۶۵ء۔
۴۔ ایضاً ۔

5. Proceedings of the Government of the Punjab, Education, June 1865, p. 204.

۶۔ اپیل بخدمت رئیسان لاہور از طرف جلسہ انجمن پنجاب منعقدہ ہفتہ اول اگست ۱۸۶۵ء مندرجہ رپورٹ پنجاب یونیورسٹی کالج ۱۸۸۰ء۔
۷۔ ایضاً ۔
۸۔ ایضاً ۵۰ - ۴۹ -
۹۔ ایضاً ص ۵۱ -
۱۰۔ رسالہ انجمن پنجاب ستمبر ۱۸۶۷ء -
۱۱۔ سرسید احمد خان ۔ حالات و افکار ، ص ۱۰۰ - ۹۹ -
۱۲۔ ایضاً ص ۱۳۲ -
۱۳۔ مقالات سرسید حصہ ہشتم ص ۵۲ مرتبہ شیخ محمد اسماعیل پانی پتی -
۱۴۔ سرسید احمد خان حالات و افکار ص ، ۱۱۳ - ۱۱۲ -
۱۵۔ ایضاً ، ص ۱۱۴ - ۱۱۳ -
۱۶۔ مکاتیب سرسید مرتبہ مشتاق حسین ، ص ۳۵ - ۳۴ -
۱۷۔ ایضاً ۔

۱۸- رپورٹ پنجاب یونیورسٹی کالج بابت ۱۸۸۰ء ، ص ۴۱ - ۴۰

۱۹- مقالات سرسید حصہ ہشتم، ص ۴۰ ، ۳۷ -

۲۰- ایضاً ، ص ۴۲ -

۲۱- ایضاً ، ص ۴۹ -

۲۲- کیلنڈر پنجاب یونیورسٹی کالج ۷۷-۱۸۷۶ء ، ص ۲۹ - ۲۸ -

۲۳- رپورٹ پنجاب یونیورسٹی کالج بابت ۱۸۸۰ء ، ص ۹۴ - ۹۳ -

۲۴- ایضاً

۲۵- ایضاً ، ص ۱۰۰ -

۲۶- ایضاً ، ص ۷۹ - ۷۸ -

۲۷- مقالات سرسید حصہ ہشتم ، ص ۲۶ -

۲۸- رپورٹ پنجاب یونیورسٹی کالج ، ص ۹۵ -

۲۹ ، ۳۰- ایضاً ، ص ۹۷ ، ۸۷ -

جمیلہ شوکت*

حضرت شیخ مخدوم علی المہائمی

زوال بغداد کے بعد عالم اسلام سیاسی اعتبار سے اختلال و انتشار کا شکار تو رہا لیکن علم و تعلم کی کساد بازاری نہ ہونے پائی اس دور میں بھی بعض ایسے اجل علماء و فضلا صفحہ ہستی پر نمودار ہوئے جن کی علمی ادبی اور دینی خدمات بعد میں آنے والوں کے لیے چراغ راہ ہیں ۔ آٹھویں صدی ہجری میں تصنیف و تالیف اور علم و تعلم کی خوب گرم بازاری رہی ۔ مختلف علوم و فنون مثلاً علم تفسیر ، حدیث ، فقہ ، تاریخ ، فلسفہ اور منطق پر نادر کتب تصنیف ہوئیں ۔ ابن حیان اندلسی ، ابن تیمیہ ، ابن قیم الجوزیہ ، ابن خلدون ، حافظ ابن حجر عسقلانی ، خطیب تبریزی اور ابن الاثیر ، ابن کثیر وغیرہم ہزارہا ایسے جلیل القدر علماء و فضلاء کا تعلق اسی صدی سے ہے ۔

یہ وہ زمانہ ہے جب کہ تخت دہلی پر خاندان تغلق متمکن تھا ۔ سلاطین تغلق اور بالخصوص فیروز شاہ تغلق کا زمانہ نہ صرف امن و امان بلکہ علم و ادب کے فروغ اور سرپرستی کے لیے بھی مشہور ہے ۔ جنوبی ہند میں واقع دور دراز علاقے بھی اس کی توجہ کا مرکز بنے ، اپنے ایک معتمد ظفر خان[1] کو گجرات کا صوبہ دار مقرر کر کے روانہ کیا ۔ ظفر خان اور اس کے پیشروؤں نے اس علاقے کا بڑا عمدہ بندوبست کیا اور علماء کی بڑی قدردانی کی ۔ سرزمین گجرات کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں نامور اور مشہور صوفیا و علما پیدا ہوئے ۔ مفتی رکن الدینؒ ، علم الدین چشتیؒ ، شیخ احمد کھتو اور خواجہ بندہ نواز گیسودراز کا تعلق گجرات ہی سے ہے ۔ آٹھویں صدی ہجری میں گجرات کے علاقہ کوکن[2] (کنکن یا کمکم) کی

---

* اسسٹنٹ پروفیسر ، شعبہ اسلامیات ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

۱۔ خاندان تغلق کے کمزور ہونے پر تمام عمال خود مختار ہوگئے ۔ علماء کے اصرار پر ظفر خان نے مظفر شاہ کا لقب اختیار کیا اور ۸۱۰ھ میں خود مختار ہوگیا ۔ مظفر شاہ ہی سلاطین گجرات کا مورث اعلیٰ ہے ۔ سید عبدالحی حسنی : یاد ایام ص ۶ ، ۱۰ ، ۱۲ ۔

۲۔ دکن کے دو حصے ہیں پہلا حصہ پست سواحل کا ہے جس میں شمالی اور جنوبی کوکن شامل ہیں ۔ کوکن سے مراد کل وہ خطہ ہے جو خلیج کھاج سے گوا تک واقع ہے اور جس کے بعد مالابار شروع ہوتا ہے ۔
سید علی بلگرامی : تمدن ہند ۲۳ ، ۱۴۸

بستی مہائم[3] (ماہم) میں شیخ مہائمی ایسا عالم و صوفی پیدا ہوا جس کی وجہ سے سرزمین گجرات کو علمی اعتبار سے ایک ایسا مقام نصیب ہوا جو اسے پہلے حاصل نہ تھا۔

آپ کا نام ابوالحسن علاؤ الدین علی بن احمد بن علی[4] المہائمی، الحنفی[5] اور لقب زین الدین اور مخدوم[6] ہے۔ آپ خاندان نوائت کے معزز گھرانے میں ۷۷۶ھ/۱۳۷۲ء میں بمقام مہائم پیدا[7] ہوئے۔ آپ عربی الاصل[8] تھے نوائت کے بارے میں عام اہل علم کا خیال ہے کہ یہ قبیلہ قریش کی ایک شاخ ہے جو حجاج کے مظالم سے خوفزدہ ہو کر مدینہ سے ترک وطن کر کے بحر ہند کے ساحل پر آباد ہو گئی جیسا کہ سبحۃ المرجان کے مؤلف لکھتے ہیں: مولانا الشیخ علی المہائمی ھو من طائفۃ النوائت قوم فی بلاد الدکن . . . قال الطبری فی تاریخہ، النایۃ طائفۃ من قریش خر جوامن المدینۃ المنورۃ خوفاً من الحجاج الذی قتل خمسین الفاً من الاولیاء وغیرھم علی غیر حق و بلغوا ساحل بحرالھند و سکنوابہ[9]

سمعانی کا قول ہے کہ ناعط یا نایت بصرہ کے ایک مقام کی طرف نسبت ہے[10] بعض کا خیال ہے کہ ترک وطن کرنے والے وہ عرب جو مغربی ساحل بالخصوص

۳۔ قدیم گجرات موجودہ مہاراشٹر کے جنوب میں ساحل سمندر پر مہائم کا علاقہ ہے جو اب مضافات بمبئی میں شامل ہو گیا ہے۔ شیخ اکرام: آب کوثر فیروز سنز لمیٹڈ، ۵۰۴ سرکیس: معجم المطبوعات، ۱۷۱
٤۔ الاعلام ۵: ۶۳، کشف الظنون ۱: ۳۳۹، حدائق الحنفیہ، ۳۱۷ ھدیۃ العارفین ۱: ۷۳۰ بعض اہل علم نے آپ کا نسب علی بن احمد بن ابراہیم بن اسماعیل لکھا ہے تفسیر مہائمی ۲: ۳۳۲، معجم المولفین ۷: ۹، معجم المطبوعات، ۱۷۱ بعض نے آپ کا نام شیخ علی پرو یا پیرو لکھا ہے جو غالباً ان کے اجداد کا لقب یا قبیلہ کی شاخ ہے۔ بمبئی گزیٹر، ۳: ۲۰۳ آئین اکبری ۳: ۱۷۴
۵۔ بعض تذکرہ نگاروں نے شافعی اور بعض نے حنبلی بھی لکھا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ کسی خاص عقیدہ کے ساتھ تقلید کی حد تک وابستہ نہ تھے۔ نزھۃ الخواطر، ۳: ۱۰۵، معجم المولفین ۷: ۹۔
۶۔ کشف الظنون ۱: ۳۳۹، حدائق الحنفیہ، ۳۱۷، الاعلام ۵: ۶۳
۷۔ نزھۃ الخواطر ۳: ۱۰۵ حدائق الحنفیہ، ۳۱۷، الاعلام ۵: ۶۳، معجم المولفین ۷: ۹، ھدیۃ العارفین ۱: ۷۳۰
۸۔ بمبئی گزیٹر، ۳: ۲۰۱
۹۔ ابجدالعلوم، ۸۹۳، نزھۃ الخواطر ۳: ۱۰۵، الاعلام ۵: ۶۳، سبحۃ المرجان ۳۹، بمبئی گزیٹر ۳: ۲۰۱
۱۰۔ معجم البلدان، ۱۸، ۲۵۳، کتاب الانساب، ۵۵۱

کونکن کے کنارے آباد ہوئے ان کی اولاد کو نوائت (نووارد) یا نواعط کہتے ہیں

علی مہائمی کے والد شیخ احمد عالم و فاضل اور متمول آدمی تھے انہوں نے اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت بڑی محنت اور توجہ سے کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں فقہ منطق اور فلسفہ پر دسترس ہوگئی ۔ مشہور روایت ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے ان کی تعلیم و تربیت میں نمایاں کردار ادا کیا ۔ تفسیر کے آغاز میں مولف کے مختصر تذکرہ میں ہے : کان مشرفاً بتعلیم سیدنا خضر علیہ السلام معلم حضرۃ سیدنا موسی کلیم اللہ۔[12]

شیخ مہائمی اپنے تقوی اور تبحر علمی کی بنا پر بہت جلد اہل مہائم میں مقبول ہوگئے ۔ مہائمی درس و تدریس کے علاوہ حکومت کے اہم منصب یعنی منصب قضا پر بھی مامور ہوئے بمبئی گزیٹر میں ہے کہ مخدوم علی جوانی کے کئی سال سفر اور مطالعے میں گزارنے کے بعد مہائم میں مسلمانوں کے قاضی مقرر ہوئے۔[13] یاد الہی میں جذب و انہاک کے باوجود رشتہ ازدواج سے بھی منسلک رہے ۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ وقت کی دختر ان کے عقد میں تھی لیکن اس کے باوجود آپ نے بڑی سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کی ۔[14] شیخ مہائمی اپنے وقت کے عظیم صوفی اور صاحب کشف و کرامات تھے بمبئی گزیٹر سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام بہت سی بیماریوں سے شفایابی کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے تھے ۔[15]

تصوف میں مہائمی حضرت محی الدین ابن عربی م ۶۳۸ھ کے مسلک کے پیروکار تھے جس کا ثبوت ان کی تصانیف سے ملتا ہے جو انھوں نے شیخ اکبر کی تائید و حمایت میں لکھیں ۔ وہ ابن عربی کے افکار و خیالات کے زبردست حامی تھے یہاں تک کہ سید عبدالحی کو کہنا پڑا کہ انھیں عربی ثانی کہنا زیبا ہے ۔[16] نواب صدیق حسن خان اور سید بلگرامی رقم طراز ہیں کہ شیخ مہائمی وحدت الوجود کے قائل اور ابن عربی کے پیروکار تھے ۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا کہتے ہیں کہ مہائمی علمائے صوفیہ (یعنی وحدت الوجود کے ماننے والوں) میں سے تھے اور علوم ظاہری و باطنی پر ان کو دسترس حاصل تھی ۔[17] شیخ ابوالفضل کا قول ہے ، شیخ علی پرو (پیرو) ظاہر و باطن پر دسترس رکھتے اور شیخ ابن عربی کے انداز پر حقائق پیش کرتے تھے ۔[18]

۱۱- آب کوثر ، ۱۸۴

۱۲- تبصیر الرحمن و تیسیر المنان تحت ترجمۃ المفسر نیز تفسیر مذکور ۲ : ۳۲۲

۱۳- بمبئی گزیٹر ، ۳۰۱

۱۴- حبل المتین فی تقویۃ الیقین بحوالہ مخدوم علی مہائمی ، پرواز اصلاحی ص ۳۵

۱۵- بمبئی گزیٹر ، ۳ : ۳۰۲ ۱۶- عبدالحی حسنی : یاد ایام ۵۹

۱۷- اخبار الاخیار ، ۱۸۳ ۱۸- آئین اکبری ۳ : ۱۸۳

شیخ مہائمی کو علم تفسیر ، حدیث ، علم کلام اور تصوف میں جو کمال حاصل تھا اہل علم نے اس کا اعتراف کیا ہے ۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی کہتے ہیں کہ شیخ اپنے زمانہ کے علامہ اور نابغہ روزگار تھے ۔[۱۹] نزہۃ الخواطر کے مولف نے بھی العالم الکبیر اور علامہ ایسے عظیم خطابات سے یاد کیا ہے ۔[۲۰] سید عبدالحی تو انہیں سرمایہ گجرات کہتے ہیں اور ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہؒ کے علاوہ حقائق نگاری میں ان کا کوئی ثانی نہیں ۔[۲۱] الاعلام ، ھدیۃ العارفین ، معجم المطبوعات اور گجرات کی تمدنی تاریخ کے مولفین نے انہیں عالم ، مفسر ، فقیہ اور صوفی ایسے الفاظ سے یاد کیا ہے[۲۲]۔ ان اوصاف اور تبحر علمی کی وجہ ہی سے محمد اکرام کو کہنا پڑا کہ ''وہ ہندوستان کے سب سے بڑے علماء کے ساتھ جگہ پانے کے مستحق ہیں'' اور جیسا کہ سرکیس بھی کہتے ہیں کان من کبار علماء الھند ذاشھرۃ باھرۃ و محاسن زاھرۃ ۔[۲۳]

علوم ظاہری و باطنی کا یہ بحر بیکراں ، سرمایہ گجرات اور مہائم کا یہ عظیم فرزند دنیائے اسلام کو اپنی علمی و روحانی فیوض و برکات سے بہرہ ور کرنے کے بعد انسٹھ برس کی عمر میں ۲۶ جمادی الاخرہ ۸۳۵ھ/۱۴۳۱ء کو مہائم ہی میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملا ۔[۲۴] انا للہ و انا الیہ راجعون۔ ان کا مقبرہ آج بھی مرجع خلائق ہے جہاں روزانہ اور بالخصوص سالانہ عرس کے موقعہ پر ہزاروں عقیدت مند دور دراز مقامات سے آتے ہیں[۲۵]۔ مخدوم مہائمی کئی مفید و نفیس عربی تصانیف کے مولف ہیں ۔ ان کی بیشتر تصانیف گردش ایام کے نذر ہوگئیں ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا عظیم ذاتی کتب خانہ بھی تھا جو متولیوں کی بے توجہی سے ضائع ہوگیا ۔[۲۶] ان کی تصانیف میں زبان و ادب کی جو چاشنی اور محاسن نظر آتے ہیں وہ زبان عربی پر کامل دسترس کابین ثبوت ہیں اور جس کا اعتراف متقدمین و متأخرین اہل علم نے بھی کیا ہے ۔

۱۹- تقریظ ، تبصیرالرحمن ، ۲ : ۴۲۰ ۲۰- نزہۃ الخواطر ، ۳ : ۱۰۵

۲۱- یاد ایام ، ۵۹

۲۲- الاعلام ۵ : ۳۰؛ ھدیۃ العارفین ۱ : ۷۳۰ ، معجم المطبوعات ، ۱۷۱ ، گجرات کی تمدنی تاریخ ، ۲۴۳

۲۳- آب کوثر ۴۴ ، معجم المطبوعات ، عمود ۱۷۱

۲۴- ابجدالعلوم ، ۸۹۴ ، نزہۃ الخواطر ۳ : ۱۰۵ ، الاعلام ۵ : ۶۳ معجم المولفین ۷ : ۹ ، بمبئی گزیٹر ۳ : ۳۰۳

۲۵- مقبرہ کی تعمیر تزئین اور عرس کی تفصیلات کے لیے ۳ : ۳۰۳-۳۰۴ بمبئی گزیٹر دیکھیے

۲۶- گجرات کی تمدنی تاریخ ، ۲۴۳ ؛ آئین اکبری ۳ : ۱۷۴ ، اخبار الاخیار ، ۱۴۳

صدیق حسن خان کہتے ہیں ان کی تصنیفات ان کی تبحر علمی اور علوم پر کمال دسترس کی واضح دلیل ہیں[27] مختلف مصادر[28] سے تقریباً ان کی بیس تصانیف کا پتہ چلتا ہے جن میں چند حسب ذیل ہیں۔

''تبصیرالرحمن و تیسیرالمنان مایشیر الی اعجاز القرآن'' یہ مکمل قرآن حکیم کی تفسیر ہے آئندہ صفحات میں ان کی تفسیر پر قدرے تفصیل سے بات ہوگی انشاء اللہ۔

''الغام الملک العلام باحکام حکم الاحکام'' اسرار شریعت پر نایاب کتاب ہے اور اس فن پر سب سے پہلی کتاب۔ حضرت شاہ ولی اللہ کا دعویٰ کہ اس فن پر سب سے پہلے انہوں نے قلم اٹھایا مولینا عبدالحی الحسنی فرماتے ہیں غالباً حضرت شاہ صاحب کی نظر سے مخدوم صاحب کی یہ کتاب نہیں گزری ورنہ وہ یہ نہ فرماتے[29]۔

''ادلة التوحید'' اس کتاب میں انہوں نے شیخ اکبر کے نظریہ توحید کو کتاب و سنت اور اقوال ائمہ سے ثابت کیا ہے بقول شیخ عبدالحق دہلوی انہوں نے نہایت ایجاز اور قطعی دلائل کے ساتھ شیخ کے افکار کی تائید اور شکوک کا رد کیا ہے۔[30] بعد میں اس کی شرح ''اجلة التوحید'' کے نام سے لکھی۔

النور الازہر'' کے نام سے ایک رسالہ قضا و قدر پر لکھا اور پھر اس کی شرح بھی لکھی، صدرالدین قونوی کی کتاب ''الفصوص'' اور شیخ اکبر کی تالیف ''فصوص الحکم'' کی بھی شروح لکھیں۔ نزہۃ الخواطر کے مولف کے بقول ''فصوص الحکم'' کی یہ شرح اپنی نظیر آپ ہے[31]۔ علم فقہ پر بھی آپ کو دسترس حاصل تھی کہا جاتا ہے کہ وہ فتاوی بھی دیتے تھے۔ فقہ پر ایک کتاب لکھی بقول سید عبدالحیی یہ کتاب اردو ترجمہ کے ساتھ بمبئی سے شائع ہو چکی ہے۔[32]

''رسالة فی تفسیرالم'' سبحة المرجان کے مولف نے اس کا ابتدائی حصہ نقل کیا ہے یہ سورہ بقرہ کے وجوہ و اعراب پر بحث ہے۔ اور اس سے اس فن پر مخدوم صاحب کی دسترس کا بخوبی اندازہ ہو جاتا۔[33] لیکن ان کی ''تفسیر تبصیرالرحمن و تیسیر المنان بعض مایشیر الی اعجاز القرآن'' کو بعض خوبیوں کی بنا پر جو مقام اور شہرت حاصل ہوئی وہ کسی اور تصنیف کو نہیں۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ ہندوستان

۲۷- ابجد العلوم، ۸۹۴، الاعلام ۵ : ۶۳

۲۸- ایضاح المکنون ۱ : ۵۲، ۶۱۴، معجم المولفین ۷ : ۹، الاعلام ۵ : ۶۳، ابجد العلوم، ۸۹۴، نزہۃ الخواطر ۳ : ۱۰۵، معجم المطبوعات ۱۷۱۷، یاد ایام ۵۹، ۶۰، مخدوم علی مہائمی، ۱۹ بیعد

۲۹- یاد ایام، ۶۰ ۳۰- اخبار الاخیار، ۱۷۹ (بغایت موجز و منقح)

۳۱- نزہۃ الخواطر ۳ : ۱۰۶ ۳۲- یاد ایام، ۶۰

۳۳- سبحة المرجان ۳۹ بیعد و نزہۃ ۳ : ۱۰۶

میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھنے کا آغاز شیخ مہائمی کے دور سے ہی شروع ہوا اور یہ فخر بھی سرزمین دکن کو حاصل ہے کہ سب سے پہلی اردو کی تفسیر بھی لکھی گئی[۳۴]۔

مخدوم مہائمی نے اپنی یہ تفسیر ۸۰۳ھ میں تالیف کی[۳۵] لیکن ایک عرصے تک زیور طبع سے آراستہ نہ ہو سکی آخر تیرھویں صدی ہجری کے آخر میں ریاست بہاول پور کے وزیر محمد جمال الدین دہلوی نے کثیر رقم صرف کر کے ۱۲۹۵ھ میں مطبع بولاق مصر سے اسے چھپوایا۔ طباعت کا نگران مولانا محمد حسین فقیر دہلوی کو بنا کر مصر بھیجا جو وہاں تکمیل طباعت تک مقیم رہے[۳۶]۔ اس پر تقاریظ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا محمد حسین نگران طباعت اور محمد البیسونی مصری کے قلم سے ہیں[۳۷]۔

علی مخدوم کی تفسیر کا موضوع نظم قرآن ہے۔ انھوں نے دوران تفسیر ایک آیت کا تعلق اور ربط دوسری آیت سے اور باہم سورتوں کے ربط کو اس انداز میں بیان کیا ہے کہ اصل آیت بریکٹ کے اندر آ جاتی ہے۔ تفسیر کی اس خصوصیت کی بنا پر اہل علم نے اس کی تعریف کی ہے۔ سید عبدالحی لکھتے ہیں ''تفاسیر سینکڑوں لکھی جا چکی ہیں مگر جس بات سے ان کی تفسیر کو امتیاز حاصل ہے وہ یہ ہے کہ اس میں التزام سے قرآن پاک کی آیات کریمہ کے باہم دگر مربوط ہونے کو ایسے دل نشین طریقہ سے بیان کیا گیا ہے جسے پڑھ کر انسان وجد میں آ جاتا ہے[۳۸]۔ اپنی کتاب ''الثقافۃ الاسلامیہ'' میں بھی وہ تفسیر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں و ھو تفسیر مفرد حسن الانشاء و ایراد اللطائف و ربط الایات بعضھا ببعض[۳۹]۔ مولوی فقیر محمد کہتے ہیں کہ تفسیر رحمانی صفت ایجاز و تدقیق میں موصوف ہے[۴۰]۔ محمد قاسم نانوتوی بھی تفسیر کی دیگر خوبیوں کا ذکر کرتے ہوئے اس وصف کا بطور خاص ذکر کرتے ہیں۔[۴۱] بمبئی گزیٹر میں بھی ان کی دیگر تالیفات پر تفسیر کو فوقیت دی گئی ہے[۴۲]۔

علم نظم قرآن اور مہائمی : نظم قرآن یا علم مناسبت مہتمم بالشان علم ہے اور

۳۴۔ عبدالصمد صارم : تاریخ التفسیر، ۳۰۴ ۔ ۳۵۔ تفسیر مہائمی مقدمہ ۱ : ۳

۳۶۔ تبصیرالرحمن ۲ : ۱، ۳۲۱، نزھۃ الخواطر ۳ : ۱۰۶

۳۷۔ تبصیر الرحمن ۲ : ۳۰۴ تا ۳۲۴ ۔ ۳۸۔ یاد ایام ۶۰

۳۹۔ عبدالحی حسنی : الثقافۃ الاسلامیہ فی الھند، ۱۶۴ وہ اپنی کتاب نزھۃ الخواطر میں بھی تفسیر کی اس خوبی کی طرف بطور خاص اشارہ کرتے ہیں نزھتہ ۳ : ۱۰۶

۴۰۔ حدائق الحنفیہ، ۳۱۷ ۔ ۴۱۔ تقریظ۔تبیصرالرحمن ۲ : ۳۲۰

۴۲۔ بمبئی گزیٹر ۳ : ۱۰۳

اس کی اہمیت اس قدر ہے کہ متقدمین و متاخرین سب ہی نے اس کو پانے کی کوشش کی ہے اور ہر مفسر نے بقدر ہمت حصہ پایا ہے ۔ علم نظم کو سب سے پہلے ابوبکر نیشا پوری نے ظاہر کیا[43] اس کے بعد امام رازی ، ابن العربی ، بقاعی اور ابو اسحاق شاطبی نے بھی اس سے پردے اٹھائے ہیں[44]۔ امام رازی اس کی اہمیت میں فرماتے ہیں قرآنی حکمتوں کا بڑا حصہ اس کے نظم و ترتیب میں پوشیدہ ہے ۔ آگے فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم جس طرح اپنے الفاظ اور علو معانی کے اعتبار سے معجزہ ہے بعینہ اپنی ترتیب اور نظم آیات میں بھی معجزہ[45] ہے ۔ ولی الدین ملوی فرماتے ہیں : جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی آیات میں نظم و ربط اس لیے تلاش نہیں کرنا چاہیے کہ وہ مختلف حالات میں مختلف اوقات میں نازل ہوا ہے تو ان کا یہ خیال باطل ہے ۔ بلاشبہ قرآن کی آیات نزول کے اعتبار سے مختلف واقعات و حالات سے متعلق ہیں لیکن اپنی موجودہ ترتیب میں وہ بالکل توقیفی[46] ہیں ۔ شارح ''الموافقات'' عبداللہ دراز فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم کی آیات باہم دگر مربوط و متصل ہیں ۔ ایک آدمی کو بادی النظر میں آیات نہایت غیر مربوط نظر آتی ہیں لیکن اگر تدبر کیا جائے اور وقت نظر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ یہ آیات باہم دگر نہایت مربوط ہیں جس طرح ایک طویل و عریض عمارت دور سے دیکھنے والے کو بڑی بے جوڑ نظر آتی ہے لیکن جب کوئی غور سے دیکھنے والا اس نقشہ کو سامنے رکھتا ہے جس کے مطابق عمارت تعمیر کی گئی ہے تو بظاہر وہ غیر مربوط کمرے و دیگر تعمیرات بڑی موزوں نظر آنے لگتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن کا حسن ہی نظم میں ہے جس طرح جسم انسانی جو مختلف اعضاء و جوارح پر مشتمل ہے اور دستکاری کا ایک شہ پارہ جو رنگ پائے رنگ کے دھاگوں کے امتزاج سے بنایا جاتا ہے ۔ اگر دیکھنے والا ان اعضاء اور دھاگوں کو علیحدہ علیحدہ کرکے دیکھے تو اس میں کوئی حسن اور کشش نظر نہیں آتی بعینہ اگر آیات کو علیحدہ علیحدہ دیکھیں تو قرآن کا سارا حسن ہی ختم ہو جاتا ہے[47]۔

متأخرین میں علامہ فراہی نے نظم قرآن کو درجہ کمال تک پہنچایا ۔ فرماتے ہیں کہ کلام جو اسرار و عجائب کا عظیم الشان گنجینہ ہے اس کی کلید صرف اور صرف نظم قرآن ہی ہے[48]۔

مخدوم علی مہائمی نے بھی قرآن حکیم کے اس اعجاز سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور وہ اس کو اللہ کا فضل اور اس کی بخشش قرار دیتے ہیں ۔ اور اس کے مقابلے میں اپنی بے بضاعتی کا حد درجہ اعتراف کرتے ہیں اسی احساس کے تحت انہوں نے

۴۳- الاتقان فی علوم القرآن ۲ : ۱۰۸ ۴۴- النباء العظیم حاشیہ ، ص ۱۵۹

۴۵- الاتقان ۲ : ۱۰۸ ۴۶- الاتقان ۲ : ۱۰۸

۴۷- عبداللہ دراز : النبأ العظیم، ۱۵۵، ۱۵۹ ۴۸- مقدمہ تفسیر نظام القرآن ۵۶

اپنی تفسیر کا نام تبصیرالرحمن و تیسیرالمنان رکھا ہے۔

مہائمی مقدمہ تفسیر میں فرماتے ہیں : فھذہ خیرات حسان من نکت نظم القرآن لم یطمث اکثرھن انس ولاجان و لم یکن لی ان امسھن اذ لایمسھن الا المطھرون ولکن اللہ سبحانہ و تعالیٰ من علی بالیتسیر فی خطبھن الخطایر بمحض فضلہ اذ ھو بکل فضل جدیرو علی کل شیئی قدیرفا مکنی أن أبرزھن من خدورھن لیری بمرایا جالھن صورۃ الاعجاز من بدیع ربط کلماتہ و ترتیب آیاتہ من بعدماکان بعد من قبیل الالغاز فیظربہ انھا جومع الکلمات و لوامع الایات[۴۹]۔

یعنی یہ نکات نظم قرآنی کا بہترین مجموعہ ہیں جن میں سے بیشتر مجھ سے پہلے کسی جن و بشر کی دسترس میں نہیں آئے تھے میں گناہگار اس قابل نہیں تھا کہ ان تک پہنچ سکتا لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے جو ہر چیز پر قادر ہے آسان کر دیا اور میرے لیے ممکن کر دیا کہ میں ان پردوں کو اٹھاؤں تاکہ آیات و کلمات میں جو ربط و ترتیب ہے اس کے حسن و جمال کا نظارہ کیا جا سکے اور یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے۔

مہائمی نے طریق تفسیر کی مقدمہ تفسیر صراحت کردی ہے وہ تفسیر قرآن کے ضمن میں مفسرین کے اس فریق سے تعلق رکھتے ہیں جو شرعی حدود و قیود میں رہ کر تفسیر و تاویل قرآن میں عقل و خرد کے استعمال پر زور دیتا ہے۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان من فسثر القرآن برایہ ... بیان کرنے کے بعد وضاحت کرتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اقوال صحابہ اور آثار تابعین سے ہٹ کر فہم و عقل سے قرآن کی تفسیر کرنے والا جہنمی ہے بلکہ یہ حدیث تو مفسرین کے لیے احتیاط برتنے میں مہمیز کا کام کرتی ہے۔ جہاں تک عقل و خرد اور رائے کے استعمال کا تعلق ہے قرآن حکیم میں جا بجا تدبر و تفکر کی دعوت دی گئی ہے قرآن اور اسلام کی عالمگیریت اور ابدیت اسی صورت میں ہے کہ مفسرین اپنے دور میں پیش آمدہ مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں غور و فکر سے حل کریں قرآن حکیم جو علوم و فنون کا خزینہ ہے بعض کا ذکر وضاحت سے کیا گیا ہے جبکہ بعض کا ذکر اجمالی طور پر ہے۔ اسی لیے حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا من اراد علم الاولین والاخرین فلیتد برالقرآن اور تدبر و تفکر کی دعوت محض ظاہری الفاظ اور متبادر معنی پر اکتفا کرنے سے پوری نہیں ہوتی قرآن کے مطالب و مفاہیم غور و فکرہی سے اجاگر اور روشن ہوں گے قرآن حکیم میں استنباط و استخراج اور تدبر کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور جیسا کہ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ کوئی شخص صحیح معنوں میں اس وقت تک فقیہ نہیں بن سکتا جب تک وہ قرآن کے الفاظ کے

۴۹۔ مقدمہ تفسیر مہائمی، ۱ : ۳

مختلف استعمالات کا علم حاصل نہ کر لے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عبداللہ ابن عباس کے لیے تدبر و تفقہ کی دعاء بھی اس بات پر دال ہے ۔ تأویل سے مراد قرآن کی ایسی تفسیر ہے جس سے عبارت میں مضمر اشارات واضح ہو سکیں وہ اس تفسیر بالرائے کے حق میں نہیں جو ہوا و ہوس پر مبنی ہو وہ مفسر کے لیے لازمی قرار دیتے ہیں کہ اپنی رائے کو قرآن و سنت اور شریعت کے تابع کر لے اور قرآن کے جس حصے سے متعلق احادیث و آثار مروی ہیں ان سے تجاوز نہ کرے لیکن قرآن کے معانی کا استنباط و استخراج کرنے کے لیے ان منقولات کے پہلو بہ پہلو عقل و فہم کو بھی استعمال کرنا چاہیے تا کہ قرآن میں مضمر دور رس معانی تک پہنچا جا سکے اور ان باطنی معانی تک صرف نکتہ شناس ہی اپنی بصیرت کی روشنی میں پہنچ سکتا ہے۔ ایسی بصیرت جو نور الٰہی سے مستنیر ہو[50]۔ وہ تفسیر کے مقدمہ کا آغاز ہی اس بات سے کرتے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے لیے تمام تعریفیں ہیں جس نے اہل خرد کے دلوں کو اپنے کلام سے منور کیا تا کہ وہ اس کی روشنی اور اپنی عقل سے کام لے کر صحیح راستہ کو پا سکیں[51]۔ ایسی عقل جو شریعت کی پابند ہو ورنہ گمراہی اور خسران انسان کا مقدر بن جاتا ہے آیت الا تطغوا فی المیزان[52] کی تشریح میں فرماتے ہیں لا تترکوا العقل بالکلیۃ فی الشرائع ولا تبطلوا بہ شیئاً من المنصوصات اذا لم تعقلوھا کما ارید منکم[53] ۔ وہ ایک اور مقام پر عقل کو بصر اور شریعت کو نور سے تشبیہہ دیتے ہیں[54]۔ ایک اور جگہ عقل کی اصلیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں العقل ان کان شأنہ الالتفات الی امور کثیرۃ یکون بعضھا حجابا عن البعض۔[55] کہ عقل اگر بعض معاملات کی طرف راہنمائی کرتی ہے تو بعض مواقع پر حقائق تک پہنچنے میں حجاب اور رکاوٹ بھی بن جاتی ہے ۔

مہائمی نے اپنی تفسیر میں ماقبل مفسرین کا بھی تتبع کیا ہے اور اپنے ایجاز اور اختصار کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ تفسیر جلالین کے طرز پر ہے[56]۔

عقل و رائے کے استعمال کے ساتھ مخدوم علی مہائمی بعض آیات کی تشریح و تفسیر احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور آثار صحابہ و تابعین رضوان اللہ علیہم سے بھی کرتے ہیں مثلاً حافظوا علی الصلواۃ والصلاۃ الوسطی[57] کی تشریح میں احادیث پیش کرتے ہیں کہ اس سے مراد نماز عصر یا فجر ہے[58]۔

۵۰- مقدمہ تفسیر مہائمی ، ۵-۶
۵۱- مقدمہ تفسیر ، ۲
۵۲- الرحمٰن : ۸
۵۳- تفسیر مہائمی ۲ : ۳۱۱
۵۴- تفسیر مہائمی ۱ : ۲۵
۵۵- تفسیر مہائمی ۲ : ۳۰۲
۵۶- ڈاکٹر زبید احمد : عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ص ۵۴
۵۷- البقرہ : ۲۳۸
۵۸- تفسیر مہائمی ۱ : ۸۶

اسی طرح آیت افان مات او قتل[59] کی تشریح بھی احادیث سے کرتے ہیں[60] - بعض اوقات وہ آیت کا شان نزول بھی بتاتے ہیں مثلاً ما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ[61] کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ زینب بنت حجش کے بارے میں نازل ہوئی - سورہ اللیل کی آخری آیت و لسوف یرضیٰ . . . حضرت ابوبکر کے بارے میں نازل ہوئی[62] -

دوران تفسیر وہ قاری پر حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی اہمیت کو مختلف انداز سے واضح کرتے ہیں - وہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر جو ان گنت احسانات فرمائے ہیں وہ اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ ہم اس کی عبادت کریں کیونکہ انسان کی تخلیق عبادت الٰہی اور معرفت ہی کے لیے کی گئی ہے - باہمی معاملات میں عدل و معاونت کو ملحوظ رکھا جائے اور ہر ایک کے ساتھ عدل کیا جائے کیونکہ عدل و انصاف کرنا اللہ کا حکم ہے جس کے بجا لانے پر جزا اور ثواب مرتب ہوگا[63] - وہ وضاحت فرماتے ہیں کہ عبادت کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے لہذا وہ قاری کو بڑے دلنشین انداز میں بتاتے ہیں کہ شرک جلی اور خفی نیز ان دونوں کی طرف لے جانے والی چیزوں سے ہر ممکن اجتناب کیا جائے - اللہ کا حق اسی صورت میں ادا ہوگا جب اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک اور ساجھی نہ بنایا جائے - پھر وضاحت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق سے صرف اپنے حقوق کی ادائیگی کا ہی حکم نہیں دیا بلکہ وہ یہ بھی فرماتا ہے کہ اس کے بندوں کا حق بھی ادا کیا جائے اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے - مخلوق میں والدین اور اقارب کے حقوق سرفہرست ہیں وہ ان حقوق کی ادائیگی پر تحریض و ترغیب کے لیے احادیث بھی پیش کرتے ہیں کہ جو شخص اپنے والدین اور اقارب کا حق بطور اعتراف خدمت ادا نہیں کرتا تو وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کر سکتا - اقارب سے حسن سلوک کا ایک اور فائدہ کا بھی ذکر فرماتے ہیں کہ اقارب سے حسن سلوک صلہ رحمی ہے جو اللہ سے وصال کا ذریعہ اور قطع رحمی اللہ سے تعلق کے انقطاع کا سبب بھی ہو سکتا ہے[64] -

مہائمی نہایت متقی اور متدین صوفی ہیں وہ اپنی تفسیر میں قاری کو بھی تقوی اور اخلاق حسنہ کے اکتساب پر زور دیتے ہیں - اور شہوات نفسانی سے اجتناب کی تلقین کرتے ہیں - ان کا کہنا ہے کہ آئینہ دل ملکوتی صفات حاصل کرکے ہی صاف و شفاف رہ سکتا ہے اور یہ ملکوتی صفات مجاہدہ و ریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں - دل کے تمام روگ عبادت و ریاضت سے دور اور دل مشاہدہ حق سے منور

۵۹- آل عمران : ۱۴۴
۶۰- ایضاً ۱ : ۱۲۷
۶۱- الاحزاب : ۳۳
۶۲- ایضاً ۲ : ۴۰۵
۶۳- تفسیر مہائمی ۱ : ۲۴، ۲۵
۶٤- تفسیر مہائمی ۱ : ۱۴۹

زبان ذکر الٰہی سے مشرف اور اعضاء خدمت انسانی سے مزین ہوئے[65] ہیں۔

مہائمی تکبر و غرور کو تمام رذائل کی اصل اور جڑ قرار دیتے ہیں۔ اسی تکبر کی بنا پر ابلیس مردود ٹھہرا جبکہ اسلام و اطاعت تمام فضائل کی اصل و اساس[66] ہے حرص و طمع اور مال و زر کے عواقب بد سے ڈراتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ قناعت عظیم دولت اور انمول خزانہ ہے۔ من عمل صالحا . . . حیاۃ طیبہ[67] کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ نیک عمل والا دنیا و آخرت دونوں میں ایک دنیاوی مالدار دولت مند شخص سے زیادہ اطمینان و سکون سے زندگی بسر کرتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ یتلذذ بعمله فی الدنیا فوق تلذذ صاحب المال والجاہ ولا یبطل تلذذہ اعسارہ اذ یرضیه الله بقسمته و یقل اهتمامه بحفظ المال والجاہ و تنمیة والکافر لا یهنا عیشه بالمال والجاہ اذا یزداد حرصاً و خوف فوات[68]۔

شیخ مہائمی صوفی فلسفی ہیں بعض اوقات دوران تفسیر وہ کسی آیت کی تشریح و توضیح میں اپنے خیال اور نقطہ نظر کی توثیق کے لیے متکلمین و حکماء کے اقوال سے بھی استشہاد کرتے ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی نے تفسیر میں اس فلسفیانہ رجحان کو دیکھ کر ان کی تفسیر پر اعتراض کیا ہے[69] لیکن اگر تفسیر پر ایک طائرانہ سی نظر ڈالی جائے تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ مہائمی نے ایسا بہت کم کیا ہے اور صرف حکماء کے ان اقوال کا ذکر کیا ہے جن کی تائید نصوص سے بھی ہوتی ہے۔

مہائمی کو فقہ پر بھی دسترس حاصل تھی لیکن مسائل سے متعلق آیات کی تشریح و توضیح کرتے وقت وہ قاری کو فقہی مسائل کی باریکیوں اور پیچیدگیوں اور تفصیلات میں نہیں الجھاتے۔ ان کی تفسیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس مذہب کی جو چیز قرآن و سنت سے زیادہ قریب نظر آتی ہے اسے اختیار کر لیتے ہیں لیکن بعض مواقع سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقہ شافعی کی طرف ان کا میلان[69] زیادہ تھا لیکن یہ میلان اور رجحان تقلید کی حد تک نہیں۔ کفارہ قسم[70] کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام شافعی نے کفارہ قتل پر قیاس کرتے ہوئے غلام کے ساتھ ایمان کی شرط بھی لگائی ہے[71] یتربصن بانفسهن ثلاثة قروء[72]۔ میں امام شافعی کی طرح قروء کے معانی طہر لیتے ہیں۔[73] امام شافعی وضو میں نیت کو ضروری سمجھتے ہیں مہائمی بھی اس خیال کے موید ہیں ان کا قول ہے کہ بغیر نیت کے وضو نماز کی مفتاح اور کنجی نہیں

۶۵- تفسیر مہائمی ۱ : ۲۵
۶۶- تفسیر مہائمی ۲ : ۱۰۳
۶۷- النحل : ۹۷
۶۸- تفسیر مہائمی ۲ : ۴۱۸
۶۹- بحوالہ آب کوثر ۳۵۰-۳۵۱
۶۹- (الف) فقہ شافعی پر ایک رسالہ بھی لکھا نزهة الخواطر ۳ : ۱۰۶
۷۰- المائدہ : ۸۹
۷۱- تفسیر مہائمی ۱ : ۱۹۹
۷۲- بقرہ : ۲۲۸
۷۳- تفسیر مہائمی ۱ : ۸۲

ہو سکتا ۔[۷۴]

مخدوم مہائمی میں اپنی تفسیر میں مختلف امصار و علاقوں کی قراءت ، نحوی اور لغوی باریکیوں سے بھی واقف نظر آتے ہیں لیکن قاری کو وہ ان بحثوں میں زیادہ نہیں الجھاتے ۔ مالک یوم الدین کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں ۔ کہ عاصم نے اسے ''الف'' سے باقی قراء نے بغیر الف کے پڑھا ہے[۷۵] بعض اوقات کسی آیت کی تشریح کرتے ہوئے مختلف نحویوں مثلاً سیبویہ ، اخفش خلیل اور زجاج وغیرہم کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں ۔

آیت وضو میں ارجلکم[۷۶] کو نصب کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسا کہ نافع ابن عمر حفص اور کسائی نے پڑھا[۷۷] ۔ من یاتی منکن بفاحشۃ مبینۃ[۷۸] کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اسے نصب کے ساتھ پڑھا جائے تو اس سے مراد وہ چیز ہے جس کی برائی عقل اور شرع نے واضح کردی ہو اور اگر کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو مفہوم ایسی برائی ہوگا جس کے برا ہونے کے بارے کسی تدبر اور غور و فکر کی ضرورت نہیں بلکہ اس برا ہونا ظاہر و باہر ہو ۔[۷۹]

مہائمی عموماً قرآن میں مذکور قصص و واقعات کی غیر ضروری تفصیل میں نہیں جاتے اور اسرائیلیات کے ذکر سے اجتناب کرتے ہیں ۔ ھل اتاک نبوالخصم[۸۰] . . . کی تفسیر میں مفسرین کرام نے روایت کا ایک پلندہ جمع کر دیا ہے لیکن مہائمی صرف آیت سے متبادر مفہوم پر ہی اکتفا کرتے ہیں[۸۱] ۔

اسی طرح جمہور مفسرین کرام نے اصحاب کہف کے کتوں کی تعداد و رنگت وغیرہ پر طبع آزمائی کی ہے لیکن وہ ان تفصیلات میں نہیں جاتے اور اس قسم کی تفصیلات کو رجماً بالغیب ہی قرار دیتے ہیں[۸۲] ۔ لیکن بعض مواقع پر وہ آیات میں مذکور قصص کی غیر ضروری تفصیل میں بھی چلے گئے ہیں کہیں ایسا بہت کم ہوا ہے ۔ مثلاً ملکہ سبا کے قصہ کے ضمن میں اذھب بکتابی ھذا[۸۳] کی تشریح میں وہ چیزیں بھی بیان کر جاتے ہیں جن کا نفس واقعہ سے کوئی تعلق یا جس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں ۔[۸۴] امسک علیک زوجک[۸۵] کی تشریح بھی جمہور مفسرین سے ہٹ کر کی ہے ۔[۸۶]

۷۴- تفسیر مہائمی ۱ : ۱۸۰
۷۵- تفسیر مہائمی ۱ : ۲۲
۷۶- المائدہ : ۶
۷۷- تفسیر مہائمی ۱ : ۱۸۰
۷۸- الاحزاب : ۳۰
۷۹- تفسیر مہائمی ۲ : ۱۵۸
۸۰- ص : ۲۱ - ۲۳
۸۱- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۰۳
۸۲- تفسیر مہائمی ۱ : ۴۴۴
۸۳- النمل : ۲۸
۸۴- تفسیر مہائمی ۲ : ۱۰۳
۸۵- الاحزاب ، ۳۷
۸۶- تفسیر مہائمی ۲ : ۱۵۹

ان کی تفسیر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے سے ایک بات یہ بھی سامنے آتی ہے کہ وہ آیت کے کسی لفظ کی تشریح و توضیح کے لیے اشعار سے استشہاد نہیں کرتے اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مہائمی شاعری پسند نہیں فرماتے کیونکہ قرآن حکیم نے واضح الفاظ میں شعراء کی مذمت کی ہے کہ وہ مدح اور ہجو میں مبالغہ سے کام لیتے اور شرفا کی عزت و ناموس کو خاک میں ملا دیتے ہیں ۔

مہائمی کی تفسیر کی سب سے بڑی خوبی آیات کا باہم دگر مربوط و متصل ہونا ہے لیکن اس خصوصیت کے علاوہ تفسیر مہائمی بعض اور دیگر خصائص کی بنا پر بھی دیگر تفاسیر سے ممتاز ہے ۔ مہائمی نے ہر سورۃ کے آخر میں ابتدا سے لے کر اختتام تک درود شریف لکھنے کا بڑا اہتمام کیا ہے ۔ درود شریف کے فضائل کسی مسلمان پر مخفی نہیں ۔ مہائمی جو بڑے زاہد و عابد اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے اور یہ اسی عشق کا پرتو ہے ۔

مہائمی نے اپنی تفسیر میں بڑے ایجاز و اختصار سے کام لیا ہے سوائے سورۃ فاتحہ کے جس کی تشریح بڑی تفصیل سے کی ہے ۔ وہ ہر سورہ کی تفسیر سے قبل اس میں مذکورہ مضمون اور عنوان کا اختصار کے ساتھ تعارف کراتے ہیں اور ہر سورۃ کی وجہ تسمیہ بھی بتاتے ہیں ۔ سورہ فاتحہ کے تقریباً بیس نام بتا کر یہ بھی ساتھ ساتھ وضاحت کر دی ہے کہ یہ نام کیوں رکھا گیا اور ان ناموں سے سورہ کا کیا تعلق ہے ۔

النساء : اس سورۃ کا نام النساء اس لیے رکھا گیا کہ جتنی آیات اس سورۃ میں عورتوں کے احکام سے متعلق ہیں کسی دوسری میں نہیں ۔[87]

الکوثر : اس سورۃ کا نام الکوثر اس لیے رکھا گیا کہ یہ سورۃ دوسرے انبیاء و رسل پر نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے یوم قیامت خیر کثیر عطا کرکے ۔[88]

النصر : اس سورہ کا نام النصر اس لیے رکھا گیا کہ نصرت النبی کے ذریعے اسلام تمام مذاہب پر غالب آیا اور یہ سورہ کے عظیم مقاصد میں سے ہے اس سورۃ کو التودیع بھی کہتے ہیں اس لیے کہ استغفار کا حکم قرب وصال پر دلالت کرتا ہے ۔[89]

تفسیر مہائمی کا ایک اور امتیازی وصف ہر سورۃ کے آغاز میں بسم اللہ کی نئی تشریح ہے جو سورۃ کے مضمون کو مدنظر رکھ کر کی گئی ہے زبید احمد لکھتے ہیں کہ یہ انوکھا طریقہ ہے[90] ۔

۸۷- تفسیر مہائمی ۱ : ۱۳۸ ۔ ۸۸- تفسیر مہائمی ۲ : ۴۱۵

۸۹- تفسیر مہائمی ۲ : ۴۱۶ ۔ ۹۰- عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ ، ۶۳

سورۂ محمد کے آغاز میں بسم اللہ کی تشریح میں کہتے ہیں ، اس ذات کے نام سے جس کے کمالات انسانوں بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں اور جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اس میں جلوہ گر ہیں ''رحمن'' ہے ۔ نازل شدہ کتب پر ایمان لانے اور عمل صالح کی توفیق ارزانی کرنے میں ''رحیم'' ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کچھ نازل ہوا ہے اس پر ایمان وایقان کی توفیق عطا کرنے میں ۔[۹۱]

الفتح : اللہ کے نام سے جو فتوحات میں تمام کمالات کے ساتھ جلوہ گر ہے ''رحمن'' ہے گناہوں اور تقصیروں کی بخشش کا وسیلہ بنانے میں ''رحیم'' ہے اس فتح کو نعمت ، ہدایت اور غلبہ کے اتمام کا سبب بنانے میں[۹۲] ۔

الفجر : اللہ کے نام سے جو اپنے کمالات کے ساتھ عرفہ کی صبح میں جلوہ گر ہے ''رحمن'' ہے حج کے عظیم رکن کی ادائیگی کے لیے تمام مخلوق کو مقام عرفہ میں جمع کرنے میں ''رحیم'' ہے یوم عرفہ کے جمع ہونے کو قیامت کے دن جمع ہونے کی دلیل بنانے میں[۹۳] ۔

جاثیۃ : اس ذات کے نام سے جو اپنی کتاب میں قوت و حکمت کے ساتھ جلوہ گر ہے بالخصوص سورتوں کے آغاز میں حروف مقطعات کی صورت میں ''رحمن'' ہے آسمان و زمین میں اپنی نشانیاں ظاہر کر کے ''رحیم'' ہے انسان میں اپنی نشانیاں ظاہر کر کے ۔[۹۴]

حروف مقطعات : متقدمین اور متاخرین مفسرین نے بالعموم حروف مقطعات کے معانی بیان نہیں کیے ۔ سلف میں سے بعض نے ان کے معانی کی طرف توجہ کی ہے اور مختلف معانی و مفاہیم بیان کیے ہیں ۔ مخدوم مہائمی بھی انھیں مختلف الفاظ کا مخفف سمجھتے ہیں انہوں نے قرآن حکیم کے تمام حروف مقطعات کی موقع محل کی مناسبت سے توجہ کی ہے اور بتایا ہے کہ ان حروف میں معانی کا ایک سمندر موجزن ہے جس کا تعلق سورۃ کے مضمون ہی سے ہے ۔ انہوں نے ہر حرف سے اندازاً ایک لفظ بنا لیا ہے گویا کہ وہ حرف بجائے اس لفظ کے قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے ۔ ڈاکٹر سالم قدوائی کہتے ہیں کہ مہائمی نے حروف مقطعات کی جو توجیہات بیان کی ہیں یہ کوئی تحقیقی بات نہیں ۔[۹۵] بہر کیف مہائمی نے اس بارے میں تمام مفسرین سے ہٹ کر ایک الگ راہ نکالی ہے جو یقیناً زبان عربی پر کامل دسترس کا واضح ثبوت ہے ۔

الجاثیۃ : حم کی تشریح میں کہتے ہیں دلائل پر قادر اور شبہات کو ختم کرنے والا یا کمالات کی تائید و حمایت کرنے والا اور نقائص کو مٹانے والا یا خوش بختیوں

۹۱۔ تفسیر مہائمی ۲ : ۲۷۶ — ۹۲۔ تفسیر مہائمی ۲ : ۱۸۱
۹۳۔ تفسیر مہائمی ۲ : ۴۰۰ — ۹۴۔ تفسیر مہائمی ۲ : ۲۶۵
۹۵۔ ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں ، ۲۴

اور سعادتوں کی تخم ریزی کرنے والا شقاوتوں اور بدبختیوں کا استیصال کرنے والا تیز نظر اور باریک بین ہے[۹۶]۔

المؤمن : بھلائیوں پر تحریض و رغبت دلانا اور برائیوں سے روکنا[۹۷]۔

حم السجدہ : جو کمالات پر قادر و حاوی ہے نقائص کو ختم کرنے والا یا حلاوت و ملاحت یا حیات و مناسبت یا محبت و مقام[۹۸]۔

الاحقاف : حم یعنی مضبوط رسی[۹۹]۔

الزخرف : حم یعنی بھاری شفقت اور احسان کے ساتھ یا مشکلات کو دور کرنے اور شبہات کو مٹانے کے ساتھ یا بھاری حکمت کے ساتھ یا بھاری سنجیدہ تدبیر کے ساتھ[۱۰۰]۔

۹۶- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۷۵

۹۷- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۲۲

۹۸- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۳۳

۹۹- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۷۰

۱۰۰- تفسیر مہائمی ۲ : ۲۵۲

مصادر و مراجع

حاجی خلیفہ	کشف الظنون	استانبول
صدیق حسن خان	ابجد العلوم	مطبع صدیقی بھوپال
عبدالحی الحسنی	نزہۃ الخواطر	مطبع دارالمعارف حیدرآباد دکن ۱۹۶۲ء
عبدالحی الحسنی	الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند	دمشق ، ۱۹۵۸ء
عبدالحی الحسنی	یاد ایام	انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ ۱۹۱۹ء
سید علی بلگرامی	سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان	بمبئی ۱۳۱۳ء
سید علی بلگرامی	تمدن ہند (اردو ترجمہ)	نقوش پریس لاہور
مولوی فقیر محمد	حدائق الحنفیہ	مطبع نولکشور ، لاہور
اسماعیل پاشا بغدادی	ہدیۃ العارفین	استانبول ، ۱۹۵۱ء
جلال الدین سیوطی	الاتقان فی علوم القرآن	مکتبہ التجاریۃ الکبری
ڈاکٹر عبداللہ دراز	النباء العظیم	دارالقلم ، کویت ، ۱۹۷۰ء
شیخ ابوالفضل	آئین اکبری	مطبوعہ نولکشور ، لکھنئو
شیخ عبدالحق محدث دہلوی	اخبار الاخیار	مطبع ہاشمی ۱۲۸۰ھ
	بمبئی گزیٹر	بمبئی ٹائمز پریس ۱۹۱۰ء
شیخ اکرام	آب کوثر	فیروزسنز لمیٹڈ
زبید احمد	عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ	ادارہ ثقافت اسلامیہ ، لاہور
خیرالدین زرکلی	الاعلام	
عمر رضا کحالہ	معجم المولفین	
سرکیس	المطبوعات	
السمعانی	کتاب الانساب	ای ۔ جے برل لندن ۱۹۱۲ء
مخدوم علی مہائمی	تبصیرالرحمن و تیسیرالمنان	مطبع بولاق ، قاہرہ
عبدالرحمن اصلاحی	مخدوم علی مہائمی	نقش کوکن پبلیکیشنز بمبئی

دکتر سید مهدی غروی*

نقش اقبال در باز آفرینی و پیشرفت

ای خوشا قومی که جان او تپید
از گل خود خویش را باز آفرید[1]

مشرق زمین سالهاست که بر سر یک دو راهی قرار گرفته است ، ادامهٔ زندگی قدیمی و سنتی خویش و یا پذیرش تمدن مغربی و فرنگی شدن ، عقاید مختلف است . در یک قرن پیش در ایران مجله ای به نام فرنگستان منتشر می شد که سرلوحه و جوهر وجودی اش درین جمله خلاصه می گردید : (ایران باید روحاً جسماً ظاهراً باطناً فرنگی مآب شود).[2]

در سرزمینهای گوناگون آسیای غربی نهضت های مختلفی رخ داد که همه برپایهٔ تحول و انتقال از فرهنگ و تمدن بومی شرقی به فرهنگ و تمدن فرنگی استوار بود، درمیان تمام این تحولات از همه عمیق تر و در عین حال شگفتی آفرین تر تغییر الفبا در ترکیه بود. درایران ما نیزکوشش بسیار بعمل آمدکه الفبای لاتین جانشین الفبای کنونی شود اما به

---

* مدیر مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد

۱- علامه اقبال ، جاوید نامه

۲- این جمله در پایان این عبارات ذکر می شود :
(ایران باید زندگی از سرگیرد ، همه چیز باید نو گردد . ما ایران نو ، فکر نو ، مرد نو می خواهیم ، می خواهیم ایران را اروپائی نمائیم ، می خواهیم سیل تمدن جدید را به طرف ایران جریان دهیم) .

سپس برای اینکه اشاره‌ای کوتاه نیز به فرهنگ بومی و ملی کرده باشند : می‌خواهیم با حفظ مزایای اخلاق و ذاتی ایران این سخن بزرگ را بکار بندیم و این سخن بزرگ همانست که در متن این گفتار گنجانده شده است .

نویسندگان مجله فرنگستان گروهی از جوانان پرشور آن روز بودندکه در شهرهای آلمان تحصیل یا کار می کردند : جمالزاده ، مشفق کاظمی ، پرویز کاظمی ، احمد فرهاد ، مرتضی یزدی و تقی ایرانی ، اما نویسنده مطالب بالا ، مورد استناد ما ، گویا تقی زاده بوده است . نگاه کنید به صفحه های ۳۷ و ۳۸ مجله راهنمای کتاب سال ۲۱ شماره های ۱ و ۲ فروردین و اردیبهشت ۱۳۵۷ : جریانهای ادبی در مجلات فارسی ، ایرج افشار .

پایمردی دانشمندانی چند این تغییر و تحول صورت نگرفت. مسئلهٔ اصلاح و تحول روز بروز بزرگتر و پیچیده تر شد و اگر تاریخ این اعصار را ورق بزنیم خواهیم دید که درمیان صدها و بلکه هزار ها نفر از طرفداران این دگرگونی عده معدودی نیز بودند که به این دگرگونی اعتقادی نداشتند و می گفتند با تغییر شکل ظواهر تمدن، نمیتوان مایهٔ اصلی و جوهر تمدن مغربی را اخذ کرد. می‌گفتند پطر کبیر امپراتور روسیه پس از بازگشت از اروپا، لباس و چهره و دیگر ظواهر زندگی مردم روسیه را عوض کرد اما این تغییرات هرگز نتوانست ملت روس را بپای ملل اروپای غربی برساند و ملت ژاپن بدون اینکه تغییرات فاحشی در زندگی ظاهری خود بدهد موفق شد که جوهر تمدن علمی و صنعتی غرب را اخذ و با غولهای صنعت و تجارت مغرب زمین دست و پنجه نرم کند. علامه اقبال پایه گزار اصلی همین اصل بود، اعتقاد داشت که باید مشرقی شرقی بماند و با احتیاط از مزایای تمدن جدید بهره مند گردد.

علی شریعتی[1] دانشمند فقید ایران که از پیروان مکتب شاد روان اقبال بود در جملات زیبائی این مطلب را بخوبی مجسم ساخته و می نویسد:

«تجربهٔ ژاپن اگرچه برای ایده آل اقبال مثال کامل نمی‌تواند باشد اما برای طرد استدلال متفکران شبه روشنفکری که استدلال می کنند که نمی توان شخصیت ملی و فرهنگ و اخلاق خویش را حفظ کرد و تنها به اقتباس صنعت و علم اروپائی پرداخت مثال زنده و عینی و نزدیکی است.

ملتی که در ظرف یک ربع قرن در صنعت از مدرن ترین کشورهای صنعتی اورپا پیشی گرفته است و در فرنگی مآبی و تجدد بازی تا هزار سال دیگر به گرد تهرانی ها و روشنفکرهای متجدد شهر ستانی ما هم نخواهد رسید. زن ژاپنی را نگاه کنید در کنار لوکس ترین اتومبیل ساخت خودش و با مدرن ترین وسائل زندگی امروز جهان که خودش ساخته است ایستاده، اما با همان خلق و خوی ملی قدیمی زنانه ژاپنی و لباسها و آرایشهای عهد بوقی!

اصلا بلد نیست امروزی لباس بپوشد! و زن ایرانی یا سیاهپوست افریقائی

۱- علی شریعتی متفکر و دانشمند فقید ایرانی از بانیان نهضت اسلام گرائی و تجدید بنای اسلام بعنوان سکوی اصلی تمدن مشرق در کشور ما بود اگرچه چند سالی است که روی در نقاب خاک کشیده اما شاگردان و پیروانش یادش را هرگز فراموش نخواهند کرد. در جریان انقلاب اسلامی ایران اندیشه هایش همانند تصویرش یادآور کوششهای بیدریغ وی در راه اعتلای نهضت اسلامی ایران بود و آنچه از وی نقل کرده ایم از کتاب کوچک ولی معروف و پرارزش وی «اقبال معمار تجدید بنای اسلامی» است.

را نگاه کنید که از تمام این دنیای مدرن و تمدن جدید فقط یک شماره مجله «بوردا» دارد و بقدری آزاد و مدرن می شود که دلش برعقب ماندگی زن‌های سویس می سوزد[1])».

بدیهی است هیچ انسان عاقل و منصفی نمی تواند معتقد باشد که مشرق زمین باید در همین جا که هست بایستد و جلو نرود و در مقابل تمدن عظیم و پر قدرت جدید مقاومت کند و از علم صنعت مغرب زمین بی نیاز بماند ، نه علامه اقبال ازین فکر طرفداری می‌کند نه سید جمال الدین که بدون شک نخستین پیام آور اتحاد اسلام در مشرق زمین بود ، و نه آن گروهی که پیرو مکتب اقبال و علی شریعتی هستند . همهٔ این اندیشمندان و رهبران اجتماعی معتقدند که مسلمانان باید حرکت کنند و درین حرکت است که نیازهای خود را می‌توانند برآورده کنند ، چه خوب گفته است اقبال که :

مرد حق سرمایهٔ روز و شب است
زانکه او تقدیر خود را کوکب است[2]

و همه می دانیم که ملای روم قرنها پیش همین مضمون را درین بیت گفت :

آب کم جو تشنگی آور بدست
تا بجوشد آبت از بالا و پست

و علی شریعتی این شاگرد با وفای اقبال درین باب می نویسد[3] :

«اسلام ، در این دورهٔ رکود و توقفش ، در چهار چوبه های تنگ قومی و قالب های بستهٔ محلی خود منجمد شد . وقتی می گوئیم اسلام ، مقصود اینجا

۱- علی شریعتی ، همین کتاب صفحه، ۹۵ ، ۹۶

۲- اقبال در سال ۱۹۳۳ بنا به دعوت محمد نادر شاه به افغانستان رفت و در باز گشت مثنوی (مسافر) را سرود که حاوی قسمتی از شرح مسافرت وی به افغانستان و راهنمائیهای مفید به ملت افغانستان در راه پیشرفت و همچنین پند واندرز به پادشاه آن کشور می باشد که در سال ۱۹۳٤ به چاپ رسیده است ، هدف اصلی دعوت از اقبال مشاوره با وی برای تجدید سازمان دانشگاه کابل بود و وی درین سفر از شهرهای قندهار و غزنین نیز دیدن کرد و در غزنین بود که موفق بزیارت مزار مرشدش حکیم سنائی شد . نگاه کنید به صفحه های ۱۶۹ و ۱۷۵ فارسی گویان پاکستان از دکتر سید سبط حسن رضوی ، چاپ مرکز تحقیقات فارسی ایران، و پاکستان .

۳- علی شریعتی همان کتاب ، صفحه ۳

مسلمین و جامعهٔ اسلامی است . و بینش جهانی و جهان بینی اسلام فراموش گشته است و وحدتیکه اسلام براساس یک طرز تفکر جهانی که در هیچ قومیت خاصی و در سر زمین خاصی محدود نمی شود ، بنیان گذاشته بود ، تجزیه گردیده و متأسفانه ، مسلمین به دورهٔ انزوا و در خود فرورفتن بازگشته و در چهار چوبهای محدودی از سنت و تاریخ و عناصر مخلوطی از مذاهب گونا گون جاهلی و افکار غیر اسلامی و عقاید مسخ شده از اسلام ، محصور و محبوس مانده اند ، اما امروز ، امثال این برنامه نشان می دهد که روشنفکران جامعهٔ اسلامی از جمله در ایران به مرحله ای رسیده اند که چهار چوبهای محدودیرا که زمان بر گرد پیکر بزرگ انسانی و فکری آنها کشیده بود بشکنند .

و این جواب دندان شکنی است به آن گروه که می گویند این رهبران اسلام طرفدار رکود و سکون اند و با پیشرفت و تکامل مخالف . . . جوهر پیام اقبال چیست ؟ تصور می کنم که این دو بیت بخوبی پیام اقبال را دست کم درین مورد که مورد بحث ما است می رساند :

علم تا سوزی نگیرد از حیات   دل نگیرد لذتی از وارادت
علم اگر کج فطرت وبدگوهر است   پیش چشم ما حجاب اکبر است[1]

پیام اقبال فرورفتن در خود ، انکشاف در وجود خود ، در تمدن ، در آئین و کیش خود و در اجتماع ملت خود است ، از خود شروع کنید و خود را از پایه و اساس با مصالح خودی بسازید و آنگاه به مصالح و لوازم درجه دوم برای این دوباره سازی و تزئین روی آورید ، همانند سید جمال الدین ، اقبال نیز معتقد بود که مسلمانان باید قرآن را بشناسند و از قرآن برای زندگی بهتر کسب فیض کنند و پس ازآن بسراغ دیگر آثار مهم ، قوانین و اساطیر غیر اسلامی بروند . حال که بحث به قرآن شناسی رسید باید یادی از یک رهبر بزرگ اسلام شیخ محمد عبده نیز بکنیم که در راه بهره مندی همه جانبه از قرآن و گرایش مسلمانان به قرآن شناسی نقش مهم و موثری داشت . وی مبتکر این فکر بود و در مصر که یکی از بزرگترین مراکز تفکر اسلامی ، یعنی الازهر استقرار داشت نهضت خود را بنیان نهاد . محمد عبده در حالیکه همه علمای اسلامی برضدش بودند اعلام کرد که فعلا همه رشته های علوم قدیمه را رها کنید و فقط و فقط به تفسیر آگاهانه قرآن و شناساندن قرآن به مردم مشغول شوید .

دکتر شریعتی که این مطلب را از کتاب وی اقتباس کرده ایم در تعقیب آن می نویسد[2] :

۱- علامه اقبال جاوید نامه   ۲- علی شریعتی، همان کتاب، ص ۵۶ و ۵۷

. . . وگرنه قرآن چنانکه هنوز درمیان ما معمول است ، برای خواندن و نهاندن نیست ، معنی آن برما پوشیده است .

آیا قرآن برای استخاره است یا برای اسباب کشی و تبرک و توسل و جلوگیری از چشم زخم و حفظ پستانهای گاو شیرده و شگون مجلس عقد و عروسی و بازوبند و بند قنداق بچه ها ؟

و یا در حوزه های علمیه ، برای جستن یک حکم فقهی و یا توجیه یا روایت اختلاف و یا یافتن صنایع بدیعی و مثالی برای درس معانی و بیان و بدیع ؟

این قرآن باز شد و این جامعه ها و این مدارس را کد و درهای غبار گرفتهٔ مدارس قدیمه گشوده شد و بطرف گرائیدن و اندیشیدن و مسئولیت و آگاهی اجتماعی و سیاسی و خود آگاهی انسانی و جهت گیری و راه یابی ، تکان خورد .!

حرفهای تازه ، شعارهای تازه آمدهٔ «جامعه علمای اسلامی» بلا فاصله بعد از «نهضت باز گشت بقرآن» تشکیل میشود ، بدست محمد عبده که یکی از بیدار شدگان اندیشمند نهضت فکری سید جمال است».

بدون شک بیداری ملت های مسلمان بیش از هر چیز مرهون توجه به همین قرآن شناسی و خود گرائی ملی و دینی است .

در اواخر قرن نوزدهم میلادی ، در همان عصری که محمد عبده آن نهضت قرآن شناسی را در مصربپی افکند ، نهضتی که موجب بیداری ملت های مسلمان شمال افریقا و آسیای غربی شد ، در ایران نیزیک گام مهم برداشته شد ، گامی که در راه آزادی ملل مشرق از مسلمان و غیر مسلمان بسیار مهم و پرارزش بود . . . با فتوای میرزا حسن شیرازی در باب تحریم تنباکو ، ملل مشرق به اهمیت همبستگی های خود و جهان باهمیت قدرت پیشوایان مسلمانان پی بردند ، متن فتوای آیت‌اله شیرازی این بود ; (از الان استعمال تنباکو به هر شکل که باشد در حکم محاربه با امام زمان است) فتوا آنقدر مؤثر بود که مردم به هر کاری که به نحوی با توتون و تنباکو ارتباط داشت دست نمی زدند و حتی در خانه شاه در خانه شاهزاده کامران میرزا نایب السلطنه و وزیر جنگ ، کسی قلیان برای شاه و نایب چاق نمی کرد . . .

اقبال گفت :

فارغ از خوف و غم و وسواس باش   پخته مثل سنگ شو الماس باش[1]

۱- علامه اقبال ، اسرار خودی

و حتیٰ مرگ را به زندگی بدون تحرک و انتظار ترجیح می داد و می گفت :

در جهان نتوان اگر مردانه زیست
همچو مردان جان سپردن زندگیست[1]

امروز نه محمد اقبال درمیان ماست و نه علی شریعتی هر دو مرده اند ، اما جوهر تفکرات عالمانه این دو مرد ، دو مردی که با حقیقت زندگی کردند و با واقع گرائی مردند ، هم اکنون در سراسر محیط معنوی سرزمینهای اسلامی آسیا سایه افکنده است و ما مردم ایران در راه استحصال آزادی ، خود را بسیار مرهون تفکرات اقبال می‌دانیم. اقبال که به فارسی شعر گفت ، اسلامی فکر کرد و مشرقی زیست و با مظاهر تمدن مغربی نیز در ستیزه و جنگ نبود ، مرحوم شریعتی هنگام معرفی وی می نویسد[2] :

«مردیکه هم بیداری سیاسی زمان را در اوج خود داشت «بطوریکه بعضی او را فقط یک چهرهٔ سیاسی و یک رهبر آزادی ملی و ضد استعماری در قرن بیستم میدانند» وهم در اندیشیدن فلسفی و علمی بپایه‌ای بود که در غرب امروز او را یک متفکر و فیلسوف معاصر می دانند ، در ردیف «برگسون» و در تاریخ اسلام در ردیف «غزالی» ، در عین حال مردیکه ما او را بعنوان یک مصلح جامعهٔ اسلامی می دانیم و می نامیم که بوضع جامعهٔ بشری و اسلامی و جامعه ای که خودش در آن زندگی می کند می اندیشد وبرای نجات و بیداری و آزادیش جهاد می کند و نه تنها بصورت تفننی و علمی و بقول سارتر ، بشکل تظاهرات روشنفکرانهٔ چپ نماهای سیاسی ، بلکه بصورت یک آدم متعهد و ملتزم نگاه می‌کند وکار می‌کند و تلاش می کند و در عین حال عاشق مولوی هم هست وبا معراجهای روحانی او همسفر و از آتش عاشقی و درد و اضطرابهای روحی ، داغ ، سوخته و گداخته .

اما بزرگ مردیکه یک بعدی نشده ، تجزیه نشده ، مسلمانیکه یک جنبه ای و یک جانبه نشده ، یعنی مسلمان تمام ، اگر به مولوی هم عشق می ورزد هیچ وقت در او محو نمی شود ، به یک پهلو کج نمی شود .

اقبال رفت به اروپا و بعنوان یک فیلسوف در اروپا تجلی کرد و مکتبهای فلسفی اروپا را شناخت و شناساند و همه اقرار کردند که یک فیلسوف قرن بیستم است اما تسلیم غرب نشد ، غرب را تسخیر کرد ، و با یک اندیشهٔ انتقادی و یک قدرت انتخاب در قرن بیستم و در تمدن غربی زیست».

۱- علامه اقبال ، اسرار خودی

۲- علی شریعتی ، همان کتاب ، ص ۱۶ و ۱۷

شریعتی معتقد است که بر مبنای اندیشه های اقبال انسان ، بشریت اعتلا یافته ، باید دلی چون عیسی ، اندیشه‌ای چون سقراط و دستی مانند قیصر داشته باشد و این تجسم خود اقبال ، شخصیت خود او ست .

سخن را با چند عبارت دیگر علی شریعتی به پایان می رسانم[1] :

اقبال می‌گوید زمانه یعنی سرنوشت و سرگذشت انسان ، زندگی انسان ، خود انسان (موج) است یک (ساحل افتاده) نیست و وجودش و بودنش در حرکت کردن است .

و این در موقعی است که شریعتی از اقبال صوفی سخن می گوید صوفی که بجای زمانه با تو نسازد تو با زمانه بساز ، معتقد بود ، زمانه با تو نسازد تو با زمانه ستیز ! انسان در عرفان اقبال که نه تصوف هندی است و نه فاناتیسم مذهبی بلکه (عرفان قرآنی) است زمان را باید عوض کند .

۱- علی شریعتی ، همان کتاب ص ، ۱۷

ڈاکٹر سید عبداللہ*

ترک عالم طاش کبری زادہ کے تعلیمی تصورات

طریقہ: تعلیم کی تاریخ میں دو ترک عالموں کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔ ان میں ایک اہم شخصیت حاجی خلیفہ (صاحب کشف الظنون) کی ہے جن کی اصل حیثیت ایک فہرست ساز عالم کی ہے، دوسرے اہم شخص طاش کبری زادہ ترک مصنف ہیں ۔ طاش کبری زادہ (م ۹۶۸ھ/۱۵۶۱ء) کی کتاب مفتاح السعادۃ و مصباح السیادۃ علوم اسلامی کی تاریخ ہے جس کے مقدمے میں تعلیم و تعلم کے اصولوں اور طریقوں کا فاضلانہ و ماہرانہ تجزیہ کیا گیا ہے ۔ طاش کبری زادہ کے مختصر حالات زندگی یہ ہیں :

احمد بن مصطفیٰ بن خلیل، ابوالخیر عصام الدین المعروف بہ طاش کبری زادہ، مشہور مؤرخ اور سوانح نویس ۹۰۱ھ/۱۴۹۵ء کو برسہ میں پیدا ہوا ۔ ابتدائی تعلیم انقرہ اور برسہ میں اپنے والد کی نگرانی میں حاصل کی پھر استانبول میں تحصیل علوم کی۔ دیمتوقہ سے ۹۳۱ھ/۱۵۲۵ء میں تدریس کا آغاز کیا ۔ ۹۳۳ھ/۱۵۲۶ء میں وہ استانبول پھر ۹۳۶ھ/۱۵۳۰ء میں اسکوب چلے گئے ۔ پانچ سال بعد وہ دوبارہ مدرس ہو کر استانبول آئے ۔ ۹۴۵ھ/۱۵۳۹ء کو ان کا تبادلہ ادرنہ میں ہو گیا لیکن اس سال نگران کی حیثیت سے دوبارہ استانبول آ گئے ۔ کچھ عرصہ ادرنہ میں بطور مدرس کام کیا بعد ازاں برسہ کے قاضی بنائے گئے۔ لیکن جلد ہی دوبارہ مدرس کے عہدے پر واپس آ گئے۔ ۹۵۸ھ/۱۵۵۱ء کو وہ استانبول کے قاضی بنائے گئے۔ انہوں نے رجب ۹۶۸ھ/اپریل ۱۵۶۱ء کو وفات پائی اور مسجد خانقاہ عاشق پاشا میں مدفون ہوئے۔ انہوں نے عربی زبان میں علوم و فنون کی ایک قاموس لکھی (مفتاح السعادۃ) جس کا ان کے بیٹے کمال الدین محمد نے ترکی زبان میں ترجمہ کیا۔ یہ کتاب استانبول میں موضوعات العلوم کے نام ۱۳۱۲ء میں طبع ہو چکی ہے۔ ان کی دوسری تصانیف میں سب سے اہم ان کی کتاب الشقائق النعمانیہ ہے جس میں پانچ سو بائیس علماء اور مشائخ طریقت کے سوانح درج ہیں۔ اس کتاب کو دس عثمانی سلاطین (عثمان تا سلیمان) کے ادوار حکومت کے مطابق دس طبقات میں تقسیم کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۹۶۵ھ/۱۵۵۸ء میں مکمل ہوئی اور

---

*پروفیسر ایمریطس و صدر اردو دائرۂ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی ۔

اس دور کے فکری ارتقاء کی تاریخ کا سب سے بڑا ماخذ ہے ۔ اصل کتاب عربی میں تھی ترکی ترجمہ کئی بار طبع ہوا ۔

مصنف کی ایک اور شاہکار کتاب علوم و فنون کی قاموس مفتاح السعادۃ و مصباح السیادہ ہے ۔ یہ کتاب تین جلدوں میں ہے ۔ جلد اول ۵۵۴ ، جلد دوم ۶۲۹ جلد سوم ۴۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ پہلی دو جلدوں میں علوم ظاہریہ کا بیان ہے اور آخری جلد میں باطنیہ کا ذکر ہے، پہلے دو حصوں میں ۳۱۶ ظاہری علوم کا تذکرہ ہے۔ ان میں دینی و غیر دینی ، نقلی اور عقلی ہر طرح کے علوم شامل ہیں ۔ مصنف نے ہر علم کے بیان کے ساتھ ہر جگہ یہ التزام کیا ہے کہ اس علم سے متعلق بنیادی معلومات درج کی جائیں مثلاً یہ کہ اس علم کے ماہرین کون کون سے گزرے ہیں اور اس علم میں کون کون سی کتب تصنیف کی گئیں ۔ اس طرح بعض اوقات ایک علم کی تفصیل میں کئی کئی صفحات مسلسل لکھے گئے ہیں ۔ اس اسلوب بیان سے قاری پوری طرح مستفید ہوتا ہے ۔ جلد سوم میں علوم باطنیہ کا تذکرہ ہے جس سے چار شعبے : عبادات ، عادات ، مہلکات ، منجیات کیے گئے اور ہر ایک کے تحت بہت سی معلومات درج کی ہیں ۔ اس طرح یہ کتاب علوم و فنون کی ایک مبسوط روداد ہے ۔

مفتاح السعادۃ میں علم ، ـــــ تعلیم اور تعلم کے جو اصول بیان ہوئے ہیں اس مقالے میں ان کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے ۔ طاش کپری زادہ کے نزدیک تمام علوم اسلامی کا منبع قرآن مجید ہے ۔

تمہید کے بعد فضیلۃ العلم بیان کی ہے اور اس کے فوراً بعد فضیلۃ التعلم اور فضیلۃ التعلیم کی بحث کرتے ہوئے نقلی و عقلی دلائل دیے ہیں۔ علم کے دینی و دنیوی فوائد بیان کیے ہیں ۔ تعلم کی فضیلۃ کے بارے میں آیات قرآنی ، آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی احادیث اور صحابہ و اکابر دیگر کے اقوال نقل کیے ہیں جو اور کتابوں میں بھی مل سکتے ہیں ۔ اس طرح تعلیم کی فضیلت کا بیان ہے اور آیات قرآنی ، احادیث اور آثار صحابہ نقل کیے ہیں ۔ (مفتاح السعادۃ ، ج ۱ ، ص ۹ و ۱۰ ، طبع حیدر آباد دکن) لیکن یہ بحثیں رسمی ہیں اور تقریباً ہر تعلیمی کتاب میں مل جاتی ہیں ۔ ہمارے لیے مفتاح کے اہم مباحث وہ ہیں جن کا تعلق ان کے اپنے زمانے کے نظریات و تجربات تعلیمی سے ہے ۔ طاش کپری زادہ جس دور میں علوم اور تعلیم کی تاریخ لکھ رہے ہیں وہ منظم مدارس کا دور اور روایات تعلیمی کے شباب کا زمانہ ہے ۔ لیکن روایت کی عام باتیں بھی اس کتاب کے مقدمے میں موجود ہیں مثلاً مصنف نے لکھا ہے کہ متعلم بننے کے لیے کئی اوصاف و شرائط ضروری ہیں ۔ ایک شرط یہ ہے

کہ متعلم ایسے درجۂ عمر میں ہو جس میں تحصیل قدرتی طور سے آسان ہوتی ہے -
یہ لڑکپن اور شباب کا زمانہ ہے۔ اس میں طالب العلم فارغ القلب اور امور معاش کی
الجھنوں سے آزاد ہوتا ہے ، اسے صحیح المزاج ہونا چاہیے تاکہ سچی لگن سے علم
حاصل کر سکے ، اور کسی اور شے کو علم پر ترجیح نہ دے - طاش کپری زادہ کا
یہ نکتہ دراصل درجۂ عمر کی نفسیاتی حقیقتوں اور بچوں کے احوال نفس سے متعلق ہے۔
مصنف نے بچوں کی ذہنی ساخت اور میلانات اوائل عمر کا خاص خیال رکھا ہے
اور اس درجے کو اخلاق کردار کی تعمیر کا دور اول کہا ہے - طاش کپری زادہ کے
نزدیک تعلیم کا ایک مقصد تعمیر کردار ہے -

اس کے نزدیک متعلم کی اخلاقیت مکمل ہونی چاہیے تاکہ وہ سچائی کی فضیلت
حاصل کر سکے مکروریا سے پاک ہو جائے ، طبیعت میں خلوص اور انصاف آ جائے اور
دین دار بن جائے - لالچی نہ ہو ، کج خلق نہ ہو ، رحم دل ہو ، ڈرپوک نہ ہو اور
زرالدوزی کی عادت سے پاک رہے -

طاش کپری زادہ نے بعض دوسرے ماہرین تعلیم کی طرح متعلم کے لازمی اوصاف
بھی بیان کیے ہیں - لیکن اس کے بیان میں دو نکتے ایسے ہیں جو قابل توجہ ہیں :

ایک تو یہ نکتہ کہ متعلم کو زندگی اور تعلیم کے اپنے زمانے کے مروجہ طور
طریقوں کو اپنانا چاہیے تاکہ اس کی تعلیم اپنے زمانے کے مزاج اور ضرورتوں کو
سمجھنے اور سمجھانے میں مددگار ثابت ہو - مصنف کے الفاظ یہ ہیں :

"ویوافق للجمهور فی الرسم والعادات المستعملة عند اهل الزمان"

مصنف نے اس نکتے کی وضاحت نہیں کی لیکن زندگی اور تعلیم میں وقت اور
زمانے کے مزاج کو سمجھنے کا اصول واضح ہے - ہمارے معاصر ماہرین تعلیم کو
بھی اس اصول پر خاص توجہ کرنی چاہیے اور تعلیم میں دینی ذہن کو پختہ کر دینے
کے بعد ، تعلیمی رسوم و عادات مستعملہ وقت کو اپنانا چاہیے -

طاش کپری زادہ کا دوسرا نکتہ مقصد تعلیم سے متعلق ہے :

مصنف کہتا ہے کہ طالب علم کو (قدرتی طور پر عام زندگی میں نیز مراحل
تحصیل علم میں) موت سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ یہ تعلیمی اور علمی تجربوں میں ثابت قدمی
اولوالعزمی کا سبق ہے - دراصل یہ تلقین بچوں میں Initiative پیدا کرنے اور
Adventure کی ترغیب کے لیے ہے - الزرنوجی نے بھی کہا تھا کہ تعلیم روپیہ
جمع کرنے کے لیے نہ ہو بلکہ برائے علم ہو - طاش کپری زادہ نے بھی یہی
لکھا ہے :

"لا جامعاً للمال الا بقدر الحاجة فان الاشتغال بطلب الاسباب المعیشیة مانع عن
التعلم" -

مصنف نے وظائف تعلیم میں تزکیہ نفس پر بہت زور دیا ہے ۔ اس کے نزدیک تعلیم ایسی ہونی چاہیے جس سے قلوب کی تطہیر ہوتی ہو۔ خیر یہ بات اسلامی تعلیمی ادب میں عام ہے لیکن طاش کبری زادہ نے ایک اور اہم نکتے کا اضافہ کیا ہے جو قابل غور ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی متعلم کو تعلیم میں داخل کرنے سے پہلے اس کا تجزیہ نفس ہونا چاہیے ۔ اور یہ اس امر کے لیے کہ اپنی نفسی حالت کے اعتبار سے، متعلم تعلیم کے قابل ہے بھی یا نہیں ۔ طاش کبری زادہ کے نزدیک یہ امتحان اس غرض سے ہونا چاہیے کہ غیر صحت مند بچہ تعلیم سے مسلح ہو کر کہیں مزید موجب فساد نہ بن جائے (بان العلم یصیر آلۃ یستعین بھا فی الفساد) ۔ تعلیم میں متعلم کا باطنی (نفسیاتی) امتحان خاص الخاص نکتہ ہے اور ایک لحاظ سے جدید نفسیاتی تحلیل کے قریب معلوم ہوتا ہے ۔ مصنف نے تجزیہ نفس کی ایک صورت یہ بتائی ہے (اور یہ شخصیت کے موروثی اثرات کے اصول پر مبنی ہے) کہ متعلم کے انتخاب کے وقت یہ بھی دیکھا جائے کہ وہ ''اولاد السفلہ'' (کمینے لوگوں کی اولاد) تو نہیں ۔ اور وجہ یہ بتائی ہے کہ جب ایسا شخص پڑھ جائے گا تو موروثی جبلت کے تحت شرفاء کے خلاف زبان درازی کرے گا اور موروثی باطنی تعصب کی بنا پر اچھے لوگوں کی پگڑی اچھالے گا ۔

فاضل مصنف کی یہ بات قدرے درست بھی ہے اور مغرب میں آج کل بھی مخفی پیرائے میں اس قسم کے امتحان پر عمل ہوتا ہے — لیکن اس نقطہ نظر پر اعتراض یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد ہی یہ ہے کہ تہذیب اخلاق کرے ، دلوں کی کدورتیں دور ہوں ۔ بنابریں سفلگان کے مہذب بن جانے کا بھی امکان ہے الا یہ کہ ہم اس خیال پر اصرار کریں کہ موروثی جبلتیں کبھی تبدیل نہیں ہوتیں ۔

مصنف نے قدرتی طور پر تعلیم میں اخلاص (یعنی حصول علم برائے رضائے الٰہی اور برائے علم) پر زور دیا ہے اور کہا ہے :

''التعلم لغیر اللہ حرام باطل و طلب العلم لا للعمل بہ ضائع (ج ۱ ، ص ۱۴)

اب ظاہر ہے کہ عمل کے ایک معنی ہیں دینی اخلاقیت پر عمل ، مگر دوسرے معنی بھی ہیں کہ اس سے زندگی کے تجربے میں صحیح کام لیا جائے ، طاش کبری زادہ کے نزدیک تعلم کا ایک وظیفہ تقلید العلائق الدنیویہ ہے ۔ لیکن مصنف نے جس حد تک اس پر زور دیا ہے مادیاتی نقطہ نظر والے لوگ شاید اسے ناقابل عمل خیال کریں گے لیکن مسلم کلچر میں دنیوی تمتعات میں زیادہ انہماک سے اجتناب دراصل اس معاشی و معاشرتی فلسفے کی وجہ سے ہے کہ ہر انسان کو اپنی ضرورتیں اس لیے کم رکھنی چاہیے کہ وسائل ارضی سے دوسرے انسان بھی برابر کا فائدہ اٹھائیں ۔ قدیم زمانے میں اکثر اہل علم یکسوئی اور بے نیازی اختیار کرتے تھے تاکہ ان کے متعلمین

میں قربانی کا جذبہ اور ان میں بعید مسافتوں کو طے کرنے کی خطر طلبی اور حوصلہ پیدا ہو۔ یہ شاید اس قسم کی تلقینات کا نتیجہ تھا کہ طالب علم کے لیے مشرق سے مغرب تک کا سفر کرنا مشکل نہ تھا حالانکہ سفر کی سہولتیں بہت کم تھیں۔

تعلم میں ترک الکسل (سستی و بے دلی) پر مصنف نے بہت زور دیا ہے اور تعلم الی آخر الامر کی تائید میں مشہور قول نقل کیا ہے، من المھد الی اللحد (یعنی آدمی کو ہمیشہ سیکھتے رہنا چاہیے)۔ مصنف نے صحیح استاد کے انتخاب کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ معلم کے ہر حکم کی تعمیل متعلم کے آداب میں شامل ہے۔ استاد کا احترام اس حد تک فرض ہے کہ جب شاگرد استاد سے ملنے جائے تو دروازہ نہ کھٹکھٹائے، بلکہ انتظار کرے کہ وہ خود کب نکلتا ہے۔ تعلیم کے لیے خیر خواہ اور مشفق استاد کا انتخاب کرنا لازم ہے۔ یہ بحث دراصل استاد کے منصب کے متعلق ہے۔ مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ متعلم کتاب پر اور اپنے حافظے اور ذہانت پر اعتبار نہ کرے بلکہ سوال کرے اور بحث سے صحیح مطالب تک پہنچے۔ حضرت علی کا قول ہے العلم قفل و مفتاحہ السوال۔

یہ بڑا قیمتی اصول ہے۔ اس سے آج کل کی زبان میں سیمینار اور ٹیوٹوریل کا تصور پیدا ہوتا ہے جس پر ابن جماعہ اور ابن خلدون نے بھی بڑا زور دیا ہے۔

متعلم کے آداب میں یہ بھی شامل ہے کہ استاد کی لغزشوں پر اس کو سختی سے نہ ٹوکے، اسے معاف کر دے یا تاویل کرے۔ استاد کے آگے نہ چلے، پیچھے چلے۔ کلام و گفتگو میں پہل نہ کرے لیکن اگر استاد کا حکم ہو تو پھر ٹھیک ہے۔ استاد کے سامنے زیادہ باتیں نہ کرے اور اسی طرح خود کتاب کی توقیر لازم ہے۔ نیز ایسا کوئی سوال نہ کرے جو استاد کو ملول کر دے۔ اس کے علاوہ اس کی اولاد کی توقیر کرے۔

یہ تھا تعلیم کا وہ ماحول جس میں علم ایک الوہی عطیہ بن گیا تھا۔ طاش کبری زادہ نے مضامین (فنون) کے انتخاب کے بارے میں یہ لکھا ہے کہ متعلم کو ایک خاص درجے تک جملہ متجانس علوم بیک وقت پڑھنے چاہئیں (جیسا کہ آج کل Integrated مرکب کورسوں کا تصور ہے)، کیونکہ بقول مصنف:

"فان العلوم کلھا متعاونة مرتبطة بعضھا ببعض" (وہی کتاب، ج ۱ ص ۴۳)

البتہ بعد میں چاہے تو تبحر (تخصص Specialisation) کسی ایک فن میں پیدا کر لے۔

مصنف کی رائے میں جو علم بھی سیکھا جا سکتا ہو سیکھنا چاہیے۔ کسی علم کو حقیر نہ سمجھنا چاہیے۔

"ایاک ثم ایاک ان تستھین بشیء من العلوم" (ایضاً ص ۲۳)

غزالی کی رائے کے برعکس ہمارا یہ مصنف علم مذموم کے تصور سے جزوی اختلاف کرتا ہے (جزوی اس لیے کہ آگے چل کر خود بھی فلسفہ خلاف الشرع وغیرہ کو مذموم کہتا ہے) - بہرحال علی الاطلاق اس کی رائے یہ ہے :

"ان العلوم و ان کان مذموماً فی نفسہ فلا تخلو تحصیلہ عن فائدۃ" (ایضاً، ص ۲۵)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ امام غزالی نے جن علوم کو مذموم کہا ہے ، ان کی مذمت کی بنا درست ہے کیونکہ بعض علم واقعی غیر مفید ہوتے ہیں ، ان کے بجائے متعلم مفید علوم کیوں نہ پڑھے - بعض مذموم علوم ایسے ہیں جو زندگی میں یقین کے بجائے شک پیدا کرتے ہیں ، اس سے بے عملی پیدا ہوتی ہے اور خدا کے یقین اور ایمان کو گزند پہنچتا ہے — تاہم یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جب تک کچھ لوگ ان علوم کو پڑھیں گے نہیں ان کی کمزوریوں سے باخبر کیسے ہوں گے ؟ لیکن عمومی طور سے ان کی حوصلہ شکنی ہی صحیح طریق کار ہے -

طاش کبری زادہ کا خیال ہے کہ علوم کے ہر سلسلے میں ایک فطری ترتیب ہوتی ہے - متعلم کا فرض ہے کہ قدرتی ترتیب یعنی سہل سے پیچیدہ و مشکل کی طرف بڑھے یا مختلف علوم میں اہم کی طرف پہلے توجہ کرے ، غیر اہم کی طرف بعد میں - تدریج سے کام لے اور ترتیب کے بارے میں استاد کی رائے پر عمل کرے -

کبری زادہ کی رائے میں اہم علوم وہ ہیں جو معرفت ایزدی پیدا کریں اور دینی فوز و فلاح اور سعادت کے حصول کا ذریعہ بنیں - یقین و ایمان کو قوی کریں اور تشکیک اور بے عملی کا ازالہ کریں - مصنف کی رائے میں حکمت و فلسفہ کا ایک حصہ بالکل مناسب ہے، بشرطیکہ اس کے ذریعے شریعت کی تائید مقصود ہو اور عملی مقاصد زندگی میں معاون ثابت ہو - ورنہ علوم حکمیہ فکریہ تشکیک پیدا کرتے ہیں -

علم مذاکرہ و مناظرہ کے بارے میں رائے یہ ہے کہ یہ اگر مشاورت (تحقیق حق) کے لیے ہو تو مضایقہ نہیں بلکہ ضروری ہے، لیکن اگر مفاخرہ اور تعصب انگیزی کے لیے ہے تو مکروہ ہے -

طاش کبری زادہ کے نزدیک علم و تعلیم کی غایت معرفت الٰہی ہے جو غایت الغایات ہے ، اور "رئیس جمیع السعادات" اور سبب فوز و نجات ہے ، نہ کہ وجہ تفاخر و تعلی - لہٰذا متعلم کو علم کے شرف اور غایت کا واضح تصور ہونا چاہیے - مصنف کی ایک ہدایت متعلم کے لیے یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ چھوڑو -

اب رہے معلم کے اوصاف و فرائض تو وہ مصنف کے نزدیک یہ ...

اول : معلم اس یقین کے ساتھ تدریس کا آغاز کرے کہ وہ فرض لوجہ اللہ تعالیٰ انجام دے رہا ہے۔ شہرت اور زر طلبی کے لیے نہیں کر رہا بلکہ ہدایت خلق اللہ اس کا مقصود ہے۔

دوم : معلم متعلم کو اپنا فرزند سمجھے اور تربیت میں مشفقانہ انداز اختیار کرے ، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ متعلم بھی معلم کو بمنزلہ باپ کے سمجھے گا اور فرماں برداری کرے گا۔

سوم : جاہ و منصب کا طلب‌گار نہ ہو۔

چہارم : متعلم کی تربیت میں جہاں سختی کی ضرورت ہو وہاں سختی کرے ، لیکن جہاں شفقت کی ضرورت ہو وہاں شفقت کرے اور یہ سب کچھ بطور خیر خواہی کرے۔

پنجم : طاش کبری زادہ نے زجر کے بارے میں بڑا قیمتی اصول بیان کیا ہے :

"ان یزجر عما یجب الزجر عنہ بالتعریض لا بالتصریح"

یعنی زجر (سختی ، جھڑکی) کھلے انداز میں نہ ہو . . . اشارے اور تعریض سے ہو اور حکمت اس کی یہ بیان کی ہے کہ الناس حریص علی ما منع بہ (جس چیز سے روکا جائے انسانی طبیعت میں اس کی طرف رغبت اور زیادہ ہو جاتی ہے)۔ اس نکتے کو آج کل تعلیمی تجربے میں بھی بہت اہمیت دی جاتی ہے۔

ششم : ایک اصول یہ بتایا ہے کہ :

ان یبدأ فی التعلم ما یھم المتعلم فی الحال اما فی معاشہ او فی معادہ یعنی تعلیم میں مفیدیت و اہمیت کا خاص خیال رکھے ، بے مقصد تعلیم سے اجتناب کرے۔ اس کے علاوہ موافق طبیعت (صلاحیت کے مطابق) مضامین کا انتخاب کرے (ویعین لہ مایلیق بطبعہ من العلوم ان کل میسر لما خلق لہ)

یہ ہیں خیالات طاش کبری زادہ کے ، طریق تعلیم کے بارے میں — ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اب حالات کی تبدیلی کے باعث محض نظری و تاریخی حیثیت رکھتے ہیں لیکن ان میں سے بعض آج بھی بے حد قیمتی ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ مسلم اقوام میں سے ، ترکان اہل عثمان کے دور میں ، عظیم تنظیمات کا ایک بہت بڑا سلسلہ نظر آتا ہے۔ ان میں علمی تعلیمی تنظیمات بھی اہمیت رکھتی ہیں لیکن اس کا صحیح اندازہ تبھی ہو سکتا ہے کہ ہم عہد اسلامی کی پوری ثقافتی و تعلیمی تاریخ پر جامع اور مربوط نظر ڈالیں۔

كتاب المذكر و المؤنث

(متن)

قال ابو العباس : لذكر من الاسماء مؤنثها و مذكرها و ما تدخل عليها من المذكر من علامات التانيث لقلة ، نشرح ان شاء الله ، و ما تحتمل من الاسماء ان يكون مؤنثا و مذكرا[1] و ماله من المؤنث علامة و ما لا علامة فيه و بالله الحول و القوة.[2]

اعلم ان علامة التانيث[3] تكون على لفظين فاحد اللفظين التاء[4] التى تبدل فيها فى الوقف هاء و هى تدخل على كل نعت تجرى على فعله ، لايؤنث الا بها[5] و ذلک قولک

١- المذكر ما خلى من العلامات الثلاث : التاء والالف و الياء فى نحو اغرفة ، و ارض و حبلى و صحراء و هذى و المؤنث ما وجدت فيه احداهن. راجع شرح المفصل ٥ : ٨٨. انما قال "تاء" و لم يقل هاء ، لان مذهب البصرين ان التاء هى الاصل، و الهاء المبدلة فى الوقف فرعها. انظر شرح الايضة ٤ : ٢٩٩.

٢- راجع ابن الانبارى.

٣- اعلم ان للمؤنث خمس عشره علامة ثمان منها فى الاسماء و اربع فى الافعال و ثلاث فى الادوات. فاما اللاتى فى الاسماء فالالف المقصورة الممالة الى الياء كقولک ليلى و سلمى و سعدى. و الالف الممدودة كقولک حمراء و صفراء و السراء و الضراء و التاء كقولک اخت و بنت ـ و الهاء كقولک طلحة و حمزة و قائمة و قاعدة و الالف و التاء فى الجمع كقولک المسلمات و الصالحات . . . و النون كقولک هن و انتن و الكسرة كقولک انت و الياء كقولک هذى. [ابن الانبارى ١٥]

ثم ان التانيث ينقسم الى مؤنث حقيقى و غير حقيقى. "فالحقيقى هو ماكان بازائه ذكر نحو امرأة و رجل و ناقه و جمل و عير و أتان و رخل و حمل و عناق و جدى و اما غير الحقيقى فما لحق اللفظ فقط و لم يكن تحته معنى و ذلک نحو البشرى و الذكرى و طرفاء و صحراء و غرفه و ظلمة و قدر و شمس فتانيث هذه الاشياء تانيث لفظ لاتانيث حقيقة. [المخصص ٥ : ٧٩-٨٠]

٤. التاء التى تبدل فى الوقف هاء اظهر دلالة من الالف ، لانها لاتلتبس بغيرها. [شرح الالفية ٤ : ٢٩٨]

٥. و اكثر ما تقع بها التفرقة فى الصفات ، و المقصود من هذه التاء تميز المؤنث من المذكر. [تعريف الاسماء ١٤٢]

فی قائم و قاعد و مفطر و صائم و کریم و جواد و منطق و مقتدر ، اذا اردت التانیث قلت قائمة و قاعدة و مفطرة و صائمة[1] و مالم نسمه فهذا بابه و جمیع هذا نعت[2] لامحالة و هو ما ذکرت لک انه ماخوذ من الفعل.[3]

فاما ما کان من غیر الفعل[4] جائز ان یکون مؤنثه من غیر لفظ مذکره و ذلک قولک اتان و حمار و جدی و عناق و[5] رخل الانثی من اولاد الضان و حمل فقد صار هذا المؤنث بمخالفته المذکر معروفا[6] یغنی عن العلامة. و من قال رجل و امراة و هو المستعمل فهو من ذلک[7] و لکنهم قد یقولون : امراة و المذکر امرء فاعلم. و کذلک

۱- یعنی تلحق بها هذه الهاء فرقا بین مذکر الصفة و مؤنثها. و هذا هو الغالب فیها.

۲- الحاصل ان نعوت المؤنث لاتخرج عن الاقسام الاتیة :

(۱) ان یکون النعت ماخوذا من الفعل و المذکر و المؤنث مشترکان فیه ، فتدخل الهاء فی المؤنث للفرق وذلک مثل قائم وقائمة و ماشابهته ممن کان علی وزن فاعل.

(۲) ان یکون النعت منفردة بالانثی فلا یدخله الهاء کقولک امراة حائض و طالق و طامث و ذلک لان المذکر لاحظ له فی هذه الصفات.

(۳) ان یکون النعت غیر مبنی علی الفعل فلا تدخله الهاء فیکون المذکر و المؤنث فیه سواء و ذلک ماکان علی وزن فعول او مفعیل مثل رجل صبور و امراة صبور و رجل معطیر و امراة معطیر.

(۴) ان یکون النعت ماخوذا من مفعول و کان علی وزن فعیل فیستوی فیه المذکر و المؤنث مثل کف خضیب و عین کحیل و لحیة دهین. الاصل فیه کف مخضوبة و لحیة مدهونه. فلما عدل عن مفعول الی فعیل لم تدخله الهاء لیکون ذلک فرقاً و بینه و بین ما الفعل له کقولک امراة کریمة و ادیبة و ظریفة [ابن الانباری ۱۶ ، ۱۷]

۳- یعنی : ان هذه الصفة ماخوذة من فعلها ، و المراد بها الصفات المقدمة.

٤ . المراد بغیر الفعل الاسماء الجامدة ، لانه یغلب فیها تمییز المؤنث من المذکر بوضع اسماء مخصوصة لکل منها کما ذکر المؤلف.

۵- الرخل و فیه ثلاث لغات : الرخل و الرخل و الرخلة [الانصاف]. و ایضاً الرخل و الرخل : الانثی من اولاد الضان [اللسان ٤ : ۲۰۰]

٦- لان لکل من المذکر و المؤنث اسماء مخصوصة لایشترک فیها احدهما مع الا. فاستغنی المؤنث عن علامة تمیزه عن المذکر.

۷- المراد من هذا : ان قوله رجل و امراة من الاسماء الجامدة الموضوعة اصلاً لکل م فهومستغنی عن العلامة التی تمیز بینهما و الطاء التی دخلت لفظ امراة مع مخا للمذکر و هو رجل ، هذه الطاء لاستیثاق [ابن الانباری ۲]

مرء و مرءة و يقولون رجل و الانثى رجلة[1] ، قال الشاعر :[2]

كل جار ظل مغتبطاً غير جيرانى بنى جبلة
خرقوا جيب[3] فتاتهم لم تبالوا حرمة الرجله[4]

و كذلك يقولون جارية و غلام[5] و قد يقولون غلامة[6] و المستعمل ما ذكرنا[7]. و ذلك قول الشاعر :

و قيامه متبذ لا متطرباً سنة الغلامة[8]

قال ابوالحسن الاخفش : السنة[9] يعنى النوم و هجاء.

١- هذا مسموع عن العرب و لكن قليل الاستعمال حيث ان التمييز بين المذكر و المؤنث فى هذه الاسماء قليل و مع قلته فلايقاس عليه [تصريف الاسماء ١٤٣].
٢- البيان فى الكامل ١ : ١٥٩ ، شرح المفصل ٥ : ٩٨ ، اللسان ١١ : ٢٦٦ ابو الانبارى ٣ و لم يذكر اسم الشاعر.
٣- جيب الفتاة كناية عن ''الفرج'' و البيت فى هجاء بنى جبلة و من الشواهد [شرح المفصل ٥ : ٩٨] و قد ذكر هذا البيت شاهدا على ان غير الصفة قد تلحقه التاء للفرق بين مذكره و مؤنثه و ذلك فى كلمة ''الرجلة''. المراد بها الانثى و المذكر رجل.
٤- و لاتقول فى الدار رجلان اذا اردت رجلا و امراة الا على قول من قال الانثى رجلة و لايقال للناقة و الجمل جملان و لايقال للبقرة و الثور ثوران لاختلاف الاسمين [الكامل ١ : ١٥٩].
٥- اما جارية و غلام فهما على الشائع الكثير الاستعمال و قد ادخلوا الهاء فى لفظ الجارية مع مخالفته لفظ مذكره و ذلك لا استيثاق و التاكيد وليست للفرق.
٦- للفرق بين المذكر و المؤنث الحقوا التاء بالمؤنث فقالوا غلامة. قال اوس الهجيمى يصف فرساً :

بسلهبة صريحى ابوها تهان بها الغلامة و الغلام

و الشاهد مجئ المؤنث بالتاء ''الغلامة'' و هو غير صفة فرقاً بينه و بين المذكر و هو قليل. راجع شرح المفصل ٥ : ٩٧.
٧- يريد ان كلمة ''جارية'' و غلام المشهور فى الاستعمال. اما غلام و غلامة فبالعكس.
٨- الشاهد فيه ''الغلامة'' و مذكر غلام. لكن المستعمل ''جارية'' و ماورد فى البيت قليل الاستعمال.
٩- السنة النعاس من غير نوم. و السنة : نعاس يبدا فى الرأس فاذا صار الى القلب فهونوم اللسان ١٣ : ٤٤٩.

و الوجه الاخر في التانيث الالف مقصورة او ممدودة ، فالمقصورة : حبلى و سكرى و عطشى و حبارى[1] و سكارى و الممدودة حمراء و صفراء و خنفساء و سنفسر ماكان اسم بنت من جميع هذا نعتاً و ما يكون اسماً بايضاح حجته ان شاء الله.

هذا باب ما وقع مما فيه الهاء و الالف اسما غير نعت و ما يكون نعتاً

اعلم ان من هذا الاسماء التي فيها علامة ما يكون اسما لا اجناس و منها ما يكون اسما للمفردات فاما ما يكون للاجناس فانها تقع واحدة من جنس نحو قولك تمرة و بسرة و شعيرة و بقرة فحق هذا اذا اخرجت منه الهاء لن يجوز فيه التانيث و التذكير[3]. فتقول هوالتمر[4] و هوالبر[5] و هو العنب[6] و كذلك كل ما كان في منهاجه. قال الله تعالى :

١- الجوهري : الحبارى طائر يقع على الذكر و الانثى ، و احدها و جمعها سواء. و في المثل كل شيء يحب و لده حتى الحبارى ، لانها يضرب بها المثل في الموق فهي على موقها تحب ولدها و تعلمه الطيران. و الفه ليست للتانيث ولا للالحاق، و انما بنى الاسم عليها فصارت كانها من لفس الكلمة لا تنصرف في معرفة ولا نكرة اى لا تنون. [اللسان ٤ : ١٦٠]
قال الدميري في حياة الحيوان بعد ان ساق عبارة الجوهري هذه ، قلت : و هذا سهو منه بل الفها للتانيث كسماني ، و لولم تكن له لانصرفت. و مثله في القاموس. قال شارحه : و دعواه انها صارت من الكلمة من غرائب التعبير والجواب عنه عسير. [اللسان ٤ : ١٦٠]

٢- و معنى هذا : ان العلامة التي تلحق اسماء الاجناس وهي "التاء" تارة تاتي لفصل الواحد من الجنس الجامد الذي لايصنعه المخلوقات. فتلحق المفرد دلالة على الوحدة كما ذكر في "تمر" اسم الجنس ، و الواحدة "تمرة" و تارة تاتي لفصل الجنس من واحدة بمعنى ان هذه العلامة قد تلحق اسم الجنس ويخبرد منها المفرد، مثل : جباة و كماة و الواحد : جب و كما. [التصريح ٢ : ٢٨٨]

٣- و ذلك لان اسماء الاجناس صالحة للكثر و القليل. فلايتجه ايها التذكير ولا التانيث [تصريف الاسماء ١٤٩)

٤- التمر : حمل النخل ، اسم جنس واحدته تمرة و جمعها تمرات [اللسان ٤ : ٩٢]

٥- البر : الحنطة قال ابن دريد : البر افصح من قولهم القمح واحدته برة. قال الجوهري : و منع سيبويه ان يجمع البر على ابرار ، و جوزه المؤلف (المبرد) قياساً. [اللسان ١٤ : ٥٥]

٦- الحاصل ان كل جمع بينه و بين واحده الهاء معامه يذكرو يؤنث كقولهم

تنزع الناس كانهم اعجاز نخل منقعر[1]. فهذا لمن جعل هذه الاشياء اجناساً. و من جعلها محمولة على معنى الجماعة انث[2] فقال هى التمروهى الشعير وكذالک ما كان فيه هاء. قال الله عزو جل : كانهم اعجاز نخل خاوية[3] و قرؤا هذا الحرف على وجهين : ان البقر تشابه علينا[4]. فهدا قول من قال هو البقر و من قال هى[5] البقر على معنى جماعة قال تشابه. علينا اى تتاشه و لهذا باب من العربية و على معنى الجماعة جاء قول الله عز وجل : كذبت قوم نوح المرسلين[6]. فقال كذبت لانهم جماعة فتقديره كذبت جماعة قوم نوح او جماعة نوح كل ذالک جيد ، وكذالک كذبت قبلهم نوح المرسلين[7] فهذه الاجناس.

و اما ما وقع مؤنثا لا مذكرله مخالفاً للحيوان[8] فقولک نخلة وشجرة[9] و كذلک كل

هذا نخل و هذه نخل و هذا بقر و هذه بصر و هذا تمر و هذا شيعير و هذه شيعير. فمن ذكرها فعلى انها اسماء للجنس ، و من انث فعلى مغى الجماعة [ابن الانبارى ٤٤١]

١- القمر ٥٤ : ٢٠ و مما جاء من النظم شاهدا على تذكير النخل قول امرى القيس :

وحدت بان زالت بليل حمولهم كنخل من الاعراض غير منبق

و قول العبدى :

النخل باطنه خيل و ظاهره خيل تكدس بالفرسان كالنعم [ابن الانبارى ٤٤١]

٢- الرمان والعنب والموز مذكر لم يسمع فى شيء منه التانيث والسدر مذكر [المصدر السابق]

٣- الحاقة ٦٩ : ٧

و ما جاء نظما شاهدا على تانيث النخل ما قاله ابو هفان انشه فى مصعب الزبيرى لايوب بن عباية الاسلمى فى تانيث النخل :

و ما اعتقد من عقدة سوى النخل يغرس منها الفسيل [ابن الانبارى ٤٤١]

٤- البقره ٢ : ٧٠ و هذا القراءة هى قراءة العوام و قرأ ابى : ان البقر تشابهت علينا فانث فعل البقر. و قال الشاعر فى التانيث :

انى وقتلى سليكا ثم اعقله كالثور يضرب يا عافت البقره [المصدر السابق]

البقر : اسم جنس واحده بقرة من الاهلى والوحشي و يكون للمذكر والمؤنث

٥- و يقع على الذكر والانثى [اللسان ٤ : ٧٣]

٦- الشعراء ٢٦ : ١٠٥ ٧- ص : ٣٨ : ١٢ ٨- يريد بهذه المخالفة : الجماد

النخلة : شجرة التمر، الجمع نخل. اهل الحجاز يؤنثون النخل و اهل نجد تذكرون [اللسان ١١ : ٦٥٢]

٩- الحاصل ان مثل نخلة و شجرة و ما كان على هذه الشاكله فان الهاء فيه فاصلة بين مفردة و جنسه ، حيث ان الجنس صالح للمذكر والمؤنث والها يفرق بينه و بين واحده بالهاء لا انه ليس له مذكر من لفظه والا لالبتس باسم الجنس.

ما كان مثل هذا من هذا الباب. فان قلت شجرة واحده شجر او نخلة واحده نخل فكذلك[1] هوالا اذا اردنا أن نبين ما يكون من الحيوان من غيره[2].

فالحيون نحو قولک جارية و نحو قولک امرأة فاعلم. فان هذا القبيل هوالذى يقال له تأنيث الحقية كانت فيه علامة اولم تكن[3]. و من ذلک قولک ناقة بافتى و بختيه[4] و سرعوفة[5] للجرادة. فاما قولک جرادة فهو من الباب الاول لان الجميع[6] جراد والجراد ان شئت انثته و ان شئت ذكرته على ما صدرت لک به[7]

و ما كان من هذا مفردا ليس من جنس و فيه علامة فمثل قولک بلدة و مدينة و قرية و كذلک غرفة و اما اشبه ذلک فكل ما كانت فيه الهاء فجاعة ما ذكرت لک.[8]

١- على ان لفظ "شجر" اسم جنس، فيفرق بينه و بين واحده بالهاء، كما ذكرالمصنف. والشجر : واحده شجرة والجمع على الشجر والشجرات والشجراء : الشجر، وقيل : اسم لجاعة الشجر و واحد الشجراء شجرة. و لم يات من الجمع على هذا المثال الاحرف يسيرة و منه ايضا شجرة و شجراء و قصبة و قصباء و طرفة و طرفاء و حلفة و حلفاء [اللسان ٦ : ٣٩٥]

٢- يريد ان يقول : المؤنث ينقسم باعتبار مدلوله الى قسمين : مؤنث حقيقى و هو ما كان من الحيوانات ذات الفروج و مؤنث مجازى و هو ما كان خلاف الحقيقى [التصريح ٢ : ٢٨٥]

٣- معنى هذا : ان المؤنث اما ان تكون علامة التانيث فيه ظاهرة و اما ان تكون مقدرة [شرح الالفية]

٤- الهاء فى ناقة وغيرها من كل اسم خاص بالمؤنث ليست للتأنيث و انما هو لتاكيد تانيثه [الاشمونى ٢ : ٤٠١]

٥- السرعوفة : دابة تأكل الثياب [اللسان ٩ : ١٣]

٦- على ان الجراد اسم جنس فيفرق بينه و بين واحده بالهاء فصح ان نقول فيه [جرادة]

٧- يريد : أن لفظ "الجراد" يجوزفيه التذكير على انه اسم جنس ، و يجوزفيه التأنيث على معنى الجماعة [المحقق]. واحده جرادة : تقع على الذكر والانثى. قال الجوهرى وليس الجراد بذكر للجرادة و انما هو اسم للجنس كالبقر و البقرة والتمر والتمرة والحمام والحمامة و ما اشبه ذالک ، و حق مذكره ان لايكون مؤنثه من لفظه لئلا يلتبس الواحد المذكر بالجمع [اللسان ٣ : ١١٧]

٨- فى شرح الاشمونى على الالفية ان هذه العلامة المذكورة لمجرد تكثير حروف الكلمة [٢ : ٤٠١]

فاما قولهم فى النعوت فسذكره على بابه نحو قولک للرجل راوية و علامة و نسابة ولكن لاينبغى ان يدخل باب فى باب.[1]

و كل ما كانت فيه هاء التانيث من اى باب كان يصير ممتنع[2]، جمعه من الالف والتاء لحيوان او غيره لمذكر او مؤنث ، قلت حروفه او كثرت ، و حكمه كله ان ينصرف فى النكرة ولا ينصرف فى المعرفة[3] تقول : ثمرات و دجاجات وطلحات كل هذا واحد. و مالحق منه الجمع فانما يلحقه توكيدا لتانيث الجمع و ذالک قولک الصياقلة[4] والمهالبة والجواربة والصيارفة و بابه ان ينقسم على ثلثة ان[5] جاء. فمن ذالک ما يراد به النسب نحو ما ذكرنا من الاشاعثة ، يريد بنى الاشعث وكذالک المهالبه و المناذرة[6] و من ذالک ان يكون من الاعجمية المعرفة[7] نحو الجواربة[8]

١- الهاء فيه اى راوية للمبالغة ، اما علامة و نسابة فالهاء فيه لتاكيد المبالغة [المصدر السابق]

و قال الفراء : اذا مدح الرجل بالنعت الذى فيه الهاء ذهب به للمبالغة فى مدحه الى الداهية و اذا ذم الرجل بالنعت الذى فيه الهاء ذهب به للمبالغة فى ذمه الى معنى البهيمة و قد يسقطون الهاء فيقولون رجل علام و نساب و راو ، هذا فى المدح و فى الذم يقولون : رجل هلباج و زميل و زمال و تلقام [ابن الانبارى ١٧]

٢- يريد : ممتنع من الصرف ، بشرط كونه علماً [شرح قطر الندى ٣١٩] فان لحقته الهاء للتانيث انصرف فى النكرة على ما وصفت لک فى الهاء فى المعرفة لان الهاء علم تانيث [المقتضب ٣ : ٣٢٧]

٣- و ذالک ان الاسم اوالصفة يمتنع من الصرف اذا توفرت فيه علتان او علة تقوم مقامها. و ذالک ان الاسم المؤنث اذا ذكر فقد احدث التعليل و هوالتصريف. و من اجل هذا فان الاسم اذا كان بهذه المثابة فانه ينصرف فى النكرة و بعكسه فى المعرفة كما قال المصنف [المحقق]

٤- الهاء فى صياقلة لتاكيد التانيث فقط اما فى المهالبة والجواربة فهى للنسب [تصريف الاسماء]

٥- معنى هذا ان الجمع الذى لحقته الهاء يجىء على ثلاثه ابواب [المحقق]

٦- هذا هوالباب الاول و هو ما كانت فيه الهاء عوضا عن ياء النسب. وانهما [الهاء والياء] لا يجتمعان. وانما يقال اشعثيون و اشاعثة و هكذا [التصريح ٢ : ٢٨٨]

٧- معنى هذا : ان الهاء فى هذا الباب تاتى لتعريب الاسماء الاعجمية [المحقق]

٨- والقياس جوازب جمع جورب و هوالمعروف استعماله [المحقق]

والموازجة[1] والشيالجة والبرابرة ، فهذا خاصة قد اجتمع فيه النسب والعجمة[2] و انت فى حذف الهاء من هذا والذى قبله بالخيار[3]. فاما باب ثالث من الجمع فاذا وقعت فيه الهاء عوضا من ياء[4] فلابد منها او من الياء اذا حذفت احدهما عاقبه الأخر[5] الا ان يضطر شاعر[6] و ذالک قولک فى جمع حجاج حجاجيج و فى جمع زندلق زناديق و فى جمع فرزان فرازين فان حذفت الياء قلت فرزانه و حجاجة و زنادقة و ليس هذا كما قبله[7] لانک حذفت من هاهنا شيئاً[8] لا يجتمع هو والهاء ولو اجتمعا لما نقل معاقباً ولا عوضاً[9]

و من الاجناس قولک بطة و شاة و دجاجة و حمامة[10]. و انما قلنا ان باب الهاء فى الجمع النسب اوالعجمة لمناسبة العجمة الهاء.[11] الاترى ان الاسم تمنعه الهاء من الانصراف[12]

١- الموازجة جمع موزج. وهوالخف و قيل الجورب. والقياس موازج فدخلت الهاء فى جمعه ليدل على ان اصله اعجمي فعرب. و ذالک ان العرب اذا استعملت الاعجمى فانها تخالف بين الفاظه. و اذا استعملته كما هو فى لسان العجم فغير معرب. و هذا هوالفرق بين المعرب وغيره. و كذالک الشيالجة جمع شيلج والقياس : شيالج. و كذالک البرابرة الذين هم فى الاصل كانوا يسكنون شمال افريقية قبل الفتح الاسلامى والقياس ; برابر و بربر والنسبة بربرى للفرد [المحقق]

٢- اما العجمة فظاهر. واما ان تكون الهاء فيه للنسب فهذا رايه. اما الاشمونى فقد ذكر ان هذه الهاء للتعريب [الاشمونى ٢ : ٤٠١]

٣- يريد ; ان هذه الهاء ليست لازمة و انما يجوز حذفها [المحقق]

٤- يعنى ان الهاء حرف جاء عوضا من حرف زائد لغير معنى [و هو ياء] "مفاعيل"

٥- يريد انه ; اذا وجدت الهاء تكون الياء محذوفة ، و اذا وجدت الياء امتنع الحاق الهاء بها. لانه لا يجمع بين العوض والمعوض [التصريح ٢ : ٢٨٨]

٦- فى الضرورة الشعرية يجوز الجمع بين الهاء والياء فى كل ماجاء على هذا الوزن "مفاعيل"

٧- اشارة الى جمع هذه الاسماء مع الياء بدون الهاء [المحقق]

٨- المراد بالشيء هو "ياء" مفاعيل [المحقق]

٩- المراد لواجتمعت الهاء مع الياء بطل حكمنا على الكلمة بقولنا ان الهاء للتعويض ، و ان الياء لا تكون مع الهاء [المحقق]

١٠- فان الهاء هنا التحقت بالمفرد لتميزه من جنسه [الاشمونى ٢ : ٤٠٠]

١١- المراد ان الهاء تأتى عوضا من ياء النسب فى الجمع ، و فى الاسماء الاعجمية للتعريب و على راى المصنف "للنسب" كما ذكر سابقاً. والراجح انها فى الاعجمى للتعريب لانه ما عرب حتى يكون صالحا للنسب [المحقق]

١٢- هذا ; اذا كان معرفة فانه يمنع سواء اكان حقيقى التأنيث ام مجازيه مثل حمزة و معاوية [المحقق]

كما تمنعه العجمة[1] فيما جاوز الثلثة[2] و ان الهاء كياء فى النسب[3] تقول بطة و بط و تمرة و تمر و صغيرة و صغير فلاء يكون بين الجمع والواحد الا الهاء[4] و كذالک تقول زنجى و زنج و سندى و سند و رومى و روم و يهودى و يهود فلا يكون بين الجمع والواحد الا الياء المشددة[5] و كذالک التصغير انما تصغر ما قبل الياء ثم تأتى بها فى اى وزن كان[6] و كذالک تفعل بالهاء تقول فى تصغير تميمى تميمى و حميرى حميرى فاعلم. و فى سفرجلة سفيرجة و فى عنزة عنيزة ، فالاسم على ما كان عليه و هما لا باتهائه. فقد تبين لک المناسبة بينهما[7] والنظر بعد فهم يدلک على حقيقة ما ذكرنا.

ما قولنا فى تأنيث بطة و هى واقعة على الذكر والانثى[8]. و كذالک حمامة و دجاجة يقال للذكر والانثى و كذالک بقرة[9]. الا ترى ان[10] جريراً يقول :

لما تذكرت بالديرين ارقنى صوت الدجاج وقرع بالنواقيس[11]

۱- بشرط ان يكون علما فى لسان العجم. و هذا قول سيبويه. و خالفه الشلوبين و ابن عصفور [التصريح ۲ : ۲۱۹]

۲- ذكر ابن هشام فى توضيحه ان العلم الثلاثى الاعجمى يجوز منعه ۲ : ۲۱۸ و قدم تحقيق ذالک [المحقق]

۳- يريد ان الياء كما تاتى للنسب ، كذالک الهاء تأتى للغرض نفسه [المحقق]

٤- يعنى ان الهاء هنا فى المفرد لتمييزه من جنسه و قدمر تحقيق ذالک [المحقق]

۵- هذه الياء تكون للوحدة تدخل على اسم الجنس الجمعى لتكون دالة على الواحد. فتكون مشابهة فى ان كلا منهما يمين الواحد من غيره [المقتع فى النحو والصرف ۱۵۱]

٦- معنى هذا ان فى تصغير هذه الاسماء الى لحقتها الياء المشددة تبقى هذه الياء المشددة فى هنه التصغير ولا تحذف. و كذالک الهاء تشارک الياء المشددة فى هذه القاعدة [الاشمونى ٤٧٩ و ما بعدها]

۷- اى بين الياء المشددة مع التصغير ، والهاء مع التصغير ان كلها باق والحالة هكذا [المحقق]

۸- ذكر المصنف ان هذه الهاء تاتى للفصل بين الجنس و واحده فلعله هنا اطلق عليها هاء التانيث للمشابهة بين الهاء الى لفيد الوحده والتى للتانيث

۹- فى الكامل للمؤلف يقال للديک هذا دجاجة ، فان اردت الانثى قلت هذه ، و كذالک هذا بقرة و هذا بطة و هذا حمامة اذا اردت الذكر [الكامل ۱ : ٦۱]

۱۰- ديوانه ۳٤۹ ، الكامل ۱ : ٦۱ و ۱ : ۷۸۲

۱۱- يريد رقاء الديوک فالاسم الذى يجمها دجاجة للذكر والانثى ثم يخص الذكر بان يقال لها ديک و كذلک تقول هذا بقرة لهما جميعاً و هذا اختيارى فيخص الذكر فتقول ثور و تقول للذكر من الحبارى خرب [الكامل ۱ : ۷۸۲]

انما یرید زقاء و ان شئت شقاع الدیوک. فان هذا انما وضع على ما کان شائعاً فی مثله[1]. فما کان منه مؤنثاً فهو على معنى قولک جماعة و ما کان مذکرا کقولک الحمیر والباقور والجامل فعلى معنى قولک جمع ثم صار فرقاً.[2] و هذه کقولک هذه بلدة طیبة و هذا بلد طیب. والامر واحد على البقعة و المکان.[3] فاما ما تانیثه بالالف[4] ما هو اسم غیر مشتق[5] فکقولک صحرا یافتى و قصباء و خلقاء فهذه اسماء.[6] فاما البرقاء و الخوباء و المغرآء فهی اسماء ولکنها مشتقة و اصلها اوصاف. فاما البرقاء یافتى. فانما هی اختلاط بیاض. البقعة بسوادها. تقول جبل ابرق و مکان ابرق و بقعة برقاء و کذالک الابطح والبطحاء وانما هو ما انبطح من الوادی فتحمله على مکان او بقعة. فان حملته على المکان قلت الابطح والبقعة البطحاء یافتى و کذالک الامغر هو المکان الکثیر الحصى والمغراء البقعة التی هی کذالک[7]. و کل شیء کان مذکره افعل فهو مؤنثه فعلاء[8] و هو وصف لا محالة. فاما الاسماء الموضوعة الممدودة فجملتها ان الفاتها التی یست بمنقلبة الفات تانیث و ذالک قولک النفساء والعشراء والعدواء و کذالک ان کان جمعاً نحو الحکماء و الکرماء والاصدقاء والاحمساء کل هذا کقولک الانصباء کل هذا تانیث و کذالک حنفساء و عنطواء و ما لم نذکره فهذا سبیله.

والقرفصاء یمد و یقصر کل هذا واخواته تانیث. فاما علباء و خوباء و رفیقاء و ذبرآء فانهن مذکرات[9] و مداتهن منقلبة من الیاآت اوالواوات و هن زوائد ولکن حکمهن

۱- یرید شائعاً فی مثله من اسماء الاجناس [المحقق]

۲- الفرق الحاصل فی ماله التذکر والتانیس لاسم الجنس انما هو فی التقدیر فان التذکیر یکون على معنى الجمع کما ذکر المؤلف والتانیث على معنى الجماعة [المحقق]

۳- یعنی التذکیر والتانیث یرجعان الى التقدیر. فان قدرت البقعة کان التانیث او المکان کان التذکیر

۴- ارادبقعله "بالالف" الممدودة کما هو ظاهر من الامثله التی ذکرها

۵- لیس بقوله. قال ابن مالک فی منظومته : علامة التانیث تاء او الف.

۶- الف التانیث الممدودة تلحق الاسم الجامد کما ذکر المصنف والصفة کما سیذکر ایضا التی مؤنثها افعل و کذالک تلحق غیرها. [المحقق]

۷- التحقیق : ان کل وصف على وزن افعل فان مؤنثه على وزن فعلاء

۸- المراد کل ما کان و صفا على وزن افعل فان مؤنثه یکون فعلاء اما فعلاء مطلقا فانها تکون اسماً و مصدرا وغیر ذالک. اما تقیدها لمذکرها "افعل" فانها لا تخرج عن کونها صفة [التصریف ۲۵۱]

۹- و على هذا فیکون المؤنث : علباءة و رفیقاءة و هکذا والاصل علبای و خوبای و رفیقای [شرح المفصل]

حکم ما انقلبن منه و نحن نذکر هذا ان شاء الله.

اعلم ان علبآء[1] و ما کان مثله لا یکون الامذکراً[2] و ذالک انه ما کان علی هذا الوزن[3] فهو ملحق بسرداح و سربال و یدلک علی ذالک قولهم درحایه فتظهر الیاء فلولا الهاء لصارت الیاء[4] همزة کرداء و کساء فان کانت الهمزه منقلبة من یاء او واو فهی کالیاء والواو لو ظهرتا و ما لا یؤنث به ابداً فهذا غایة الایضاح[5] و لضیف الیه بعد ذکرنا ایاه من الحجج ما تکتفی کل واحدة منه بنفسها و ان کان ما قلنا مستغنیا عن الفریادة و هوان کل ما کان من هذا الوزن مکسور الاول او مضمومه فهو بناء لا یکون للتانیث ابدا[6] و ما کان مفتوح الاول فهو بناء لا یکون للتذکیر ابدا.[7]

۱- علباء بن الحرث الکاهلی قاتل امریء القیس او الموغر بقتله [التصریف ۷۱] و ذکر ابن لانباری قول محمد بن یزید : ان علباء و ما کان مثله لایکون الا مذکرا و ذالک انه ما کان علی هذا الوزن فهو ملحق بسر داح و سربال و قال کل ما کان من هذا الوزن مکسور الاول او مضمومه فهو بناء لا یکون "للتانیث ابداً فالمضموم الاول نحو قولک قوباء و حشاء فهذا ملحق بقسطاس و ما کان مکسور الاول نحو علباء و اخواته فهو ملحق بسربال و سرداح. والمفتوح الاول الذی لا یکون مذکراً فنحو قولهم حمراء و صفرآء و صحراء.قال محمد بن یزید و اعلم ان الف حمراء و اخواتها التی ابدلت منها الهمزه هی الالف فی حبلی و سکری الا ان قبل تلک الفاً فلو حذفتها لالتقاء الساکنین لذهب العلامة و صارالممدود مقصورا ولکنک لم حرکتها صارت همزه ولست تقدر فی الالف اذا حرکتها علی غیر ذالک لا متناع الطاقة ان یکون الا ذالک فیها [الانصاف ۷۰]

۲- یرید انما همزته منقلبة عن یاء مزیدة لا الحاق و لیست للتانیث و بهذا یکون مؤنث علباء ، هو علباءة

۳- الذی هو وزن "فعلاء" فانه یصیر بعد الابدال علی وزن "فعلال" الذی هو "سرداح" و ما یشبهه والسرداح : البعیر الضخم [ابن الانباری ۳۵]

٤- فان الهاء حصنت الیاء من ابدالها همزة قال ابن یعش : فان قیل ماالدلیل علی ان الاصل علبای و خوبای . . . بالیاء دون الواو : "علباو" مثلاً فالجواب ان العرب لما انثت هذا الضرب و اظهرت هذا الحرف المنقلب لم تظهر الا الیاء و ذالک نحو : درحایة ووعکایة : فظهور الیاء فی المؤنث بالهاء ، دلالة علی ان الهمزة فی علباء و خوباء و ما شبهها منقلبة عن یاء لاعن واو [شرح المفصل]

۵- یعنی ما خرج عما تقدم فانه یصیر الی المذکر [المحقق]

٦- یرید وزن فعلاء مثل علباء و فعلاء مثل قوباء

۷- یرید ما کان وصفا علی وزن فعلاء مثل حمراء الذی مذکره الفعل "احمر" فهذا خاص بالمؤنث

فالمضموم الاول نحو قوباء[1] فاعلم و خشاء[2] فاعلم. فهذا ملحق بقسطاس[3] و قرطاط من البنية. و ما كان مكسور الاول نحو علباء و اخوته فملحق بسرجال و سرداج[4]. والمفتوح الاول[5] لا يكون مذكرا كما وصفت لک كنحو حمراء و صحراء. و اعلم ان الف حمراء و اخواتها التى ابدلت منها الهمزة هى الالف التى فى حبلى و سكرى الا ان قبل تلک الفاً فلو حذفتها لالتقاء السا كنين لذهبت العلامة و صارالممدو مقصورا ولکنک لما حرکتها صارت همزة ولست تقدر فى الالف اذا حرکتها على غير ذلک لقلة معروفه فى النحو وامتناع الطاقة من ان یكون الا ذلک فيها.[6] و ما كان من هذه الالفات على غير وزن الاصول فحقه التانيث[7] والملحق منها علامته ما ذكروا فى الممدود.

و اما فى المقصور فانظر اليه فان علم كان على وزن الاصول[8] ، فان دخلت الهاء عليه علمت انه ملحق بالاصول نحو علقى وارطى لانک تقول علقاة وارطاة فهو ينصرف فى النكرة و لا ينصرف فى المعرفة لانه غير منقلب من ياء و لا واو. و ما كان على فعلى فلم تكن الفه ابدا الاللتانيث مثل حبلى وانثى و خنثى و دنيا لانه ليس حق الكلام ان يكون فيه وزن على مثال جعفر فقد امتنع من الالحاق فقد فرغت لک من الياء المنقلبة هاءا. و نذكر ما كان مؤنثا بغير علامة[9] مما يخالف باب اتان و عناق و ما اشبها مما يخالفه مذكره

۱- على وزن ''فعلا'' و هو داء معروف ينتشر و يعالج بالريق

۲- العظم الناتى خلف الاذن

۳- او ملحق ب ''قرناس''

٤- يتلخص ان ما كان على وزن فعلاء لا يكون للتانيث

۵- الذى على ''فعلاء'' يكون خاصاً بالمؤنث

٦- هذه مسالة اختلف فيها الصرفيون فى الدال على التانيث بالف التانيث الممدودة اختلافا افضى الى اختلافهم فى تعريف الف التانيث الممدودة۔

۷- يعنى ما خرج عن الاوزان الاصيلية غير الملحقة فاولى به التانيث و اما ما كان ملحقاً فقد سبق تحقيقة [الملحق] ۔

۸- ما كان على اوزانه المعروفة

۹- الاسماء المؤنثة على ضربين : اسم لاعلامة فيه للتانيث و اسم فيه علامة فما لم تكن له فيه علامة فلا يخلو من ان يكون على ثلاثة احرف او اكثر من ذالک فالذى على ثلاثه احرف نحو عين و اذن و شمس و نار و دار و قدر و عنز و سوا فما كان من هذا الضرب فانه اذا احقر لحقته هذا التانيث فى التحقير كاذينة و عيينة و سوية و دويرة وانما لحقت الياء فى التحقير لانه يرد ما كان ينبغى ان يكون بناء المكبر [المخصص ۵ : ۸۲]

اعلم انه کان مثل عقرب و ارنب و ما اشبه ذالک من ذوات الاربعة وما کان اکثر من ذالک او اقل نحو عنکبوت وطاغوت و نحو قولک نعل و سوق و دعد و سعاد و هند وا نحو قولک ذراع و کراع و قدام و وراء و سنشرحه نحو شرحه ان شاء الله اما ما کان من هذا القبيل من ذوات الثلثه فتعرفه بتصيغرا و ذالک انه ليس بشيء من ذوات الثلثة کان مؤنثا الا و تصغيره يرد الهاء فيه لانها اصل المؤنث و ذالک قولک فی هند هيدة و فی نعل نعيلة و فی سوق سويقة و فی عين عيينه و هکذا کل مالم تسمه من هذالباب[2]. فاما قولهم فی حرث حريث و فی فرس فريس فان حرثا انما هو فی الاصل مصدر سمی به فلذلک قيل حريث و لو سميت به شيئاً فتعلته الی المعرفه لم تقل الاحريثة. و اما فرس فاسم تقع للمذکر والمؤنث فان اردت الانثی خاصة لم تقل الافريسة وکذالک الدرع[3] تؤنث و تذکر فان قصدت الی المذکر قلت دريع و ان قصدت الی المؤنث قلت دريعة[4] لا غير. قال عمارة فی تذکير الدرع و ذالک معروف شائع[5]. اذا الجموا الجود القتان و اسلمت الی کل ضرب البحر ، عاری الاشاجيع[6]، جميل

۱- ان الاسم اذا کان ممنوعاً من الصرف ثم صغر فانه يصرف [المحقق]

۲- التحقيق ان الثلاثی اذا سمی به ثم صغر فلا بد من ان تلحقه الهاء. اما اذا صغر و لم يسم به فان الهاء تلحقه. [المحقق]

۳- الدرع : لبوس الحديد تذکر و تؤنث [اللسان ۸ : ۸۱]

٤- و تصغير درع دريع ، بغير هاء علی غير قياس لان قياسه بالهاء و هو احد ما شذ من هذا الضرب [اللسان ۸ : ۸۲] و ذکر ابن الانباری عن اللحيانی انه قال يذکرو يؤنث و اخبرنا ابوالعباس عن سلمة عن الفراء انه قال : درع الحديد انثی و قال السجستانی درع الحديد مؤنث. و قد ذکر قوم فصحاء من بنی تميم الدرع [ابن الانباری ۸۹] و قال ابن الانباری والتانيث الغالب المعروف والتذکير اقلها و هو معروف ولکن الکلام درع مفاضة و درع سابغة و فضفاضة و ملساء و صوليه

٥- و قال السجستانی انشدنا ابو زيد والاصعی لابی الاخزر الحمانی فی تذکيره : مقلصاً بالدرع ذی التخصن [ابن الانباری ۸۹]

و قال ابو هفان انشدنی الجرمی من ابی زيد لاعرابی فی تانيثها

کانما فی درعة مزروره ضر غامة يخشی العدی زبيره

[ابن الانباری ۸۹]

٦- عاری الاشاجع و هی المفاصل اربع ، واحدها : اشجع : ای کان اللحم عليها قليلا و لقد کان ابوبکر رضی الله عنه هکذا [اللسان ۸ : ۱۷٤]

المحيا ، ينصف الدرع ساقه ، و ان كانت رماة على كل دارع. فان كان انما الحقت الهاء فى المؤنث من ذوات الثلثة لانها كانت فى التبكير على مثل لفظ المذكر و وزنه نحو عمر و زيدو درج و قفل و عدل و حمل و كذالک فخذ وكرش و عضد و عجز على وزن فرس و لفظ و حذر و فرق. و كذلک ما وقع منه على ثلثه متمناه او لم نسمه فردوا فى التصغير علامة توضح عن تكبيره[1] و كان ذالک ابلغ فى المعرفة بوزنه و ما يراد به. فان قال قائل ما بال عقرب[2] و ارنب لم تفعل ذالک بها و ما استبهها قيل له ان الثلة اذا فردت فيها الهاء بلغت بالهاء وزن عقرب فاستخفوها لذالک و لم تكن فيها بعدها استقبال. فقولک هيند هى وزن عقيرب و لخفة الثلثة جازمنها و هوماسكن وسطه يجوز صرفه[3]. فاما ما بعدها فما كان منه له مذكر يخالفه نحو عناق و اتان علم بذالک انه مؤنث لانه انما يقع خلاف جدى و حمار و كذالک حجر و رخل انما هو خلاف حمل و فرس[4].

و ما كان منه على خلاف ذالک فليس يروى الا سماعا كما انک لا تعلم ما يراد به من المسميات الا بالسماع و اما قولهم طاغوت ففيه اختلاف قوم يقولون هو واحد مؤنث و قال قوم بل هو اسم للجماعة، قال الله تعالى : والذين اجتنبوا الطاغوت ان يعبدوها[5]. فهذا قول. والاصوب عندى والله اعلم انه جماعة و هو كل ما عبد من دون الله من انس وجن وغيره من حجر و خشب و ما سوى ذالک. قال الله عز و جل اولياؤهم الطاغوت يخرجونهم من النور الى الظلمات[6].فهذا مثلين لامدافعة له ولا شک فيه. هذا مثل المصدر

۱- الاسماء المؤنثه على ضربين اسم لاعلامة فيه للتانيث واسم فيه علامة فمالم تكن له فيه علامة فلا يخلو من ان يكون على ثلاثه احرف او اكثر من ذالک فالذى على ثلاثه اخرف نحو عين و اذن و شمس و نار و دار و قدر و عنز و سوق فما كان من هذا الضرب فانهاذا حقر لحقته هاء التانيث فى التحقير كاذينه و عينيه و سيولقة و دويرة و انما لحقت التاء فى التحقير لانه يرد ما كان ينبعى ان يكون فى بناء المكبر. [المخصص ۵ : ۸۲]

۲- و اما ما كان على اربعة من المؤنث فلا تلحقه التاء فى التحقير و ذالک قولهم فى عناق عنيق و فى عقاب عقيب و فى عقرب عقيرب كانهم جعلط الحرف الزائد على الثلثة فى العد [المخصص ۵ : ۸۳]

۳- الاسم المؤنث اذا كان على ثلاثة احرف ساكن الوسط جازفيه الصرف و عدمه [المحقق]

۴- التحقيق ان الاسم المؤنث اذا كان لفظه مخالفاً لفظ ذكره وكان مصوغا اساسا للتانيث فانه يصير مستغنيا عن العلامة [راجع ابن الانبارى ۲]

۵- [القران ۲۹ : ۱۷]

۶- [القران ۲ : ۲۵۷]

الذی یقع علی الواحد و علی الکثیر وطاغوت فلعوت مقلوب من فعلوت مثل ملکوت والرغبوت الا انه قلب و کان القیاس ان یکون طغیوت لانه من الطغیان[1] و قولهم انه یکون واحدة ایضا لم یدفعوا به انه یکون جماعة وادعاؤهم انه واحدة یحتاجون الی تثنیت. و اما العنکبوت[2] فانها مؤنثة واحدة کقول عزوجل: "کمثل العنکبوت اتخذت بیتا"[3] والعرب اذا ارادت جمعها قالت عناکب و وزنه من العربیة فعللوت. ولو لم یکن کذالک لکان حقه ان یکون واحدا حتی یاتی ثبت انه جمیع لان الواحد قبل الجمیع و مع ذالک انه فی وزن الواحد و ملحق[4] بالواحد کقولک منجنون و عطوطوط فما کان من هذا الضرب نعتنا به الجمیع فانما هو اسم واحد سمی به الجماعة و لیس باسم معرفة ذالک محال لقلة فی العربیة[5]. فانما هو فی بابه کقولک قوم و نفر و رهط[6]. و کذالک الجامل و الباقر و ما نسمه فهذا معناه اذا وقع کذا و کذالک الفور یعنی به الظباء لا واحدله. قال اوس بن حجر:[7]

بسن ریطاً و دیباجاً و اکسیة   شمتی بها اللون الا انها فور

فان سمیت رجلاً باسم مما وقع علی الجمیع لا واحد له من غیر الادهین علی اکثر من ثلثة لم تصرفه لانه اسم مؤنث لان معناه الجماعة[8] الاترى انک تقول فی تصغیرغنم غنیمة و لا واحدله، و فی ابل ابیلة و کذلک خیل بمنزله هند و دعد و قدر و شمس فان کان سمی بجمع قد کثر علیه واحده نحو قولک جمال و جبال و بیوت و قیود و ما کان

۱- والطاغوت، یقع علی واحده والجمع والمذکر والمؤنث: وزنه فعلوت انما هو طغیوت، قدمت الیاء قبل الغین و هی مضمومة. و قال ابو اسحق: کل معبود من دون الله عز و جل جبت وطاغوت وقیل: الجبت والطاغوت الکهنة والشیاطین [اللسان ۱۵ : ۹]

۲- والعنکبوت تذکره و تؤنث. قال الفراء التانیث فی العنکبوت اکثر من التذکیر [ابن الانباری : ۸، ۸۱]

۳- [القرآن ۲۹ : ۴۱]

۴- یعنی ان عنکبوت فی صورة الجمع ولکنه علی وزن المفرد و ملحق بالمفرد

۵- فما کان علی مثال عنکبوت و عطوطوط و وصف به الجمع فانه یکون بمثابه اسم مذکر وضع علی جماعة و هذا غیر جار بکثرة فی اللغة

۶- فهو بمنزلة اسم الجنس.

۷- [دیوانه ۴۰]

۸- اذا کان اسم فی الاصل هو واقع علی جمع لا واحد له و کان علی اکثر من ثلاثه احرف فانه یمنع من الصرف حیث وجد فیه العلمیة و التانیث.

كذلك و ما لم نسمه لم تمنعه من التصرف اذا صار اسما لمذكر الا ان يحدث فيه ما لمنع الواحد كقولك غلمان و غضبان و احمرة و فتيه فان الها و النون بعد الالف يمنعان الصرف في المعرفة فهو كقولك بقرة و تمرة و سرحان و عثمن[2] لان تانيث التكسير لايعتد به اذا كان يحوج اليه المؤنث و المذكر كقولك بيوت و شيوخ كقولك عنوق فهذا جمع مؤنث و ذلك جمع مذكر فليسى له تحقيق تانيث الاترى[3] انک تقول جاءت الرجال و كذبت قبلهم قوم نوح لانه ليس تانيث حقيقه[4] و كذلك كل ما كان نعتا لمؤنث و لفظه مذكر فهو منصرف اذا سميت به مذكرا لما نذكره لک و نمليه ان شاء الله.

نعود الى ذوات الاربعة و ما بعدها و ما كان منها مؤنثا خالصاً و ما اعتورته اللغتان و القوة بالله.

اما ما كان من المذكر نعتا لمؤنث فهو كقولك امراة طالق و بكر و صابر و امراة متيم اذا جاءت بتوه مين و كذلك ظبية مطفل و مشدق و مثيل و امراءة مرضع و ما لم نسمه من هذا الباب فكمه حكم ما سميناه. و انما جاء هذا بغيرها[5] لانه ليس على

۱- اما اذ كان الجمع له واحد من لفظه و قد كثر بجمعه و سمينا به شخصا فاننا نصرفه، الا اذا وجد في واحده ما يمنع صرفه.

۲- الهاء اذا لحقت الاسم تمنعه من الصرف بشرط ان يكون معرفه. و كذلک الالف و النون اذا لحقت الاسم تمنعه من الصرف.

۳- ان الاسم المؤنث اذا جمع جمع تكسير فانه لاينظر اليه في الصرف و عدمه.

٤- جمع التكسير يجوزان يؤنث له الفعل على معنى الجماعة وان يذكر للفظه لانه ليسى بمؤنث حقيقة.

٥- ذهب الكوفين الى ان علامة التانيث انما حذفت من نحو طالق و طامث و حائض ، لاختصاص المؤنث به ، و ذهب البصريون الى انه انما حذفت منه العلامة لانهم قصدوا به النسب ، و لم يجروه على الفعل ، و ذهب بعضهم الى انهم حذفوا العلامة منه لانهم حملوه على المعنى ، كانهم قالوا شيى حائض. اما الكوفيون فاحتجوا بان قالوا انما قلنا ذلک لان علامة التانيث انما دخلت في الاصل للفصل بين المذكر و المؤنث و لا شتراک بين المذكر و المؤنث في هذه الاوصاف من الطلاق و الطمث و الحيض و الحمل و اذا لم يقع الاشتراک لم يفتقر الى ادخال علامة التانيث لان الفصل بين شيئين لا اشتراک بينهما بحال محال.

و اما البصريون فاحتجوا بان قالوا انما حذفت علامة التانيث من هذا النحو لان قولهم طالق و طامث و حائض و حامل في معنى ذات طلاق و طمث و حيض و حمل على معنى النسب اى قد عرفت بذالک كمايقال رجل رامح و نابل اى ذورمح و نبل و ليس محمولا على الفعل ، و اسم الفاعل انما يؤنث على سبيل المتابعة للفعل

فعل مجازه مجاز بالنسب فان سميته بشيء صرفته لانه لا لفظ للتانيث فيه و لامعنى خصوص كقولک عقرب و عناق لان تلک اسماء فهي لما سميت به و نظير ذلک ما نعت به المذکر من المؤنثات و ذلک قولک بطل رفعة و غلام يفعة و رجل علامه و نسابة و رواية و نحو ذلک فهذا کله تصنعه الهاء من الصرف فى المعرفة[1] کما ان ذاک يطلقه فى الصرف اذا سميت به مذکراً ما يمنع هذا من العلامه ، فان کان شيء من هذا الذى و صفناه من نعت المؤنث على فعل لم يكن الاباالهاه لانه مضارع[2] بفعله و ذلک قولک اشذبت الطبية فهي مشذبة و اثلت فهي مثلثة و طلقت المراة فهي طالقة ، من ذلک قول الله عز و جل ، يوم ترونها تذهل کل مرضعة عما ارضعت[3] لانه جاء على الفعل لذکرک حائضة ارضعت و على ذلک قول الاعشى[4].

نحو ضربت المراة تضرب فهي ضاربة فاذا وضع على النسب لم يكن جاريا على الفعل و لا متبعاله فلم تلحقه علامة التانيث وصار بمنزله قولهم امراة معطار و مذکار و مئناث و مشير و معطير و صبور و شکور و خود و حصان و رزان قال حسان :

حصان رزان ما تزن بريبة

و تصبح غرثى من لحوم الغوافل

فان هذه الاوصاف و ما اشبهها لمالم تكن جارية على الفعل لم تلحقها علامة التانيث و کذلک ههنا ، و الذى يدل على صحة ما ذکرناه انهم لوحملوه على الفعل لدخلته علامة التانيث فقيل طلقت فهي طالقة و طمثت فهي طامثة و حاضت فهي حائضة و حملت فهي حاملة. قال الشاعر و هوالاعشى.

ايا جارتا بينى فانک طالقة   کذاک امور الناس غاد و طارقة

و منهم من تمسک بان قال انها حذفوا علامة التانيث من طالق و نحوه لانهم حملوه على المعنى کانهم قالوا شيء طالق او انسان طالق کما قالوا رجل ربعة فانثوا ، و الموصوف مذکر على معنى لفس ربعة و کما جاء فى الحديث مذ دجت الاسلام لان الاسلام بمعنى الملة . . . و الحمل على المعنى کثيرة فى کلامهم. [الانصاف ۳۲۲ ، ۳۲۳].

۱- ان هذه النعوت اذالم تذکر فتکون ممنوعة من الصرف للعلمية و التانيث اما اذا سمينا مذکرا بهذه الاسماء فانه تکون منصرفة.

۲- نعت المؤنث اذا کان مبنيا على الفعل فلابد من ان تلحقة الهاء.

۳- القرآن ۲۲ : ۲.

۴- هذا البيت فى اللسان ۲۲۶/۱۰ و منسوب ايضا لاعشى و اوله : "ياجارتا" بدل "يا جارتى". و طلاق المراة : بينونتها عن زوجها. و امراة طالق من نسوة طلق (اللسان ۲۲۶ : ۲) و ذکر هذا الشاهد فى کتاب المذکر و المؤنث لابن القاسم الانبارى ص ...

يا جارتی بِنی فانک طالقة
کذالک امور الناس غاد و طارقة

فانماهو کقولک احسنت و اکرمت و قامت و جلست فهی قائمة و جالسة و محسنة و مکرمة. قال الخلیل فی قول الله تعالی : ''السماء منفطربه [1]'' قال :

هو کقولک للدجاجة معضل[2]. المعضل[3] التی قدنشبت بیضتها فی جوفها و لوکانت علی الفعل لم یکن الامنفطرة کقولک منشقة و قال غیره السماء جمع[4] سماوة کقولک فی عبایة عباء و فی غطایة غطاء و فی هراوة هراء[5] فهو بمنزلة قولک تمرة و تمر و شعیرة و شعیر و کلا القولین حسن جمیل. و اما ذوات الاربعة و ما بعدها فهذا اوان ذکرها فمن ذالک قولک عقرب فتوقعه علی الجنس کله و الاسم مؤنث و کذالک کراع[6] و ذراع و قدام[7] و ورآء فالعرب تقول فی تصغیر قدام و ورآء قدیدیمة و وریئة ولولم یکن حق هذا وان کان مؤنثا ان تدخله الهاء لانها لاتدخل فیما جاوز الثلثة و لکن لما کانت الظروف[8] بانها التذکیر و کانت هاتین مؤنثین اضطروا الی ابانة ذلک فیهما. قال القطامی :

قدیدیمة التجریب و اعلم اننی   اری غفلات العیش قبل التجارب[9]

۱- القرآن ۲۳/۱۸۔

۲- النعت اذا کان مشترکابین الرجال و النساء فلابد من دخول هاء التانیث فیه هذا اذا کان علی وزن فاعل ، و کذلک اذا کان مبینا علی الفعل فلا بد من ان تدخله الهاء، و انما اذا تفرد به النساء دون الرجال لم تدخله هاء التانیث. [الابناری ۲۰]

۳- تقول عضلت المراة بولدها تعضیلا اذا نشب الولد و خرج بعضه ولم یخرج بعض ، و هی معضل بلا هاء : عسر علیها ولادة و کذلک الدجاجة بیضها. [اللسان ۱ : ۴۳]

۴- [راجع الابناری ۹۴].

۵- فان الهاء فیه للفرق بین الجمع و واحده.

۶- و الکراع علی وجهین من الانسان و الدابة مؤنثه و بعض العرب یذکرها و الکراع من الحره ما سال منها فتقدم مؤنثة [ابن الابناری ص ۴۵] کراع الغمیم موضع معروف بناحیة الحجاز [اللسان ۸ : ۳۰۹]

۷- و قدام : نقیض وراء ، و هما یؤنثان و یصغران بالهاء : قدیدمة و قدیدیمة و وریئة، و هما شاذان لان الهاء لا تلحق الرباعی فی التصغیر. [اللسان ۱۲ : ۴۶۶]۔

۸- و قال الفراء المواضع کلها التی یسمیها النحویون الظروف و الصفات و المحال فهی ذکران الا مارایت فیه شیئاً یدل علی التانیث الا انهم یؤنثون امام و وراء و قدام. [الانباری ۹۸]

۹- البیت فی اللسان ۱۲ : ۴۶۶ و ایضا فی المذکر و المؤنث لابناری ۹۸۔

فاما الذراع[1] و الكراع فاس هما بين فى اشعارهم و سائر كلامهم. يقولون هذا الثوب سبع فى ثمانية يريد سبع اذرع فى ثمانية اشبار. و الكراع من الحره ما سال منها فتقدم. قال الانصارى[2].

اضحت كراع الغميم موحشة
بعد الذى قدمضى من الحقب

قال اضحت و قال موحشة.
و قال آخر :

فظلت تكوس على اكرع
ثلاث و كان لها اربع[3]

و ذكر سيبويه واتبعه قوم كثير اله لوتسمى رجلا ذراعا[4] تصرفه فى المعرفة و حجته انه قال كثرت تسميه الرجال به فكانه اسم صيغ للمذكر. قال و بعضهم يصرف كراعا و ترك الصرف فيه اجود لانه لم يكثر التسميه به وقد سموا به فمن صرفه فالحجة فيه من باب الحجة فى ذراع و افاد قوله فى ذلک و كان لايصرف رجلا اسمه اسماء لكثرة تسميه النساء[5] به فهذا قياس ذلک و الصواب و الحق ان تجرى الفروع على اصولها فتصرف اسماء اسم رجل لانه جمع اسم و ان لاتصرف ذراعاً و لا كراعا فى المعرفة[6].

١- قال الفراء : الذراع انثى و قد ذكر الذراع بعض عكل فيقال الثوب خمسة اذرع و ستة اذرع و خمس و ست اذرع. و الكراع يذكر و يؤنث. حدثنى ابى عن محمد بن الحكم عن اللحيانى قال الكراع و الذراع يذكران و يؤنثان. قال و لم يعرف الاصمعى التذكير فيهما. [الانبارى ٧٤]
٢- لقد ذكر هذا الشاهد ابن القاسم الانبارى فى كتابه المذكر و المؤنث راجع ص ٤٣.
٣- هذا البيت ذكره المؤلف فى كتابه الكامل ١/٧٥٢ ولم ينسبه الى قائل و ذكره صاحب اللسان ٦ : ٩٩١ و فيه ان الكوس : المشى على رجل واحدة ، و من ذوات الاربع على ثلاث قوائم ، و لم ينسبه الى احد. و ذكره ايضا ابن الانبارى فى كتابه الانصاف فى مسائل الخلاف ص ٤٥ و ذكره ايضا صاحب المذكر و المؤنث ٤٣.
٤- ذراع مؤنث ، و لكن ان سمى به مؤنث فانه يكون منصرفا لكثرة تسميه الرجال به فكانه علم خاص بالمذكر.
٥- اذا سمى الدجل باسم هو خاص بالنساء فانه يكون ممنوعا من الصرف تبعا لاصله اذا توفرت فيه علل المنع.
٦- يريد ان يقول : ان لفظ اسماء جمع مفرده اسم و اسم هذا ليس فيه مايمنع الصرف فكذلک جمعه وان ذراعا و كراعا لاينصرفان فى المعرفة جريا على الاصل فيهما فانه التانيث.

فاما ما کان مثل الشخص و مثل الحی لوکان علی اربعة احرف لوجب ان تنصرف اسما لمذکرا وان سمینا بذلک نساءا و بالاخر قبائل لان الاسم فی نفسه مذکر. و کذلک تقول البلدة و البلد فتجری کل واحد علی لفظه مانعا کان او مطلقا. الا تری ان انسانا تقع المذکر و المؤنث و حقه ان یکون مذکرا لانه لاعلامه فیه[۳].

(باقی دارد)

۱- اسم المذکر ان سمینا به مؤنثا فانه یصرف و کذلک القبائل لان الاصل فی الحقیقا مذکر.

۲- فتمنع ماکان فیه الهاء و تصرف مالیس فیه الهاء.

۳- لان الاصل التذکیر و التانیث فرع عنه.

2. باب تصفه من المذكرو المؤنث فيكون مؤكدا لماضى و مفيد فيما بعده.[1]
3. باب اسماء السور و البلاد و القبائل[2]

There is an interesting discussion on the word and its plurals on f. 142 a.

Considering the importance of this work and the dependence of the subsequent writers on this small epistle and the fact that it exists in a unique manuscript it is necessary that this useful work of al-Mubarrad be edited and published so that the Scholars and students of Arabic Grammer be able to benefit from it. In order to assist the student and scholars of Arabic Grammer, I have undertaken upon myself to edit and publish this valuable manuscript.

The Manuscript.

The manuscripit is written in careless and inelegant nask which is crabbed and is sometimes very difficult to decipher. It is badly worm eaten, and has been mended by putting slips en torn pages, which have rendered several lines illegible. The whole text is written continously and very often the verses are not distingushed from prose. Most of the diacritical points and vovel points are not to be found in the manuscript, which further impairs its utility. There are some notes on difficut point of the book written by the same scribe which seem to have been copied from this *asl*. He gives variant readings above some of the words.

As no other manuscript of this work is availablc I had to rely on works of other authors on the same subject while diciphering doubtful words and fixing the correct text. I have mainly relied upon Kitab al-Mudhakkar wal Mu, annath of Ibn al-Anbari and discussions on al-Mudhakkar wal Muannath available in al-Mubarrads own works like al-Kamil and al-Muqtaḍab. I have also drawn upon al-lisan of Ibn Manzur and al-Taj of Zubaydi. Other source used by me have been mentioned in the foot notes of my edition.

I am thankful to Dr. Wahid Qureshi for including may article in Faculty Resaserch journal and thus enabling me to save this manuscript from oblivion.

---

1. Ibid. f. 128 b. 2. Ibid. f. 145 b.

*Dr. Zulfaqar Ali Malik**

Kitab al-Mudhakkar wal-Mu'annath

This valuable work exists in a unique manuscript in al-Maktaba al-Zahiriyya, Damascus, in a volume containing three books; the present manuscript is second in order of arrangement in that volume and covers folios 121 b to 138 b. It was transmitted by Abu 'Alī al-Ḥasan b. Ahmad b. 'Abd al-Ghaffar al-Farisi from Abu Bakr Muḥammad b. al-Sarī al-Sarraj, who read it with al-Mubarrad[2]. It was once a part of the endowment of Dar al-Ḥadith al-Ḍiya'iyya[3], which was established by Ḍiya'al-Din Muḥammad b. 'Abd al-Wahid al-Maqdisi in 620 A.H./122 A.D.[4], on Jabal Qasiyun[5]. Scholars like Muḥammad b. Muḥammad b. Abd Allah b. 'Alī b. Mashadha al-Isfahani, Ismā'il b. 'Alī b. al-Muslim b. Muḥammad b. 'Alī b. Maḥmud al-Baghdādī and Ibn al-Nashaf al-Wasiti seem to have used it[6].

The author in his small introduction explains the contents of the work as follows :

> "I will mention in this book masculine nouns and feminine nouns, those masculine nouns which contain the signs of the feminine gender, those of the nouns which can be used as masculine as well as feminine, those of the feminine nouns which have the signs of the feminie gender, and those which do not have that sign at all"[7].

After this introduction, al-Mubarrad explains the signs of the feminine gender علامة التانيث in detail[8], and then takes the problems mentioned in the introduction one by one and discusses them. The work is divided into three chapters, their captions being :

1. باب ما وقع فيه الهاء والألف اسما غير نعت و ما يكون نعتا.[9]

---

* Professor of Arabic & Chairman, Deptt. of Arabic, University of the Punjab.

1. Al-Khaza'in, 36.
2. *Al-Mudhakkar wa'l Mu'nnath*, f. 121 b.
3. Ibid.
4. *Khitat al-Sham*, 6/99. According to Kurd 'Ali the founder of this seminary was a reputed scholars of his age but he adds that nothing whatsoever is known of his life.
5. See *Mu'jam al-Buldan*, 7/11.
6. *Al-Mudhakkar wa't-Mu'nnath*, f. 121 a.
7. Ibid. 8. Ibid, f. 121 b. 9. Ibid, f. 121 b.

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر*

محمد بن قاسم الثقفی بحیثیت شاعر

برصغیر اور بلاد عرب کے تعلقات بھی اتنے ہی قدیم ہیں جتنی انسانیت کی محفوظ و معلوم تاریخ پرانی ہے۔ محمد بن قاسم بن محمد بن الحکم بن ابی عقیل بن مسعود بن عامر بن معتب الثقفی۔[1] کی آمد سے پہلے یہ سرزمین دین اسلام اور اہل اسلام سے بھی آشنا ہو چکی تھی۔[2] مگر اس حقیقت سے انکار شاید مشکل ہے کہ عربی زبان و علوم اور عربی شعر و شاعری کے چرچے باب الاسلام سندھ کے اس عظیم فاتح کی آمد کے ہی مرہون منت ہیں! قدیم عربی مآخذ میں ایسے شعراء کے نام اور ان کا کلام محفوظ ہوگیا ہے جو اس عظیم مسلمان سپہ سالار کے ہمراہ موجودہ پاک سرزمین میں وارد ہوئے اور سندھ و ملتان کی فتوحات کے بارے میں مختلف مواقع پر شعر کہے۔ ان قدیم مآخذ میں محمد بن قاسم کے بعض اشعار بھی محفوظ ہوگئے ہیں جن کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ سرزمین پاک میں عربی شعر و شاعری کی تاریخ کا سرعنوان بھی بن سکتا ہے۔ معجم الشعرا کے مصنف علامہ المرزبانی نے اسے کم گو (مقلین) شعراء میں شمار کیا ہے اور اس کے کلام کا نمونہ بھی درج کیا ہے۔[3]

محمد بن قاسم والی عراق حجاج بن یوسف کا رشتہ دار تھا (محمد بن قاسم کا دادا محمد بن الحکم حجاج کا سگا چچا تھا![4])، سندھ اور بلوچستان کے ساحلی علاقوں میں مسلمان سپاہی حضرت عمر ابن الخطابؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت امیر معاویہ کے عہد میں ہی پہنچ چکے تھے مگر اس سرزمین کو باقاعدہ فتح کرنے کا منصوبہ حجاج بن یوسف نے ہی بنایا تھا، محمد بن قاسم سے پہلے حجاج نے اپنے دو سپہ سالاروں عبیداللہ بن نبہان اور ابن طہفۃ البجلی کی قیادت میں دو لشکر یکے بعد دیگرے روانہ کیے تھے مگر یہ دونوں سردار مارے گئے تھے اور ان کی فوجی مہمیں ناکام ہو گئی تھیں، جو لشکر محمد بن قاسم کی قیادت میں روانہ ہوا اس نے تین سال کے

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی۔

۱- علی ابن حزم الاندلسی : جمهرة انساب العرب - ص ۲٦۸

۲- سید سلیمان ندوی : عرب و ہند کے تعلقات، ص ۱۰، مجلة كلية الآداب قاہرہ یونیورسٹی، مئی ۱۹۵۳ء

۳- معجم الشعراء ص ۴۴۳، تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند، ص ۴۰

۴- جمهرة انساب العرب، ص ۲٦۷ تا ۲٦۸

عرصے میں بلوچستان و سندھ کے ...

کر کے اسلامی خلافت میں شامل کر دیا ۔[1] موجودہ پاکستان کے بیشتر علاقے اموی خلافت دمشق کا ایک صوبہ بن گئے تھے ۔ خلیفہ ولید بن عبدالملک اور حجاج بن یوسف کی وفات کے باعث اس نوجوان سپہ سالار کو اپنی مہم مکمل کیے بغیر معزول کر کے قید میں ڈال دیا گیا تھا ، محمد بن قاسم پورے برصغیر کو فتح کرنے کا عزم رکھتا تھا ۔ اور اپنے حسن سلوک اور حسن انتظام کے باعث مقامی رعایا میں بے حد مقبول اور ہردلعزیز تھا حتیٰ کہ بقول بلاذری اس کی ہندو رعایا نے اس کی مورتی بنا کر اس کی پوجا شروع کردی تھی ۔[2]

محمد بن قاسم کا انجام بےحد المناک اور حسرت ناک ہوا ۔ اسے جب پا بہ جولاں لے جا کر واسط کی فوجی چھاؤنی میں قید میں ڈال دیا گیا تو اس نے اموی حکمرانوں پر اپنے احسانات اور اپنے شاندار کارناموں کا احساس دلایا جس کا ثبوت اس کے بعض اشعار سے بھی ملتا ہے مثلاً وہ کہتا ہے :

اضاعونی و ای فتی اضاعوا　　　لیوم کریھۃ و سداد ثغر

یعنی انھوں نے مجھے ضائع کر دیا مگر انھیں معلوم نہیں کہ انھوں نے میدان جنگ اور سرحدوں کی حفاظت میں کام آنے والے کیسے نوجوان کو کھو دیا ہے

بعض کا قول یہ ہے کہ اموی خلیفہ نے اسے معاف کر دیا تھا مگر صالح عبدالرحمن نے ذاتی عداوت و عناد کے سبب محمد بن قاسم کو قید میں اتنی اذیتیں پہنچائیں کہ وہ ان کی تاب نہ لا سکا اور اپنے خالق حقیقی سے جا ملا ۔[3] امام علی احمد بن حزم کا قول یہ ہے کہ ''وقتل نفسہ فی عذاب یزید بن المہلب'' یعنی اس نے یزید بن مہلب کی اذیت کے سبب خودکشی کرلی تھی ۔[4] بہرحال وہ عظیم نوجوان فاتح جس نے سترہ سال کی عمر میں لشکر کی قیادت کرتے ہوئے تین سال کے عرصے میں وادیٔ سندھ کو فتح کر کے اسلامی خلافت کا حصہ بنایا تھا سنہ ۹۸ھ (۷۱۶ء) میں اس دارفانی سے کوچ کر گیا ، ابھی اس کی عمر تقریباً چوبیس سال ہی تھی !

محمد بن قاسم کی فوج میں بعض ایسے سپاہی بھی تھے جو شعر گوئی کا بھی ذوق رکھتے تھے ، انھوں نے سندھ و ملتان میں اسلامی لشکر کی فتوحات کے بارے میں شعر کہے

۱۔ فتح نامہ سندھ ، ص ۲۲۱ ، فتوح البلدان ، ص ۴۴۴ ، ہاشمی فرید آبادی : مسلمانان پاکستان و بھارت ۱ : ۹۳

۲۔ فتوح البلدان ، ص ۵۳۹ ، ہاشمی فرید آبادی : تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ۱ : ۹۳

۳۔ خیر الدین زرکلی : الاعلام ۷ : ۲۲۵ ، معجم الشعراء ۴۴۳ ، الکامل ۴ :

۴۔ جمھرۃ انساب العرب ، ص ۲۹۸ ، فتوح البلدان ، ص ۶۰۸

جو کتب تاریخ و ادب میں محفوظ ہوگئے ہیں داہر اور اس کے بیٹے کے قتل کے بارے میں ایک شاعر نے کہا تھا :

نحن قتلنا داهراً و دوهرا　　والخیل تردی منسراً فمنسرا

یعنی ہم نے داہر اور دوہر کو قتل کر دیا ، شہسوار فوج کے بعد فوج کو ہلاک کرتے جا رہے تھے ۔

بلاذری نے لکھا ہے کہ فتح سندھ اور راجہ داہر کے قتل کی خبر سن کر حجاج بن یوسف نے اس فوجی مہم پر خرچ ہونے والے پیسے کا اندازہ لگایا تو معلوم ہو کہ اس پر چھ کروڑ درہم خرچ ہو چکے ہیں جبکہ مال غنیمت کے طور پر حاصل ہونے والا سرمایہ بارہ کروڑ درہم سے زائد ہے ۔ اس پر حجاج نے کہا تھا : ''ہم نے غیظ و غضب کی آگ بھی ٹھنڈی کر لی ، انتقام بھی لے لیا ، داہر کا سر اور چھ کروڑ درہم کا سرمایہ زائد منافع کے طور پر حاصل ہوگیا ہے ا'' داہر کو جس مسلمان سپاہی نے قتل کیا تھا اس کا نام عمرو بن خالد الکلابی تھا جو شعر گوئی کا بھی ذوق رکھتا تھا ، اس نے محمد بن قاسم کی مدح کرتے ہوئے اپنے اس کارنامے کو یوں بیان کیا ہے :[1]

الخیل تشهد یوم داہر والقنا　　و محمد بن القاسم ابن محمد
انی فرجت الجمع غیر معرد　　حتی علوت عظیمهم بمهند
فترکته تحت العجاج مجدلاً　　متعفر الخدین غیر موسد

(۱) داہر کے خلاف لڑی جانے والی جنگ کے بارے میں شہسوار ، نیزے اور محمد بن قاسم بن محمد گواہ ہیں کہ :

(۲) میں ادھر ادھر بھاگے بغیر لشکر کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا تھا حتیٰ کہ تلوار ہاتھ میں لیے ان کے بڑے آدمی پر چڑھ گیا تھا ۔

(۳) میں نے اسے خاک میں روند کر رکھ دیا تھا ، اس کے رخسار خاک آلود ہو چکے تھے اور اس کا سر تکیہ کے بغیر خاک پر پڑا تھا !

نوجوان سپہ سالار نے کم عمری میں جس حسن تدبر اور حسن انتظام کے ساتھ قائدانہ صلاحیت کا مظاہرہ کیا اسے بھی اس کے معاصر شعراء نے اپنے اشعار کا موضوع بنایا اور محمد بن القاسم کو شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا ہے ، حمزہ بن بیض الحنفی بھی محمد بن القاسم کا معاصر شاعر تھا وہ نوجوان سپہ سالار کی یوں مدح سرائی کرتا ہے :[2]

ان المروة والسماحة والندی　　لمحمد بن القاسم ابن محمد
ان المنایا اصبحت مختالة　　بمحمد بن القاسم ابن محمد

۱- طبری ۲ : ۱۲۰۰ ، فتح نامہ سندھ ، ص ۱۸۵ ، فتوح البلدان ، ص ۵۳۵

۲- فتوح البلدان ، ص ۴۴ ، الکامل ۳ : ۱۲۳

سباس الجیوش لسبع عشرة حجة   یا قرب ذلک سود دآ من مولد

ترجمہ : (۱) بلاشبہ مروت ، سخاوت اور فیض رسانی محمد بن قاسم بن محمد کے لیے مختص ہے ۔

(۲) محمد بن قاسم کے سبب موت بھی اپنی قسمت پر فخر کرتی ہے (کہ وہ دشمنوں کو بکثرت موت کے گھاٹ اتارتا ہے) ۔

(۳) اس نے سترہ برس کی عمر میں لشکر کی قیادت کی ! سبحان اللہ ! یہ سرداری بچپن کے کسی قدر قریب ہے !

ایک اور شاعر زیادہ الاعجم ہے جو اموی دور کے کئی جرنیلوں کے ساتھ فوجی مہمات میں شریک تھا ، وہ بھی محمد بن قاسم کی بے مثال قیادت کو خراج تحسین پیش کرتا ہے :[1]

ساس الرجال لسبع عشرة حجة   ولداتہ عن ذاک فی اشغال

قعدت بھم اھوائھم و سمت بہ   ھمم الملوک و سورة الابطال

(۱) اس نے سترہ سال کی عمر میں لوگوں کی قیادت کی حالانکہ اس کے ہم عمر ایسی باتوں سے غافل ہو کر کھیل کود میں مست تھے !

(۲) ان (اس کے دوسرے ہم عمروں) کو تو ان کی خواہشات نے پست ہمت بنا دیا جبکہ اس کی شاہانہ ہمتوں اور بہادرانہ ولولوں نے اسے بلندیوں پر پہنچا دیا ۔

سندھ کی فوجی مہم پر روانہ ہونے سے قبل اور فتوحات میں مشغولیت کے زمانے میں محمد بن قاسم کی شعر و شاعری سے کسی قسم کی دلچسپی کا تذکرہ نہیں ملتا ، لیکن گرفتاری اور زندان میں اذیت رسانی کے بعد یکایک اس کا شاعرانہ جذبہ بیدار ہوتا ہے اور ایک الوالعزم نوجوان سپہ سالار ہمیں ایک ہونہار شاعر کے روپ میں نظر آنے لگتا ہے ۔

قید و بند کی صعوبتوں کے دوران میں محمد بن قاسم نے جو اشعار کہے ان میں حسن معانی کے ساتھ ساتھ جمال لفظی بھی موجود ہے ، اسلوب میں بے ساختگی اور روانی ہے ، ابن قاسم کے یہ اشعار عربی شاعری کی فصاحت و بلاغت کا رعب و جلال بھی رکھتے ہیں ۔ محمد بن قاسم کے یہ اشعار اندلس کے عہد ملوک الطوائف کے مشہور شہزادے محمد ابن عباد اشبیلی کے ان اشعار کی یاد دلاتے ہیں جو اس نے اپنے زمانہ اسیری میں کہے تھے !

محمد بن قاسم اپنے اشعار میں کہیں تو اپنی بہادری اور فروسیت کا تذکرہ کرتا ہے جس کا مظاہرہ اس نے فارس و سندھ کے جنگی میدانوں میں کیا تھا ، کبھی وہ بنو امیہ کی بے قدری اور احسان فراموشی کا گلہ کرتا ہے اور یہ احساس دلاتا ہے

۱۔ ایضاً ، ہاشمی فرید آبادی : تاریخ مسلمانان پاکستان و بھارت ۱ : ۹۱ ۔

کہ اگر وہ بنو امیہ کے خلاف بغاوت کر دیتا تو اس کی وفادار فوج اور جان نثار رعایا کی موجودگی سے اس کا کوئی کچھ نہ بگاڑ سکتا۔

چنانچہ ایک سپاہی کی وہ قوتیں جو صرف جہاد ہونا چاہیے تھیں وہ قید و بند کی اذیتوں اور صعوبتوں کے باعث شاعرانہ جذبے میں ڈھل جاتی ہیں اور وہ کہتا ہے:[1]

فلئن ثویت بواسط و بارضھا رھن الحدید مکبلا مغلولا

فلرب فتیة فارس قدو رعتھا و لرب قرن قد ترکت قتیلا

(۱) اگر میں آج سرزمین واسط میں لوہے کی بیڑیوں اور ہتھکڑیوں میں جکڑا ہوا ہوں تو کیا ہوا؟

(۲) ایک وہ وقت بھی تو تھا جب میں نے فارس کے بے شمار نوجوانوں کے چھکے چھڑا دیے تھے اور کئی ایک کھوپڑیوں کو تہ تیغ کر دیا تھا۔

محمد بن قاسم کے جو اشعار المرزبانی نے معجم الشعراء میں نقل کیے ہیں ان میں عرب کے شہسوار شاعروں کی ہیبت اور طنطنہ بھی موجود ہے اور وہ عرب سرداروں کی شرافت و نجابت کے آئینہ دار بھی ہیں، ان کے الفاظ و معانی میں وہ حسن و رعنائی موجود ہے کہ اگر وہ اس کے سوا کچھ اور نہ بھی کہتا تو یہی چند اشعار اسے عرب کے فصیح و بلیغ شعراء کی صف میں شامل کرنے کے لیے کافی تھے۔

ابن قاسم کا ایک مصرعہ تو ضرب المثل کا درجہ حاصل کر چکا ہے:[2]

''فیالک دھر بالکرام عثور!

''اف زمانے! تو عظیم شرفا کو کیا کیا لغزشیں دکھاتا ہے!''

اس رائیہ قصیدہ کے صرف یہ چند اشعار دستیاب ہیں:

اتنسی بنو مروان سمعی و طاعتی و انی علی ما فاتنی لصبور

فتحت لھم ما بین سابور بالقنا الی الھند منھم زاحف و مغیر

فتحت لھم مابین جرجان بالقنا الی الصین القی سدہ و اغیر

لوکنت اجمعت القرار لوطئت اناث اعدت للوغی و ذکور

و ما دخلت خیل السکاسک ارضنا ولا کان من عک علی امیر

ولا کنت للعبد المزونی تابعاً فیالک دھر بالکرام عثور!

(۱) کیا بنو امیہ میری اطاعت گزاری کو فراموش کر سکتے ہیں؟ میں تو چھن جانے والی عزت پر ہر حال میں شاکر ہوں۔

(۲) میں نے تو ان امویوں کے لیے پیدل و سوار فوج لے کر اور مسلح ہو کر بلاد فارس اور سرزمین ہند تک فتح کر دی ہے؟

۱۔ الکامل ابن الاثیر ۳: ۱۳۴، فتوح البلدان، ص ۵۳۹

۲۔ معجم الشعراء للمرزبانی، ص ۴۴۳، فتوح البلدان ۵۳۹، الکامل ۴: ۱۳۴، ہاشمی: ۱/ ۹۳

(۲) میں نے تو جرجان سے لے کر چین تک کا وسیع علاقہ بھی اموی خلافت کا حصہ بنا لیا تھا!

(۳) اگر میں مقابلے کی ٹھان لیتا تو جنگ کے لیے آنے والے سب مرد و زن کچل کر رکھ دیتا۔

(۵) سکسکی سردار کے شہسوار ہماری سرزمین پر قدم نہ رکھ سکتے، نہ بنوعک میں سے ہمارا کوئی اسیر ہو سکتا۔

(٦) اور نہ میں مزونی غلام کے تابع ہو سکتا! اف زمانے! تو عظیم شرفاء کو کس طرح گراتا رہتا ہے!

مذکورہ اشعار کے گہرے مطالعہ کے بعد ہمارے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ محمد بن قاسم کی گرفتاری سے برصغیر میں اسلامی فتوحات کی پیش رفت کو کیا دھچکا لگا اور اس کی موت سے عربی شاعری کو کتنا بڑا نقصان پہنچا!

sor. If we claim that Shah 'Ali Akbar's tomb at Multan was exactly a miniature copy of Rukn-i-'Alam's mausoleum,[23] it can safely be said that this un-known tomb was greatly inspired by the mausoleum of Shaikh 'Ala' al-Din at Pakpatan.[24]

23. *c.f.* Ahmad Nabi Khan, Mausoleum of Sultan Ali Akbar, Multan, in *Jour. Res. Soc. Pak.*, vol. xiv, no. 1 (January. 1977) p. 1 ff.
24. Idem, The Mausoleum of Shaikh 'Ala' al-Din at Pakpatan, (Punjab) etc. in *E & W. op. cit.*

3. این عمارت را خانزاده دولت خان [ابن]
4. مسند عالی تاتار خان ـ فی السابع والعشرین
5. فی شهر صفر الخذی و تسعین و ثما [ثمانة]

1. In the reign of the greatest king,
2. Buhlul Shah, may God perpetuate his kingdom,
3. This building was founded by Khanzada Daulat Khan (son of)
4. Masnad-i-'Ali Tatar Khan
5. On the 27 Safar 891.

II. The second inscription executed in Naskh characters on the facade of the northern arch within the scroll records the date 1017/1608. It reads:

چراغ مقبلان ہرگز نمیرد ۱۰۱۷ء

III. The third inscription is again executed on a stucco tablet placed in the centre of the front octagon of the drum (fig. 3C). Carved in high relief in rough Nasta'liq in two lines, it reads:

این عمارت را راست کنانیده نیاز الدین و توزمی دار (؟) ولد جلال الدین خان
معمار برادر غلام رسول امام بخش ۱۲۲۰

The building was repaired by Niaz al-Din ..... son of Jalal al-Din Khan, architect, brother of Ghulam Rasul Imam Baksh, in 1220/1805.

IV. The last but not the least in importance is the tughra inscription carved in stucco on an octagonal tablet and fixed in the centre of the decorative jali placed in the blind arch of the main entrance. The whole surat al-Akhlas has been interwoven in the octagon beautifully and superbly, a specimen of architectural calligraphy practised even during the days of Moghul rule (fig. 36).

CONCLUSION :

It may be assumed that the stucco decoration executed at different places of the tomb belongs to these two later periods of repairs and renovation. However, the original fabric of the structure is still intact and is in a fairly good state of preservation. The tomb therefore can be taken as a significant specimen of the Multan style of architecture which remained popular among the people for long. In fact, the popularity of the style was to the extent that every new tomb built during the period was generally inspired by its predeces-

It appears that after 126 years, in 1017/1601, some other person was buried there beside the main grave. This is indicated in the second inscription discussed below. It was at this time that the tomb was decorated with floral scrolls running in the portal frames and elsewhere on the exterior surface. The terracotta jali, fixed in the spandrels and the other ornamental jalies and the tughra (fig, 38) fixed on the portal might also date from the same period. In 1220/1805, the tomb was again repaired and renovated, as recorded by yet another inscription put on the front octagon of the drum (pl.II B). The big medallions should also belong to this date. However, none of these inscriptions reveal the purpose and justification of these renovations, nor do they mention the name or names of the personages lying buried there.

THE INSCRIPTIONS

As mentioned above, the tomb bears several inscriptions which provide the history of its construction and renovation. Among these, the most important is the Persian inscription carved on a red sand stone slab, 17 inches by 11 inches, now fixed on the left of the northern *Mehrab* at the head of the main grave. The stone slab possesses five lines in Persian carved in Naskh characters decayed and chipped off at places, and record the construction of an edifice by Daulat Khan son of Masnad-i-Ali Tatar Khan[22] During the process of its removal from its original place, most probably at the time of the first renovation of the tomb, the edges specially its four corners were damaged badly, leaving out the words carved thereon. The style however, corresponds very much with the architectural calligraphy practised during the period, specially at the provincial centres. The date recorded at the end of the inscription in 27 Safar 891/4 March 1486 (fig. 3A). The text reads :

1. در عہد دولت سلطان اعظم
2. بہلول شاہ خلداللہ ملکہ ۔ بنا کرد

22. Another published inscription on which this title has been used dates 969/1561 and belongs to Gaur, Malda district, Bengal. It is now preserved in the Indian Museum, Calcutta. *See* Shams al Din Ahmad 'Some unpublished Inscriptions of Bengal' in *Epig. Indo-Muslimica* (1933-4) p. 9 sqq.

sons either joined Babur's army or left him alone. Earlier he was defeated and ousted from Lahore by Lodi forces and later dislodged by Babur who thereafter placed Lahore, Sialkot and Kalanaur under his own officers, and Dipalpur under 'Alam Khan.[18] Daulat Khan was assigned Jullundur and Sultanpur only.

Daulat Khan protested against these arrangements and disgusted went into hiding with his son Ghazi Khan with the intention to strike back at appropriate moment and to get back what he had lost. However, his own son Dilawar Khan joined Babur against his father and was given the title of Khan Khanan with Sultanpur as his *jagir*. Babur's next visit to invade Hindustan in Safar 932/November 1525, and defection by his sons, however, frustrated Daulat's designs and he ultimately submitted to the victorious invader. He alongwith other captive Afghan chiefs were given into the charge of Kitta Beg who was to convey them to the fort of Bhira. Unfortunate Daulat Khan was not destined to reach the place of his captivity and while on march with Babur's army, died at Sultanpur the city which he had himself founded on 26 Rabi al-Awwal 933/10 January 1526.[19] He left behind four sons who subsequently played significant role during the early reign of the Moghul emperors. They were : Dilawar Khan, Ghazi Khan, Haji Khan,[20] and Apaq.[21]

LETER RENOVATION AND THE DATE OF THE TOMB

The tomb has undergone additions and ornamentation at least twice, as indicated by the epigraphical evidence available on the body of structure. There are two graves erected inside marked by brick cenotaphs plastered with mud, now in a very dilapidated condition. The inscription now fixed at the dado level in the western jam of the Mehrab records that the tomb was erected in 891/1486.

should be a gift to himself of mango or betel, fruits of that land. It so happened that Daulat Khan had sent him, as a present, half-rippened mangoes preserved in honey; when these were set before him, he accepted them as the sign, and made preparation for a move on Hindustan". (Beveridge vol. ii, p. 440).

18. Ibid.
19. Ibid, p. 461 and f. n. 3.
20. CHI, vol. iv, p. 10.
21. Beveridge p. 461.
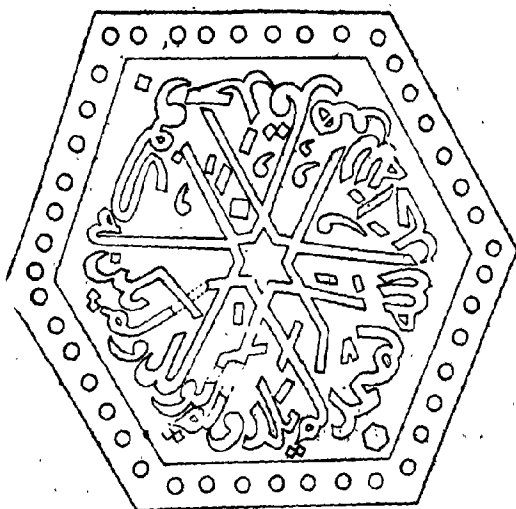
(A)—Persian Inscription, dated 891.

(B)—The Tughra of Surat al-Akhlas,

Persian Inscription, dated 1202.

Khan revolted against his sovereign. The rebellion was suppressed by Sikandar, son and heir-apparent of Buhlul Lodi,[12] and the rebelled governor was transferred to Jhatra.[13] Tatar Khan died sometimes in 908/1502 or 909/1503 and his son Daulat Khan was allowed by Sikandar Lodi to retain only Lahore.[14] However, the epigraphical evidence discussed below will show that Dipalpur was under the adminstrative control of Daulat Khan even during the days of Tatar Khan.

The new arrangement made by Sikandar Lodi created much serious rift between the Sultan and the governor, and the bad blood continued spoiling mutual trust and personal relations. Sikandar and, after him, his son and successor Ibrahim, could find little time to deal with the governor who gained power and influence in the Panjab gradually but steadily.[15] During the last phase of his reign, Ibrahim sent for Daulat Khan to Dehli. But the governor who was then in the prime of his power having ruled the fertile lands of the Panjab for the last twenty years,[16] refused to obey the Sultan's command, and invited Babur from Kabul to destory the power of his sovereign.[17] Daulat Khan's designs could not succeed ; his own

---

12. Abdullah, *Tarikh-i-Daudi*, f. 32 b.
13. The identification and location of this place is not certain now.
14. A.S. Beveridge, *op. cit.* p. 383.
15. It appears that the arrangement of Sultan Sikandar did not continue for long, as we find Daulat Khan's sons ruling various parts of the Panjab on behalf of their father. For instance, 'Ali Khan was ruling Khushab and Bhira at the time of Babur's invasion, *c. f.* Beveridge, pp. 382-83.
16. Ahmad Yadgar, *Tarikh-i-Salatin-i-Afghana* (Bib. Ind. Calcutta 1939) p. 87.
17. *Ibid.* Beveridge, *op. cit.* p. 439-40. The details recorded by Babur are interesting and worth-quoting "Wedding festivities (of Mirza Kamran) were in progress when Dilawar Khan reached Kabul. He presented himself, at the Char-bagh and had word taken to Babur that an Afghan was at his Gate with a petition. When admitted, he demeaned himself as a suppliant and proceeded to set forth the distress of Hindustan. Babur asked why he, whose family had so long eaten the salt of the Ludis, had so suddenly deserted them for himself. Dilawar answered that his family through 40 years had upheld the Ludi throne, but that Ibrahim maltreated Sikandar's amirs, had killed 25 of them without cause, some by hanging, some burned alive, and that there was no hope of safety in him. Therefore, he said, he had been sent by many amirs to Babur whom they were ready to obey and for whose coming they were on the anxious watch. At the dawn of the day following the feast, Babur prayed in the garden for a sign of victory in Hindustan, asking that it
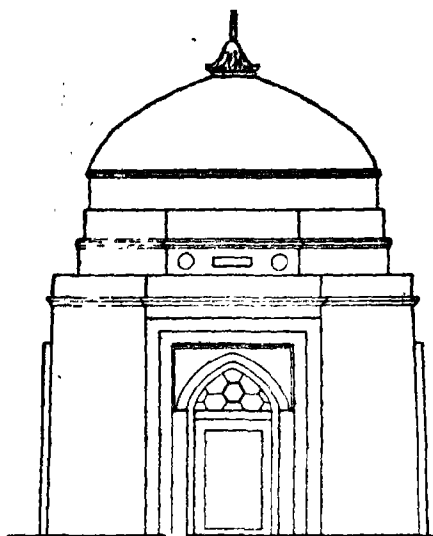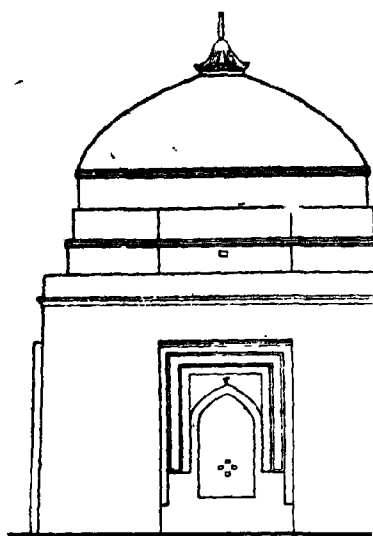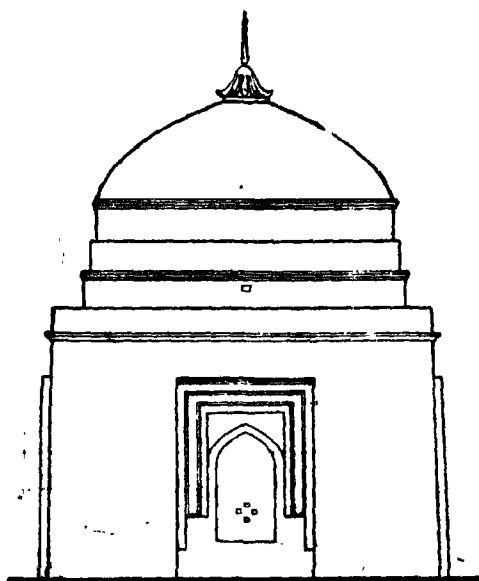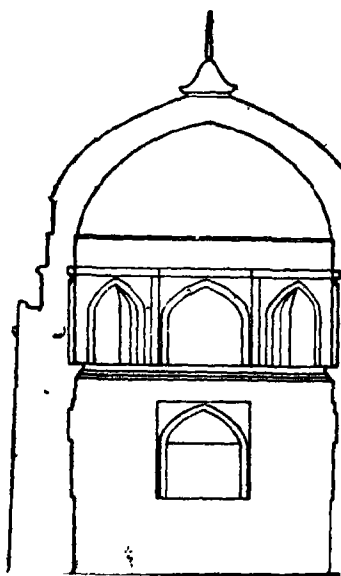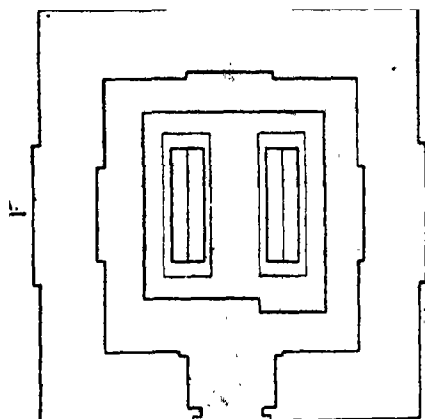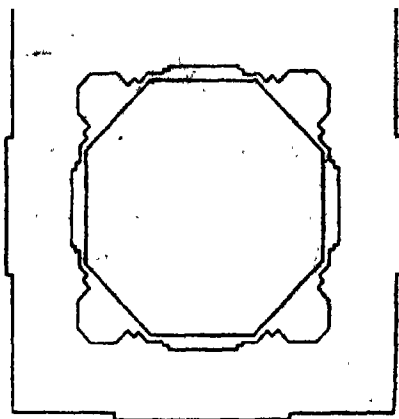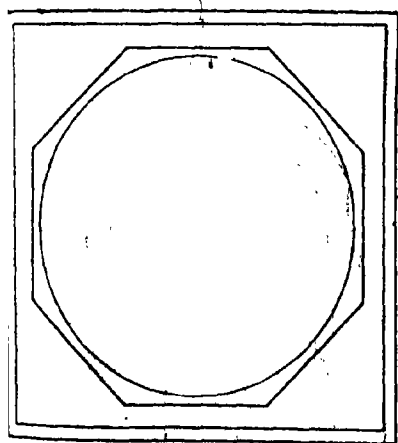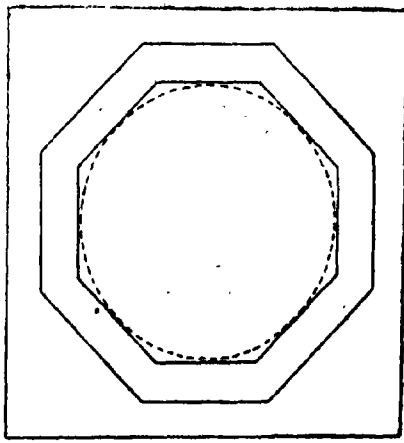
Dipalpur : An Un-known Tomb.

Dipalpur : An Un-kuown Tomb.

moulding and, above it, a row of inverted lotus crowns the dome. The discs of the finials have dis-appeared now (Pl. I B). The surface of the dome as well as the drum has been lime plastered.

The octagonal base of the drum has been placed on squinches created, as usual, by dividing the square-shaped compartment into octagonal (Pl. II A), strengthened by wooden beams, a usual phenomeno with most of the specimens of Multan style of architecture. The squinches are simple arched-corner spaces separated with vertical panels of somewhat triangular shape.

THE FOUNDER

The personality who is lying buried in this imposing sepulchre, is not known to us. However, the edifice was, according to the main inscription detailed below, crected by Daulat Khan, son of Masnad-i-'Ali'[8] Tatar Khan, sometimes called Lodi due to his close association with Lodi ruling family.[9] Tatar Khan was one of the most influential and leading nobles of Buhlul Lodi who were responsible for his elevation to the Dehli throne.[10] Contemporary as well as later historions speak highly of him and his scions who played significant role in the administrative and political activities of the period. During the zenith of his power, Tatar Khan held the parts of the country located north of Sutlej and Sirhind, the best and most fertile lands of the Punjab which yielded a revenue of three crore of rupees.[11]

However, during the last days of Buhlul Lodi relations between the king and his governor became estranged so much so that Tatar

8. 'Masnad-i-Ali' was an honorific title used by the Afghan kings to address their nobles and very senior officers. c.f. M A. Rahim, *History of the Afghans in India* (Karachi 1961). pp. 52-53. The title was also used earlier by the Sayyids specially with the name of Khizr Khan prior to his accession to the Dehli throne. c.f. Yahya Sirhindi, *Tarikh-i-Mubarak Shahi* (Bib. Ind. Calcutta 1931) pp. 161, 166-68, 170 and 177. It was common among the Suri kings as well. Abbas Khan Sarwani, for instance, used it with a Sarwani chief 'Isa Khan whose father Uma Khan Sarwani, also held the title. See. *Tuhfa-e-Akbar Shahi* (I.O. MS. DP/611) fol. 83b. The title did not altogether disappear during the Moghul period as at least two officers of the Akbar's reign were called Masnad-i-'Ali' c.f. Blochmann, *A'in-i Akbari* (Calcutta 1873) vol. i p. 502 and 523.

9. Babur calls him 'Yusuf Khaili', vide A.S. Beveridge, *Memoirs of Babur* (London n.d.) Fas. ii. p. 283.

10. Ibid.

11. Ibid.

having a delicately carved geometrically designed screen (pl. II B). In the centre is a hexagon filled with a tughra of surat al-Akhlas (fig. 3 B).

The parapet is a simple flat top running 2 feet and 6 inches high and marked by a brick cornice. It is lime plastered while the rest of the exterior surface has been left naked. The naked portion is a beautiful specimen of cut-brick work. The pent takes the shape of a triangle decorated with a floral pattern on which is placed a thick horizontal band consisting of a series of diamonds. It is interesting as well as significant to note that similar decorative balconies have been provided on the exterior of the tomb of Sheikh 'Ala' al-Din at Pakpattan.[7] The imitation openings to balance the exterior surface of the east and west are marked with slightly projected rectangular frames consisting of an outer flat frame crowned by a frieze of merlons placed on a slightly projected cornice, while the inner frame has a flat frame within which is a three-centred arch with its spandrels decorated with terra-cotta jali of usual hexagons. On either side of the frame is a flat cavity used as a vertical drain. Similarly, the decorative frame on the north is more profusely embellished; the treatment being the same as the arch shaped panel enclosed by a three-band frame, the central band of which runs upright while the top is decorated with a floral scroll made in stucco, somewhat similar in design to that on the main entrance. The top band possesses a Persian inscription carved in Naskh. The spandrels are decorated with an interlaced terra-cotta jali.

THE DOME

The tomb is crowned with a hemispherical dome placed on a high octagonal drum, each octagon of which is decorated with nine high merlons placed on a pronounced cornice consisting of a projected moulding and a floral band below it. The octagon corresponding the main entrance has been decorated with two large sized medallions having intersected geometric pattern, created in stucco, and an oblong frieze, also in stucco, possessing a Persian inscription. On the drum is placed the great dome embellished with a cavetto

---

7. c. f. present writer's article' The Mausoleum of Shaikh 'Ala' al-Din at Pakpattan (Panjab)' in *East & West*, vol. 24, nos. 3-4, (September-December), 1974, p. 311 ff.
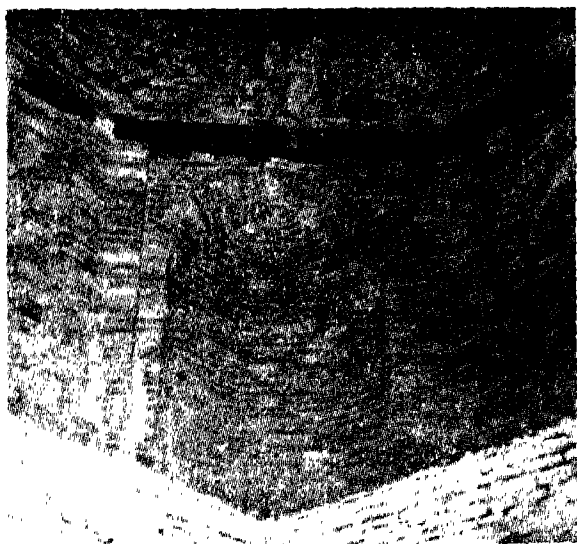
(A)—Dipalpur: An un-known tomb.
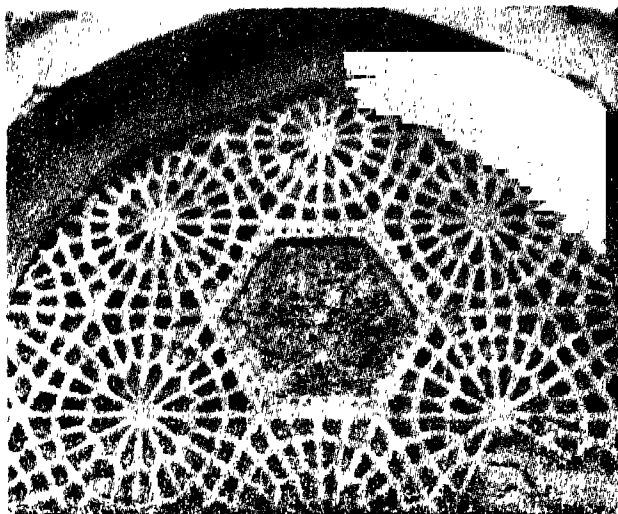
(B)—Dipalpur:-An un-known tomb. The stucco ornamental tracery with a *tughra* in the centre.
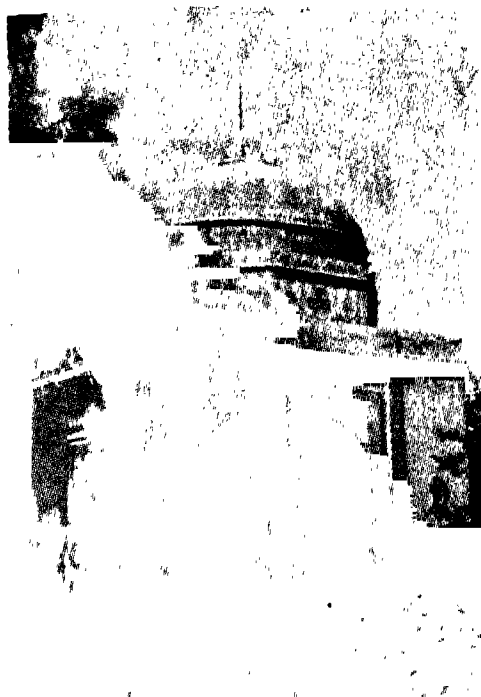
(A)—Dipalpur: An un-known tomb. General view from the south.
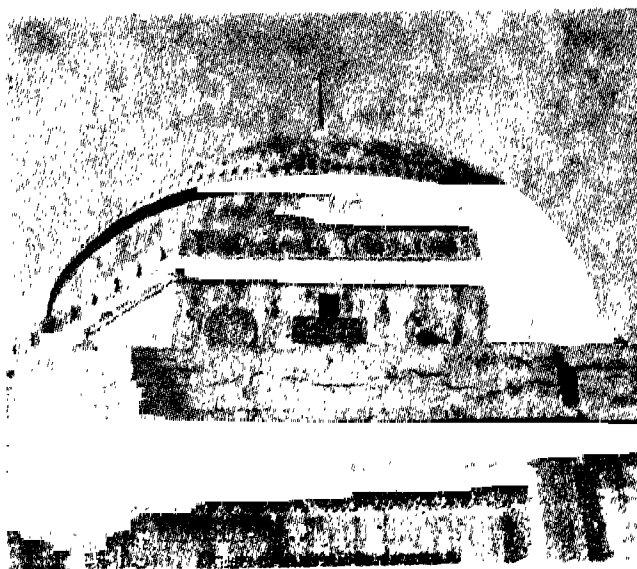
(B)—Dipalpur: An un-known tom[illegible]

tombs erected here give an idea of the architectural richness Dipalpur once possessed. The high and sloping lanes and streets and the dilapidated old houses spread throughout the ancient city, reveal the characteristic medieval period's township. These edifices though mostly in ruins now, provide vital statistics of the socio-economic conditions of that period.[6]

Recently, the area of Dipalpur and its neighbourhood was re-surveyed by the writer of this article to search for its hitherto unknown or little known architectural wealth. During these operations, a number of architectural monuments as well as epigraphical records were discovered revealing the past glory and importance of this city. Among these, a comparatively smaller tomb situated at the back of the Firuzia Jame' Mosque is an important edifice showing the gradual process of evolution which the Multan style of architecture underwent at these important centres. The following is the description of this edifice.

THE TOMB : ITS ARCHITECTURE

Square on plan and measuring 20 feet 6 inches side with slightly battered walls (pl. Ia, fig. 2), the tomb is a brick structure having one arched portal on the south, two imitation openings on the east and west marked by slightly projected rectangular frames and a mehrab on the north, indicated with a similar projection. The main entrance on the south is formed by a slightly projected rectangular frame, the surface of which is divided into three bands running up-right and at top for decoration purposes. The side bands are flat while the central one consists of a delicately intertwined floral scroll made in stucco. At the centre of the top within the scroll is a crouchette in which is carved in Naskh the name of the prophet. Within the triple frame is the main entrance which takes the shape of a decorative arch with spandrels embellished with a terra-cotta jali made of hexagons. The peak is filled with a double semi-circular blind arch

6. The high and low mounds located in the neighbourhood of the present day town provide an archaeological evidence of its antiquity. The mounds are evidently the remains of a fortified town and its outer habitation. *See*, for details, Alexander Cunningham, *Ancient Geography of India* (Calcutta, 1924) vol. i, pp. 213-14.

*Dr Ahmad Nabi Khan**

A Hitherto un-Noticed Tomb of Multan Style of Architecture at Dipalur (Punjab)

Dipalpur or Deobalpur or Deopalpur of medieval historians is one of the most ancient and important historic cities of Pakistan. Today, it is situated on the old bank of the river Beas, in 30° 41' N. and 73° 32' E. in the Sahiwal district of the Punjab and is the headquarter of a tehsil of the same name established in 1870.[1] Its origin goes deep into antiquity and is attributed to the legendary Dipa, one of Raja Saliwahan's sons after whose name it was called Dipalpur.[2] The city however rose into prominence with the establishment of the Tughluq dynasty whose founder, Ghazi Malik or Ghiyas al-Din Tughluq was, prior to his elevation to the throne of Delhi, appointed its governor by 'Ala' al-Din Khalji.[3] The activities and administrative reforms of the new governor gave a new impetus to the so far little known and insignificant *iqta'*, making it the *'iqta'-i, buzurg*, as recorded by the contemporary historians.[4] It became the principal centre of socio-political activities of area and a number of edifices, both religious and secular, were built here during this and subsequent periods. The town was regarded secend only to Multan possessing 84 towers, 84 mosques and 84 wells.[5] The great Jame' Mosque built by Firuz Shah Tughluq, the impressive fortificatio.. with high bastions and gateways of the Lodi period, and several

---

* Superintendent of Archaeology, Northern Circle, Old Fort, Lahore.

1. Panjab District Gazetteers, vol. xviii-A, Montgomery District, part A (Lahore 1933) p. 69.
2. See, for details, present writer's article, 'Debalpur Through the Ages, in Jour. Res. Soc. of Pakistan, vol. vii no. 1 (Jan. 1970) p. 62 *sqq*.
3. Ibn Battuta, *Rehla*, (GOS) p. 48. For a curious story about his succession to the throne, related by 'Afif, *see* his *Ta'rikh-i-Firuz Shahi* (Bib. Ind.) p. 36 sqq.
4. Mahdi Husain, *The Rise and Fall of Muhammad Bin* Tughluq (London 1938) p. 28 fn. 5.
5. Drstiict Gazetteer p. 70.

at Merv, when he was a child of six.[1] On 10 Dhu 'l-Ḥijja 514 another of his teachers, namely Ibrāhīm ibn Muḥammad ibn Muḥammad ibn al-Ḥasan ibn Amīrawaih al-Ṣāliḥūnī died. He was with him, and he says :[2] كتب الى الاجازة بجميع مسموعاته. As regards Abu 'l-Hasan 'Alī ibn al-Ḥusain al-Ḥafṣawī al-Marwazī (who died in 515, when Abū Sa'd al-Sam'ānī was 9 years old), he gave lecturers at the Masjid al-Qaffāl in the Fullers Street (=Sikkat al-Qaṣṣārīn) at Merv. al-Sam'ānī used to sit in his Class.[3]

In 520, when Abū Sa'd al-Sam'ānī was a lad of 14, a teacher called Abu 'l-Qāsim Ismā'īl ibn Aḥmad ibu Muḥammad ibn al-Ḥasan al-'Aṭṭār al-Ṣaidalānī who had already granted an "ijāzā" to the author in the year 509 (at the age of 3) died.[4]

Abū Sa'd has recorded that the year 527 (December 1132) witnessed the severest weather while he was journeying to Bukhārā to meet Abu'l-Faḍl Muḥammad ibn 'Alī ibn Sa'īd of Bukhara (d.536) and to obtain from him an "ijāza" which he subsequently gave him.[5] We do not get further details.

We find a few indications in this MS to the effect that this work was undertaken by Abū Sa'd in a much later part of his life, and this *Mu'jam al-shuyūkh* was therefore going to possess the best qualities of his authorship. He had by then gained a lot of experience and had gathered a large treasure of information. For instance under Amīr 'Abd al-Raḥmān ibn al-Muwaffaq,[6] Abū Sa'd al-Sam'ānī says in the MS : مات فى التاسع عشر من شوال سنة و اربعين وخمسمائة leaving a small gap between سنة and واربعين. Yāqūt al-Ḥamawī, probably quoting from al-Sam'ānī's *Taḥbīr*, does not give any date at all.[1] The *Ansāb* lacks the article on "Dīwaqānī". Again the complete ancestral line of Abū Sa'd al-Sam'ānī is to be found given in the MS (folio 17 b) under biographical sketch of his unlce Abū Muḥammad al-Ḥasan ibn Manṣūr (d. 1 Jumādā I 531).[2] It reads :[3]

ابو محمد الحسن بن منصور بن محمد بن عبدالجبار بن احمد بن محمد بن جعفر بن احمد بن عبدالجبار بن الفضل بن الربيع بن مسلم بن عبدالله بن عبدالحميد التميمى . . .

While the one given in the *Ansāb*[4] is evidently defective :

ابو منصور محمد بن عبدالجبار بن احمد بن محمد بن جعفر بن عبدالجبار بن الفضل بن الربيع بن مسلم بن عبدالله السمعانى التميمى . . .

1. *Ansāb*, 25 b - 26 a. 2. Folio 1 b. lines 5-10. 3. *Ansāb*, 171 b - 172 a.
4. Folio 1 b. lines 23-24. 5. Folio 100 b. lines 12-16 6. Folio 41 b. line 20.

ibn al-Ḥusain ibn Ḥamza ibn al-Qāsim ibn Ja'far ibn 'Aqīl ibn Muḥammad ibn'Abd Allāh ibn Muḥammad ibn 'Umar ibn Alī ibn Abī Ṭālib, who died on 7 Muḥarram 507, when Abū Sa'd was hardly 5 months old) issued an "ijāza" to Abū Sa'd al-Sam'ānī.[a]

The last date occurring in the MS seems to be that of the death of Abū 'Umāra Ḥamza ibn Abī Ṣādiq Muḥammad ibn Aḥmad al-Hamadhānī al-Qaṣṣār (d. 15 Jumādā II 507).[1] In a biographical note on Abu 'l-Fatḥ Mas'ūd ibn Muḥammad ibn Sa'īd ibn Mas'ūd ibn 'Abd Allāh al-Mas'ūdī, the author gives the dates :[2]

ولادته يوم الاربعاء فى الثانى عشرين من شهر ربيع الاول من سنة ثلاث و ثمانين
واربعمائة بمرو. و قيل توفى سنة ثمان و ستين و خمسمائة (=568)

This is inherently improbable, for al-Sam'ānī died on 1 Rabi' I 562.[3] In the margin, however, there is an entry made in dim ink possibly in the same hand, explaining :

هذا ليس من قول السمعانى لأنه توفى قبل هذا

Therefore the MS cannot be an autograph.

Another discrepancy in the great *Mu'jam al-buldān* comes to light when we study the biography of Abu 'Abd Allāh Raḥmat Allāh ibn 'Abd al-Raḥmān ibn al-Muwaffaq. Yāqūt mentions him under "Dīwānaja"[4] that according to Abū Sa'd al-Sam'ānī this scholar died at Dīwāqān in Dhu 'l-Qa'da 505. But the MS reads :[5] سمعت منه بديوقان ، و من ابنه بهراة. Dhu 'l-Qa'da 505. The year 505 is infeasible, for Abū Sa'd al-Sam'ānī was born on 21 Sha'bān 506.[6]

Of the earliest reminiscences recorded by Abū S'ad al-Sam'ānī in his *Mu'jam al-shuyūhh* (MS) is that of Abū 'Uthmān Ismā'īl ibn Sahl ibn Abī Sahl ibn Muḥammad al-Muqri' of Nīshāpūr (d. 5 Rabī' I 519),[7] who granted him the "ijāza" in 509. This was only when Abū Sa'd was only three years old and was learning the *Qur'ān* under this teacher. 'Abd al-Ghaffār ibn Muḥammad ibn al-Ḥusain ibn Shīrawaih al-Junābidhī of Nīshāpūr[8] is another teacher under whom he studied when he was only three years and a half, of course in the year 509. Then we find the author observing the funeral ceremony of Abū Bakr Muḥammad ibn al-Ḥusain al-Arsānīdi (d. Rabī' I 512)

---

a. Folio 3 b, lines 3-9. 1. Folio 22 b. lines 19-21. 2. Ibid.
3. Ibn Khallikān, s. v. 4. *Mu'jam al-buldān*, s. v. 5. Folio 25 a, lines 9-12.
6. Ibn Khallikān, s. v. 7. Folio 3 b. lines 10-12. 8. Folio 49 b, lines 19-20

[1] ابوالقاسم أحمد بن أحمد بن اسحاق بن موسى الدنداناقانى الصوفى (-٥٣٠ ٥٥)

The name of his uncle Aḥmad al-Sam'ānī Abu'l-Qāsim (b. 487-d. 534)[2] could still be added. He had taken the young scholar to Nīshāpūr.

But now we have to examine if the MS is the *Mu'jam al-shyūkh* or the *Taḥbīr*.

Though some scholars[3] think that the *Taḥbīr* and the *Mu'jam al-shuyūkh* are one and the same work of Abū Sa'd al-Sam'ānī, but the description given by various scholars like Ibn Khallikān,[4] al-Dhahabī[5] and Ḥajjī Khalīfa[6] lead us to the conclusion that the *Taḥbīr* was several times larger than the *Mu'jam al-shuyūkh*, to the retio of 40 : 300. Hence the MS under examination cannot be the magnus opus (the *Taḥbīr*) of al-Sam'ānī.

To further bear it out, we may like to compare the excerpts of the *Taḥbīr* given in the *Mu'jam al-buldān* of Yāqūt al-Ḥamawī[7] regarding Abū Sa'd Khālid ibn al-Rabī'ibn Aḥmad ibn Abi'l-Faḍl ibn Abi'l-'Āṣim al-Ṭūrānī, where two of his beautiful poetical lines are quoted as specimen. In the Mu'jam (MS), al-Sam'ānī briefly mentions him only as a poet of spontaneity.[8] Yāqūt quotes from the *Taḥbīr* and gives two of his lines.

Again, regarding Abū Bakr Khalaf ibn Aḥmad ibn Abī Aḥmad al-Marw al-Rūdhī, Yāqūt[9] says on the authority of the *Taḥbīr* that he died in Rajab 506. In the MS (*Mu'jam al-shuyūkh*)[10] the date of death of Abū Bakr Khalaf ibn Aḥmad is not given. He however mentions that the "ijāza" was issued in Rajab 506. The strangest aspect of this piece of information is that Abū Bakr Khalaf ibn Aḥmad al-Marw al-Rūdhī had issued the "ijāza" in favour of Abū Sa'd al-Sam'ānī a month before his birth. This "ijāza" was obtained on a request made by Abū Bakr al-Sam'ānī, for his son to be born in a month or so. We also learn that a teacher (Abu 'l-Ḥasan Ismā'īl

1. On the authority of the *Taḥbīr* of Abū Sa'd al-Sam'ānī, see *Mu'jam al-buldān*, art. Dandānaqān.
2. *Ansāb*, 308 b, lines 9 ff.
3. Al-Ṭāshkuprī-zāda : *Miftāḥ al-sa'āda*, i. 211.
4. *Wafayāt al-a'yān*, ii. 378.
5. *Tadhkirat al-ḥuffāẓ*, iv. 110
6. *Kashf al-ẓunūn*, per index.
7. Article Ṭūrān.
8. Folio 23 b (A), lines 4-9.
9. Art. Maw al-Rūdh.
10. Folio 23 a (B), line 16.

حسرين سهور،

بتفقه على والدى رحمه الله[1] and

And.[2] ولما ورد مرو نزل رباط السلطان وحملت اليه مع اخى عبدالوهاب رحمه الله و كانْ لى اذ ذاك تسع سنين فتواضع لنا وا كرمنا غاية الاكرام ، وسمعنا منه بقراءة عمى ابى القاسم السمعانى رحمه الله[3] نسخة دينار بن عبدالله عن أنس بن مالك رضى الله عنه .

Here under the biographical note on Abū 'Alī al-Ḥusain ibn 'Alī al-Lāmishī (d. 522)[4] the author mentions an emissary of the Khāqān Muḥammad Ărsalān Khān ibn Sulaimān ibn Dāwūd (fl. 495-524 . . 526-536)[5] to the Court of the Caliph al-Mustarshid bi'llāh (fl. 52.-529), he alighted at the Royal Guest House in Merv. Abū Sa'd al-Sam'ānī and his elder brother Abu'l-Muẓaffar 'Abd al-Wahhāb (whom he speaks of as dead now) were carried to his audience. He did great honour to the young nephews of his teacher Abu'l-Qāsim al-Sam'ānī. This was in the year 515 ; and in return a few months later, Abū Sa'īd Yaḥyā ibn 'Alī was sent on a royal errand to the Court of the Khāqān.[6] A study of this exchange of diplomatic messages and their results yields an independent research paper to be contributed at a subsequent date.

Finally, in very clear terms the author mentions his father and his mother :[7]

أم البنين فاطمة بنت الحسن بن أحمد بن ابى نصر الزندخانى السرخسى والدتى رحمها الله من اهل سرخس من بيت الرئاسة والتقدم . والدها كان رئيس مرو وهى كانت راغبة فى الخير كثيرة المعرف والاحسان الى الناس . وكانت ولادتها بالزندخان سنة نيف و ثمانين وأربعمائة ، و ماتت بسرخس سنة ثلاث و ثلاثين وخمسمائة . سمعت والدتى رحمها الله تقول سمعت والدى أبا بكر محمد السمعانى يقول . . .

He also mentions his maternal uncle :[8]

خالى أبوعبدالله[9] محمد بن الحسن بن أحمد بن أبى نصر الزندخانى .

It is therefore decidedly proved that the MS is one of the works

1. Folio 87 b. line 16.
2. Folio 20 b, lines 7-9.
3. B. 487 - d. 534.
4. D. 522 (Yāqūt, see art. لامش)
5. Zambaur, *Mu'jam al-usrāt* . . . , p. 313.
6. *Ansāb*. 173 a.
7. Folio 145 a, lines 15-19.
8. Folio 87 b, line 13 : *Ansāb*, 280 a.
9. In the *Ansāb* (op. cit.) his patronym is Abū Bakr (b. 490 circa - d. Dhu 'l-Ḥijja 549).

ink is black with a brownish tinge of meg-nut. The script is evidently a fast cursive Naskh of sixth century (Hijra).

The outer boards are flapped off, probably due to rough handling one some occasion, but later the binding has crudely been mended with a piece of silk cloth.

At places the MS is worm-eaten and has several small round perforations here and there. The first folio and the last three folios are water-stained, making a part of the text completely illegible.

Paper of the MS has fabricational defects, e g. the top left corner of Folio 52 is torn off. The scribe has therefore not cared to mend it with pasting a slip onto it. Similar fabricational defects are to be found on Folio 90 and 94. A small slip has however been pasted on Folio 78 to mend the space in the middle of the lowest edge.

The MS bears a few seal impressions. The old seal reads : المكتبة العمومية in Ṭughrā, and is impressed on Folios 62 a and 145 b. A larger seal within two concentric circles which reads : المكتبة الظاهرية in modern type is to be found printed on Folio 5 b.

The writer of these lines possesses a photographed copy of this MS.

A close examination of the MS confirms that it is a composition of Tāj al-Dīn Abū Sa'd 'Abd al-Karīm al-Sam'ānī (b. 21 Sha'bān 506, d. Rabī' I 562), the author of the celebrated Dictionary of Ansab (sing. *nisba* : ascription, *Nomina relativa*, or relative adjectives—and the adjectival forms indicating tribal relation, so popular among the Arabs, or signifying connection with places, trades, occupations, sects, or some other form of location).[1] The author is Abū Sa'd al-Sam'ānī, for he frequently mentions his grandfather : جدى الامام ابوالمظفر السمعانى.[2] He mentions his father:[3] حملنى والدى رحمه الله الى نيسابور ، و كان يحضر الشيخ عنده فى مدرسة أبى نصر بن ابى الخير و يحضرنى واخى مجلسه عنده ، وسمعنا منه الكثير و كنت ابن ثلاث سنين و نصف . واكثر التسميعات مثبتة بخط والدى رحمه الله ، كان يكتب فى السماع عنه اسم نفسه ثم يقول و حضر ابنه ابو المظفر عبدالوهاب يعنى اخى واحضر أخوه ابو سعد عبدالكريم . وكان بينى و وبين أخى

1. Cf. W. Wright : *Grammar of Arabic Language*, Cambridge 1967, i. 149-165.
2. Folios 2 a, line 3 ; 18 b, line 10 ; 54 a bis.
3. Folio 49 b, lines 18-22.

*Dr M. N. Ehsan Elahie**

A MS Copy of al-Sam'ani's Tahbir

AT the other end of the Sūq Musaqqaf (the roofed market) of Damascus in close vicinity of the great Umayyad Mosque, there stands a 700 year old structure called al-Ẓāhiriyya. This is a library, and a public library—and no more a Madrasa now. Precisely it is called the Maktabat al-Ẓāhiriyya al-'Umūmiyya. The Research Academy (المجمع العلمي) of Damascus is also housed in one of its flanks.

Among the several rare manuscripts preserved in this grand library perhaps the most attractive, though relatively less attended to, is the one catalogued under "History - Biographies" as the well-known *al-Taḥbīr* of Abū Sa'd al-Sam'ānī.[1]

This MS, as it exists today, contains 158 folios on thick Baghdadi paper, now slightly brown with age. It is defective at both ends. Without mentioning the title of the work[2] and the name of its author and even without proper doxology or the usual form of introduction the MS abruptly opens with : والعشرين من شهر رمضان سنة أربع و أربعين وخمسمائة ودفن بمقبرة الغرباء خلف الجامع. Likewise the MS lacks the colophon. While enumerating the lady scholars,[3] the author reaches حرف الكاف - من اسمها كريمة.[4] Here the text closes. Obviously the MS should not have lost more than four or five of the folios from the beginning, and a similar number of folios at the end.

The size of the page is 11¼″ × 8¼″ with 23 lines to a page.[5] The

---

* Retired Associate Professor, Punjab University, Lahore (Editor).

1. Yusūf al-'Ishsh : فهرس المخطوطات بدار الكتب الظاهرية, Damascus 1947, p. 181.
2. On the outer cover, the title "*al-Taḥbīr* li'l-Sam'ānī" appears in a recent hand.
3. From Folio 140 b.
4. Folio 148 b.
5. 24 lines to a page are to be found on folios 8 b ; 9 a ; 52 a, b ; 53 a ; 96 a. And 22 lines to a page are to be counted on folios 51 a ; 94 b.

Quarterly
RESEARCH JOURNAL
FACULTY OF ISLAMIC & ORIENTAL LEARNING

UNIVERSITY OF THE PUNJAB. LAHORE
(PAKISTAN)

مجلۂ تحقیق

کلیۂ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ
پنجاب یونیورسٹی، لاہور
(پاکستان)

مجلۂ تحقیق

جلد : ۲ شمارہ : ۴

مقالات کے مندرجات کی ذمہ داری مقالہ نگار حضرات پر ہے۔ مقالہ نگار کی رائے پنجاب یونیورسٹی یا کلیہ علوم اسلامیہ و ادبیات شرقیہ کی رائے تصور نہ کی جائے۔

ناشر : گلزار احمد

طابع : مرزا نصیر بیگ

مطبع : جدید اردو ٹائپ پریس، ۲۹- چیمبرلین روڈ لاہور

مقام اشاعت : فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ، یونیورسٹی اورینٹل کالج، لاہور

فون : ۶۷۵۶۰ / ۳۱۲۷۹۷

شمارۂ مسلسل : ۸

چندہ سالانہ : ۳۰ روپے

قیمت فی شمارہ : Rs 7

ترتیب

اداریہ

مجلۂ تحقیق، جلد ۲، شمارہ ۴، حاضر ہے۔ اس کے ساتھ مجلے کا دوسرا سال ختم ہوتا ہے۔ تیسرے سال کا پہلا پرچہ شمارۂ خاص ہوگا۔ پندرھویں صدی ہجری کے آغاز کی تقریبات میں اس اشاعتِ خاص کے ذریعے ہم شرکت کی سعادت حاصل کریں گے۔ نمبر اس سے پہلے آ جانا چاہیے تھا لیکن بوجوہ ہم اس میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ انشاء اللہ آئندہ شمارہ اسی موضوع کے لیے وقف ہوگا۔

مدیر

ڈاکٹر عابد پشاوری*

انشا کے خاندان کے بارے میں کچھ نئی معلومات

مختلف کتابوں میں انشا کے تین بیٹوں کا ذکر ملتا ہے دو کے نام معلوم اور ایک کا نا معلوم ۔ کوئی دو سال پہلے ان کے تیسرے بیٹے کا نام بھی بہ یقین معلوم ہوگیا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کب پیدا ہوا ، اس کی عمر کیا تھی ۔ حال ہی میں کچھ ایسا مواد دسترس میں آیا ہے جس سے اس بیٹے کے متعلق ہماری معلومات میں کچھ اور اضافہ ہوتا ہے ۔ اس سے پہلے کہ اس بیٹے کا ذکر کیا جائے میر ماشا اللہ والد انشا سے متعلق کچھ نئی معلومات کا اظہار مقصود ہے ۔

میر ماشا اللہ خان مصدر کی وفات کے باب میں اب تک ہماری معلومات قیاسی ہیں ۔ عیار الشعراء میں خوب چند ذکا نے انھیں مرحوم لکھا ہے ۔ ذکا نے اپنا تذکرہ خود اس کے قول کے مطابق ۱۲۱۳ھ میں ختم کیا ۔ (اگرچہ اضافے بہت بعد تک ہوتے رہے جن کی تفصیل میں جانے کا یہاں موقع نہیں ۔) ڈاکٹر محمد انصار اللہ نظر نے عبدالغفور نساخ کا تذکرہ قطعۂ منتخب مرتب کر کے رسالہ اردو (کراچی) میں بالاقساط شائع کروا دیا تھا ۔ ترجمۂ انشا کے حاشیے میں انھوں نے بغیر کسی حوالے کے ماشا اللہ خان مصدر کو ''متوفی قریب ۱۲۱۰ھ بمقام فرخ آباد'' لکھا ہے[1] شیخ احمد علی کا قول ہے کہ ''نواب مظفر جنگ چندے بقدر ضرورت تواضع می کرد'' سے یہ مطلب بھی نکلتا ہے کہ کچھ مدت نواب ان کی کفالت کرتے رہے لیکن نواب کے انتقال کے بعد یہ سلسلہ منقطع ہوگیا ۔ تاریخ فرخ آباد مؤلفہ ولی اللہ میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں نواب مظفر جنگ کے عہد میں قناعت گزیں ہوئے اور معمولی آمدنی پر اکتفا کر کے بعزت بسر کرتے رہے اور وفات پائی اور شاہ اسد کے تکیے کے قریب دفن ہوئے ۔''[2]

نواب مظفر جنگ ۲۸ ربیع الاول ۱۱۸۵ھ بمطابق ۱۲ جولائی ۱۷۷۱ء کو تیرہ چودہ سال کی عمر میں (ولادت ۱۱۷۱ھ/۵۸-۱۷۵۷ء) تخت نشین ہوئے اور

---

* ریڈر شعبۂ اردو ، جموں یونیورسٹی ، جموں ۔

۱۔ قطعۂ منتخب رسالہ ''اردو'' کراچی بابت جولائی اگست ستمبر ۱۹۶۸ء مرتب محمد انصار اللہ نظر مصنفہ عبدالغفور نساخ ۔

۲۔ تاریخ فرخ آباد از ڈبلیو ارون ۔ اردو ترجمہ ، ص ۱۵۲-۱۲۳

۸ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۷۹۶ کو بعمر ۳۸ برس انتقال کیا ۔ اگر ولی اللہ کا بیان درست مانا جائے تو ماشا اللہ خاں کی وفات کسی وقت ۸ ربیع الثانی ۱۲۱۱ھ ۱۲ اکتوبر ۱۷۹۶ سے قبل ہوئی ہوگی لیکن شیخ احمد علی کے مندرجہ بیان کے پیش نظر دوسرے قیاس کی روشنی میں میر ماشا اللہ خاں کا نواب مظفر جنگ کے بعد بھی زندہ رہنا بہ خوبی ممکن ہے ۔ ذیل میں اس قیاس کی پختگی کا ثبوت مہیا کیا جاتا ہے ۔

اب تک انشا کے کلام نظم و نثر میں میر ماشا اللہ خاں کی وفات سے متعلق کوئی بیان یا اشارہ نہیں ملا تھا ۔ حال ہی میں ایک دوست نے میری درخواست پر مخطوطہ دیوان انشا مملوکہ انجمن ترقی اردو کراچی) کا فوٹو مجھے بھجوایا (جو ۱۵ جنوری کو یہاں پہنچا اور ۱۸ جنوری کو جلد بندھ کر آیا، یہ نسخہ کئی لحاظ سے اہم ہے ۔ اس کا تعارف کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھتا ہوں ۔) حیرت اس امر پر تھی کہ انشا اپنے خاندان والوں کی طرف سے اتنے ہی بیگانے تھے کیا ان کا یہ قول واقعی درست تھا ع ''دریں زمانہ کسے را کسے نمی پرسد'' ۔ لیکن قرائن مشعر ہیں کہ انشا کا سارا کلام نظم و نثر مدون نہیں ہو سکا ۔ بہت سا کلام ادھر ادھر ہوگیا بہت سا ضائع ہوگیا ہوگا ۔ خود انشا اس معاملے میں خاصے بے پروا نظر آتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام کا کچھ حصہ کہیں ملتا ہے اور کچھ کہیں ۔ کچھ سال پہلے شرح طور الکلام کا مائکرو فلم مجھے مانچسٹر سے حاصل ہوا تھا ۔ تقریباً دو سال پہلے قرآن شریف کا ایک نسخہ بھاگل پور (بہار) میں دریافت ہوا ہے جس سے انشا فال لیا کرتے تھے اور اس کی تفصیل انہیں کے قلم سے درج ہے ۔ اور اب زیر گفتگو نسخہ کراچی سے پہنچا ہے ۔ دو تین دن کے سرسری مطالعے سے معلوم ہوا کہ اس مخطوطے میں کچھ چیزیں ایسی ہیں جو اب تک شائع نہیں ہوئیں ، نہ ہندوستان میں اور نہ پاکستان میں ۔ انہیں میں میر ماشا اللہ خاں کی تاریخ وفات بھی ہے ۔ اس سلسلے میں پہلا مادہ اس طرح ہے :

کلام اللہ ماشا اللہ کان و مالم ماءلم یکن ۔

اس پر بطور عنوان ''تاریخ وفات قبلہ گاہی میر ماشا اللہ خان عفی عنہ'' درج ہے اور اس کے نیچے ''۱۲۱۵'' ۔ لیکن اس عبارت سے ۱۲۱۵ کی بجائے ۹۰۴ نکلتا ہے گویا اس میں ۳۱۱ عدد کی کمی ہے ۔ اس کمی نے توجہ دلائی کہ کاتب نے یا تو کوئی لفظ چھوڑ دیا ہے یا غلط لکھا ہے ۔ دوسرے امکان پر اک ذرا سا سوچا تو خیال آیا ہے کہ اگر ''ماء'' کو ''یشاء'' پڑھیں تو یہ کمی بہ قدر ۳۱۰ عدد پوری ہو جائے گی بہ شرطے کہ ہمزہ کو مہمل چھوڑ دیا جائے ۔ اردو میں ہمزہ عموماً لکھا نہیں جاتا اور اگر لکھا جاتا ہے تو اس پر توجہ نہیں کی جاتی لیکن عربی میں

ہمزہ کا ایک مستقل مقام ہے ۔ یہ لکھنے میں آتا ہے اور پڑھنے میں بھی ، یعنی جہاں مکتوب ہو ملفوظ بھی ہوتا ہے اسی نسبت سے اسے محسوب بھی ہونا چاہیے ۔ اس حساب کتاب کے بعد میں نے یہ مادہ نقل کا لاصل کے اصول پر ایک کاغذ پر نوٹ کر لیا اور یونیورسٹی کے لیے روانہ ہوگیا ۔ وہاں پہنچ کر اپنے رفیق کار مولانا منظر اعظمی صاحب کو یہ مادہ دکھایا اور معنی پوچھے ۔ پہلے تو وہ کچھ الجھے لیکن جب میں نے ''ساء'' کو ''یشاء'' پڑھنے کا اپنا قیاس ظاہر کیا تو انہوں نے اس کے صحیح اور بامعنی ہونے کی تصدیق کر دی ۔ (ایک اور عربی مادے میں بھی منظر صاحب سے مدد ملی جس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں) اس طرح پہلا مرحلہ طے ہوا اور معلوم ہوا کہ میر ماشا اللہ نے ۱۲۱۵ھ میں انتقال کیا ۔ مذکورہ مادے کے نیچے ایک تاریخ درج ہے ۔

تاریخ وفات قبلہ گاہی مرحوم

سدھارے قبلہ گاہی اس جہاں سے
کہی تاریخ ہاتف نے ''دریغا'' ۱۲۱۵

پڑا پھرتا ہے آنکھوں میں ہماری
وہ کنٹھا اور ان کا ٹیڑھا تیغا (اصل ٹھیڑا)

اس قطعے میں تاریخ تو مصرع اولیٰ کے آخری لفظ ''دریغا'' میں آ گئی تھی اس کے باوجود انشا نے ایک شعر اور بڑھایا ۔ کیا وہ اس نظم میں کچھ اور اضافہ کرنا چاہتے تھے؟ شعر کا انداز اس کی تصدیق نہیں کرتا۔ بہرحال اس سے ماشا اللہ خاں کی شخصیت کا ایک پہلو بے نقاب ہو جاتا ہے ۔ آزاد نے ''آب حیات'' میں لکھا ہے کہ جب انشا کے بھائی دلی آئے تو بھی گلے میں ایک پارے کا کنٹھا پہنے ہوئے تھے چنانچہ آزادوں کے لہجے میں غزل کہہ کر انشا نے داد زبان دانی دی ہے ۔ یہ تو معلوم نہیں کہ انشا کے کوئی بھائی واقعی پارے کا کنٹھا پہنتے تھے لیکن مندرجہ قطعے سے معلوم ہوا کہ انشا کے والد ضرور کوئی کنٹھا پہنے رہتے تھے اور ٹیڑھا تیغا بھی باندھتے تھے جو ان کی شخصیت کا جز بن گئے تھے ورنہ ان کے ذکر کا کوئی جواز نہیں تھا (انشا خود بھی کٹار باندھتے تھے ۔ مرزا مظہر سے ملاقات کے بیان میں اس کا ذکر موجود ہے ۔ ملاحظہ ہو دریائے لطافت) ۔

تیسرے قطعے پر بھی وہی عنوان ہے :

تاریخ وفات قبلہ گاہی مرحوم

ماشا اللہ از جہان رفت — چون آئینہ چشم حیرتی شد
دل سال وفات گفت حالا — ماشا اللہ جنتی شد

۱۲۱۵ھ

عام قاعدے سے دوسرے مصرعے کے اعداد ۱۱۰۵ ہوتے ہیں ۔ اگر اللہ کے ۶۶ عدد لیے جائیں (عام طور سے ایک "ل" شمار ہوتا ہے لیکن کبھی کبھی ضرورتاً شعراء دو "ل" شمار کر کے ۶۶ عدد بھی لیتے ہیں) تو ۱۱۷۵ ہوں گے جس کا مطلب ہے کہ مصرع اولیٰ کا "حالا" جس کے عدد ۴ ہوتے ہیں بھی تاریخ کا جز ہے ۔ اس طرح تاریخی مادہ : "حالا ماشا اللہ جنتی شد" ہوگا ۔

تاریخ وفات قبلہ گاہی مرحوم

چون اسد جنگ سید نجفی   از جہان رفت سوئے دار نعیم
سال تاریخ گفت غمزدۂ   جائے او در بہشت دادہ کریم

آخری مصرعے کے نیچے کوئی سنہ نہیں لکھا ۔ شمار سے ۱۲۱۶ برآمد ہوتا ہے ۔ اس کی ایک معمولی تاویل تو یہ ہے کہ تاریخی مادے میں ایک عدد کی کمی بیشی کی اجازت ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ مادۂ تاریخ کسی اور نے نکالا ہو اور انشا نے صرف نظم کیا ہو جیسا کہ ایک اور قطعے میں بھی ہے (ذکر اپنے مقام پر آئے گا) "غمزدۂ" بھی اسی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ بہ ہر حال یہ قطعہ کئی لحاظ سے اہم ہے ۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ منقولہ بالا قرات تو دیوان کے متن میں کاتب کے قلم سے ہے لیکن اس کے حاشیے پر خود بہ قلم انشا اس قطعے کی دوسری قرأت ملتی ہے ۔ ملاحظہ ہو :

چون اسد جنگ سید نجفی   رخت بر بست سوئے باغ نعیم
گفت تاریخ رحلتش شخصے   جائے او در بہشت دادہ کریم[1]

اب دیکھنا یہ ہے کہ جب قطعہ متن دیوان میں موجود تھا تو اسے حاشیے میں لکھنے کی کیا ضرورت تھی ؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ انشا پہلی قرات سے مطمئن نہیں تھے اور اس میں تبدیلی کرنا چاہتے تھے ۔ شاید زبان و بیان کی کسی کمی کو دور کرنے کے لیے یا شاید معنوی وضاحت کی خاطر "غمزدۂ" سے وضاحت نہیں ہوتی کہ کون غمزدہ ؟ ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ ممکن ہے کہ مادۂ کسی دوسرے شخص نے فراہم کیا ہو اور اس کا غمزدہ ہونا ضروری نہیں ۔ انشا

۱۔ "او" کی جگہ پہلے انشا دلی لکھ گئے تھے ۔ اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں ۔ اول یہ کہ اس سے پہلے قطعے کا تیسرا "دل" سے شروع ہوتا ہے جو خود انشا کا کہا ہوا ہے اور اسی التباس ذہنی کے سبب پہلے دل لکھا لیکن بعد میں خیال آیا تو اس کے نیچے "او" لکھ دیا اور ابتدا میں "جائے" بڑھا دیا ۔ بڑی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ "دادہ" پہلے لکھ گئے دل کے دائرے میں خم اس پر مشعر ہے لیکن خیال آنے پر لفظ قلم زد کرنے کے بجائے اس کے نیچے "او" لکھ دیا ۔

نے اس کی وضاحت کر دی اور "غمزدۂ" کو ہٹانے کے لیے پورا مصرع بدل کر "غمزدۂ" کی جگہ "شخصے" رکھ دیا جس سے معلوم ہوا کہ مادہ کسی دوسرے شخص کا فراہم کیا ہوا ہے ۔ ورنہ اگر تاریخ خود انشا نے نکالی ہوتی تو "شخصے" کی جگہ انشا رکھ دینے میں کیا امر مانع تھا ؟ دونوں بہ اعتبار وزن برابر ہیں ۔ اس سے ایک نتیجہ اور بھی نکلتا ہے اور وہ یہ کہ ممکن ہے میر ماشا اللہ کا انتقال ۱۲۱۵ھ کے اواخر میں ہوا ہو اور مادہ فراہم کرنے والے نے چند دن بعد تاریخ نکال کر انشا کو دی ہو لیکن تب تک سال بدل چکا تھا تاہم انشا نے اسے اسی طرح نظم کر دیا ۔ (ایسا وہ خود اپنے بیٹے تعالی اللہ خاں کی تاریخ وفات کے سلسلے میں بھی کر چکے ہیں) البتہ اس کا علم نہیں کہ تاریخ کس نے کہی تھی ۔

میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ یہ قطعہ کئی اعتبار سے اہم ہے ۔ ایک تو یہی کہ اس سے گمان ہوتا ہے کہ ماشا اللہ خاں کا انتقال ۱۲۱۵ھ کے آخر میں ہوا ہوگا (یہ قطعہ ترتیب و تحریر کے لحاظ سے اس سلسلے کا آخری ہے) دوسرے یہ کہ اس کی ایک قرأت خود انشا کے قلم سے ہے جس سے دیوان کے اس نسخے کی اہمیت بھی بڑھ جاتی ہے ۔ ایک تیسری وجہ بھی ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے :

میر ماشا اللہ خاں کے اعزازات و امارت کا ذکر بیشتر تذکروں میں موجود ہے ان کے نام سے ساتھ کئی خطابات بھی ملتے ہیں جن میں ایک مخبر الدولہ تو ایک معاصر تذکرے "مخزن الغرائب" میں موجود ہے ، لیکن باقی کی روایت بہت بعد کی ہے جن کا پایہ استناد اب تک مشکوک تھا ۔ مثلاً دیباچہ دیوان ہُدا میں منجملہ اور خطابات کے ایک اسد جنگ بہادر بھی ہے ۔ دیوان ہُدا کا دیباچہ نگار کون ہے معلوم نہیں ۔ خود ہدا کو انشا کا پوتا بتایا گیا ہے ۔[1] جس کی تصدیق اب تک کسی دوسرے ذریعے سے نہیں تھی ۔ اس نو دریافت قطعے میں نام کی جگہ یہی خطاب اسد جنگ نظم ہوا ہے اور چونکہ انشا کے قلم سے ہے اس لیے مستند ہے ۔ اب جب کہ دو خطابات مخبر الدولہ اور اسد جنگ کی تصدیق ہو گئی ہے تیسرا خطاب سید الممالک

---

۱ ۔ اصلاً یہ ان کے علاتی بھائی کے پوتے تھے جن کی ولادت انشا کی وفات کے ۱۸ سال بعد ہوئی ۔ انھوں نے ۸۷ سال کی عمر پائی ۔ ان کا دیوان ان کی وفات کے بھی کئی برس بعد مرتب ہوا ۔ اس طرح انشا کے انتقال اور دیوان ہدا کی اشاعت میں کم و بیش سوا سو برس کا فصل ہے ۔ دیباچہ نگار کو تحقیق سے مس نہیں ۔ اس مختصر دیباچے میں خلط مبحث بھی بہت ہے چنانچہ ان بیانات کو قبول کرنے میں بڑی احتیاط بڑی چھان پھٹک کی ضرورت ہے ۔

بھی درست ہی ہوگا ۔ (دیوان ہذا میں تو یہ مخیرالدولہ کا ایک جز ہی معلوم ہوتا ہے) اور ایسا ہے تو دیباچہ' مذکور کی اس کہانی پر بھی یقین کرنا پڑے گا جس کے سبب یہ خطاب ملا تھا (ایک سیدانی کو تین برس کی تنخواہ خیرات میں دے دی تھی اس پر نواب مخیر الدولہ سید الممالک کا خطاب ملا) ۔

والد کے بعد اب انشا کے بیٹوں کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ۔ اس سے پہلے کہ ان کے تیسرے بیٹے سید محمد کا ذکر کیا جائے بہتر ہوگا اگر ان کے دوسرے دو لڑکوں کی یاد تازہ کر لی جائے ۔ انشا کے سب سے بڑے بیٹے کا نام تعالیٰ اللہ خاں تھا ۔ اس کی ولادت ۱۲۰۹ھ کے آخر یا ۱۲۱۰ھ کے شروع میں ہوئی ہوگی کیونکہ انتقال کے وقت اس کی عمر ۸ سال کی تھی :

بیا ز حق مگزر اے سیاہ رو گردون
جفا نہ بود بر آن ماہ ہشت سالہ روا

تاریخ انتقال ۲۸ ذی حجہ دن پنج شنبہ اور سنہ ۱۲۱۷ھ ہے ۔ سال انتقال کے سلسلے میں کچھ بزرگوں کی تحریروں نے الجھن پیش کر دی ہے ۔ اس کا ایک سبب خود انشا ہیں ۔ ایک قطعہ' تاریخ کے یہ دو شعر ملاحظہ ہوں :

پنج شنبہ اور بست و ہشتم ذی حجہ تھی
دو گھڑی دن سے تم اپنی کر گئے منزل طے

یہ تمہارے کوچ کی تاریخ بابا نے کہی
اے تعالی اللہ صاحب صد ہزار افسوس ہے
۱۲۱۸ھ

قاضی عبدالودود صاحب نے "تعالیٰ اللہ خاں خلف انشا" کے عنوان سے ایک مقالہ ماہنامہ شاعر آگرہ بابت جولائی ۱۹۵۰ع میں شائع کروایا تھا[1] ۔ قاضی صاحب نے اس قطعے کے آخری مصرعے سے ۱۲۲۸ برآمد کیے ہیں جو درست نہیں ۔ قاضی صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس مصرعے کے نیچے ۱۲۱۷ لکھا ہے ۔ دراصل قاضی صاحب نے مضمون ہذا میں کسی ایسے نسخے کا ذکر کیا ہے جس میں تعالی اللہ خاں سے متعلق کئی نظمیں جن میں سے تین انشا کی اور ایک ایک قتیل اور کسی غیر معروف شاعر سلطان کی ہے ۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی صاحب کا اور میرا ماخذ مختلف ہے ۔ اس کا ایک بہت بدیہی ثبوت یہ ہے ۔ کہ ایک

۱۔ فی الوقت یہ مضمون میری دسترس میں نہیں ۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون نے لطائف السعادت میں اس کے بعض حصے نقل کیے ہیں اور اس وقت وہی پیش نظر ہیں ۔

اور مادۂ تاریخ کہ "وائے وائے تعالیٰ جدا شد انشا" کے بارے میں قاضی صاحب نے لکھا ہے کہ اس کے "اعداد بھی ۱۲۱۷ ہیں مگر اس کے نیچے کوئی ہندسہ نہیں" لیکن میرے پیش نظر جس مخطوطے کا عکس ہے اس میں اس کے نیچے ۱۲۱۸ مرقوم ہے۔ پھر کاتب نے اس مصرعے کے نیچے ۱۲۱۸ کیوں لکھا۔ اس کی تاویل یوں ہو سکتی ہے کہ اس مصرعے میں "تعالےٰ" صاف "تعالا" پڑھا جاتا ہے برعکس دوسرے مصرعوں کے جن میں "تعال" پڑھنے میں آتا ہے۔ "تعال" پڑھنے کی صورت میں "تعالےٰ" میں حروف مکتوبی سے ایک الف (الف مقصورہ جو "یے" کے اوپر لکھا جاتا ہے) کم ہو جائے گا اور جہاں شمار ہوگا۔ بہ ہر حال صحیح تاریخ کے تعین سے پہلے مناسب ہوگا کہ میں اپنے نسخے سے اس سلسلے کی سب نظمیں نقل کردوں۔ ممکن ہے قاضی صاحب کی منقولہ نظموں میں اور ان میں کچھ اختلاف ہو یا اشعار میں کمی بیشی ہو۔ یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ نظمیں سامنے نہ ہونے کے سبب ان سے اخذ کردہ نتائج پر بحث کرنے سے بات کی وضاحت نہ ہو سکے گی۔ البتہ یہ صراحت کر دینا بے جا نہ ہوگا کہ میرے پیش نظر نسخے میں بھی نظموں کی ترتیب وہی ہے جو قاضی صاحب کے مضمون میں ہے۔ اب نظمیں ملاحظہ ہوں۔

تاریخ وفات سید تعالیٰ اللہ صاحب جنت آرام گاہ صاحبزادہ انشا اللہ خاں صاحب

قطعہ

"ہم نشین دانی کہ از بہر چہ چیز — جامۂ نیلی بہ کرد آسماں
از ازل بگذشت او را تا ابد — روز و شب در ماتم اہل جہاں
گاہ از شبنم (کذا) برین بگریست زار — گاہ کرد از رعد فریادے بر آن
نور چشم سید انشا کہ بود — نام او سید تعالیٰ اللہ خاں
آفتابے بر زمین از روئے حسن — یوسف ثانی در ابنائے زماں
طوطی شکر شکن در گفتگو — والدین خویشتن را جانِ جاں
از سنین عمر خود تا ہشت سال — کرد گلگشتے بہ گلزار جہاں
میوۂ تا چند از شاخ مراد — وقت آن نوگل برون زین بوستاں
روز بست و ہشتم از ذلحجہ بود — کز جہاں بگزشت آں سرو چماں
حال سوز والدین او مپرس — ہم چو شمعم آہ می سوزد زباں
تا بداماں گل صفت صد پارہ جیب — ہم چو سنبل بس پریشاں حال شاں
سال تاریخش ز ہاتف خواستم — گفت "بر برگ گلم آمد خزاں"

۱۲۱۷ ھجری

قطعہ ۲ (عنوان حسب سابق)

تھے خوش سب تم سے تم تو چل بسے کیا فائدہ
اب میسر گو مجھے ہو حشمت کاؤس و کے

رونق فصل بہار و خوبی آردی بہشت
لے گئی یک بار اڑا کے ترک تاز فوج کے

ہے بجا اس داروگیر غم سے کر ڈالیں اگر
یہ نسیم صبح کے جھونکے بجھیری اپنی پے (ھکذا)

پتلے پتلے ہونٹ اور (یہ) پھریھرائی چوٹیاں
پھرتے ہیں آنکھوں میں اپنی صبر کیوں کر تابکے

ہوش کچھ سرپانو کا باقی رہے سو دخل کیا
ساقی غم نے پلا دی ہے مجھے ماتم کی مے

اس مصیبت میں عجب کیا گر سیہ خیمہ کے بیچ
بال سر کے کھول کر پیٹے کھڑی لیلائے سے

پنج شنبہ اور بست و ہشتم ذی حجہ تھی
دو گھڑی دن سے تم اپنی کر گئے منزل کو طے

لے سدھارے حسرتیں کیا کیا یہ تم ہر چیز کی
لذتوں میں سے بھلا بھاوے مجھے اب کون شے

یہ تمھارے کوچ کی تاریخ بابا نے کہی
اے تعالیٰ اللہ صاحب صد ہزار افسوس ہے ۱۲۱۷

(۳)

تاریخ وفات سید تعالی اللہ خان صاحب صاحبزادہ انشا اللہ خان صاحب۔

چہ کردی اے فلک فتنہ گر دریغ دریغ
چہ کردی آہ کہ کشتی چراغ خانۂ ما

چہ کردی آہ کہ شد دیدہا تہجی از نور
چہ کردی آہ کہ پر شد ز اشک دامنہا

چہ شد کہ در رگ جانہا زدی دو صد نشتر
چہ شد کہ آب رساندی تہ ہزار بنا

چرا بہ خنجر بیداد سینہ ہا خستی
بہ تیغ تیز سپردی چرا گلوہا را

چرا قرار دل ز ما جدا کرده
بوادی غم و حیرت گذاشتی تنہا

کجاست آن مہ روشن جبین تعالیٰ نام
ذخیرۂ ہمہ عمر شفیق من انشا

کجا ست آن کہ ببازیچہ جلوہ ھا می کرد
کجا ست آن کہ غزالانہ می رمید از جا

کجا ست آن کہ بہ از قند بود دشنامش
کجا ست آن کہ نباتش چکید از لبہا

کجا ست آن کہ گہہ جستنش بے بازی
بصحن خانہ شدے (شور) محشرے برپا

کجا ست آن کہ ملک مے کشید صد نازش
کجا ست آن کہ نظیرش نیافریدہ خدا

کجا ست آن کہ گر از خشم گریہ سر می کرد
بلرزہ آمدے از گریۂ وے ارض و سما

کجا ست آن کہ تنش بود صاف تر از شیر
کجا ست آن کہ بخ شیر میخوارند بما

نہان شد از نظرم آنکہ بود خور پزہ (ھکذا) دوست
شد از غمش دل من قاش قاش واویلا

گلے کہ در دم دروازہ میخریدِ کباب
کباب شد دلم از داغ آن گل رعنا

فلک بر آن لب نازک چرا نکردے رحم
نہ شرمت آمد ازان زلف و جعد عنبر سا

بیا ز حق مگزر اے سیاہ رو گردون
جفا نبود بر آن ماہ ہشت سالہ روا

ہزار حیف کہ آن سید خجستہ نسب
بجان غمزدہ نومید رفت از دنیا

ز سرد مہری دنیا - - - - - -
نیافت خربوزہ (کذا) اے وائے بر لب - - -

روانہ جانب باغ بہشت شد روحش
نشد بروے کسے غیر حق دو چشمش وا

ندید از پدر خود بخاک غلطیدن
ندیدے موئے پریشان مادر خود را

سیے کہ روز پدر تیر بے رخش میشد
پدر بخاک سپردش ہزار واویلا

ز شکوہ تو چہ نبود اے سپہر بد رفتار
چرا ز سال وفاتش شوم نہ نطق آرا

بخلد رفت و برآمد خروش از حوران
کہ وائے وائے تعالیٰ جدا شد از انشا
۱۲۱۸ ھجری

من تصنیف مرزا قتیل صاحب

طفل خورشید جبین ماہ لقا وا حسرت
سوخت دلہائے عزیزان و بفردوس شتافت
سید انشا بغم پور ز بس شد بیتاب
از شکیبائی و تسکین بفراقش رو تافت
سال تاریخ وفاتش بالم دل گفتا
آہ و صد آہ ز اندوہ جگرھا بشکافت
۱۲۱۷ھ

قطعہ (۵)

خورشید سپہر سیرت و صورت خوب
ازگردش و دور دور (کذا) چون یافت زوال
یعنی فرزند سید انشا اللہ
ہجرت ز حیات کرد و با موت وصال
دفنش کردند زیر پائے حسنین
شد زیر زمین چو شمع فانوس خیال
سلطان ز غم و درد و الم تاریخش
ز ہاتف و ہوش و عقل چون کرد سوال
گفتند کہ در خلد پئے تسکینش
ہر یک دارد بدلدہی قال و مقال
یک شمہ ز ما شنو کہ در خلد بریں
وقتے کہ رسید آن پسندیدہ خصال
از روئے کرم بگفت با وے رضوان
اے آن کہ بخلد آمدی ھمچو شہال
فرمود قسیم کوثرش راہ دراز
گرم آمدۂ بنوش این آب زلال
۱۲۱۷

حوران گفتند ''اے عزیز حیدر
وے آل نبی و پاک و معصوم تعال''
۱۲۱۷

قاضی عبدالودود صاحب پہلی نظم کو انشا کا کلام مانتے ہیں لیکن ڈاکٹر آمنہ خاتون نے اسے کسی نامعلوم شاعر کا کلام کہا ہے۔ دونوں کے حق میں دلیلیں دی جا سکتی ہیں لیکن جب تک اس امر کا کوئی صریح ثبوت نہ مل جائے کہ یہ انشا کا کلام ہے اسے ان سے منسوب کرنا خلاف احتیاط ہوگا۔ قاضی صاحب کو

آخری شعر سے تسامح ہوا ہوگا:

سال تاریخش ز ہاتف خواستم   گفت ہربرگ گلم آمد خزاں

انھوں نے ''ہربرگ گلم - - -'' کو خواستم کا مرجع مان کر اسے انشا کی تصنیف قرار دیا ہوگا حالانکہ اوپر کے کئی شعر اس کی تردید کرتے ہیں - ''خواستم'' تو شاعر نے اپنے لیے استعمال کیا ہے لیکن ''ہربرگ گلم - - -'' ہاتف کے لیے ہے - گویا ہاتف بھی خلف انشا کو اپنے پھول کی پتی قرار دیتا ہے - اس قطعے میں تاریخی مادہ ''ہربرگ گلم آمد خزاں'' ہے جس سے ۱۲۱۷ برآمد ہوتے ہیں اور یہی اس کے نیچے درج ہے لہذا اس میں کوئی الجھن نہیں البتہ دوسری تاریخ ''اے تعالی اللہ صاحب صد ہزار افسوس ہے'' کے بارے میں قاضی صاحب کا کہنا ہے کہ اس کے نیچے درج تو ۱۲۱۷ ہے لیکن اس سے ۱۲۱۸ مستخرج ہوتا ہے - ڈاکٹر آمنہ خاتون نے اس سے ۱۲۱۸ برآمد کیا ہے جو درست ہے لیکن میں اوپر کہہ آیا ہوں کہ صحیح سنہ ۱۲۱۷ ہے پھر آخر انشا نے ۱۲۱۸ کیوں لکھا؟ اس کی ایک تاویل تو وہی ہے کہ مادہ ہائے تاریخ میں ایک عدد کی کمی بیشی کی اجازت ہے لیکن اصل سبب یہ نہیں - تعالیٰ اللہ خاں کا انتقال ۲۸ ذی حجہ کو ہوا اور یہ سال اور مہینے کا آخر ہے - صرف ایک دو دن کے بعد ہی سال بدل جاتا ہے - انشا نے اگرچہ خود ایک شعر میں اس کا ذکر کر دیا ہے جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ اور نظم بعد میں کہی گئی اور اس وقت ۱۲۱۸ تھا - انشا کو اس کا خیال نہیں رہا کہ جب انھوں نے حادثے کے ماضی میں وقوع پذیر ہونے کا ذکر کیا ہے تو دن اور مہینہ ہی نہیں سال بھی پرانا ہی دینا چاہیے تھا یعنی جب یہ کہا تھا ''پنج شنبہ اور بست و ہشتم ذی حجہ تھی تو مادہ تاریخ بھی ۱۲۱۷ کا حامل نکالنا تھا بہرحال مصرعۂ مذکور سے صاف ظاہر ہے کہ نظم واقعے کے بعد کہی گئی - ''ذی حجہ تھی'' اس کی مسکت دلیل ہے -

قتیل کا تاریخی مادہ ''آہ و صد آہ ز اندوہ جگر ہا بشگافت'' ۱۲۱۷ کا حامل ہے - اس کے لیے قاضی صاحب لکھتے ہیں - ''اگر آہ اور صد کے درمیان کا ''و'' کاتب کا اضافہ سمجھا جائے تو باقی ماندہ حروف سے ۱۲۲۱ نکلتا ہے ورنہ ۱۲۲۷- اس کے نیچے بھی ۱۲۱۷ ہی لکھا ہے''- اس کے نیچے جو کچھ لکھا ہے وہی درست ہے ، نہ واؤ کا اضافہ ہے اور نہ اس سے ۱۲۲۷ نکلتا ہے - قاضی صاحب کو میزان میں دس کا تسامح ہوا ہے - آخری تین مادے کسی غیر معروف شاعر سلطان کی ایک ہی نظم کے ہیں - شاعر نے ہاتف ، عقل اور ہوش سے تاریخ کا سوال کیا:

سلطان ز غم و درد و الم تاریخش

ز ہاتف و ہوش و عقل چوں کرد سوال

تو تینوں نے الگ الگ جواب دئے ۔ گفتند کہ در خلد پئے تسکینش، ہر یک داد بہ دلدہی قال و مقال ، اور تین الگ الگ تاریخیں سجھائیں :

۱۔ از روئے کرم گفت باوے رضوان ''اے آنکہ بخلد آمدی ہمچو شہال''

۲۔ فرمود قسیم کوثرش ''راہ دراز گرم آمدۂ بنوش این آب زلال''

۳۔ حوران گفتند ''اے عزیز حیدر وے آل نبی و پاک و معصوم تعال''

پہلے مادے کے لیے قاضی صاحب فرماتے ہیں ۔ اس کے اعداد ۱۲۰۳ ہیں ۔ اگر ک از روئے کرم کے ۲۵ بڑھائے جائیں تو ۱۲۲۳ ہوتا ہے ۔ ڈاکٹر آمنہ خاتون فرماتی ہیں : ع اے آن کہ بخلد آمدی ہم چ شہال سے ۱۱۹۷ برآمد ہوتے ہیں اور ''چو'' میں صرف ''چے'' کے تین عدد لیے گئے ہیں ۔ اس لحاظ سے اس میں ۲۵ عدد ''ک'' از روئے کرم کے جوڑ کر حساب برابر کر لیا ۔ معلوم ہوتا ہے انھوں نے ۱۲۲۳ کو کسی طرح ۱۲۱۷ بنانے کے بارے میں غور کرنا شروع کیا تو انھیں اتفاق سے ایک ایسا لفظ ''چو'' مل گیا جو مصرعے میں بہ اعتبار وزن صرف چ پڑھنے میں آتا ہے ۔ جب واو تقطیع میں نہیں آتا تو اس کے اعداد شمار کرنے کی بھی کیا ضرورت تھی ۔ چنانچہ موصوفہ نے اپنے مفروضہ قاعدے سے واو کے چھ عدد ۱۲۲۳ میں سے گھٹا کر ۱۲۱۷ بنا لیا جو کسی طرح درست نہیں ۔ تاریخ گوئی کے ضابطے کے مطابق کوئی حرف پڑھنے میں آئے یا نہیں اگر لکھا گیا ہے تو اس کے عدد شمار کیے جاتے ہیں ۔ اس میں حروف مکتوبی کی پابندی ہے ملفوظی کی نہیں ۔ بہ صورت موجودہ قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر آمنہ خاتون نے میزان میں غلطی نہیں کی لیکن دونوں بزرگوں نے مصرعے کی ناموزونیت کی طرف توجہ نہیں کی ۔ ع : اے آن کہ بخلد آمدی ھمچو شہال ''لفظاً و معناً ہر دو صورت ناموزوں ہے ۔ پوری نظم اوزان رباعی میں ہے ۔ مصرع مذکور نہ تو اوزان رباعی میں سماتا ہے اور نہ کسی اور معروف وزن میں ۔ ''آمدی'' پر سکتہ ہے جو بہت واضح ہے اسے کاتب کی مہربانی کہیے ۔ ان بزرگوں نے اس بوالعجبی پر بھی غور نہیں فرمایا کہ ایک ہی شاعر کی نظم کے تین مادوں سے مختلف اعداد حاصل ہوتے ہیں جو نامستحسن ہے ۔ اس مصرعے کو سمجھنے کے لیے اگلے شعر کا مصرع ثانی معاون ہو سکتا تھا لیکن اس کی طرف غالباً ان بزرگوں کی توجہ نہیں گئی ۔ مذکورہ مصرعے کا یہ ٹکڑا ''گرم آمدہ'' پکار کر کہہ رہا ہے کہ پہلے مصرعے میں بھی ''بخلد آمدۂ'' ہونا چاہیے جو لفظاً و معناً درست ہے ۔ اس سے ۱۱۹۸ برآمد ہوتا ہے ۔ اس میں ''گ'' کے ۲۰ عدد جوڑ لیجیے ۱۲۱۸ ہو جائیں گے ۔ اس طرح سلطان کے تینوں مادوں سے ۱۲۱۸ حاصل ہوگا ۔

ڈاکٹر آمنہ خاتون نے صرف اتنا بتا کر اپنا مضمون ختم کر دیا ہے ۔ پانچ تاریخوں میں سے سلطان کی ایک تاریخ میں تین مادے ہیں ۔ اس طرح سات مادے ہوئے ان میں سے چار مادوں سے عدد ۱۲۱۷ اور تین مادوں سے عدد ۱۲۱۸ نکلتے ہیں اور یہ بتانے کی ضرورت نہیں سمجھی کہ ان کے خیال میں مرجع سنہ کون سا ہے اگرچہ بعد کے زمانے میں کلیات انشا ج ۱ موشوعہ مجلس ترقی ادب لاہور کے مقدمے میں انھوں نے تعالی اللہ خاں کی وفات کو ۱۲۱۸ کا واقعہ کہا ہے ۔ قاضی صاحب نے فرمایا ہے کہ ''میرے نزدیک ان تمام سنین میں ۱۲۱۷ مرجع ہے ۔ چونکہ تاریخ وفات ۲۸ ذی حجہ ہے اور عمر ۸ برس کی ہے ولادت ۱۲۱۰ کے اوائل یا ۱۲۰۹ کے اواخر میں ہوئی ہوگی'' ۔ لیکن اس بیان کے دس ماہ بعد قاضی صاحب کا ایک مضمون ''مصحفی و انشا'' اردو ادب بابت جنوری ، اپریل ۱۹۰۱ع میں شائع ہوا ۔ اس میں قاضی صاحب نے مصحفی کے قطعہ تاریخ کا آخری شعر پیش کیا ہے :

دریں ماتم کشیدہ مصحفی آہ ہمیں گفتہ تعالی اللہ خاں کو

اس کے بعد قاضی صاحب فرماتے ہیں۔ ''تعالیٰ اللہ خاں کی موت ۱۲۱۸ھ میں ہوئی(تعالیٰ اللہ خاں خلف انشانوشتہ راقم شائع کردہ شاعر آگرہ) اور یہی سنہ ''تعالیٰ اللہ خاں کو'' سے نکلتا ہے بشرطیکہ اللہ کے ۶۶ عدد لیے جائیں اور آہ کا ۶ نکال دیا جائے۔ اللہ کے عام طور سے ۳۶ ہی عدد لیے جاتے ہیں اگرچہ شاذ و نادر مجبوراً شعرا نے ۶۶ عدد بھی لیے ہیں لیکن ۳۶ کو ترجیح دی جاتی ہے اور ''آہ'' کے ۶ نکالنے کا اشارہ خود مصحفی نے کر دیا ہے ۔ لیکن قاضی صاحب نے اپنے جس مضمون کا حوالہ دیا ہے اس میں انھوں نے ۱۲۱۷ کو ترجیح دی تھی اور یہاں انھوں نے واضح طور پر کہا ہے کہ تعالی اللہ خاں کی موت ۱۲۱۸ میں ہوئی ۔ یہ معلوم نہیں قاضی صاحب نے اپنی پہلی رائے بدل دی ہے یا انہیں یہ خیال نہیں رہا کہ اس سے پہلے وہ ۱۲۱۷ کو تعالیٰ اللہ خاں کا سال وفات کہہ چکے ہیں ۔ لہذا بات ایک بار پھر الجھ جاتی ہے ۔

مصحفی سمیت ہمارے پاس کل آٹھ مادے ہیں ۔ جن میں انشا قتیل اور شاعر نامعلوم نے ۱۲۱۷ھ تاریخ نکالی ہے ۔ سلطان کے تین ، مصحفی کا ایک اور خود انشا کا ایک مادہ ۱۲۱۸ کا حامل ہے ۔ موخرالذکر مادے کے بارے میں پہلے لکھا جا چکا ہے کہ یہ بعد میں نکالا گیا ہے ۔ اب رہی بات سلطان اور مصحفی کے مادوں کی ۔ اس ضمن میں وہی پرانی دلیل دہرانی پڑ رہی ہے کہ ۲۸ ذی حجہ کے واقعے کا علم دوسرے لوگوں کو بعد ہی میں ہونا ممکن ہے ۔ اگر یہ اطلاع ایک ہفتے بعد بھی ملے تو وہ یہ سمجھنے میں حق بجانب ہوں گے کہ سانحہ سال رواں میں پیش آیا ۔ نیز یہ بھی کہ قاعدے میں ایک عدد کے حذف و اضافے کی اجازت بھی ہے ۔ پھر یہ کیونکر طے ہو کہ تعالیٰ خاں کا سال وفات کیا ہے ۔ اس کے لیے ایک بار پھر

انشا کے اس مصرعے کی طرف رجوع کیجیے۔ ''پنج شنبہ اور بست و ہشتم ذی حجہ تھی''۔ دن اور تاریخ معلوم ہو تو سال دریافت کرنا زیادہ مشکل نہیں۔ تقویم کی طرف رجوع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۱۸ میں ذی الحجہ کی پہلی تاریخ سہ شنبے کو تھی۔ اس لحاظ سے ۱-۸-۱۵ اور ۲۲ اور ۲۹ کو سہ شنبہ ہوگا اور ۲۸ کو دو شنبہ جو اصل تاریخ سے میل نہیں کھاتا۔ البتہ ۱۲۱۷ھ میں یکم ذی الحجہ کو جمعے کا دن تھا۔ اس طرح ۱-۸-۱۵-۲۲ اور ۲۹ کو جمعہ ہوگا اور ۲۸ ذی الحجہ کو پنج شنبہ اور یہ درست ہے۔ لہذا اب یہ طے ہے کہ انشا کے پہلے یا بڑے بیٹے سید تعالیٰ اللہ خاں کا انتقال ۸ سال کی عمر میں ۲۸ ذی حجہ ۱۲۱۷ ہجری کو ہوا۔ ڈاکٹر آمنہ کے ان دلائل کو فی الوقت نظر انداز کیا جاتا ہے کہ تعالیٰ اللہ خاں کی وفات کے وقت انشا کی کوئی اور اولاد نہیں تھی۔

انشا کے دوسرے لڑکے (اغلب تیسرے) کا نام سید اشکر اللہ تھا جس کا انتقال ۵ ذی حجہ ۱۲۲۲ھ کو ہوا۔ چونکہ اس بیٹے کی تاریخ ولادت معلوم نہیں اس لیے قطعیت سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس وقت اس کی عمر کیا تھی۔ بہرحال یہ بہت ہی کم سن رہا ہوگا۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات سے پہلے تعالیٰ اللہ خاں کچھ علیل ہوا تھا۔ انشا کی ایک غزل کے کچھ شعر ہیں:

جلد اچھا ہو یہ تعالیٰ اللہ — یہی انشا کے گھر کی پونجی ہے
تیری بخشی ہوئی خداوندا — میری یہ عمر بھر کی پونجی ہے
میں تیرے صدقے بس یہی میرے — دل و جان و جگر کی پونجی ہے

اس کے علاوہ قطعہٗ وفات کا یہ شعر۔ کجا ست آں مہ روشن جبیں تعالیٰ نام ذخیرہ ہمہ عمر شفیق من انشا۔ ان اشعار سے گمان ہوتا ہے کہ تعالیٰ اللہ خاں کی وفات کے وقت انشا کی کوئی اور اولاد نہیں تھی کم از کم اولاد نرینہ۔ کیونکہ انشا کی ایک لڑکی مولائی بیگم کے انتقال کی اطلاع رقعات قتیل سے ملتی ہے۔ ایک رقعے میں بتایا گیا ہے کہ مولائی بیگم نے ۱۷ برس کی عمر میں ۱۲۲۸ھ میں انتقال کیا تھا۔ جس کا مطلب ہے کہ ۱۲۱۱ھ تعالیٰ اللہ خاں کی ولادت کے دو سال بعد انشا کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہو چکی تھی۔ ایک اور لڑکی کا ذکر بھی ملتا ہے جس کا نام غالباً الہی بیگم تھا (بحوالہ مخزن محاورات) جس کے شوہر کا نام میر محمد تقی تھا اور یہ انشا کی وفات کے بعد بھی زندہ تھیں۔ چونکہ رقعات میں دونوں لڑکیوں کے شادی شدہ ہونے کا ذکر ہے اس لیے ان کی عمر بھی خاصی ہوگی اور غالباً یہ بھی تعالیٰ اللہ خاں کی وفات سے پہلے پیدا ہو چکی ہوں گی۔ یاد پڑتا ہے کہ رقعات میں انشا کی دختر کوچک (الہی بیگم) کے بیٹا پیدا ہونے کی اطلاع بھی ہے اور غالباً یہی چھوٹی بیٹی ہوں گی۔ اس وقت یاد نہیں کہ اس رقعے میں کوئی سنہ تھا یا

نہیں تاہم یہ رقعہ ۱۲۲۹ھ کے بعد کا نہیں ہو سکتا ۔ اس لحاظ سے ۱۲۱۷ھ میں یہ بیٹی یقیناً موجود ہوگی ۔ اب رہی لڑکوں کی بات ، ایک بیٹا سید محمد تو ۱۲۱۷ھ میں پیدا ہو چکا تھا (تفصیل آگے آتی ہے) اور یہ بھی ناممکن نہیں کہ اشکر اللہ اگر ۱۲۱۷ھ میں نہیں تھا تو اس کی ولادت ۱۲۱۸ھ کے آغاز ہی میں ہوگئی ہوگی ۔ اس قیاس کا سبب یہ ہے کہ اشکر اللہ کی ولادت کا علم کسی ذریعے سے نہیں ہوا ۔ لڑکیوں کو تو خیر اس زمانے میں اہمیت نہیں دی جاتی تھی لیکن لڑکے کی ولادت کی تاریخ نہ کہنا تعجب انگیز ہے ، خصوصاً اس لیے کہ باقی لڑکوں کی تاریخیں موجود ہیں ۔ خود اشکر اللہ کی وفات پر انشا نے خاصے پر درد اشعار کہے ہیں ۔ یہ قطعہ زیر نظر عکسی دیوان کے حاشیے سے مع عنوان کے نقل کیا جاتا ہے ۔

قطعۂ تاریخ رحلت‌فرزند دل‌پسند سید اشکراللہ اسکنہ اللہ فی سہد جشانہ(؟) بخنہ(؟) و احسانہ (ڈاکٹر آمنہ خاتون نے بھی لطائف السعادت میں یہ قطعہ مع عنوان نقل کیا ہے ۔ معلوم نہیں ان کا ماخذ کیا ہے لیکن انہوں نے عنوان ''فرزند دلبند'' لکھا ہے اور ''جشانہ'' کی جگہ جنا نہ اور اس سے پہلے ''و'' لکھا ہے ۔ اگرچہ عام طور سے ترکیب فرزند دل بند آتی ہے تاہم زیر نظر نسخے میں صریحاً دل پسند ہے) :

گشت خارستاں گلستاں اشکراللہ این چہ شد
این چہ شد اے جان بابا این چہ بود آہ این چہ شد
صبح من بد تر (کذا) از شام غریباں گشتہ است
آوخ آوخ واے از باد سحر کہ این چہ شد
یکہزار و دو صد و بست و دوم از ہجرت است
حالیا کان یوسف من رفت در چاہ این چہ شد
چار شنبہ پنجم ذیحجہ ایں روداد گشت
آفتابم شد نہان در ابر تا کہ ایں چہ شد
سال تاریخ جدائی ''وا دریغا'' گفت و رفت
اشکراللہ‌آن‌ماہ(کذا)پسر کو بودچون ماہ‌این‌چہ‌شد

(ماہ سہواً دوبارہ لکھا گیا ہے)

اشکراللہ کی ولادت کا کوئی قطعہ نہ ہونے کی وجہ سے گمان ہوتا ہے کہ ان کی ولادت کسی ایسے وقت میں ہوئی ہو جب انشا خود دکھی ہوں اور تکلیف میں اس خوشی کا احساس گھٹ گیا ہو لہذا عین ممکن ہے کہ اشکراللہ کی ولادت تعالیٰ اللہ خاں کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ہوئی ہو ۔ بہر حال ۱۲۲۲ھ میں ان کا انتقال ہوگیا ۔

اب آئیے تیسرے بیٹے (اصلاً دوسرے) کی طرف ۔ اس کا ذکر پہلی بار

رقعات قتیل میں راغب اور انشا کے جھگڑے کے سلسلے میں آیا ہے - قتیل نے لکھا ہے کہ جب راغب نے چند معزز اور شریف لوگوں کی ہجویں کہہ کر انشا کے پاس بھیجیں تو انشا نے انہیں جوں کا توں متعلقہ لوگوں کو بھجوایا - انہوں نے جب راغب کو باز پرس کے لیے بلایا تو اس نے قرآن سر پر رکھ کر قسم کھائی کہ یہ ہجویں خودِ انشا کی کہی ہوئی ہیں - انہوں نے انشا پر مصیبت نازل کرنے کی سوچی - انشا کو جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے اپنے لڑکے اور داماد کو صلح صفائی کی غرض سے فریق مخالف کے پاس بھیجا - چنانچہ قتیل لکھتے ہیں :

''ابن مرد (انشا) از ین خبر دست پاچہ شدہ داماد و پسر خود و دیگر آشنایان خویش را نزد طرف ثانیہا فرستادہ بالحاج و زاری پیش آمدہ'' -

ڈاکٹر آمنہ خاتون نے لطائف السعادت میں ''انشا کے لڑکے کے ذیل میں اس لڑکے کی عمر سولہ برس بتائی ہے اور اس طرح آزاد کے اس قول کی ''نوجوان بیٹا مر گیا'' کی تاویل یہ کی ہے کہ آزاد کی غلطی محض یہ ہے کہ انہوں نے ''محض نوجوان بیٹا کہنے کے بجائے تعالیٰ اللہ خان نوجوان بیٹا مر گیا کہا''- ۱۲۲۶ھ میں قتیل نے جو رقعہ لکھا ہے اور اس میں انشا کے جس زندہ پسر کا ذکر کیا ہے اگر وہ مر جائے تو تعالی اللہ تو نہیں ہو سکتا لیکن آزاد کے اس قول سے کہ ''نوجوان بیٹا مر گیا'' انکار ممکن نہیں''- (قتیل کا رقعۂ مذکور جس کا سنہ قاضی عبدالودود اور ڈاکٹر آمنہ خاتون نے ۱۲۲۶ھ بتایا ہے در اصل ۱۲۲۹ھ کا لکھا ہوا ہے - اس لحاظ سے اس بیٹے کی عمر میں تین سال کا اضافہ ہو جائے گا یعنی بجائے ۱۶ کے ۱۹ سال) لڑکے کی عمر ۱۶ برس بتاتے ہوئے ڈاکٹر آمنہ خاتون نے اپنے اس بیان کو نظر انداز کر دیا ہے کہ ۱۲۱۸ھ (تعالیٰ اللہ خان کی وفات) تک انشا کے اور کوئی اولاد نہیں تھی - اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو ۱۲۱۸ سے ۱۲۲۶ھ تک صرف ۸ برس کا فصل ہے - آخر ۸ برس ۱۶ برس میں کیوں کر تبدیل ہو گئے ؟ راقم نے ان تمام سنین پر مفصل بحث کرنے کے بعد اپنے تھیسس میں یہ نتیجہ نکالا تھا کہ راغب سے جھگڑے کے وقت انشا کے اس لڑکے کی عمر گیارہ برس سے زیادہ نہیں ہو سکتی - بہر حال اب سے کچھ عرصہ پہلے تک اس کا نام معلوم نہیں تھا - ماہنامہ ''آجکل'' دہلی بابت اگست ۱۹۷۷ء میں محبی مظفر اقبال صاحب نے ایک مضمون شائع کروایا - ''انشا کی فال گیری'' - مظفر اقبال صاحب کی معلومات کا ماخذ قرآن مجید کا وہ قلمی نسخہ ہے جو اس وقت بھاگل پور کی ایک مسجد میں محفوظ ہے اور جو انشا کی ملکیت رہ چکا ہے - اس پر انشا کی دو مہریں ہیں اور دونوں ۱۲۱۷ھ کی ہیں (اس کا مطلب یہ لیا جا سکتا ہے کہ نسخۂ مذکور ۱۲۱۷ھ میں (۱۲۱۷ھ کے بعد ؟ - وحید) انشا کی ملکیت میں آیا - لیکن بعض قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ نسخہ اس سے کہیں پہلے غالباً ۱۱۹۵-

۱۱۹۶ھ میں بھی انشا کی ملکیت تھا۔ اس کے حاشیوں میں جن فالوں کی تفصیل ہے ان میں سے اکثر کا تعلق ۱۲۲۹ھ سے ہے۔ تاہم کچھ فالوں کے نیچے تاریخیں درج نہیں ہیں۔ مظفر اقبال صاحب نے لکھا ہے کہ ''ان فالوں کا تعلق ۱۲۲۹ھ کے ابتدائی چار مہینوں سے ہے''۔ لیکن ان میں سے کم از کم ایک فال ۳۵ ایسی ضرور ہے جو لکھنئو میں نہیں دہلی میں نکالی گئی تھی۔ حاشیے میں اس کے لیے صرف اس قدر لکھا ہے۔

''ہوالعلی الکبیر۔ این فال در حق مولا علی ابن ابی طالب علیہ السلام برآمد''
(سورۂ لقمان آیت ۳۵ کا آخری حصہ)۔

مظفر اقبال صاحب نے بتایا ہے کہ اس کے نیچے کوئی وتاریخ نہیں ہے۔ (اس فال کا تفصیلی ذکر شرح طورالکلام میں ملتا ہے جس کا مائیکرو فلم راقم نے مانچسٹر سے منگوایا تھا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ دہلی میں ایک مولوی صاحب سے جو انشا کے چھوٹے بھائی کی تعلیم پر مامور تھے انشا نے مباہلہ کیا تھا اور یہ آیت برآمد ہوئی تھی۔ انشا لکھنئو سے ۱۱۹۴ھ کے آخر میں دہلی کے لیے روانہ ہوئے۔ ۱۱۹۵ھ میں دہلی میں ان کی موجودگی کا ثبوت میرزا مظہر سے ان کی ملاقات سے ملتا ہے۔ انشا اس کے بعد زیادہ سے زیادہ دو تین سال دہلی میں رہے اور پھر محمد بیگ ہمدانی کے ساتھ بندھیل کھنڈ اور راجپوتانہ کی مہمات پر نکل گئے۔ لہذا فال نمبر ۳۵، ۱۱۹۵ھ کے دو تین سال کے اندر ہی اندر نکالی گئی ہوگی)

بہر حال قرآن شریف کے اس نسخے کے حاشیوں میں انشا کے ہاتھ کی تحریریں ہیں۔ کل ۵۴ مرتبہ فال نکالی گئی ہے اور انشا نے اپنے قلم سے فال لینے کا سبب اور وہ آیات درج کر دی ہیں جن سے فالیں نکالی گئی ہیں اور بیشتر کے نیچے تاریخ بھی لکھ دی ہے۔ ان ۵۴ فالوں میں ۵ بار سید محمد کا نام آیا ہے۔ دو فالیں درج ذیل ہیں۔

۱۲- این فال برآمد در مقدمۂ مبارک بودن شادی سید محمد ابن انشا اللہ و افضل النسأ بنت مرزا علی باین وضع کہ عرضی باین عبارت نوشتہ در قرآن گشتہ (؟ گذاشتہ) بودند ۔ ۔ ۔ ۔

الخالق الباری لکان ھذا لاذدواج بین ولدی سید محمد ابن انشا ۔ ۔ ۔ افضل النسا بیگم مبارکا''۔

۱۳- میر عابد حسین را نزد حکیم مہدی علی خان باصد روپیہ ضیافت در نوبت شادی برخوردار سید محمد سلمہ الصمد بخدمت صاحب الامروالزمان این فال دہدم چنین شد ظاہر شد

انشا اللہ العزیز (سورہ شعرا کی ابتدائی آیت نمبر ۱)

یہ دونوں فالیں سید محمد کی شادی کے سلسلے میں ہیں۔ ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ انشا اس شادی کے سلسلے میں پرامید تھے لہذا انہوں نے مؤخرالذکر کے نیچے

سورۂ شعرا کی آیت کے کچھ حصے بہ صورت مخمس نظم کر دیے ہیں (اسے تضمین کہنا زیادہ بہتر ہوگا) جس کا آخری مصرعہ ہے : سید محمد می شود سردار باصد آب و تاب ۔ یہ فال ۱۶ صفر روز سہ شنبہ ۱۲۲۹ھ کی ہے اور غالباً اسی زمانے میں سید محمد کی شادی ہو گئی ۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ اس وقت سید محمد کی عمر کیا تھی ؟ جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے میں نے اپنے تھیسس میں اس لڑکے کی عمر اندازاً گیارہ برس لکھی تھی اور یہ بھی کہ یہ لڑکا انشا کے بعد بھی زندہ رہا ہو گا۔ میرے اندازے میں ایک ذرا سی غلطی تھی یعنی تقریباً ایک سال کی کیونکہ یہ لڑکا ۱۲۱۷ھ میں پیدا ہوا اس لیے شادی کے وقت ۱۲۲۹ھ میں ۱۲ سال کا ہوگا ۔ اس کی ولادت کی اطلاع دیوان قلمی کے مذکورہ عکس کے مندرجہ ذیل بیان سے ملتی ہے :

تاریخ تولد نور چشم سید محمد سلمہ اللہ تعالیٰ تاریخ بیست و دوم ربیع الثانی یوم یکشنبہ وقت دوپہر ۱۲۱۷ھ جناب غلام حسین خان صاحب (کیا صاحب سیرالمتاخرین ؟) کہ بجای عموی بندہ (اند) چند مادۂ تاریخ تولد گفتہ ۔
خورشید بامداد آمد ۔ تابیدہ کوکب برج سعادت ولد خجستہ طالع
۱۲۱۷ ۱۲۱۷ ۱۲۱۷

چنانچہ قطعہ من گفتم این است :

دو صد و ہزار و ہفدہ ہمہ بود سال ہجری
کہ عطا نمود ایزد پسرم چو مہر ساطع
پی سال (این) ولادت چو سوال کرد عقلم
بجواب گفت ہاتف ولد خجستہ طالع

(قوسین میں میں نے ''این'' لکھ دیا ہے یہ ''از'' بھی ہو سکتا ہے اور غالباً از ہی مرجح ہے ۔ اسی صورت میں سال کو بغیر اضافت پڑھنا ہو گا ۔)

اس کے بعد ایک مادہ اور بھی ہے جس پر بہ طور عنوان صرف ''طالب علی عیشی'' لکھا ہے ۔ (عیشی انشا کے شاگرد تھے) یہ مادہ عربی نثر کا ایک دعائیہ فقرہ ہے :

''اطال الہ عمرہ و زاد المجیب قد رہ و مارک قد مہ''

کاتب نے اس کے لکھنے میں بھی غلطی کی ہے ۔ اس کے نیچے ۱۲۱۷ درج ہے لیکن اس سے یہ نہیں نکلتا ۔ ''بارک'' کاتب نے اس طرح لکھا ہے کہ ''مارک'' بھی پڑھا جا سکتا ہے لیکن ''مارک'' کے کوئی معنی نہیں ۔ موجودہ صورت میں اس فقرے کے اعداد ۱۱۸۲ ہوتے ہیں گویا اس میں ۳۵ عدد کی کمی ہے ۔ محبی مولانا منظر اعظمی صاحب نے توجہ دلائی اس فقرے کا تیسرا یا آخری ٹکڑا نامکمل ہے ۔ یعنی اسے ''بار کقدمہ'' کی بجائے ''بارک الہ قدمہ'' ہونا چاہیے ۔ بات ٹھیک ہے لیکن الہ کے ۳۶ عدد ہیں جس کے اضافے سے مادہ ۱۱۸۲ + ۳۶ = ۱۲۱۸ ہو جائے گا ۔ یہ تو

ممکن نہیں کہ عیشی کو لڑکے کی ولادت کی اطلاع سال بھر بعد ملی ہو کیوں کہ وہ خود لکھنئو میں تھے البتہ یہ ممکن ہے کہ فقرے کے معنوی حسن کے پیش نظر (اس ایک فقرے میں تین دعائیں ہیں (۱) خدا اس کی عمر دراز کرے (۲) اللہ اس کی قدر بڑھائے۔ (۳) خدا اس کے قدم مبارک کرے۔) عروضی قاعدے کی اس رعائت سے فائدہ اٹھانا روا رکھا ہو جس کی رو سے ایک عدد کی کمی بیشی کی اجازت ہے۔

مختصر یہ کہ سید محمد کی ولادت تعالیٰ اللہ خاں کی وفات سے تقریباً آٹھ ماہ پہلے ہو چکی تھی۔ اس ساری بحث سے کچھ نتائج اخذ ہو سکتے ہیں:

(۱) یہ کہ اب تک کے قیاسات غلط ہیں کہ تعالیٰ اللہ خاں کی وفات کے وقت انشا کے کوئی اور اولاد نہیں تھی۔ دو لڑکیوں کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ سید محمد کی ولادت بھی ۸ ماہ پہلے ہو چکی تھی۔ انشا کے تعالیٰ اللہ خاں کو عمر بھر کی پونجی کہنے کا ایک سبب تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ان کی پہلی اولاد تھے اور پہلی اولاد سے یوں بھی محبت زیادہ ہوتی ہے خصوصاً جب کہ وہ بڑی منتوں سے ہوئی ہو۔ دوسرے یہ کہ آٹھ برس تک انشا ان کی شوخیوں، معصوم شرارتوں سے اتنے مانوس ہو چکے تھے کہ یہ ان کی زندگی کا جز بن گئی تھی جیسا کہ قطعۂ تاریخ کے بعض اشعار سے ظاہر ہوتا ہے اور تیسرے یہ کہ سید محمد ابھی پیدا ہی ہوئے تھے، ان سے اتنا لگاؤ نہیں ہوا ہوگا۔

(۲) اشکراللہ خاں کی ولادت جیسا کہ پہلے لکھا گیا تعالیٰ اللہ خاں کی وفات کے کچھ ہی دن بعد ہوئی ہو گی غالباً اسی لیے اس کی خوشی انشا کو محسوس نہیں ہوئی اور انہوں نے پیدائش کا ذکر کہیں نہیں کیا البتہ جب یہ لڑکا بھی چار پانچ سال کا ہو کر داغ مفارقت دے گیا تو انشا نے اس کے غم میں آنسو بہائے اور تاریخ وفات بھی کہی۔

(۳) تیسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ غالباً سید محمد ان کی دوسری بیوی سے تھا اور وہ عاشوری بیگم کے علاوہ تھی۔ اس قیاس کی کوئی مضبوط وجہ یا ٹھوس دلیل میرے پاس نہیں ہے البتہ دو ایک باتیں ہیں جو عرض کی جاتی ہیں۔ یہ تو ثابت ہے ہی کہ سید محمد تعالیٰ اللہ کی وفات سے صرف آٹھ ماہ قبل پیدا ہوئے تھے اور خود اپنے اس قیاس کے مطابق اشکراللہ کی ولادت تعالی کے انتقال کے کچھ دن کے اندر ہی ہوئی ہوگی۔ یہ قرین قیاس معلوم نہیں ہوتا کہ ایک بیوی جس کے بطن سے آٹھ نو یا دس ماہ پہلے ایک بچہ پیدا ہو چکا ہو دوبارہ کسی بچے کو جنم دے خصوصاً جب کہ ایک بچے کا انتقال ابھی ہوا ہو۔ دوسری وجہ مجھے یہ لگتی ہے کہ تعالیٰ اللہ اشکراللہ ناموں کا انداز ایک سا ہے جب کہ سید محمد بالکل مختلف ہے۔ ناموں کے اس پرانے پن کے سبب میں انہیں عاشوری بیگم کی اولاد مانتا ہوں اور سید محمد کو

دوسری بیوی کی -

(۴) انشا نے دو شادیاں کی تھیں - اس کا قطعی علم نہیں - میں نے اپنے تھیسس میں انشا کی شادی کے باب میں ذیل کی چند سطریں لکھی - "انشا کی شادی کب ہوئی اور ان کی بیوی کا تعلق کس خاندان سے تھا ، اس ضمن میں کچھ کہنا مشکل ہے - اب تک اس معاملے میں کسی تاریخ یا تذکرے میں کوئی بات نہیں کہی گئی - رقعات قتیل سے البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انشا کی اہلیہ اکرم علی خاں کی بیٹی تھیں - یہ اکرم علی خان صاحب کون تھے؟ یہ معلوم نہ ہو سکا - مرزا محمد عسکری نے کلام انشا کے دیباچے میں بغیر کسی حوالے کے انشا کی دو بیویوں کا ذکر کیا ہے - منتظر شاگرد مصحفی نے انشا کی ہجو میں جو مخمس کہا تھا اس انشا کی دو بیویوں کا ذکر کیا ہے - قاضی عبدالودود صاحب نے منتظر کے مخمس پر یہ رائے ظاہر کی ہے - "اس میں انشا کی دو بیبیوں کا ذکر ہے پتہ نہیں صحیح ہے یا غلط -" (اردو ادب ص ۹۱)- اگر خاندانی روایت کو مدنظر رکھیں تو انشا کی دو بیویاں ہونا عجب نہیں - میر ماشا اللہ کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے کہ جب انشا کے دادا سید نوراللہ دوبارہ ہندوستان آئے تو میر ماشا اللہ ان کے ساتھ تھے - دلی میں انہوں نے قطب الملک کی خواہر معظمہ سے دوسری شادی کی تھی - دیوان ھدا کے دیباچے میں میر ماشا اللہ کے بھی دو شادیاں کرنے کا ذکر ہے کیونکہ مسیح اللہ خاں بہادر کو انشا کا برادر مختلف البطن لکھا ہے - خود مسیح اللہ خاں نے پہلی بیوی کے انتقال کے بعد ایک سیدانی سے نکاح کیا تھا جس سے سید حسبی اللہ ھدا کے والد تولد ہوئے - ان روایات سے خیال ہوتا ہے کہ ممکن ہے انشا نے بھی دو شادیاں کی ہوں - ان کی دوسری بیوی ۱۲۲۸ھ تک حیات تھیں اور غالباً یہی اکرم علی خاں کی بیٹی تھیں - (غیر مطبوعہ مقالہ برائے پی - ایچ - ڈی - انشا اللہ خاں انشا دھلوی ، حیات شخصیت اور اردو نثر میں ان کا حصہ")

اب نئے مواد کی فراہمی سے کچھ باتیں صاف ہو گئی ہیں - "غریر" سہ ماہی بابت اپریل جون ۱۹۷۳ء میں جناب مالک رام صاحب کا ایک مضمون بعنوان "انشا کی تاریخ ولادت و وفات" شائع ہوا تھا - اس کی شان نزول یہ تھی کہ مالک رام صاحب کو ایک مجلد میں پانچ خطی نسخے دستیاب ہوئے تھے - آخر کے خالی صفحے پر کسی نے انشا کی تاریخ ولادت و وفات لکھ دی تھی - (اس سلسلے میں راقم نے ایک مضمون "شیرازہ" سرینگر کو دیا تھا جو کئی سال بعد ۱۹۷۵ء جنوری میں شائع ہوا تھا لہذا یہاں اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں) اس کے نیچے یہ عبارت بھی تھی :

بیست و دویم ذیقعدہ یوم پنجشنبہ

اچھی بیگم صاحبہ رحلت کرد ۱۲۶۳

مالک رام صاحب کے خیال میں یہ انشا کی اہلیہ کی تاریخ وفات ہے ۔ میں یہ یقین کچھ نہیں کہہ سکتا ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اچھی بیگم (اچھی بیگم ؟) انشا کی اہلیہ کی بجائے ان کی والدہ کا نام ہو ۔ جناب مظفر اقبال کے بحولہ بالا مضمون میں ۳۵ ویں فال یہ ہے ۔

برائی شفائے والدہ این آیت بر آمد ، بست و هشتم جمادی الاول ۱۲۲۹ھ
(سورۂ الزخرف آیت ۳۲)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ۱۲۲۹ھ میں انشا کی والدہ علیل تھیں اور وہ شفا کے لیے فالیں دیکھ رہے تھے ۔ بخوبی ممکن ہے کہ وہ زندہ رہی ہوں اور انشا کے بعد انتقال کیا ہو اور انہیں کا نام اچھی بیگم ہو اور اگر بقول مالک رام صاحب یہ انشا کی اہلیہ کا نام ہے تو سید محمد انہیں کا بیٹا ہوگا اور دوسری بیوی جو اکرم علی خاں کی بیٹی تھیں ۔ ان کی طرف سے دو فالیں نکالی گئی ہیں ۔ دونوں انشا کی برطرفی کے بعد کی ہیں ۔ ایک مندرجہ ذیل ہے :

۳۳- این فال برائے عاشوری بیگم بنت خواجہ اکرم علی خاں برآمد مطلب این کہ بروزگار خاوند من انشا اللہ خان کہ برہم شدہ است باز درست خواہد شود ۔
(سورۂ شورہ آیت ۳۷)

اس کے ساتھ تاریخ درج نہیں ہے لیکن اسی مطلب کے لیے اس سے پہلی فال بھی نکالی گئی ہے ۔ اس کے نیچے تاریخ غرۂ ربیع الثانی پنجشنبہ سنہ یکہزار و دو صد و بست ہجری (سورۂ شعرا آیت بیس کا آخری حصہ) اس کا مطلب ہے کہ وہ ۱۲۲۹ ربیع الثانی میں زندہ تھیں اور یہ بخوبی ممکن ہے کہ یہ بھی انشا کے بعد تک زندہ رہی ہوں ۔

(۵) میں نے اپنے تھیسس میں قرائن سے ثابت کیا تھا کہ انشا سعادت علی خاں کے دربار سے ربیع الاول ۱۲۲۹ کے لگ بھگ معزول ہوئے اور ان فالوں کو دیکھنے سے اس قیاس کی تصدیق ہوتی ہے ۔

(۶) اور آخری نتیجہ یہ کہ اپنی تحقیق کے دوران میں مجھے حیدر آباد لکھنئو اور فرخ آباد میں انشا کے خاندان کے کچھ لوگوں کا علم ہوا تھا ۔ حیدر آباد اور لکھنئو والوں سے میں ذاتی طور پر مل چکا ہوں ۔ فرخ آباد والوں سے اپنے ایک کرم فرما نواب صاحب شمس آباد کی معرفت معلومات بہم پہنچائیں لیکن کوئی دستاویزی ثبوت فراہم نہ ہو سکنے کی وجہ سے میں نے ان سب کے دعووں کو رد کر دیا تھا ۔ اب میرا خیال ہے کہ فرخ آباد میں انشا کے بھائی حکیم نوشہ اللہ خاں کے خاندان کی ذرّیات ہوں گی ۔ لکھنئو میں مسیح اللہ خاں بہادر کے خاندان کے لوگ ہیں ۔ حیدر آباد میں غالباً خود انشا کی اولاد میں سے لوگ ہو سکتے ہیں ۔ بہر حال ان خاندانوں سے اب نہ صرف از سر نو ربط پیدا کرنا ہوگا بلکہ ان خاندانی سلسلوں کا از سر نو جائزہ لے کر گم شدہ کڑیوں کو تلاش کرکے آپس میں جوڑنا بھی ہوگا ۔

مطبوعات ادارہ تالیف و ترجمہ پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

۱- اصطلاحات معاشیات	۱۰/-
۲- اصطلاحات نفسیات	۱۰/-
۳- اصطلاحات اطلاقی نفسیات	۱۰/-
۴- اضافیت کا نظریہ خصوصی ، از جناب خالد لطیف میر	۱۶/-
۵- سوئی گیس اور اس کا مصرف ، ڈاکٹر محمد نذیر رومانی	۱۵/-
۶- ہم ربطی کیمیا ، ڈاکٹر محمد ظفر اقبال ، ڈاکٹر نصیر احمد	۱۰/-
۷- فولاد سازی ، ڈاکٹر فضل کریم و آئی ایچ خان	۱۸/-
۸- نظریہ گروپ ، از جناب عبدالحمید	۱۴/-
۹- تسونت مادے ، از ڈاکٹر ایم ۔ اے عظیم	۳/۵۰
۱۰- جبذ ، از ڈاکٹر ایم ۔ اے عظیم	۳/۵۰
۱۱- ایٹم کی ساخت ، از ڈاکٹر شفیق حسین	۱۲/-
۱۲- شماریاتی میکانیات ، از ڈاکٹر عبدالبصیر پال	۱۰/-
۱۳- مرکزائی کیمیا ، از ڈاکٹر ظفر اقبال	۱۵/-
۱۴- فونڈری ٹیکنالوجی ، از ڈاکٹر فضل کریم	۴۵/-
۱۵- مرکزائی اشعاع اور زراعت میں ان کی اہمیت ، از ڈاکٹر احمد سعید بھٹی	۱۰/-
۱۶- تجاذب اور سیاروی حرکت ، از ڈاکٹر عبدالبصیر پال	۱۲/-
۱۷- صنعتی معاشریات ، از پروفیسر ڈاکٹر سی اے قادر	۱۰/-
۱۸- قاموس نباتیات ، از جناب وہاب اختر عزیز	۱۵/-
۱۹- علم افزائش آبادی کے تکنیکی پیمانے ، از جناب مظہر حسین	۱۲/-
۲۰- کیمیائی بند و ساخت ، از ڈاکٹر محمد ظفر اقبال	۱۴/-
۲۱- ویکٹر اور ٹینسر ، جناب خالد لطیف میر	۲۵/-
۲۲- پاکستان کی معدنی دولت ، از جناب ذوالفقار احمد	۲۲/-
۲۳- دھاتیں اور ان کے استعمالات ، از ڈاکٹر فضل کریم	۴۵/-

ملنے کا پتہ :

سیلز ڈپو ، پنجاب یونیورسٹی ، اولڈ کیمپس ، لاہور

ڈاکٹر سید سلطان محمود حسین*

شمس العلماء سید میر حسن سیالکوٹی

اجداد

مولوی سید میر حسن کا سلسلہ نسب** چالیسویں پشت میں حضرت امام حسین کے صاحبزادے حضرت امام زین العابدین سے جا ملتا ہے۔ میر صاحب کے جد امجد سید شیر علی ہمایوں بادشاہ کے ساتھ شیراز سے ہندوستان تشریف لائے تھے۔ شیر علی اور اس کی اولاد نے خوشاب اور شاہ پور میں رہائش اختیار کی اور ساری عمر اسلام کی تبلیغ و اشاعت میں صرف کر دی۔

سیالکوٹ میں آمد

غالب قیاس یہ ہے کہ میر حسن کے والد ماجد میر محمد شاہ کے پردادا سید شاہ سلطان یا شاہ سلطان کے دونوں صاحبزادے سید میر قاسم اور سید میر ابو تراب نے اٹھارہویں صدی کے نصف آخر میں سیالکوٹ میں مستقل طور پر بود و باش اختیار کرلی تھی۔ ان لوگوں نے درس و تدریس کے مشغلے کو اپنایا اور ساتھ ساتھ طباعت بھی کرتے رہے۔

میر صاحب کے دادا سید میر ظہور اللہ نے طویل عمر پا کر عہد انگریزی میں ۱۸۶۰ء کے قریب سیالکوٹ میں وفات پائی۔ موصوف اپنے وقت کے نامی طبیب تھے ان کے چار بیٹے تھے:

۱۔ میر محمد شاہ (میر حسن کے والد ماجد ہیں)

۲۔ میر فیض اللہ، سیالکوٹ میں حکمت کرتے تھے۔ حکیم حسام الدین انہیں کے لڑکے تھے اور مرزا غلام احمد کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔ کوچہ حسام الدین، میر فیض اللہ کے صاحب زادے ہی کی نسبت سے مشہور ہے۔

۳۔ میر نعمت اللہ (۱۸۷۶-۱۷۹۸) ان کے پوتے سید انعام اللہ، سر ظفر اللہ خاں کے قریبی دوستوں میں سے ہیں۔

۴۔ میر احمد شاہ (لاولد تھے)۔

---

* صدر شعبہ اردو، گورنمنٹ ڈگری کالج پسرور (ضلع سیالکوٹ)۔

** دیکھیے شجرہ نسب مملوکہ ڈاکٹر سید محمد جعفر بن سید محمد عبداللہ حال مقیم گلبرگ، لاہور۔ راقم کے پیش نظر نسب نامے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے۔

پیدائش

سرکاری اندراج کے مطابق مولانا میر حسن ۸ اپریل ۱۸۴۴ء[1] کو اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے۔ قرین قیاس ہے کہ پیدائش آپ کے ننھیال موضع فیروز والا[2] ضلع گوجرانوالہ میں ہوئی۔

تعلیم

میر صاحب نے جس گھرانے میں جنم لیا تھا۔ وہ ایک پڑھا لکھا گھرانا تھا۔ ان دنوں عربی، فارسی زبان و ادب پر دسترس علمیت و قابلیت کا نشان تھی۔ خصوصاً قرآنی علوم پر عبور فضیلت کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ میر صاحب کے والد ماجد سید محمد شاہ عربی و فارسی کے اچھے عالم تھے۔ روزی کمانے کے لیے طبابت بھی کرتے تھے۔ میر صاحب نے ابتدائی تعلیم والد گرامی ہی سے حاصل کی۔ خاصی چھوٹی عمر میں قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔ اس زمانہ کی مروجہ علمی کتب پڑھنے کے لیے مسجد دو دروازہ کے امام مولانا شیر محمد[3] کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ سیالکوٹ میں ۱۸۵۴ء[4] میں ایک سرکاری درس گاہ ضلع اسکول کے نام سے قائم ہوئی تھی۔ یہاں مشرقی علوم یعنی (عربی و فارسی) کو اولیت حاصل تھی۔ میر صاحب اس اسکول میں داخل ہوئے اور سینئر ورنیکلر[5] کا امتحان امتیازی حیثیت سے پاس کیا۔ فارسی میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ میر صاحب دوسرے اہل حضرات مثلاً مولانا محبوب عالم، مولوی بشیر احمد اور مولانا غلام مرتضیٰ سے بھی مستفیض ہوتے رہے۔ اس طرح سولہ برس کی عمر تک آپ عربی و فارسی علوم پر حاوی ہو گئے۔

ملازمت

۱۸۶۱ء تک مروجہ علوم حاصل کر چکے تھے۔ اس کے بعد روزی کمانے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ آبائی پیشے طبابت اختیار کرنے کی بجائے آپ نے مستقل ذریعہ آمدنی کے لیے درس و تدریس کو اپنایا۔ روایت ہے کہ سب سے پہلے آپ مسجد میں امامت کی خدمات انجام دینے لگے تھے۔ رات کو محلے کا ایک شخص آپ کے لیے کھانا لے کر آیا۔ آپ نے کھانا لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ خودداری او غیرت سادات نے آپ پر مدہوشی طاری کر دی اور آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے[6] او اس طرح امامت سے کنارہ کش ہو گئے۔ اس کے بعد آپ اسی ضلع اسکول[7] میں مدرس مقرر ہو گئے جہاں سے آپ نے تعلیم حاصل کی تھی۔ یہاں نو روپے مشاہرہ پانے لگے

سکاچ مشن سے وابستگی

۱۸۵۷ء کے اوائل میں[8] سکاچ مشن نے سیالکوٹ شہر میں اپنی شاخ قائم کی

اس مشن نے ۱۸۶۲ء میں سیالکوٹ شہر میں ایک تعلیمی درس گاہ بھی قائم کی[۹]۔ حکومت کی طرف سے اس ادارے کو تیس روپے ماہوار امداد دی جاتی تھی۔ میر صاحب ضلع اسکول کی ملازمت سے مستعفی ہوکر ۱۸۶۲ء میں سکاچ مشن کے پرائمری سکول میں عربی کے استاد مقرر ہوگئے۔ ۱۸۶۳ء میں وزیر آباد میں سکاچ مشن کے نئے قائم شدہ اسکول میں آپ کا تبادلہ ہوگیا[۱۰]۔ اس طرح میر صاحب ۱۸۶۳ء سے لے کر ۱۸۶۹ء تک وزیر آباد میں پڑھاتے رہے۔ سٹی سکول سیالکوٹ کی رپورٹ ۱۸۶۹ء میں آپ کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے۔

Arabic Teacher - City School

ریورنڈ جے، پی لونگ مکتوب مورخہ ۱۳ مارچ ۱۸۶۹ء میں لکھتے ہیں:

"Especially in the vernacular department, we lacked energy; but I hope that, as a new teacher and most excellent scholar in Arabic-Persian has been appointed, a great change may take place."[۱۱]

۱۸۷۱ء میں سکاچ مشن مڈل سکول میں نویں اور دسویں جماعتوں کا اضافہ ہوگیا۔ اس طرح میر صاحب ہائی جماعتوں کو بھی پڑھانے لگے۔ ۱۸۷۲ء میں[۲]، میر صاحب ۲۵ روپیہ ماہوار تنخواہ پانے لگے تھے۔ ۱۸۷۳ء میں سکاچ مشن اپنی رپورٹ میں میر صاحب کی قابلیت کا اعتراف واضح الفاظ میں کرتا ہے:

"Our oriental literature classes under MIR HASAN, we are, I think, justly proud of. He is by far the best and most through teacher I ever met with, and it is not long before the pupil catches his enthusiasm for Arabic Philosophy and Persian Poetry."[۱۳]

۱۸۸۹ء میں سکاچ مشن ہائی سکول کو انٹرمیڈیٹ کالج کا درجہ دے دیا گیا۔ میر صاحب انٹر کی جماعتوں کو بھی عربی فارسی پڑھانے لگے۔ یہ کالج کنک منڈی ہی میں قائم ہوا تھا۔ کالج ۱۹۰۹ء میں موجودہ عمارت میں منتقل ہوا۔ ۱۹۱۲ء میں یہاں بی اے کی کلاسیں بھی شروع ہوگئیں۔ میر صاحب ڈگری کے طلبہ کو بھی عربی پڑھانے لگے۔ یاد رہے کہ سکول کے دور ملازمت میں میر صاحب عربی اور فارسی کے علاوہ ۱۸۹۲ء میں طلبہ کو جغرافیہ اور حساب بھی پڑھایا کرتے تھے[۱۴]۔

بحیثیت استاد

میر صاحب ۱۸۶۱ء سے لے کر ۱۹۲۷ء تک تقریباً ۶۷ برس تک پہلی جماعت سے لے کر بی اے تک کے طلبا کو پڑھاتے رہے۔ تدریسی فرائض سر انجام دینے سے آپ فقدان بینائی کی وجہ سے معذور ہوگئے تھے۔ اگر بینائی اور صحت اجازت دیتی تو یہ فرض وہ انجام دیتے رہتے۔ بچوں کو تعلیم دینا ان کے نزدیک ایک عبادت

کا درجہ رکھتا تھا ۔ میر صاحب اس کام کو عبادت اور وہ بھی فرض سمجھ کر کرتے رہتے ۔ رات ہو یا دن ، آندھی ، طوفان ، بارش غرض کہ طلبہ آپ کو ہر وقت اور ہر موقعہ پر تعلیم دینے کے لیے تیار پاتے تھے ۔ لڑکے ان سے گھر سے کالج آتے جاتے بھی تعلیم حاصل کرتے تھے[15]۔ ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۹۲۷ء تک آپ اپنی بڑی بہن[16] کی قبر پر فاتحہ کے لیے بعد نماز ظہر جاتے رہے یہاں راستے میں طلبہ آپ سے استفادہ کرتے ۔

وفات

فقدان بینائی کی وجہ سے مرے کالج سیالکوٹ کی انتظامیہ نے مارچ ۱۹۲۸ء میں[17] آپ کو کالج کی ملازمت سے سبکدوش کر دیا اور ستر روپیہ ماہوار پنشن مقرر کی ، جسے آپ ستمبر ۱۹۲۹ء تک وصول کرتے رہے[18]۔

رحلت سے قبل تک آپ پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے ادا کرتے تھے ۔ وفات سے آدھ گھنٹہ قبل آپ نے تہجد کی نماز ادا کی تھی ۔ ایک طویل عمر پا کر ۶۷ برس تک درس و تدریس کے مقدس پیشے سے وابستہ رہ کر ۲۵ ستمبر ۱۹۲۹ء کو فجر کی نماز سے قبل آپ اس عالم رنگ و بو کو چھوڑ کر راہی ملک عدم ہوئے ۔ وفات کی خبر آگ کی طرح سارے شہر میں پھیل گئی ۔ سرکاری و نیم سرکاری ، کاروباری مراکز اور تعلیمی ادارے آپ کے سوگ میں بند ہوگئے ۔ جملہ مذاہب کے لوگوں نے نیک عمل سمجھ کر آپ کا آخری بار دیدار کیا ۔ وصیت کے مطابق آپ کے شاگرد رشید مولوی محمد ابراہیم میر نے نماز جنازہ پڑھائی ۔ ڈاکٹر اقبال بھی لاہور سے بذریعہ وزیر آباد آخری وقت پہنچ گئے ۔ عصر کے بعد آپ کے جسد خاکی کو آپ کے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا ۔ وہیں آپ کی بڑی بہن ، ماں ، باپ اور دوسرے عزیزوں کی قبریں تھیں ۔

روزنامہ انقلاب لاہور نے ۲۷ ستمبر ۱۹۲۹ء کو آپ کی رحلت کی اندوہناک خبر شائع کی ۔ مرے کالج سیالکوٹ نے اپنے میگزین ماہ نومبر ۱۹۲۹ء میں ایک قرارداد منظور کی کہ میر حسن کی یاد میں میر حسن اسکالر شپ یا کالج کے کتب خانہ میں اضافی حصہ مولوی میر حسن اورینٹل سیکشن کے نام سے قائم کیا جائے یا اگر فنڈ نے اجازت دی تو میر حسن ہال نئے سرے سے تعمیر کیا جائے ۔ اس کے علاوہ مرے کالج نے جنوری ۱۹۳۰ء میں میگزین کا میر حسن نمبر بھی نکالا ۔ یہ نمبر اردو اور انگریزی مضمون پر مشتمل تھا ۔

مشاہیر سے تعلقات

۱۔ میر حسن ، سر سید احمد خان (۱۸۱۷-۱۸۹۸ء) کے بہت قریبی دوستوں میں سے

تھے۔ عموماً ہر سال گرمیوں کی چھٹیوں میں سرسید کے ہاں علی گڑھ تشریف لے جاتے تھے آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے سالانہ جلسوں میں شرکت کیا کرتے اور صوبہ پنجاب کی نمائندگی کرتے[19]۔ آپ کی رائے اور مشورے کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا۔ سرسید سے بذریعہ مراسلت علمی و مذہبی مسائل پر بحث ہوتی رہتی تھی۔

۲۔ یوں تو اقبال نے ابتدا سے لے کر انٹرمیڈیٹ تک آپ ہی سے السنہ شرقیہ کی تعلیم حاصل کی تھی اور آپ نے عربی، فارسی زبان و ادب کا صحیح ذوق پیدا کر دیا تھا۔ مگر بعد میں بھی وہ اپنے اس بزرگ اور فاضل استاد کے علم سے مستفیض ہوتے رہے انگلستان میں قیام کے دوران بھی بعض علمی مسائل پر آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علامہ کو استاد کا قرب حاصل تھا مگر قربت کے باوجود احترام کی وجہ سے آپ ان سے بے تکلف نہیں تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ علامہ اقبال نے کبھی کھل کر میر صاحب سے بات نہیں کی۔ انار کلی والے مکان میں میر صاحب کے پوتے سید محمد عبداللہ (۱۸۸۹-۱۹۷۸ء) سے علامہ اقبال نے فرمایا:

"عبداللہ جی! یورپ کا کوئی ایسا بڑا عالم یا فلسفی یا کوئی مستشرق یا مستغرب ایسا نہیں ہے جس سے میں نہ ملا ہوں یا کسی نہ کسی موضوع پر بے جھجک بات نہ کی ہو۔ لیکن نہ جانے کیا بات ہے شاہ جی (میر حسن) سے بات کرتے ہوئے میری قوت گویائی جواب دے جاتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے کسی نقطۂ نظر سے مجھے اختلاف ہوتا ہے لیکن دل کی یہ بات بآسانی زبان پر نہیں لا سکتا۔"[20]

۳۔ مولانا محمد حسین آزاد (۱۸۳۳-۱۹۱۰ء) کالج میں عربی زبان و ادب کے پروفیسر تھے میر صاحب جب کبھی لاہور تشریف لے جاتے تو آزاد ہی کے ہاں قیام فرماتے۔ آزاد کا میر صاحب کے متعلق کہنا ہے:

"صرف مولوی صاحب کے شاگرد ہی اردو، فارسی اور عربی صحیح پڑھ سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں۔"[21]

الطاف حسین حالی، مولانا شبلی نعمانی، محسن الملک، سید سلیمان ندوی، پروفیسر محمد شفیع اور سر راس مسعود سے بھی تعلقات تھے۔ اس کے علاوہ مرزا غلام احمد ان کے بہترین دوستوں میں سے تھے۔[22]

تلامذہ

ایک عام روش ہے کہ علمی و ادبی شخصیت کو پرکھنے کے لیے اس کی کسی تالیف و تصنیف کو پرکھا جاتا ہے۔ اس کی تحریروں کو فن تحقیق کی کسوٹی پر

پرکھا جاتا ہے مگر ادب میں کچھ ایسی علمی ہستیاں بھی ہیں جن کا تحریری سرمایہ تو کچھ نہیں ہوتا مگر وہ اپنے شاگردوں کی قابلیت اور علمیت سے جانچی جاتی ہیں۔ ایسے لوگ ناموری اور شہرت کے خواہش مند نہیں ہوتے بلکہ لگن اور خاموشی سے اپنا کام کرتے ہیں۔ میرؔ صاحب کی سبکدوشی کے بعد کالج میں فیض احمد قریشی عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے تھے ان کا کہنا ہے کہ :

''وہ ایک بڑا انسان تھا۔ اس لیے نہیں کہ وہ کوئی بڑا عہدہ رکھتا تھا یا کالج کی طرف سے اسے کوئی خاص مراعات دی جاتی تھیں یا اس نے اعلیٰ پائے کی کوئی تصنیف چھوڑی ہے۔ بلکہ اس نے بڑے بڑے لوگ تیار کیے ہیں۔ جنھوں نے اس علم کدے سے تعلیم حاصل کی۔ یہ لوگ اس کی علمیت و قابلیت کے جیتے جاگتے ثبوت ہیں۔''[۲۳]

علامہ اقبال کے علاوہ ان کے شاگردوں کے نام ملاحظہ ہوں :

۱۔ غلام محمد ، اپنے دور کا کامیاب ترین ہیڈ ماسٹر۔
۲۔ کھڑک سنگھ ، کانگرس کا سرگرم رکن۔
۳۔ لالہ کنور سین ، ۱۹۱۵ء میں لا کالج کے پرنسپل بعد میں چیف جسٹس جموں و کشمیر ہائی کورٹ۔
۴۔ آغا محمد صفدر ، سیالکوٹ کی معروف شخصیت۔
۵۔ مولوی ظفر اقبال ، عربی زبان و ادب کے فاضل استاد۔
۶۔ محمد ابراہیم میر ، تاریخ اہل حدیث کے مصنف۔
۷۔ امین حزیں ، اردو اور فارسی کے مشہور شاعر، خان بہادری کے خطاب یافتہ
۸۔ منشی سراج دین ، مولانا ظفر علی خان کے والد گرامی۔
۹۔ منشی محمد دین فوق ، مشہور صحافی اور کشمیر سے متعلق کئی کتابوں کے مصنف۔
۱۰۔ شیخ رکن الدین ، ڈسٹرکٹ جج۔
۱۱۔ نرنجن داس، حکومت نے رائے صاحب کے خطاب سے نوازا تھا۔ سینئر جج تھے۔
۱۲۔ نہال سنگھ ، ڈپٹی کمشنر تھے۔ بعد میں وزیر ریاست پٹیالہ۔
۱۳۔ ڈاکٹر جمشید علی راٹھور ، پروفیسر فارسی ، مرے کالج سیالکوٹ۔

احباب

مندرجہ ذیل نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں :

۱۔ شیخ نور محمد ، علامہ اقبال کے والد ماجد۔
۲۔ مولوی فیروز الدین ، ڈسکہ کے رہنے والے تھے۔ مصنف فیروز اللغات۔

۳- مولوی امام الدین گجراتی ، عالم دین -
۴- حافظ میراں بخش -
۵- حکیم نور الدین ، قادیانیوں کے خلیفہ اول -
۶- مولوی عبدالکریم سیالکوٹی ، معروف قادیانی خطیب و مقرر -
۷- مولوی انشاء اللہ خاں ، مشہور صحافی -
۸- بھیم سین ، سیالکوٹ کے مشہور وکیل -

حواشی

۱- رجسٹر اموات ، میونسپل کمیٹی سیالکوٹ ، حوالہ نمبر ۵۸۸ -
۲- راوی ، حلیمہ بی بی بنت ڈاکٹر سید علی نقی ، مقیم راوی روڈ ، لاہور -
۳- ملا عبدالحکیم ، محمد الدین فوق ، لاہور ۱۹۲۴ء ، صفحہ ۲۵-۲۴ -
۴- سیالکوٹ ڈسٹرکٹ گیزٹیئر ، ۱۸۸۳-۸۴ ، لاہور ، صفحہ ۳۹ -
۵- لاگ بک (قلمی) سکاچ مشن سکول سیالکوٹ ، ۱۸۶۵-۹۵ء ، مملوکہ گوجرانوالہ تھیولاجیکل سیمینری -
۶- روزگار فقیر ، صفحہ ۲۰۴ -
۷- سید ذکی شاہ کا اپنے انٹرویو (روایات اقبال) میں یہ کہنا کہ میونسپل سکول میں ملازم ہوئے تھے - درست نہیں - میونسپل کمیٹی تو ۱۸۶۷ء میں قائم ہوئی تھی - ضلع سکول میونسپل کمیٹی بننے سے بہت پہلے قائم ہو چکا تھا -
۸- سیالکوٹ ڈسٹرکٹ گزٹیئر ، ۱۸۸۳-۸۴ صفحہ ۴۰-۴۷ -
۹- ایضاً -
۱۰- گوجرانوالہ ڈسٹرکٹ گیزٹیئر ، ۱۸۹۵ ، صفحہ ۹۴ -
۱۱- راقم کے نام ریورنڈرولیم جی ینگ سابق بشپ سیالکوٹ، حال مقیم سکاٹ لینڈ کا مراسلہ مورخہ ۱۰ اپریل ۱۹۷۸ء میں درج اقتباس-
۱۲- لاگ بک ، مملوکہ گوجرانوالہ تھیولاجیکل سیمینری ، رپورٹ مورخہ ۲۸ مئی ۱۸۷۲ء-
۱۳- Report on the schemes of the Church of Scotland for the year 1875-Edinburgh, page 128.
۱۴- لاگ بک ، مملوکہ گوجرانوالہ تھیولاجیکل سیمیزی -
۱۵- راوی محمد ابراہیم میر ، بحوالہ روایات اقبال -

۱۶- بڑی بہن کا نام زیب بی بی تھا ۔ آپ نے ساٹھ برس کی عمر میں ۷ دسمبر ۱۸۶۷ء کو وفات پائی ۔ بحوالہ رجسٹر اموات ، میونسپل کمیٹی سیالکوٹ

۱۷- مرے کالج میگزین ، سیالکوٹ ، مارچ ۱۹۲۹ء -

۱۹- سید ذکی شاہ کا انٹرویو میں یہ کہنا کہ ستمبر ۱۹۲۹ء کی پوری تنخواہ مرے کالج نے میر حسن صاحب کو ادا کی تھی ، درست نہیں ۔ کالج کا ریکارڈ اس کی تردید کرتا ہے ۔

۱۹- دیکھیے کانفرنس کی سالانہ رپورٹیں ۔

۲۰- روزگار فقیر ، صفحہ ۲۰۹ -

۲۱- مرے کالج میگزین، سیالکوٹ ، میر حسن نمبر ، ۱۹۳۰ء ، صفحہ ۵ حصہ انگریزی ۔

۲۲- قادیانیوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی سوانح عمری مرتب کرتے وقت مرزا صاحب کی بزرگی اور اسلام پسندی کے سلسلے میں سید میر حسن کے دو خطوط کے اقتباسات بطور ثبوت پیش کیے ہیں ۔

۲۳- مرے کالج میگزین ، سیالکوٹ ، میر حسن نمبر ، ۱۹۳۰ء ، صفحہ ۱۵ ، حصہ انگریزی ۔

رفیع الدین ہاشمی*

"بال جبریل" کا متروک کلام

علامہ اقبال پر ''نزول شعر'' کے متعدد واقعات شاہد ہیں کہ قدرت نے انھیں شعرگوئی کی غیر معمولی صلاحیت ودیعت کی تھی۔ بظاہر وہ شاعری کے فنی پہلوؤں کو اہمیت نہیں دیتے اور ان کے اپنے بقول انھیں : ''فن کی باریکیوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت[1]'' نہیں ملا۔ شاعری کے فنی پہلو سے اس بے نیازی[2] کے باوجود اس امر کے واضح ثبوت موجود ہیں کہ اشعار کی اشاعت سے پہلے انھوں نے نقد و نظر کے کڑے پیمانوں سے اشعار کی جانچ پرکھ کی اور مناسب حک و اصلاح اور حذف و ترمیم کے بعد ہی کلام شائع کیا۔ دوسرے مرحلے میں مختلف مجموعوں کی ترتیب و تدوین کے موقع پر، علامہ اقبال نے جانچ پرکھ کا وہی عمل پھر دہرایا۔ اب چونکہ کلام، مستقل مجموعوں کی صورت میں مرتب و منضبط ہو رہا تھا، اس لیے اس موقع پر اقبال نے نسبتاً زیادہ کڑا معیار مقرر کیا جس کے نتیجے میں نہ صرف بعض مصرعوں اور اشعار کی صورت تبدیل ہوگئی بلکہ کہیں کہیں بعض نظموں کے مکمل بند اور بعض اوقات پوری کی پوری نظمیں اور غزلیں معیار سے فروتر قرار پا کر ترک کر دی گئیں۔

متروکات اقبال کی اشاعت کا جواز یا عدم جواز ایک بحث طلب مسئلہ ہے اور اقبالیات کا ایک اہم موضوع بھی—— بہت سے لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ جن اشعار کو خود اقبال نے قلمزد کر دیا، انھیں شائع کر کے محفوظ کرنے اور اقبال کی یادگار کی حیثیت سے انھیں باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں۔ مگر اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اقبال کے فکری اور شعری ارتقا کی تفہیم اور تجزیے کے لیے متروکات و باقیات اقبال کا مطالعہ ناگزیر ہے—— چنانچہ تحقیقی نقطۂ نظر سے، اقبال کے متروک اشعار، اقبالیات کے جزولاینفک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

---

* اسسٹنٹ پروفیسر و صدر شعبۂ اردو، گورنمنٹ کالج، سرگودھا۔

۱۔ مکتوب بنام سید سلیمان ندوی : ''اقبال نامہ'' (اول) ص ۱۰۸۔

۲۔ سید سلیمان ندوی کے نام ایک اور خط میں لکھتے ہیں : ''میں نے اپنے آپ کو شاعر نہیں سمجھا، فن شاعری سے مجھے کبھی دلچسپی نہیں رہی'' (اقبال نامہ، اول ص ۱۹۵)۔

اقبالیاتی ادب میں ، اسی بنیادی اہمیت کے پیش نظر ، مختلف اہل علم اور اقبال کے عقیدت مند ، باقیات کی تلاش و جستجو اور ان کے جمع و ترتیب کے لیے کوشاں رہے - ان کاوشوں کے نتیجے میں باقیات کے پانچ مجموعے شائع ہوئے :

۱- رخت سفر (مرتبہ : محمد انور حارث) طبع اول : جنوری ۱۹۵۲ء
(اضافوں کے ساتھ) طبع دوم : نومبر ۱۹۷۷ء

۲- باقیات اقبال (مرتبہ : سید عبدالواحد معینی) طبع اول : ۱۹۵۲ء
(محمد عبداللہ قریشی کے اضافوں کے ساتھ) طبع دوم : ۱۹۶۶ء
(مزید اضافوں کے ساتھ) طبع سوم : ۱۹۷۸ء

۳- تبرکات اقبال (مرتبہ : بشیر الحق دسنوی عظیم آبادی) ، اپریل ۱۹۵۹ء

۴- سرود رفتہ (مرتبہ غلام رسول مہر و صادق علی دلاوری) : ۱۹۵۹ء

۵- نوادر اقبال (مرتبہ : عبدالغفار شکیل) : ۱۹۶۲ء

ان مجموعوں میں شامل بیشتر کلام ، مشترک ہے - "باقیات اقبال" (طبع سوم ، ۱۹۷۸ء) ضخیم ترین مجموعہ ہے اور علامہ اقبال کے شعری متروکات کا تقریباً تمام معلوم اور دستیاب ذخیرہ اس میں جمع کر دیا گیا ہے -

گذشتہ دنوں راقم الحروف کو اپنے تحقیقی کام کے سلسلے میں ، علامہ اقبال کی قلمی بیاضوں اور شعری مجموعوں کے مسودوں اور ان کی عکسی نقول دیکھنے کا اتفاق ہوا - ان بیاضوں اور مسودوں میں بہت سے ایسے اشعار نظر آئے جنھیں علامہ اقبال نے قلمزد کرتے ہوئے ، اپنے مستقل کلام سے خارج کر دیا تھا مگر یہ اشعار باقیات کے کسی مجموعے میں نہیں ملتے - ذیل میں ، شعری متروکات کا یہ حصہ پیش کیا جا رہا ہے -

اگرچہ یہ نوادر بجائے خود اہم ہیں تاہم ان کی نوعیت باقیات اقبال کے مطبوعہ ذخیرے سے اس لیے مختلف اور منفرد ہے کہ باقیات کے مجموعوں میں شامل بیشتر کلام وہی ہے جو پہلے کسی اخبار یا رسالے میں یا کتابچے کی صورت میں شائع ہوا پھر اس مطبوعہ کلام کو جمع کر کے کتابی شکل دے دی گئی - اس کے برعکس آیندہ سطور میں پیش کردہ اشعار اس سے پہلے کبھی شائع نہیں ہوئے - راقم نے انھیں براہ راست اقبال کی قلمی بیاضوں اور مسودوں سے اخذ کیا اور یہ سب اشعار پہلی مرتبہ منظر عام پر آ رہے ہیں -

علامہ اقبال نے ان اشعار کو اپنی صواب دید کے مطابق قلم زد کر دیا تھا - یہ اشعار کیوں کر متروک قرار پائے ؟ اس کی وجوہ اب معلوم کرنا بڑا مشکل ہے تاہم نہ صرف خالص تحقیقی اعتبار سے بلکہ فنی اور شعری محاسن کے نقطۂ نظر سے بھی ان

اشعار کی اہمیت سے انکار کرنا ممکن نہیں ۔ شاعر بالعموم اپنے کلام کا اچھا ناقد نہیں ہوتا ۔ بعض اوقات اس کے متروکات میں خصوصاً اس صورت میں کہ شاعر صف اول کا ہو ۔ اس کے ہاں بہت اعلیٰ درجے کے فن پارے بھی مل جاتے ہیں ۔ اس نقطۂ نظر سے بھی علامہ اقبال کے متروکات قابل غور ہیں ۔

ذیل میں جو متروک اشعار پیش کیے جا رہے ہیں ، ان کا تعلق ''بال جبریل'' کے دور (۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۶ء) سے ہے ۔ یہ امر قابل غور ہے کہ فنی پختگی کے اس دور میں بھی علامہ اقبال نے اپنے اشعار کی اتنی بڑی تعداد کو قلم زد کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں ۔

ہر شعر یا اشعار کے ساتھ متعلقہ غزل یا نظم کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ صفحات نمبر میں ''بال جبریل'' کا جدید ایڈیشن ۱۹۷۳ء اور مابعد) پیش نظر رہا ہے ۔

وہ نغمہ دے کہ میری لحد میں ہو جس کا شور
خواہاں نہیں میں نغمۂ مرغ بہار کا

(غزل : ۵ ، ص ۹)

نوائے صبح گاہی نے جگر خوں کر دیا میرا
یہ برق بے محابا پھر مرا حاصل نہ بن جائے
تری دنیا سے میرا ذوق خلوت لے چلا مجکو
مری آہ و فغاں پھر گرمیٔ محفل نہ بن جائے
فضا اک اور ہی عالم کی ہوگی سامنے میرے
مگر ڈر ہے کہ یہ بھی پردۂ محمل نہ بن جائے
وہ دل لاہوتیوں نے درس استغنا دیا جس کو
کسی معشوق بے پروا کا پھر محمل نہ بن جائے

(غزل ۶ ، ص ۱۰)

تسلی دوں تو دل کی نامیدی اور بڑھتی ہے
عتاب آمیزتھی خلوت میں بھی تیری شکر خندی

(غزل ۱۰ ، ص ۱۴)

ٹھوکریں کھا کر خرد بھی پا گئی اپنی مراد
تھی وہ بیداری جسے خواب گراں سمجھا تھا میں

(غزل ۱۴ ، ص ۱۸)

۔ بیاض میں اس غزل کے اشعار سب سے پہلے بطور ایک نظم بعنوان : ''زندگی'' درج کیے گئے ۔ بعد ازاں انھیں ''عشق'' کا عنوان دیا گیا ۔ تیسرا عنوان ''دعا'' تجویز ہوا اور آخر میں بطور غزل ، مسودے میں شامل کیے گئے ۔

نظر آئی نہ مجکو بوعلی¹ سینا کے دفتر میں
وہ حکمت جو کبوتر کو کرے شاہیں سے بے پروا
(غزل ۱ ، ص ۲۳)

بدن کو اصل جاں سمجھا حکیمان فرنگی نے
حکیم غزنوی کہتا ہے 'آن دون است واین والا'
(غزل ۱ ، ص ۲۴)

غلاموں کے لیے دستور جمہوری ، معاذ اللہ
غرض یہ ہے غلام اپنی غلامی سے ہو بے پروا
ملوکیت سے کیا امید اے ساحل نشیں تجکو
نہنگ اپنے نشیمن کو نہیں کرتا تہ و بالا
خودی کو گرچہ قدرت نے چھپا رکھا ہے . . .
کسی مرد خدا میں ہو بھی جاتی ہے کبھی پیدا
(غزل ۱ ، ص ۲۵)

مہ و ستارہ پہ 'ڈال کمند' [؟ بڑھ کر؟] کمند ڈال اپنی
کہ تیری خاک پریشاں کی زد میں ہے گردوں
(غزل ۳ ، ص ۲۷)

من کی دنیا میں ہوائیں خوش گوار و بے غبار
اور اس مٹی کی دنیا میں نہ شہر اچھا نہ بن
(غزل ۷ ، ص ۳۱)

کبھی رہ جائے گی افرنگ کی فولاد کاری² بھی
کہ ہر ملت پہ آتا ہے زمانہ شیشہ سازی کا
(غزل ۸ ، ص ۳۲)

اگرچہ میری جبیں پر نہیں نشان سجود
ہزار شکر کہ یاروں کو مل گئی توفیق
(غزل ۱۱ ، ص ۳۴)

ابو تراب ہے خیبر کشا و مرحب کش
کہاں وہ حوصلہ تجھ میں کہ تو ہے ابن تراب
(غزل ۱۳ ، ص ۳۶)

۱۔ مسودے میں "بو علی" پر "م" کا نشان بنایا گیا ہے جو درست نہیں اس لیے یہاں اسے حذف کر دیا گیا ہے۔

۲۔ اولین صورت میں یہاں "خارا شگافی" تھا۔ بعد میں "فولاد کاری" بنا دیا گیا۔

عجب کیا [ہے] کرے آب و ہوائے جرمنی پیدا
کوئی رومی کہ افرنگی سے کہہ دے حرف تبریزی[1]

(غزل ۱۷ ، ص ۴۱)

بے حضوری میں موت ہے دل کی زندہ ہو دل تو بے حضور نہیں
ہے یہ منزل ہی دل پذیر ایسی اے مسافر ترا قصور نہیں

(غزل ۲۰ ، ص ۴۳)

نگہ بلند ، ادا دل نواز ، جاں پر سوز یہی ہے اور جوانوں کی دلبری کیا ہے[2]

(غزل ۲۵ ، ص ۴۸)

اگرچہ موج ہے تو سیل تند رو بن جا
ذرا گراں بھی تو ہو بحر بیکراں کے لیے
مری نوا نے کیا مجکو آشکار ایسا
رہی نہ بات کوئی میرے رازداں کے لیے

(غزل ۲۶ ، ص ۴۹)

تہذیب کے پردے میں تعلیم ہوس ناکی نازل ہوا مغرب پر فطرت کا عتاب آخر

(غزل ۲۹ ، ص ۵۲)

اقبال مدرسوں نے دانش تو عام کردی نایاب ہو گیا ہے جذب قلندرانہ
مُلائے کم نظر نے امت میں پھوٹ ڈالی تسبیح مصطفیٰ ہے صدیوں سے دانہ دانہ

(غزل ۳۲ ، ص ۵۴)

اس پیکر خاکی میں بنتی ہے خودی جس دم
نخچیر زبوں اس کا دنیا کی شہنشاہی

(غزل ۳۴ ، ص ۵۶)

وہی جام رحیق اب تک، وہی اہل طریق اب تک
وہی تریاق ہے لیکن نہیں تاثیر تریاق
جدا تہذیب حاضر سے ہے انداز مسلمانی
وہ ہے گفتار آفاق ، یہ ہے کردار آفاق

(غزل ۳۶ ، ص ۵۸)

۱۔ اس غزل کو سب سے پہلے ''لندن'' کا عنوان دیا گیا ، پھر اسے ''فرنگ'' سے تبدیل کیا گیا ۔ بالآخر بلا عنوان ہی ، بطور غزل شامل مسودہ ہوئی ۔

۲۔ بعد میں اس متروک شعر نے ، قدرے ترمیم کے بعد ، یہ صورت اختیار کی :
نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پرسوز یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے
(بال جبریل ، ص ۳۴۱)

وطن کے سوز تمنائی کو بتوں کا کام دیتے ہیں
کہیں اخبار 'فرعونی' کہیں آثار 'شاپوری'

(غزل ۳۸ ، ص ۵۹)

جہاں اس سے خوش تر ابھی اور بھی ہیں
ابھی اے مسافر ، سفر اور بھی ہیں
گزر اس صنم خانۂ رنگ و بو سے
محبت کے مندر ابھی اور بھی ہیں

(غزل ۴۰ ، ص ۶۱)

علیؓ کے علم پہ حجت تھی ذوالفقار علی
غرض کہ دعوی صوفی ہے بے قیاس و دلیل

(غزل ۴۳ ، ص ۶۳)

اگر رفیق خرد ہو نگاہ قلب سلیم
تو ڈوب کر ابھر آتی ہے کشتیٔ ادراک
مری نوا میں ہے ناداں ، مغوں کے پاس نہیں
وہ سر خوشی کہ میسر ہو بے عصارۂ تاک
غمیں نہ ہو کہ جہاں کے ہیں آخری وارث
طفیلیانِ سرِ خوانِ خواجۂ افلاک

(غزل ۴۶ ، ص ۶۶)

یا شیوۂ درویشی یا ہمت سلطانی   یا سطوت سلطانی یا طرح فقیرانہ

(غزل ۴۷ ، ص ۶۷)

اگرچہ پاؤں میں اک تار رہ گیا باقی   بچا گئی مجھے صیاد کی کہن دامی

(غزل ۵۴ ، ص ۷۳)

خدا سے روٹھ گیا [تھا] کہ قاسمان ازل   مجھے بھی دیتے تھے فر قباد و کے خسرو

(غزل ۵۵ ، ص ۷۴)

ہے کوئی اور جگہ منزل بیگانۂ [یگانۂ ؟] شوق
خانقاہیں بھی ہیں خاموش ، مساجد بھی خموش

(غزل ۵۶ ، ص ۷۵)

میں مروت سے رہیں رہ جبریل رہا   وہ یہ سمجھا مری پرواز میں ہے کوتاہی

(غزل ۵۷ ، ص ۷۵)

رہروِ جانبازِ کی غیرتِ مردانہ دیکھ   کر [نہیں] سکتا قبول راحلہ و زاد راہ

(غزل ۵۹ ، ص ۷۷)

نظم : "لینن"

سرمایہ پرستی نے کیا خوار جہاں کو یہ چیز ہے قوموں کے لیے مرگ مفاجا
خطرے میں ہے یورپ کے تدبر کا سفینہ مشرق میں ہیں سب منتظر وقت مکافا

(ص ۱۰۶-۰۸)

نظم : "فرشتوں کا گیت"

چرخ ہے کج خرام ابھی ، اور ستارہ خام ابھی
ہے یہ طلسم آب و گل پیکر ناتمام ابھی

(ص ۱۰۹)

نظم : "ذوق و شوق"

شوق یگانہ رو مرا ہم سفروں سے بے نیاز
آپ ہی کارواں ہوں میں آپ ہی میر کارواں
منزل یار سامنے اور یہ کیفیت مری
خون دل و جگر میں ہے ڈوبی ہوئی مری فغاں
از غم دل حکایتے است ، از غم دین حکایتے است
آہ جگر گداز من سوز درون ملتے است

(بند ۱ ، ص ۱۱۱)

قوم تہی ضمیر کا چارۂ کار کچھ نہیں
اس کی نگاہ نابصیر ، اس کی حیات بے ثبات
عشق نہ ہو تو عقل سے راہبری کی کیا امید
عشق کی آگ کے بغیر مردہ تمام کلیات
عشق کے ہاتھ سے گیا سلسلۂ تجلیات
رہزن دین غزنوی مغربیوں کے سومنات
حلقۂ ذوق و شوق میں آج وہ دیدہ ور کہاں
جن کی نظر میں تھے کبھی پردگیان کائنات
ملت بے نظام ہے آج وہ ملت عجیب
جن کی نماز تھی کبھی عکس نظام کائنات[۱]

(بند ۲ ، ص ۱۲)

۱- مصرع ثانی نے تیسری کوشش میں موجودہ شکل اختیار کی - پہلی دو صورتیں یہ تھیں :

اولیں صورت : جس کی دو رکعت صلات ، شرح نظام کائنات
دوسری صورت : جس کی صلات با امام ، شرح نظام کائنات

دیر مغاں سے اٹھ گئے رند جو تھے کہن سبو
خانقہوں میں رہ گئی اہل ہوس کی ہائے و ہو

وارث علم انبیا لیتے ہیں دہریوں سے درس
اب ہے خدا کے ہاتھ میں اہل حرم کی آبرو

اس کا گنہ گار ہوں ، تجھ سے بھی شرمسار ہوں
صاحب اختیار ہے میرے معاملے میں تو

گرچہ نوائے شوق بھی رخصت شب کی ہے دلیل
صبح . . . کی ہے شفق ، عرق شہید کا لہو

تو ہے تجلیٔ وجود تو ہے تجلیٔ شہود
راز و نیاز مارمیت ، سوز و گداز عبدہ

(بند ۳ ، ص ۱۲)

علم و ہنر کی جرأتیں پا برکاب ہیں تمام
ذکر ہے سوز سے تہی ، فکر سفینہ در سراب

فیض نظر کہاں کہ جو نقش کہن ابھار دے
محو دلوں سے ہو گیا حرف جو تھا درونہ تاب

حلقۂ بزم راز میں گرمی ہائے و ہو نہیں
میرے سوا کوئی یہاں رند کہن سبو نہیں[1]

(بند ۴ ، ص ۳)

اعجمیانِ بے زباں عشق کے فیض سے کلیم
ترک و تاتار کو دیا اس نے درونۂ عرب

عشق غیور اگر اسے ذوق خودی عطا کرے
سنگ گراں کو توڑ دے ، ریزہ شیشۂ حلب

غفلت یک نفس خطا ، دوریٔ جاوداں سزا
میرے گناہ بھی عجب ، میرے عذاب بھی عجب

(بند ۵ ، ص ۵)

علم کے زخم خوردہ کو علم سے بے نیاز کر
عقل کو بے گسار کر ، عشق کو نے نواز کر

۱۔ یہ ، بند نمبر ۴ کا آخری (ٹیپ کا) شعر تھا ۔

صورت ریگ بادیہ میرے غموں کا کیا حساب
درد کی داستاں نہ پوچھ ، دست کرم دراز کر[1]
پیر حرم خدا فرش ، مفتی دیں حرم فروش
رندِ دہن دریدہ کو محرمِ حرفِ راز کر
ارض و سما کی طاقتیں ، تیرے جنود ہیں تمام
میر عساکر امم ، اپنی سپاہ ساز کر[2]
اپنی سپاہ ساز کر ، ایک بھی شہر دل نہ چھوڑ
ایک بھی شہر دل نہ چھوڑ، سینوں میں ترک تاز کر
مجکو خبر بھی ہے کہ ہے ربط، دل ونظر میں کیا
یا لبِ بام اٹھا نقاب یا درِ بستہ باز کر
صدق وصفا [؟] بھی دے، وحدت مدعا بھی دے
جام جہاں نما بھی دے، دست جہاں کشا بھی دے[3]

(آخری متروک بند)

نظم : "جاوید کے نام"

بلند ہے تری ہمت تو فکر روزی کیا نہیں ہے لقمۂ شاہیں نصیب کرگس و زاغ

(ص ۱۱٦)

نظم : "ساقی نامہ"

نسیم سحر گل کھلانے لگی چٹانوں پہ مخمل بچھانے لگی[4]

۱۔ ایک اور بیاض میں ، ان شعروں کی یہ صورت ملتی ہے :

دست کرم دراز کر ، درد کی داستاں نہ پوچھ
علم کے زخم خوردہ کو علم سے بے نیاز کر
صورت ریگ بادیہ میرے غموں کا کیا حساب
عقل کو مے گسار کر ، عشق کو نے نواز کر

۲۔ اس شعر کی اولیں صورت یہ تھی :

چرخ کے آستیں میں ہیں بدر و حنین اور بھی
خواجۂ امتان شرق ، اپنی سپاہ ساز کر

مصرع ثانی نے ، دوسری کوشش میں یہ صورت اختیار کی :

میر ہمام شرق و غرب ، اپنی سپاہ ساز کر

۳۔ مصرع اولیٰ کی اولیں صورت یہ تھی :

فقر ابوذری کے ساتھ قوت مرتضیٰ بھی دے

٤۔ اس شعر کی ابتدائی صورت یہ تھی :

صبا فرش مخمل بچھانے لگی زمیں سے ستارے اگانے لگی

زمیں یاسمن سے ہے مہتاب خیز — پہاڑوں کے چشمے ہیں سیماب ریز
پرندوں کی چہکار میں مستیاں — ہواؤں میں آباد ہیں بستیاں
یہ کہتا ہے دل [سے] پرندوں کا گیت — محبت میں ہارے ہوئے کی ہے جیت
وہ پانی چمکتا دمکتا ہوا — اٹکتا لچکتا سرکتا ہوا
لپٹتا اچٹتا سمٹتا ہوا — بڑے چھوٹے نالوں میں بٹتا ہوا
اچھلتا پھسلتا سنبھلتا ہوا — بڑے پیچ کھا کر نکلتا ہوا
(بند ۱ ، ص ۱۲۲-۱۲۳)

چمک ایشیا کے گلوں میں نہیں — لہو ان پرانی رگوں میں نہیں
ادب اس کا ہے خانۂ بے خروش — نہیں جس میں باقی ہے تند جوش
(بند ۲ ، ص ۱۲۳-۱۲۴)

زباں[1] مجکو مانند شمشیر دے — زباں[1] وہ کہ پتھر کا دل چیر دے
(بند ۳ ، ص ۱۲۴-۱۲۵)

یہ شمشیر ، شمشیر ہے جاں بھی — یہ جوہر ترا تن بھی ہے جان بھی
یہ ذوق نمو سے شجر بن گئی — گرہ کھا کے تخم و ثمر بن گئی
اجالا جو سمٹا تو اختر بنا — ذرا اور سمٹا تو گوہر بنا
الجھتی ہے پیچاک ایام میں — خوش اپنے بنائے ہوئے دام میں
رہی خاک کی مورتوں میں اسیر — مگر ہر کہیں ایک اور بے نظیر
لہکتی ، مہکتی ، چہکتی ہے یہ — جھپٹتی ، لپٹتی ، کڑکتی ہے یہ
جو تیری تمنا ہے ، میری نہیں — جو میری نظر ہے ، وہ تیری نہیں
(بند ۵ ، ص ۱۲۷)

تماشائے بیداری و خواب دیکھ — سمندر میں پیچاک گرداب دیکھ
خودی کی ہوئی بے خودی سے نمود — یہ ہے حاصل کار بود و نبود
یہ معمار زندان نزدیک و دور — اسی کی چمک سے فروغ شعور
خرد اس کے گھر کی پرانی کنیز — خودی کی غلامی سے نا چیز ، چیز
یہ کار آزما ہے ، بڑی سخت کوش — نفس اس کے امروز و فردا و دوش
سرود جہاں کی بم و زیر یہ — بجاتی ہے طنبور تقدیر یہ
(بند ۶ ، ص ۱۲۵-۱۲۸)

یہ عالم حجاب نگاہ خودی — یہ انبار گل سنگ راہ خودی
(بند ۷ ، ص ۱۲۸)

۱۔ اولیں صورت میں دونوں مصرعوں کا پہلا لفظ "قلم" تھا ، پھر اسے کاٹ کر "زباں" بنایا گیا۔

"نظم : زمانہ"

بیاض میں یہ نظم "زمین و زمانہ" عنوان کے تحت درج ہے۔ ضمنی عنوان "زمین" کے تحت مندرجہ ذیل اشعار ملتے ہیں جنھیں بعد میں قلم زد کر دیا گیا :

جہاں میرے اسرار سے بے خبر ہے حوادث کی میں اک لحد ہوں پرانی
کوئی حد ہے میری شکم خواریوں کی مرا لقمہ ہر امت باستانی
مری خاک خاموش میں پلتے ہیں ستم ہائے تدریجی و ناگہانی
مری خاک میں نادری کارنامہ مری خاک میں قبر چنگیز خانی
ادھر سرنگوں کاخ و کو رومیوں کے ادھر سرنگوں رایت گورگانی
لپٹے ہوئے اپنے اپنے کفن میں یہ فرعون اول وہ فرعون ثانی

برونِ زمیں جلوۂ چند روزہ
درونِ زمیں ظلمتِ جاودانہ

اس کے بعد ضمنی عنوان "زمانہ" کے تحت وہ اشعار درج ہیں جو اسی عنوان سے "بال جبریل" (ص ۱۲۹-۱۳۰) میں موجود ہیں ۔ تاہم ان میں سے مندرجہ ذیل ، ایک شعر ایسا ہے جو "بال جبریل" کی نظم میں موجود نہیں ہے :

حکیم ناداں کی خود فریبی ، رصد نشینی ، ستارہ بینی
ضمیر میرا وہ جانتا ہے ، نگاہ ہے جن کی عارفانہ

نظم : "روح ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے"

اس جنت ارضی کی [ہے] تعمیر تجھی سے
مٹی کی پلٹ جائے گی تقدیر تجھی سے
ہے عقل فرومایہ جہاں گیر تجھی سے
تقدیر ہے زنجیریٔ تدبیر تجھی سے

(ص ۱۳۲-۱۳۳)

"بال جبریل" کا بیشتر حصہ ، جس بیاض میں درج ہے ، اس میں ایک نظم اور چند ایسے متفرق اشعار بھی ملتے ہیں ، جنھیں "بال جبریل" میں شامل نہیں کیا گیا پہلے متذکرہ نظم ملاحظہ کیجیے :

"خطاب بہ فرزندان آدم" :

تری نے میں ہے نغمۂ جبرئیل ترا دل کلیم و مسیح و خلیل
ترا دل کشایندۂ کائنات ترا دل ربایندۂ کائنات
ستاروں سے اونچی تری مشت خاک متاع دو عالم تری جان پاک

تو ہے حاصل ہیچ و تابِ وجود   مفسر ہے تیری کتاب وجود
جہاں باجہات اور تو بے جہات   جہاں بے ثبات اور تو باثبات

"متفرق اشعار" :

حریفِ بادہ کشانِ فرنگ کیا ہوگا
فقیہ شہر کہ صوفی سے کہا گیا ہے شکست

بہتر ہے مہر و ماہ و ثریا سے شان مرد
یہ آب و گل کا کھیل نہیں ہے جہان مرد
مرنے سے خوف کیا کہ ہے ارشاد مصطفیٰ
دنیا میں موت مرد کی ہے پاسبان مرد

نمود اس کی نمود تیری ، نمود تیری نمود اس کی
خدا تجھے بے حجاب کر دے، خدا کو تو بے حجاب کر دے[1]

غافل مری نوائے پریشاں میں ڈوب جا
میں نے دیا ہے تیری خودی کا تجھے سراغ
دل تیرا کر دیا متزلزل فرنگ نے
لرزا [کیا] ہے تو صفت شعلہ چراغ

مرے سینے میں تھا سویا ہوا دل
اسے کھویا تو ہوں گویا ہوا دل
محبت صبح روشن زندگی رات
فقط بیدار ہے کھویا ہوا دل

☆ ☆ ☆

۱- یہ شعر «کارواں» میں بھی شائع ہو چکا ہے (مدیر)

مشفق خواجہ *

ثاقب لکھنوی کی بیاضیں

(قسط دوم)

بیاض : ۲

۸۷ ، اوراق پر مشتمل یہ بیاض ۱۷ ۱/۲ × ۱۰ ۳/۴ سم سائز کی ہے ۔ کاغذ دبیز اور سفید ہے جو امتداد زمانہ سے مٹیالا ہو گیا ہے ۔ ہر صفحے پر چھ سے بارہ تک سطریں ہیں جو ترچھی لکھی گئی ہیں ۔ اوراق کی شیرازہ بندی ختم ہو چکی ہے اور جلد اوراق سے الگ ہے ۔ بیاض نیچے کی طرف کے بائیں کونے سے کرم خوردہ ہے ، کرم خوردگی کے اثرات تقریباً ہر صفحے پر ہیں ۔ بعض جگہ متن کو نقصان بھی پہنچا ہے ۔ بیاض کے آغاز کی طرف سے ، جلد کی اندر کی جانب ''پنڈت جگت موہن لال ایم اے وکیل اناؤ'' کا نام لکھا ہے اور اس کے نیچے ذیل کا مصرعۂ تاریخ درج ہے :

امارت حلّۂ ہوشِ کار سازیِ وزارت ہے

۱۹۲۱ عیسوی

ورق ۱ ، الف پر بعض لوگوں کے پتے لکھے ہیں ۔ اسی صفحے پر الٹے رخ سے ''دیوان شفیق'' سے متعلق چار تاریخی مصرعے لکھے ہیں ۔ ورق ۱ ، ب پر ذیل کا شعر لکھا ہے :

رو رو کے گزاری شب غم شمع نے لیکن
نیند آ ہی گئی جنبش داماں سحر سے

اس شعر کے نیچے یہ عبارت ہے :

تاریخ وفات شیخ عنایت اللہ

۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱٦ء

بیاض میں یہ صفحات سادہ ہیں : ۴ ، ۱۰ ، ۵۸ ، ۱۰۴ ، ۱۲۰ ، ۱۷۲ ۔
مندرجات کی تفصیل ذیل میں ہے :

۱۔ ص ۱ ۔ غیر مطبوعہ چار مصرے

۱۔ ہے فیض سرحدی پاکیزہ دیوان
۲۔ مجلس آرائے شہہ دیں ہیں جناں میں عارف

---

* ۳ ۔ ڈی ۹/۳٦ ناظم آباد ، کراچی ۱۸ ۔

۳- کلام اچھا ہے فیض سرمدی ہے

۴- گلدستۂ جاں فزا خدا ساز

پہلا اور تیسرا مصرع قلم زد کر دیے گئے ہیں -

۲- ص ۳ - غیر مطبوعہ رباعی و قطعہ :

ہے نذر مے غدیر ہستی میری   ڈوبی ہوئی رنگ میں ہے مستی میری

حیرت میں ہے دیکھ کر علی اللہی   ختم خامۂ عشق و مے پرستی میری

بہ بحر کون و مکاں ، گوہر خوش آب علی

بہ دفتر دوجہاں فرد انتخاب علی

بہ اصل و فرع ببین و تمیز مرتبہ کُن

ابوالبشر بود آدم ، ابو تراب علی

۳- ص ۸-۵ غزل :

گدا ہوں اور طرب کا خیال ہوتا ہے

پُر آب دیدۂ جامِ سفال ہوتا ہے

بائیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۶۸-۱۶۶ پر ہے - بیاض میں ۲۷ شعر ہیں - دیوان کے ۲۱ شعر بیاض میں ہیں ، ایک شعر (نواں) بیاض میں نہیں - ذیل کے چھ شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہیں :

جو ہو سکے تو لحد پر نہ پھلی چال چلو

جو مٹ چکا ہے وہ پھر پائمال ہوتا ہے

خرام ناز ہے کیا شے کہ پس رہا ہوں میں

زمیں پہ پاؤں ہیں دل پائمال ہوتا ہے

[اس شعر کا مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا : - - - - - پس رہا ہے دل]

کسی کو دیکھ کے ٹھہرے ہیں ساکنان لحد

دروں پہ بستر اہل کمال ہوتا ہے

مرے ہوؤں میں یہ نشو و نمائے ذکر وفا

کہ سنگ قبر سے پیدا خیال ہوتا ہے

شمار عمر ہیں شب ہائے ہجر کی سحریں

کہ ایک رات میں طے ایک سال ہوتا ہے

قمر سے کون کہے چودھویں سے بچ کے نکل

زوال ہمدمِ اوجِ کمال ہوتا ہے

آخری دونوں شعر قلم زد کیے گئے ہیں - بیاض میں دیوان کا سولھواں شعر بھی قلم زد کیا گیا ہے - دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ۲۳ مئی ۱۹۱۶

ہے - یہی بیاض میں ہے - بیاض میں تاریخ کے ساتھ "مشاعرۂ سندیلہ" بھی لکھا ہے -
یہ غزل بیاض : ۵ (اندراج : ۳۷) میں بھی ہے -

۴- ص ۹ - غیر مطبوعہ مطلع :

راستہ کوئی اور چل فکر بیاض نور میں
اب تو سواد کے سوا کچھ نہیں کوہ طور میں

۵- ص ۹ - اس صفحے پر ایک مطلع (- - - بے بنیاد سے - - - ایجاد سے) لکھا ہے جو دیوان کے ص ۲۳۸ پر ہے -

۶- ص ۱۸-۱۱ - غیر مطبوعہ قصیدہ :

اس کے شروع میں تاریخ تصنیف مئی ۱۹۱۶ء ، ۳ شعبان ۱۳۳۴ھ درج ہے :

خوشی کر لے گی رو کر اک نہ اک دن چشم تر پیدا
سنا ہے گریۂ نیساں سے ہوتے ہیں گہر پیدا

یونہیں جی توڑ کے فریاد کر امید فردا میں
اگر ہے یاس ظاہر آج ، کل ہوگا اثر پیدا

نکالنے دے سپہر دل پہ تارے داغ حسرت کے
رہی گردش تو ہو ہی جائیں گے شمس و قمر پیدا

زمین صبر پر چھینٹے دیے جا اشک ماتم کے
مہینوں ابر روتے ہیں تو ہوتے ہیں شجر پیدا

زراعت گاہ حسرت پر لہو برسوں چھڑکنا ہے
گلوں کا رنگ دکھلا دے تو کر لینا ثمر پیدا

حیات جاودانی تک پہنچنا سہل ہے لیکن
فنا ہونے سے جو زندہ ہو ایسا دل تو کر پیدا

ہنسی آئے تو رو دینا کہ عالم ضد پہ مرتا ہے
غم بے جا میں بھی ہوتا ہے شادی کا اثر پیدا

نہ گھبرا لاغری سے یہ نوید راہ عزت ہے
دل گوہر میں آخر کر لیا رشتے نے گھر پیدا

زمین دہر کی ریشہ دوانی تا بہ جنت ہے
ادہر برسیں گے باراں اور آدہر ہوں گے ثمر پیدا

فروغ شعلۂ غم ہاں جلا دے پردۂ دل کو
کہ خاکستر سے ہوگا سرمۂ اہل نظر پیدا

فدائے سنگ آفت بڑھ گئی آبادیٔ پہلو
ہوئے اک دل سے سو دل، اک جگر سے سو جگر پیدا

بویہٖ نالوں کے قاصد بھیجتا جا چرخ نیلی پر
پھریں گے دن تو ہوگی خود بخود اچھی خبر پیدا

رہا جو اضطراب دل تو کوئی راہ نکلے گی
خود آنسو بہ کے کر لیتے ہیں اپنی رہ گزر پیدا

جفا کی آنچ سے جلتے ہیں سب کو دل کی شہرت ہے
جو پتھر چوٹ کھاتا ہے تو ہوتے ہیں شرر پیدا

بتان دہر سے اسلام والے بچ کے چلتے ہیں
یہاں ہوتی ہے سیدھی بات میں ترچھی نظر پیدا

زمانے کی شکایت ہے تو پھر کیوں عشق خوباں ہے
وہاں بھی زلف و رخ سے ہے وہی شام و سحر پیدا

امید نفع اس دہر تنک مایہ سے بیجا ہے
خس و خاشاک سے ہوتے نہیں گل یا ثمر پیدا

[مصرع ثانی میں پہلے ''لعل و گہر'' لکھا تھا ، اسے قلم زد کرکے ''گل یا ثمر'' لکھا گیا]

نہیں معلوم کچھ دل اور جگر میں کیا صفائی ہے
ادھر کا درد ہو جاتا ہے دم بھر میں اُدھر پیدا

کبھی ہے درد کی منزل ، کبھی سودائے الفت کی
مجھے ناپید کرنے کو ہوا ہے میرا سر پیدا

تمناؤں کو رستہ مل گیا صدقے جراحت کے
ہوا دل شق تو میں سمجھا ہوا زنداں میں در پیدا

یہی دکھتا ہوا دل روک لے گا وار گردوں کے
زمانے میں کہاں تیغ حوادث کی سپر پیدا

یہ سچ ہے تا بہ کے بیداریاں شب ہائے فرقت کی
مگر اس جاگنے ہی سے ہیں آثار سحر پیدا

امید و بیم سے اک جزر و مد ہے چشم گریاں میں
ہزاروں بار ہو کر غرق ہوتی ہے نظر پیدا

بہانا دل کا اشکوں میں بہت آسان ہے لیکن
لہو کی بوند ایسی پھر نہ ہوگی عمر بھر پیدا

خدا کے فضل سے عمر ہدایت بڑھتی جاتی ہے
ہوا ہے راہبر کے گھر میں اور اک راہبر پیدا

[مصرع ثانی میں پہلے "پھر" لکھا تھا جسے قلم زد کرکے "اور" لکھا گیا]

نوید شادمانی گنبد گردوں میں گونجی ہے
فضائے آسماں میں ہے صدائے بال و پر پیدا

خدا کی تہنیت آئی ملک کے ساتھ گردوں سے
ہوا کب صحن عالم میں کوئی ایسا بشر پیدا

فلک کا چاند ناقص تھا زمیں پر قدرت رب سے
ہوا ختم رسل کے گھر میں بے داغ اک قمر پیدا

حسن کے بعد مصحف اک تن تنہا مسافر تھا
ہوا قرآن صامت کے لیے اک ہم سفر پیدا

مسرت ہے ولادت کی مگر غم ہے شہادت کا
ہنسوں کیوں کر ہوا ہے میہمان چشم تر پیدا

نثار اس کو جو کرنا ہے تو کردے آل احمد پر
عجب کیا ہے جو ہو یاقوت کا جنت میں گھر پیدا

بدل کروٹ، پلٹتا ہے زمانہ، رات آخر ہے
شگاف دامن شب سے وہ ہوتی ہے سحر پیدا

وہ مدھم ہو چلا رنگ سیہ دامان گردوں کا
ہوا چاک سحر میں روشنی آنے کو در پیدا

مرے غم کا نتیجہ دیکھنا کیا خوب نکلا ہے
نہ میں روتا نہ ہوتا نالۂ مرغ سحر پیدا

سیم ہے ماہ شعباں کی زمانہ محو عشرت ہے
ہوا جس میں نبی کا دوسرا لخت جگر پیدا

حسین ابن علی وہ ناخدائے کشتیٔ امت
ہوئے جس کے لیے صحن جہاں میں خشک و تر پیدا

حسن کی اولیت سے اور اُن کی آخریت سے
یہ سمجھے ہم کہ دل کے بعد ہوتا ہے جگر پیدا

رگوں میں جوش خوں ہے خون میں جوش مسرت ہے
یہ مجمع ہے، ہوئی ہے رہ گزر میں رہ گزر پیدا

پسر کو دیکھ کر شان خدا دیکھی پیمبر نے
برائے نور حق ایسا تو ہو نور نظر پیدا

فقط خود ہی نہیں سامان جنت ساتھ لائے ہیں
شمیم خلد بھی تو ہے میانِ بحر و بر پیدا

مبارک اے شریعت نام دیں اب مٹ نہیں سکتا
کیا حق نے نگین خاتم فتح و ظفر پیدا

ربیع اچھی، خریف اچھی، یہ سب کچھ ٹھیک ہے لیکن
وہ فصل اچھی کہ جس میں ہو نبوت کا ثمر پیدا

فلک تک اڑ کے جا پہنچا ہے فطرس اس ولادت سے
ہوئے ہیں فصل گل میں بلبل شیدا کے پر پیدا

نبی سے بچۂ آہو کچھ اس انداز سے مانگا
دل وحشی میں بھی ہونے لگا آخر اثر پیدا

زمیں سے ہر طرف نور سماوی پھوٹ نکلا ہے
ہر اک ذرے میں یثرب کے ہے تصویر قمر پیدا

یہ نور پاک جو نور نبی کے بعد چمکا ہے
جناب آدم و حوا سے بھی تھا پیشتر پیدا

یہ سب ہے جلوۂ خورشید لیکن چشم ظاہر میں
طلوع مہر سے کچھ قبل ہوتی ہے سحر پیدا

۷۔ ص ۲۶-۱۹ - غیر مطبوعہ قصیدہ:
قصیدے کی تاریخ تصنیف مئی ۱۹۱۶ء/۱۵ شعبان ۱۳۳۴ھ درج ہے -

نہ مجھے ابر سے مطلب نہ تمنائے بہار
دل کے بہلانے کو تھوڑی سی خوشی ہے درکار

[مصرع اول کا ابتدائی لفظ ''ہے'' تھا، اسے قلم زد کرکے ''نہ'' لکھا گیا]

ابر اٹھا کریں برسا کریں باران کرم
مجھی اچھے ہیں جو دم لے مری چشم خوں بار

ایک سبزہ ہے کہ مدت ہوئی سوتے سوتے
ایک میں ہوں کہ جو ہوں صبح ازل سے بیدار

سیکڑوں پھول ہنسے، سیکڑوں کلیاں پھوٹیں
ٹوٹنا آبلۂ دل کا مگر ہے دشوار

ایک شبنم ہے کہ روتی ہے تو دم لے لے کر
ایک میں ہوں کہ نہ ٹوٹا کبھی اشکوں کا تار

بزم احباب نہیں، خلوت مرقد بھی نہیں
نہیں معلوم ہے زندوں میں کہ مردوں میں شمار

ساکن دہر ہوں کہنے کو مگر پھر کیا ہے
آج تک تو کبھی دم بھر نہیں ٹھہرا دلِ زار

[مصرع ثانی پہلے اس صورت میں تھا : آج تک تو کبھی بھولے سے نہ ٹھہرا دل زار]

قلزم اشک میں طوفان کا عالم کب تک
کبھی چڑھتے ہوئے دریا کا نظر آئے اُتار

زور ٹانکوں میں نہیں قوت غم کے آگے
ایک اک چاک جگر میں نے سیا سو سو بار

خود سے غربت کدۂ دہر میں آیا نہیں میں
اور کے ہاتھ میں تھی باگ مگر میں تھا سوار

وہ خیابان عدم اس سے کہیں بہتر تھا
جس میں گل کا کوئی دھبا تھا نہ سرتائی خار

نہ کوئی نوحہ گر بسترِ شب ہائے فراق
نہ کوئی نغمہ کش صبح دل افزائے بہار

نہ سیہہ خانۂ غم اور نہ زندان جفا
نہ وہاں اہل جنوں اور نہ اہل آزار

بدعت اہل جفا پاس نہیں جا سکتی
اُس سے نیچا ہے کہیں گنبد نیلی کا حصار

تنگیٔ دہر سے جھپکی نہ کبھی آنکھ یہاں
پاؤں پھیلا کے وہیں سوتے ہیں اصحاب مزار

وہ تو اک جنت خاموش تھی کیا ذکر اُس کا
نہ کسی سے کوئی جھگڑا نہ کسی سے تکرار

وہی ٹھہرے ہوئے دل ہیں جو تڑپتے ہیں یہاں
وہی خاموش ہیں جو کرتے ہیں نالے ہر بار

درد دل کرتی ہے ایجاد صدائے قمری
ہنسنے والوں کو رلاتی ہے یہاں صوتِ ہزار

یہ امیدیں لیے آئے تھے وطن چھوڑ کے ہم
چل کے دیکھیں گے زمانے میں خدائی انوار

کچھ دکھائے ہوئے اعجاز سنے تھے ہم نے
کچھ جِلائے ہوئے مردوں سے کھلے تھے اسرار

جان آئی تھی ہمارے تن بے جاں میں یوہیں
شاہد دہر کی خوشبو نے کیا تھا ہشیار

ایک انگلی کے اشارے میں ضیا بڑھتی تھی
ایک ہی رات میں دو چاند ہوئے تھے ضوبار

جاکے والے بھی پلٹتے تھے یہ تھا حسن جہاں
رجعت شمس نے کچھ اور بڑھایا تھا وقار

اہل گردوں بھی تھے ممنوں زمیں والوں کے
تارے لیتے تھے پناہ آ کے بزیر دیوار

اہل چرخ ایک طرف، اہل زمیں ایک طرف
مثل خدام تھی حاضر ملک و جن کی قطار

زینت مُہر بنا نقش کف پائے علی
زینۂ بام ہوا دوش رسول مختار

تھے کبھی آپ نبی زیب دہ زین براق
کبھی سبطین تھے اُس دوش مقدس پہ سوار

آیتیں آتی تھیں اُس روح امیں کے ہاتھوں
آنکھ پڑتی تھی ملک کی وہ سجا تھا دربار

وائے قسمت کہ ہمیں کچھ نظر آیا نہ یہاں
جس میں بکتی تھی جناں اُٹھ گیا اب وہ بازار

وہ فلک تو ہے بدستور مگر نور کہاں
تارے جو ٹوٹ چکے اُن کا پلٹنا دشوار

[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا : وہ فلک تو ہے اُسی طرح مگر نور کہاں]

جا چکا سوئے عدم ایک کے بعد ایک امام
دیدۂ دہر پہ عبرت کے عیاں ہیں آثار

دل یہ کہتا ہے چلو بھی کہ یہاں کچھ بھی نہیں
ہے نگیں خاتم دنیا ہو تو کیا اُس کا وقار

ہاں مگر مصحف باری یہ صدا دیتا ہے
آیۃ اللہ بھی ساتھ ہے، نہ ہو یوں بیزار

اہل دنیا کے اٹھائے سے نہ اُٹھ سکتا میں
حامل حکم خدا رو کے ہوئے ہے مرا بار

سارے انوار گزشتہ نظر آ جائیں گے
دیکھ لینا جو دکھائے گا خدا وہ دربار

مطلع

ہوگیا پھول، کیا زخم جگر نے جو سنگھار
یاس کے بعد پھر آئی مرے گلشن میں بہار

خون دل دیکھ کے میں آپ ہرا ہوتا ہوں
اور فریاد کرے کون کہ خود ہوں میں ہزار
طالب ابر نہیں کشتِ تمنا میری
جتنے ہیں زخم وہ ہیں نام خدا دامن دار
نخل ایمن کی طرح لو رگ دل دے تو سہی
برق بھی صورت پروانہ کبھی ہوگی نثار
اب تو سنتا ہوں کہ شاہوں سے فزوں تر ہوں میں
دل یہ کہتا ہے غلاموں میں ہے تیرا بھی شمار
انتظار آنکھ کو اتنا ہے کہ تارے ہیں گواہ
ایک ہی رات میں کھلتا ہے یہ در سو سو بار
نام اس کا شب فرقت ہے کہ ٹلتی ہی نہیں
رنگ اڑنے کو سمجھتا ہوں سحر کے آثار
جان ہے وقف تجلی امامت کے لیے
کہ مرا دل نہیں پروانۂ شمع اغیار
اب حجاب رخ خورشید ہٹا دے جلدی
آسماں! اہل زمیں سے نہیں اچھا یہ غبار
خون اعدا سے تماشے کی نظر ہے مشتاق
مدتوں لے چکی دم اب تو علی کی تلوار

۸- ص ۳۰-۲۷ - غزل:

ایک مقتول جفا دو ظلم کے قابل نہ تھا
ورنہ دل کا مارنا آسان تھا مشکل نہ تھا

۲۱ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ۱۷ ، ۱۸ ، ۱۷ پر ہے۔ اس کے سب شعر بیاض میں ہیں۔ بیاض میں ۲۵ شعر ہیں۔ ذیل کے چار شعر غیر مطبوعہ ہیں:

دہر میں آنے سے میں خوش تھا مگر رونا پڑا
کب کھلیں آنکھیں کہ جب پہلو میں اپنے دل نہ تھا
حشر میں اک میں نہیں عالم کا منہ کھلنے لگا
کون تھا جو اس نگاہ ناز کا بسمل نہ تھا
شب کے پروانے نہ آئے قبر پر کیا ان کا ذکر
اک چراغ شام غربت بھی سر منزل نہ تھا
بار سر اترا مگر میری پھڑک باقی رہی
تیغ تھی گردن پہ ، دل پر زانوئے قاتل نہ تھا

بیاض میں اس غزل کی تاریخ تصنیف پہلے "اگست ۱۹۱۶ء" لکھی تھی، پھر اگست کو قلم زد کرکے جولائی کا مہینہ لکھا گیا۔ دیوان میں ۶ جولائی ۱۹۱۶ء درج ہے۔ دیوان اور بیاض میں مندرجہ ذیل اختلافات ملتے ہیں:

شعر ۷۔ مصرع ۱۔ دیوان: صبح و شام غم نے دامن بھر کے بھیجا دہر سے
بیاض: ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نے جھولی بھر کے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شعر ۱۶۔ مصرع ۱۔ دیوان: شام غم جس میں رہے برسوں وہاں کیا عید ہو
بیاض: ہو وہاں کیا عید جس میں شام غم برسوں رہے

دیوان کا شعر ۱۸ بیاض میں قلم زد کر دیا گیا ہے۔

۹۔ ص ۳۲-۳۱۔ غزل:

ہے یوں تو سہل دل زار کا دکھ دینا
جزا کو سوچ لو پہلے تو پھر سزا دینا

۵ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۶ پر ہے۔ پانچوں شعر بیاض میں ہیں۔ بیاض میں بارہ شعر ہیں جن میں سے مندرجہ ذیل سات شعر غیر مطبوعہ ہیں:

اگر اسی میں خوشی ہے تو دل دکھا دینا
خطا نہیں نہ سہی، عشق پر سزا دینا

نہ ہو غبار جو دل میں تو مرنے والوں کو
کسی طرح سے تمہیں خاک میں ملا دینا

مجھے ہے دعوئ خوں اے ہجوم حشر سرک
لہو کے جوش میں جاتا ہوں راستا دینا

نشیمن اب نہیں اے برق میں قفس میں ہوں
چمن میں جو خس و خاشاک ہو جلا دینا

جگا چکا مجھے برسوں، اب آج نالۂ دل
فلک پہ طالع خفتہ کو بھی جگا دینا

پڑا ہے پیکر بے جاں تمہارے کوچے میں
جو عیب ہو تو کسی طرح سے چھپا دینا

فلک ہے دور مگر ظلم سے نہیں غافل
سکھا رہا ہے تمہیں خاک میں ملا دینا

مذکورہ اشعار میں سے ۱، ۲، ۴، ۶، ۷ بیاض میں قلم زد کر دیے گئے ہیں۔ اوپر جو مطلع اول درج ہوا ہے، اس کا پہلا مصرع دیوان میں اس صورت میں ہے:

ہے سہل یوں تو دل زار کا دُکھا دینا

۱۰- ص ۳۳-۳۴ - غزل :

کہاں تک جفا حسن والوں کی سہتے
جوانی جو رہتی تو پھر ہم نہ رہتے

دس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۶۸ پر ہے - اس کے نو شعر بیاض میں ہیں - دیوان کا مقطع بیاض میں نہیں ، اس کی بجائے دوسرا مقطع ہے - بیاض میں بارہ شعر ہیں ، جن میں سے ذیل کے تین شعر غیر مطبوعہ ہیں :

مریضان غم کو حسیں پوچھتے تھے ۔۔۔ وہ کیا کچھ نہ سنتے یہ کیا کچھ نہ کہتے
مزاروں پہ ویرانیاں بولتی ہیں ۔۔۔ ہماری سمجھتیں تو کچھ ہم بھی کہتے
لحد کو شب غم سمجھتے تھے ثاقب ۔۔۔ اکیلے میں ہم ورنہ دم بھر نہ رہتے

مقطع پہلے اس صورت میں تھا :

لحد کو شب غم سمجھتے ہیں ورنہ
اکیلے میں ہم ایک دم بھی نہ رہتے

مصرع ثانی کی دو قلم زد صورتیں یہ ہیں :

۱- اکیلے میں ثاقب گھڑی بھر نہ رہتے
۲- نہیں ، ہم اکیلے میں دم بھر نہ رہتے

- دیوان کے آٹھویں شعر کا پہلا مصرع یہ ہے :

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا

بیاض میں یہ مصرع اس صورت میں ہے :

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ

دیوان میں غزل کی تاریخ تصنیف ۱۴ نومبر ۱۹۱۵ء لکھی ہے ، لیکن بیاض میں ۲ اپریل ۱۹۱۶ء ہے - یہ غزل بیاض : ۳ (اندراج : ۱۵) میں بھی ہے -

۱۱- ص ۳۵-۳۶ - غیر مطبوعہ قصیدہ :

دیکھیے چھلکے گا کب تک ساغر چشم پُر آب
منہ پر آ جائے تو سمجھوں سر پر آیا آفتاب

آ بدل دے اب لباس کہنۂ فرہاد کو
دل ربا ہیں حلہ ہائے نغمۂ چنگ و رباب

آرزو کی کونپلیں پھوٹی ہیں پھر بعد خزاں
خون میں اپنے نہا کر ہوگیا دل بھی گلاب

الوداع اے عہد پیری راستہ کھلنے کو ہے
جنت الماوٰی سے جا کر مانگ لاؤں گا شباب

مدتوں سے دیکھتا تھا آج کے دن کی بہار
دوربیں عینک تھی میرے واسطے چشم پُرآب

شام غم ہلکا سا پردہ تھا سرائے دہر میں
سحری آہوں نے صباحِ عید کی الٹی نقاب

کوکب عشرت چمک، تجھ کو جوانی کی قسم
طالعِ دشمن کا حصہ ہے مرا رنگ خضاب

رو چکے برسوں تو اب دیکھی تبسم کی جھلک
ابر نیساں نے بنا رکھا تھا یہ درِّ خوش آب

۱۲- ص ۳۷-۳۶ - غزل :

نظارہ دم ذبح کر لے تو مرنا
حجاب اب کہاں زلف بھی ہٹ گئی ہے

دیوان میں اس زمین میں صرف دو شعر ہیں (ص ۲۳۱) بیاض میں پانچ شعر ہیں۔ ان میں سے تین غیر مطبوعہ ہیں۔ ایک اوپر درج کیا جا چکا ہے، باقی دو یہ ہیں :

کدھر میں رہوں گا کدھر دل رہے گا — لحد ظلم احباب سے ہٹ گئی ہے
میں بیدار ہوں سو رہا ہے مقدر — وہ نیند اب نہ آئے گی جو بٹ گئی ہے

دیوان کے پہلے شعر کا مصرع اول (جدائی میں جس کو مٹاتی ہے الفت) بیاض میں سہو قلم سے، اس صورت میں ہے : جدائی میں جس کی مٹاتی ہے فرقت

یہ غزل بیاض : ۵ میں دو جگہ (اندراج : ۱۰ و ۲۶) ہے۔

۱۳- ص ۳۷ - غیر مطبوعہ قطعہ :

انجمن تہذیب الاخلاق انجمن — دہن ہیرا ہے ترا دل کش چلن
کھینچ لائی تیرے پھولوں کی شمیم — چھوڑ کر ہم آئے ہیں اپنا وطن

۱۴- ص ۳۸-۳۷ - غیر مطبوعہ نظم :

اے بزم علم پرور، اے محفل حقیقت — اے جنبہ دار عرفاں اے سرمۂ بصیرت
صبح بنارس اتنی مشہور ہے تو کیا ہے — دراصل تیری ضو ہے مشعل نمائے ظلمت
اس صبح کے مناظر مخفی ہیں اور کوثر — اس صبح کا نظارہ دریا ہے اور صورت

۱۵- ص ۳۸ - غیر مطبوعہ مطلع :

کل مرے نالوں کو کیا باب اجابت مل گیا
رات کہتے تھے زمیں والے کہ گردوں ہل گیا

۱۶- ص ۲-۴۲-۳۹ - غزل :

بے سبب تڑپا نہ میں نے بے محل فریاد کی
دل پھڑک اٹھا جو کوئی حسن نے ایجاد کی

تیرہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۳-۴۷-۱۷۲ پر ہے - یہ سب شعر بیاض میں ہیں - سات شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہیں :

خاک چھانی خوب ہم نے عالم ایجاد کی
شام جب آئی کوئی منزل نئی آباد کی

سن ہی لیں گے داستاں سب قیدیٔ بیداد کی
کچھ نہ کچھ کہنے لگی ہیں بیڑیاں فولاد کی

آہ تو قابو میں ہے پھر دل کو مجبوری ہے کیا
جب ہوا چاہے پلٹ دے عالم ایجاد کی

آن کا نقشہ ہے کہ ہے تصویر دل دیکھوں ذرا
کون سی صورت پہ خم ہیں انگلیاں بہزاد کی

صبح سے محبوس غم کا کچھ پتا چلتا نہیں
رات تک زنداں سے آتی تھی صدا فریاد کی

منہ مرا صیاد تکتا ہے میں اپنے غم میں ہوں
ہول اٹھوں گا اگر مہلت ملی فریاد کی

اہل راحت نے نہ لی کروٹ بھی میٹھی نیند سے
درد والوں نے تو شب بھر جاگ کر فریاد کی

آخری شعر کے مصرع اول میں مطابق ذیل ترمیم کی گئی تھی :

اہل راحت نے تو میٹھی نیند سے کروٹ نہ لی

لیکن بعد میں اسے قلم زد کرکے ، مصرعے کی ابتدائی صورت باقی رکھی گئی - مذکورہ اشعار میں سے چھٹا بیاض میں قلم زد کیا گیا ہے - دیوان کا دوسرا شعر بھی قلم زد کیا گیا ہے - یہ غزل بیاض : ہ (اندراج : ۱۲) میں بھی ہے -

۱۷- ص ۷-۴۲-۴ - غزل :

رہے فریاد میں گیسوئے خوباں دیکھنے والے
ڈرے ہیں مدتوں خواب پریشاں دیکھنے والے

دیوان میں اس زمین میں دو غزلیں ہیں جو ص ۵-۷-۳-۱ پر ہیں - یہ دونوں غزلیں بیاض کی ایک ہی غزل کے اشعار پر مشتمل ہیں - دیوان میں دونوں غزلوں کے اشعار کی مجموعی تعداد ۲۶ ہے - یہ سب بیاض میں ہیں - بیاض میں چار شعر

غیر مطبوعہ ہیں :

تمناؤں کی کثرت اک مجھے ہلنے نہیں دیتی
چلے جاتے ہیں محشر کا بیاباں دیکھنے والے

سپیدی پھوٹ نکلی صبح محشر کی مبارک ہو
بدل لیں کروٹیں اب شام ہجراں دیکھنے والے

صباح حشر کیا کہنا کہ یکساں کر دیا سب کو
نہیں ملتے مرا چاک گریباں دیکھنے والے

غزال دشت کوسوں دامن صحرا میں عنقا ہے
کہاں تک آ گئے سیر بیاباں دیکھنے والے

اختلافات :

دیوان۔ غزل ۱۔ شعر ۷۔ مصرع ۱: علاج درد دل اوروں کے جلنے سے نہیں ہوتا
بیاض : علاج سوز دل - - - - - - - - - .

دیوان ۔ غزل ۲۔ مقطع ۔ مصرع ۱ : شب فرقت کی تاریکی نہ دیکھی ایک نے ثاقب
بیاض : - - - - - - - - - - ایک نے آ کر

یہ غزل بیاض : ۴ (اندراج : ۱۳) میں بھی ہے -

۱۸- ص ۴۹-۴۷-۴ - غزل :

دیر ہوئی کہ آسماں ہر سر اختلاف ہے
ایک مجھی پہ ہے عتاب سب کی خطا معاف ہے

گیارہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۶۲-۱۶۱ پر ہے - یہ سب شعر بیاض میں ہیں - یہ غزل بیاض : ۱ (اندراج : ۴۱) اور بیاض : ۳ (اندراج : ۷۰) میں بھی ہے -

۱۹- ص ۵۳-۹-۴ - غزل :

دل کے چھوٹے ، تھم نہیں سکتے بسیط خاک پر
جو گرا آنسو وہ تارا ہوگیا افلاک پر

پندرہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۸۴-۸۳ پر ہے - یہ تمام شعر بیاض میں ہیں ۔ بیاض میں مندرجہ ذیل شعر غیر مطبوعہ ہیں :

اہل محشر کی نگاہوں میں پسند آتی نہیں
کوئی دھبا رہ گیا شاید تری پوشاک پر

تحفۂ دست احبائے دلی تھی وقت دفن
جم گئی جو خاک میرے دیدۂ نم ناک پر

میرے آنسو تو زمیں کے ہیں لظر شبنم پہ کر
آسماں والے گرے پڑتے ہیں فرش خاک پر

کہہ رہی ہے طاقت پائے جنوں کی داستاں
گرد کی چھائی گھٹا صحرائے وحشت ناک پر

خون جب تک بے گناہوں کا نہ پہنچے تا گلو
سانپ لہرایا کریں گے شانۂ ضحاک پر

ڈر گیا ہوں یوں فشار عشق اٹھا کر میں کہ اب
صحن مرقد کا گماں ہے کیسۂ دلاک پر

ثبت کرتا ہے کسی کا نام دل میں سنگ کے
بے ثباتی ہنس رہی ہے خامۂ حکاک پر

کیا خبر کس کس کے حصے میں پڑے گا حال غیر
آسماں نے خط دیے ہیں اس دل صد چاک پر

مذکورہ اشعار میں سے چوتھا قلم زد کیا گیا ہے ۔ مقطع کا مصرع اول :

مل گیا دل خاک میں ثاقب تو سناٹا سا ہے

پہلے اس صورت میں تھا : ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سناٹا ہے آج

۲۰- ص ۵۵-۵۴ ۔ غزل :

زیر مزار جا کر ڈرتا فلک سے کیا میں
یوں مٹ کے رہ گیا ہوں جیسے کبھی نہ تھا میں

انیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۵-۹۴ پر ہے ۔ ان میں سے سات شعر (شمار : ۱ ، ۳ تا ۸) بیاض میں نہیں ہیں ۔ بیاض میں سولہ شعر ہیں جن میں سے چار غیر مطبوعہ ہیں :

اُن کی رضا پہ مرنا اک قسم زندگی تھی
اپنے دل حزیں سے پھر کیوں خفا ہوا میں

اظہار حسرت و غم اب کیوں مری لحد پر
گو آج میں نہیں ہوں لیکن کبھی تو تھا میں

میرے لہو کا ڈر کیا محشر میں جب میں خوش ہوں
تم کو حجاب کیوں ہے کر لوں گا سامنا میں

نالوں کو ضبط کر کے کب تک مری خموشی
اب دو میں اک رہے گا یا آسماں یا میں

اختلافات :

شعر ۱۶ - مصرع ۱ - دیوان : کروٹ نہ لے سکا دل تیرا نظارہ کرکے
بیاض : دل لے سکا نہ کروٹ تیرا نظارہ کرکے

شعر ۱۸ - مصرع ۱ - دیوان : فرقت نصیب دل کو وصلت کا ہوش کب تھا
بیاض : ہجراں نصیب دل کو - - - - - -

یہ غزل بیاض : ۱ (اندراج : ۱۸) اور بیاض : ۴ (اندراج : ۳۶) میں بھی ہے -

۲۱- ص ۵۶-۵۷ - غزل :

خطا نہیں جو دل حسن آشنا نہ رہا   مرا قصور کہ پہلو کو دیکھتا نہ رہا

نو شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۴ پر ہے - یہ سب شعر بیاض میں ہیں - ایک شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہے :

رکے مزار میں سر گشتگان حسرت دل
وہاں تھمے ہیں جہاں آگے راستا نہ رہا

اختلافات :

شعر ۵ - مصرع ۲ - دیوان : میں تھک گیا ہوں کہ اب آگے راستا نہ رہا
بیاض : میں تھک گیا ہوں کہ اب کوئی فاصلہ نہ رہا

شعر ۷ - مصرع ۱ - دیوان : فغاں سے کچھ تو بہلتا دل اے اسیرِ بلا
بیاض : بہلتا نالوں سے دل کچھ تو اے اسیر بلا

مقطع - دیوان : شب فراق سے شکوے ہزاروں تھے ثاقب
یہ کیا کہ صبح ہوئی اور کوئی گلا نہ رہا

بیاض میں پہلے تخلص کی جگہ "اے دل" کے الفاظ لکھے تھے - انہیں قلم زد کرکے تخلص لکھا گیا - دوسرا مصرعہ بیاض میں اس صورت میں ہے :

یہ کیا کہ رات گئی اور کوئی گلا نہ رہا

۲۲- ص ۵۹-۶۹ - غیر مطبوعہ نظم "نوائے دل" :

سرگشتہ رہے برسوں فکر حق و باطل میں
دو دن بھی نہیں ٹھہرے بسمل کسی منزل میں

جب درد سے بے چینی بڑھتی ہی گئی دل میں
چند اہل زمیں اٹھے گردوں کے مقابل میں

گو بحر ہے طوفانی موسم بھی بدلتا ہے
تنکا بھی سہارے پر اللہ کے چلتا ہے

اس جوشش ماتم سے آنکھوں میں تری کب تک
نالوں سے مرے دل کی یہ پردہ دری کب تک
ہر وقت کا غصہ کیا یہ درد سری کب تک
تھراتے رہیں مثل شمع سحری کب تک
دشمن کو کرے گی خوش یہ شمع عمل بجھ کر
ٹھنڈک ہو کلیجوں میں رہ جائے جو جل بجھ کر

ہے نام کو آزادی پابند مصیبت ہیں
تکلیف کے موجد ہیں گو طالب راحت ہیں
ہے شوق حیا داری پر دشمن غیرت ہیں
بیدار ہیں جو قومیں ہم اُن کی رعیت ہیں
یہ ذلت عزت کش کن آنکھوں سے ہم دیکھیں
وہ آگے نکل جائیں ہم گرد قدم دیکھیں

کم ہو کے، تغافل میں یہ بادیہ پیمائی
داماں تنزل میں یہ دعویٔ یکتائی
میدان ترقی میں اب تک نہ جگہ پائی
ہے صبح طرب اُن کی جن کو نہیں نیند آئی
جاگے تھے جو راتوں کو ہنس ہنس کے وہ سوتے ہیں
ہم سوئے تھے خوش ہو کر اب جاگ کے روتے ہیں

تلوار تو اپنی ہی صیقل سے چمکتی ہے
جو آگ دبی برسوں مشکل سے بھڑکتی ہے
وہ قوم چلے گی کیا جو بیٹھ کے تھکتی ہے
اے سوئی ہوئی قسمت اب دھوپ سر کتی ہے
دن تھوڑا سا باقی ہے کچھ وقت تو ہات آئے
ایسا نہ ہو غفلت کی پھر دوسری رات آئے

[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا: تقدیر تو اپنے ہی - - - -]

کروٹ نہ اگر بدلی اب بھی تو قیامت ہے
اے نیند کے متوالو! یہ وقت غنیمت ہے
ٹوٹا ہوا مدت کا سرمایۂ عزت ہے
غفلت یہ نہ ہو عاشق دیکھی ہوئی صورت ہے
یہ گنج گراں مایہ ہم کھو کے نہ پائیں گے
اس عشق سے در گزرے عزت نہ گنوائیں گے

اب تک جو سماں دیکھا اللہ نہ دکھلائے
سو طرح اعانت کی سو طرح کے دکھ پائے
گھر بیچ کے ، شرکت میں گھر علم کے بنوائے
دروازے پہ جب پہنچے کچھ سن کے پلٹ آئے
ہم ایسے مکانوں کو بت خانہ سمجھتے ہیں
پتھر بھی جہاں ہم کو دیوانہ سمجھتے ہیں

سمجھے تھے کہ گلشن ہے پھولیں گے نہال اس میں
صیاد زمانے کے ڈالیں گے نہ جال اس میں
ہو جائیں گے ناقص بھی ارباب کمال اس میں
معلوم نہ تھا ہوگا آخر کو ملال اس میں
رونے کا وہ جو ہم سا آوارہ وطن ہوگا
زندان ہمارا ہے اوروں کا چمن ہوگا

[چوتھا مصرع پہلے اس صورت میں تھا : معلوم نہ تھا آخر کو ہوگا ملال اس میں]

کیا کہیے کہ خشکی میں کیا تازہ تلاطم ہے
عنقا کے نشیمن میں اب ہمت مردم ہے
تعلیم کا آئینہ مشغول تبسم ہے
اسلام کے پودے ہیں اور نشو و نما گم ہے
عبرت کا سبق ہم کو ہر شام و سحر دیں گے
جو پڑھ نہیں سکتے ہیں وہ خاک ثمر دیں گے

کیا یاد کیا جس سے بھولے سبقِ دینی
کی ترک خدا بینی سیکھا کیے خود بینی
سمجھا کیے عالم کو اک ملکِ سلاطینی
کعبے کے عوض ڈھونڈا عشرت کدۂ چینی
یہ علم کے طالب ہیں کیا دل میں سمائی ہے
سب جہل کی باتیں ہیں خالق کی دہائی ہے

ہر عہد سے غافل ہیں عہدوں پہ ہیں آمادہ
بستر نہیں اٹھتا ہے بچھتا نہیں سجادہ
ایمان کا ہاتھوں میں لے کر ورقِ سادہ
جس جا صف موسن ہے ہو جاتے ہیں استادہ
معکوس ہیں تصویریں ملتا ہے سبق الٹا
شاید کسے آئینہ نے سیدھا ورق الٹا

نشہ ہے دولت کا ہے گود کے پالوں میں
یہ مے کدۂ ہستی اچھا ہے خیالوں میں
یہ بادۂ انگوری جب بھر دیا تھالوں میں
سم دوڑ گیا آخر ان تازہ نہالوں میں
سرسبزیٔ ظاہر پر کیا قدر بھلا ان کی
مسموم زمانے کو کر دے گی ہوا ان کی

غم ہے کہ ہم اپنوں کو کہتے ہیں بُرا توبہ
اس جرم سے کرتے ہیں ارباب وفا توبہ
ہاں وقت جب آ جائے پھر ذکر سے کیا توبہ
چپ رہنا بھی عصیاں ہے اے میرے خدا توبہ
اک درد سا اٹھتا ہے گر گر کے سنبھلتے ہیں
گھٹتا ہے دھواں دل میں تب اشک نکلتے ہیں

یہ رنج مجھے برسوں خوناب رلانے کا
خوناب مرا برسوں دشمن کو ہنسانے کا
ہر بندۂ زر اس کو اک عیب بتانے کا
رویا کروں، اشکوں سے یہ رنگ نہ جانے کا
دنیا مری باتوں سے نفرت سی دلا دے گی
اُن کو مری توبہ بھی ساغر کا مزا دے گی

گھیرے ہوئے ہیں تم کو آفات و بلا اب تک
مظلوم کے مذہب پر ہوتی ہے جفا اب تک
بیمار حوادث نے پائی نہ شفا اب تک
کیوں قوم! یہی ہوگا جو کچھ کہ ہوا اب تک
گرتی ہیں جو دیواریں للّٰہ سنبھال ان کو
جو پھول سے بچے ہیں کانٹوں میں نہ ڈال ان کو

ٹ جائے گا رستے سے یہ کوہ گراں پل میں
ص آنے نہ پائے اب تجویز مکمل میں
ناخن ہوں تو کام آؤ اس عقدۂ لاحل میں
جھولی لیے آ پہنچے ہم دور سے میتھل میں
دکھلا کے ہمیں اپنے اخلاقِ کریمانہ
کہہ دو کہ مبارک ہو یہ بھیس فقیرانہ

[چوتھا مصرع حاشیے پر اس طرح بھی لکھا ہے :
جھولی لیے حاضر ہیں ہم بھی صفِ اول میں]

کوشش ہو تو ہو جائے بدحالوں کا حال اچھا
جس سال مراد آئے بے شک ہے وہ سال اچھا
کام آئے جو اپنوں کے بس ہے وہی حال اچھا
کل بھیک سے بچ جائیں تو آج سوال اچھا
اُن سب کو دعا دے کر کشکول گدا لے لی
پہلے ہی سے اپنے سر بچوں کی بلا لے لی

اس وقت نہیں غافل وہ مرد جو دانا ہے
کمزور سہی ہم سب خالق تو توانا ہے
بھٹکی ہوئی فردوں کو رستے پہ لگانا ہے
کالج نہیں ، گھر اپنا دنیا میں بنانا ہے
تا حشر رہو زندہ کالج کی بنا ڈالو
بگڑے ہوئے کاموں کو سب مل کے بنا ڈالو

یہ کالج اسلامی باطل سے جدا ہوگا
ہوگا یہ اُسی جانب جس سمت خدا ہوگا
تعلیم شریعت سے حسن اُس کا سوا ہوگا
دنیا کے طریقوں کا بھی راہنما ہوگا
شیرازۂ قومی کو کھلنے سے بچائے گا
سو طرح سے ہر گل کو اک رنگ پہ لائے گا

ٹالو گے نہ کیا مل کر اس کوہ مصیبت کو
اب آنکھ ذرا کھولو پہچانو ضرورت کو
باندھو کمریں کس کر رخصت کرو راحت کو
جوش آئے کسی صورت ارباب سخاوت کو
ہے بوجھ بہت بھاری مل جل کے سب اٹھوالو
خوش رکھے خدا تم کو کچھ ہم کو بھی دے ڈالو

[چھٹا مصرع پہلے اس صورت میں تھا :
اللہ بھلا کر دے کچھ ہم کو بھی دے ڈالو]

خاک اڑنے لگے گی جب پیمانۂ مستی میں
ویرانہ نہ ہوگا پھر پیدا کسی بستی میں

تھوڑی سی کمی بھی ہو گر عیش پرستی میں
معقول اضافہ ہو سرمایہ ہستی میں
کالج ابھی بنتا ہے تدبیریں تو کی جائیں
اے قوم جو تو چاہے مرتے ہوئے جی جائیں

۲۳ - ص ۷۲-۷۰ - غزل :

سوز غم سے ہر رگ دل جل کے شعلہ ہوگئی
میری خاطر سردیٔ موسم بھی عنقا ہوگئی

بارہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۸۱-۱۸۰ پر ہے - یہ سب شعر بیاض میں ہیں - بیاض میں ذیل کے تین شعر غیر مطبوعہ ہیں :

مٹ گئی خود بینیٔ حسن آینہ جاتا رہا میں ہوا ناپید تو اک بات پیدا ہوگئی

[پہلے اس شعر کو قلم زد کیا گیا ہے - پھر باقی رکھنے کا نشان (صاد) بنایا گیا ہے - مصرع ثانی پہلے اس صورت میں تھا :
میری ناپیدی میں بھی اک بات پیدا ہوگئی]

زخم خوردہ دل امید دستگیری ہے بجا
شاخ کٹنے سے عصائے دست موسیٰ ہوگئی

کاروان اہل دل چلنے میں بھی چھپتا رہا
دیدۂ اغیار پر خاک اڑ کے پردا ہوگئی

آخری شعر قلم زد کیا گیا ہے - بیاض میں اس غزل کی تاریخ تصنیف جنوری ۱۹۱۶ء لکھی ہے ، جبکہ دیوان میں ۲۲ - جنوری ۱۹۱۵ء ہے -

۲۴ - ص ۷۲ - دو شعر :

دغا ہے حسن میں ، گو ہیں ، مگر حسیں نہ کہو
قمر میں داغ ہے اس بت کو مہہ جبیں نہ کہو

دیوان میں (ص ۱۲۸) اس زمین میں دو شعر ہیں - یہ دونوں بیاض میں ہیں -

۲۵ - ص ۷۴-۷۳ و ۸۰-۷۹ - غزل :

ان کی آرایش سے میرے کام بن جائیں گے کیا
دل کی گتھی شانہ ہائے زلف سلجھائیں گے کیا

بارہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۵-۲۴ پر ہے - یہ تمام شعر بیاض میں ہیں - ذیل کے سات شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہیں :

کیوں چلو بن کر لحد پر روز محشر دور ہے
چال اچھی ہے مگر مردے نکل آئیں گے کیا

کھل رہے ہیں زلف کے حلقے یہ کس کے سوگ میں
اس بھنور کے ڈوبنے والے ابھر آئیں گے کیا

بخیہ و مرہم اٹھا رکھتے ہیں محشر کے لیے
زخم دل کا ذکر جب آئے گا دکھلائیں گے کیا

دست و بازو کی نزاکت ہے تو کیوں غم کیجیے
کاٹ کر اپنا گلا ہم خود نہ مر جائیں گے کیا

قبر پر آنے سے خوش ہوں مجمع احباب سے
کوئی پوچھے سونپ کر مجھ کو پلٹ جائیں گے کیا

کہہ لے جو کہنا ہو سنتے سنتے عادت ہو گئی
گالیاں کھا کر تری محفل سے اٹھ جائیں گے کیا

دل کو بہلانے کو وہ بھی آ رہے ہیں قبر پر
مرنے والے داستان غم کو دہرائیں گے کیا

تیسرے شعر کا مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا:

بخیہ و مرہم اٹھا رکھتے ہیں روز حشر پر

اختلافات:

شعر ۲ - مصرع ۱ - دیوان	:	وصل کے وعدے سے خوش ہو کر نہ مر جائیں گے کیا
بیاض	:	وعدۂ وصلت پہ خوش ہو کر . . .
شعر ۶ - مصرع ۱ - دیوان	:	ہاتھ ادھر اٹھتا نہیں ہے تار ادھر باقی نہیں
بیاض	:	ہاتھ ادھر اٹھتا نہیں تار اس طرف باقی نہیں
شعر ۱۰ - مصرع ۲ - دیوان	:	آہ و زاری سے مری موسم بدل جائیں گے کیا
بیاض	:	آہ و نالہ سے مرے موسم . . .
مقطع - مصرع ۱ - دیوان	:	دل کی بیماری کا عقدہ کھولنا دشوار ہے
بیاض	:	عقدۂ بیماریٔ دل کھولنا دشوار ہے

دیوان میں تاریخ تصنیف ۲۲ دسمبر ۱۹۱۵ء لکھی ہے، بیاض میں صرف "دسمبر ۱۹۱۵ء" درج ہے۔

۲۶ - ص ۷۶-۷۵ - غزل:

ظلم اپنوں پر جفا جُو کس لیے   اے فلک شبنم کے آنسو کس لیے

سات شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۹۴ پر ہے۔ اس کے سب شعر بیاض میں ہیں۔ دو شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہیں:

عالم باطن پہ کیوں تاثیر عشق   میں تو میں یہ دل پہ قابو کس لیے

ذکر دل کیا وہ تو ہے حرماں نصیب یہ پریشانیٔ گیسو کس لیے
دوسرا شعر قلم زد کیا گیا ہے ۔

اختلافات :

شعر ۲ ۔ مصرع ۲ ۔ دیوان	: قمریوں کی ورنہ کو کو کس لیے
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس طرح تھا	: ورنہ پھر قمری کی کو کو کس لیے
شعر ۳ ۔ مصرع ۲ ۔ دیوان	: پھر یہ خنجر اور بازو کس لیے
بیاض	: پھر یہ تلوار اور بازو کس لیے
شعر ۵ ۔ مصرع ۱ ۔ دیوان	: بے ثمر کر فیض کے خواہاں نہیں
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا	: بے ثمر ہوتے نہ گر خواہان فیض
شعر ۷ ۔ مصرع ۱ ۔ دیوان	: سر بکف حاضر ہے ثاقب دیر سے
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا	: ہم تو سر خم کر چکے ہیں دیر سے

دیوان میں تاریخ تصنیف ۱۵ دسمبر ۱۹۱۵ء لکھی ہے ۔ بیاض میں صرف "دسمبر ۱۹۱۵ء" درج ہے ۔ یہ غزل بیاض : ۱ (اندراج : ۴۴) میں بھی ہے ۔

۲۷ ۔ ص ۷۸-۷۷ ۔ غزل :

رنگ غم بدلا کیا ہے رنگ گلشن دیکھ کر
اشک شبنم تھم گئے پھولوں کے دامن دیکھ کر

تین شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۸۹ پر ہے ۔ اس کے تینوں شعر بیاض میں ہیں ۔ بیاض میں ذیل کے آٹھ شعر غیر مطبوعہ ہیں :

آسماں کی آنکھ میں تنکے کھٹکتے ہیں میرے
برق گرتی ہے تو میرا ہی نشیمن دیکھ کر

عام ہے تاثیر غم پہلو میں دل ہو یا نہ ہو
شمع روتی ہے کسی بے کس کا مدفن دیکھ کر

حسن باطن کے لیے لازم نہیں سالم لباس
طرز عصمت کو سمجھ یوسف کا دامن دیکھ کر

جب سے اس رنگین ادا کا نام رکھا ہے صنم
سر جھکا لیتے ہیں اپنے بت برہمن دیکھ کر

قید ہوتے ہی مرے گلشن میں سناٹا ہوا
ہم صفیر اڑنے لگے خالی نشیمن دیکھ کر

رات گزری ہر اسیران جنوں کی خیر ہو
رو رہے ہیں اہل دل زنداں میں روزن دیکھ کر

کیا کہوں ثاقب دل بیمار کی حالت کہ آج
دوستوں کا ذکر کیا روتے ہیں دشمن دیکھ کر

دیوان میں اس غزل کی تاریخِ تصنیف ۳۱ جنوری ۱۹۱۵ء لکھی ہے جبکہ بیاض میں "جنوری ۱۹۱۶" درج ہے۔

۲۸ - ص ۸ - غیر مطبوعہ مطلع :

اپنے گھر میں ہوں مگر دل مائل فریاد ہے
وادیٔ غربت کا سناٹا ابھی تک یاد ہے

۲۹ - ص ۸۰ - غیر مطبوعہ مطلع :

قید سے چھٹنے کو سمجھوں گا کہ آفت آ گئی
اب تو زنجیروں کے نالوں پر طبیعت آ گئی

۳۰ - ص ۸۰-۸۱ - غزل :

تیرگی چھپ جائے گی خود صبح ظاہر بھی تو ہو
اشک تھم جائیں گے لیکن رات آخر بھی تو ہو

آٹھ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۲۳ پر ہے۔ اس کے سب شعر بیاض میں ہیں۔ ذیل کا شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہے :

بخت بھی پلٹے گا اور دن بھی پھریں گے دفعتاً
جو مری آنکھوں سے غائب ہے وہ حاضر بھی تو ہو

دیوان میں آٹھویں شعر کا پہلا مصرع : ان پہ دعویٔ قتل کا محشر میں آساں ہے مگر
بیاض میں اس صورت میں ہے : ان پہ دعویٔ خون کا محشر . . .

۳۱ - ص ۸۲ - غزل :

قیامت تو کی تم نے دو گام چل کر ہمیں رہ گئے اپنی کروٹ بدل کر

چار شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۰ پر ہے۔ اس کے چاروں شعر بیاض میں ہیں، اور قلم زد کر دیئے گئے ہیں۔ دیوان میں تیسرے شعر کا مصرع اول :

سروں کو جھکائے ہیں سرکش جہاں کے

بیاض میں اس صورت میں ہے : جھکائے ہیں سر، سرکشانِ زمانہ

یہ غزل بیاض : ۳ میں تین جگہ (اندراج : ۵، ۶، ۳۵) اور بیاض : ۵ میں بھی تین جگہ (اندراج : ۱۱، ۱۶، ۲۷) ملتی ہے۔

۳۲ - ص ۸۲-۸۳ - غزل :

حسن کی ایک فصل ہے، عشق کا ایک باب ہے
دیکھ چکے ہیں ہم اسے دہر نما کتاب ہے

دس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۲-۲۳ و ص ۲۴۰ پر ہے - اس کے تمام شعر بیاض میں بھی ہیں -

اختلافات :

شعر ۲ - مصرع ۱ - دیوان : رسم و رہ قدیم ہے شرع صنم نئی نہیں
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا : شرع صنم نئی نہیں ہے یہ قدیم داستاں
شعر ۸ - دیوان : آب عذار آتشیں دیکھ کے میری آنکھ دیکھ
ایک طرف سراب ہے دوسری سمت آب ہے

بیاض میں یہ شعر اسی صورت میں ہے لیکن دیوان کے غلط نامے میں مطابق ذیل تبدیلی کی گئی ہے :

دیکھ کے میری آنکھ دیکھ اس رخ آتشیں کی آب
آب ہے ایک ہی طرف ایک طرف سراب ہے

شعر ۱۰ - دیوان : حسنِ سخن سے ہے عیاں جلوۂ وارداتِ حسن
ثاقب دل حزیں تری ہر غزل انتخاب ہے
بیاض : معترف کمال ہیں شعر و سخن کے جوہری
ثاقب خوش بیان تری ہر غزل انتخاب ہے

مصرع ثانی بیاض میں پہلے اس صورت میں تھا :

ثاقبِ دلِ حزیں تری یہ غزل انتخاب ہے

۳۳ - ص ۸۴ - غزل :

نکالے لاکھ ہم کو آسماں ہم کب نکلتے ہیں
وہ دروازے نہیں باقی جہاں مطلب نکلتے ہیں

چار شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۱۶ پر ہے - بیاض میں تین شعر ہیں - دیوان کا دوسرا شعر بیاض میں نہیں دیوان کے چوتھے شعر کا پہلا مصرع :

بہار آ آ کے نکلی ہے ہزاروں بار گلشن سے
بیاض میں پہلے اس صورت میں تھا : . . . گلشن میں

۳۴ - ص ۸۵-۸۷ - غزل :

مے کشوں میں کیوں نہ ہو مشہور نام آفتاب
لے کے انگڑائی سحر لیتی ہے جام آفتاب

تیرہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۷۶-۷۷ پر ہے - اس کے سب شعر بیاض میں ہیں - دو شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہیں :

لفظ و معنی ایک ہیں تاثیر میں اللہ رے زور
منہ میں چھالے پڑ گئے لیتے ہی نام آفتاب

ظلمت مرقد ہے تو سب سے سوا محتاج نور
میں تو سمجھا تھا یہی ہوگا مقام آفتاب

اختلافات :

شعر ۷ - مصرع ۲ - دیوان : پاس ہے عیسیٰ کے گو اب تک مقام آفتاب
بیاض : پاس گو عیسیٰ کے ہے اب تک . . .

شعر ۸ - دیوان : زلف وارستہ کسی دن پھیر دے میری طرف
ہے ترے ہی دست قدرت میں لجام آفتاب
بیاض : زلف وارستہ کسی دن میری جانب پھیر دے
تیرے ہی ہاتھوں ہے دنیا میں لجام آفتاب

۳۵ - ص ۸۹-۸۸ - غزل :

دہر لا حاصل میں سب کچھ مجھ کو حاصل ہوگیا
یوں جہاں سمٹا کہ پہلو میں مرے دل ہوگیا

نو شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۴۳ پر ہے - دیوان کا آٹھواں شعر بیاض میں نہیں ہے - بیاض میں گیارہ شعر ہیں ، جن میں سے تین غیر مطبوعہ ہیں :

دو جہاں آباد کر دینے کے قابل ہوگیا
ہو کے پتلا خاک کا میں صاحب دل ہوگیا

بہ رہی ہے آنکھ اپنے آب میں،میں جب سے ہوں
دور کتنا کشتیٔ مقصد سے ساحل ہوگیا

کیا بتائیں مر کے اہل قبر کس عالم میں ہیں
ہم تو تم اب بھول بھی ہنسنے کے قابل ہوگیا

آخری شعر کا مصرعہ اول پہلے اس صورت میں تھا :

مر کے کیا بتلائیں کس عالم میں ہیں اہل مزار

مقطع کا مصرعہ اول : جائے خوں ثاقب رگ و پے میں ہے ساری عشق دوست
بیاض میں پہلے اس صورت میں تھا : وقت وہ پہنچا کہ جائے خوں رگوں میں عشق ہے

۳۶ - ص ۹۱-۹۰ - غزل :

کیوں نہ اچھا ہو جہاں میں خنجر و آہو کا ساتھ
جب خدا نے کر دیا ہو دیدہ و ابرو کا ساتھ

دس شعروں کی یہ غزل دیوان مطبوعہ میں ص ۲۶-۱۲۸ پر ہے - اس کے تمام شعر بیاض میں ہیں -

۳۷ - ص ۹۱ - مطلع : . . . خاک و آب میں ، آئنہ سراب میں - یہ مطلع دیوان میں ص ۲۳۷ پر "منفردات" کے تحت ہے -

۳۸ - ص ۹٦-۹۲ - غزل :

چھپ گئیں آنکھوں سے ذروں میں نمایاں ہوگئیں
بستیاں اجڑی ہوئی مل کر بیاباں ہوگئیں

اٹھارہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۷-۹۵ پر ہے - اس کے تمام شعر بیاض میں ہیں - بیاض میں گیارہ شعر غیر مطبوعہ ہیں :

آؤ زنداں میں تو دکھلائیں تمھیں تاثیر غم
ہو کے آہن ، موم زنجیروں کی کڑیاں ہو گئیں

وحشت دل دشمن جیب و گریباں تھی مگر
دیکھ کر مجھ کو یہ تلواریں بھی عریاں ہوگئیں

[مصرع ثانی پہلے اس صورت میں تھا : دیکھتے ہی مجھ کو تلواریں بھی عریاں ہوگئیں]

ہوں اسیر ظلم لیکن خواہش دیدار میں
میری آنکھیں پہلے ہی دیوار زنداں ہوگئیں

عاشقوں کے سامنے دعوائے تخت و تاج ہے
حسن کی پرواز سے پریاں سلیماں ہوگئیں

دھجیاں جیب و گریباں کی وہ کیسی ہی سہی
عالم غربت میں میرا ساز و ساماں ہوگئیں

ہنس کے دو دن مدتوں رویا کیا اس فکر
شادیوں نے دل میں کیا دیکھا جو مہماں ہوگئیں

حلقۂ آب رواں میں ہوں نثار فیض غم
ندیاں اشکوں کی تار جیب و داماں ہوگئیں

دفن دل سے کیا ، عجب اس کی تمناؤں سے ہے
جو کبھی نکلی نہ تھیں کیوں کر وہ پنہاں ہوگئیں

دل کے زخموں کے مزے جی بھر کے لوٹے بھی نہ تھے
ظالموں کی ہمتیں صرف نمکداں ہوگئیں

[اس شعر کا مصرع اول قلم زد کیا گیا ہے]

منہ کے بل بت کیوں گرے تھے اے پرستار صنم
سنتے ہیں کعبے کی تصویریں مسلماں ہوگئیں

پردہ داری ان نگاہوں کی مرا دل کیا کرے
جو ادھر ڈوبیں تو اس جانب نمایاں ہوگئیں

اختلافات :

شعر ۴ - مصرع ۱ - دیوان : دیکھتا کون دور بجھاتا کون اس دل کی لگی
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا :
دیکھتا کون اور بجھاتا کون دل کی آگ کو

شعر ۴ - مصرع ۲ - دیوان : ہڈیاں جل جل کے شمع زیر داماں ہوگئیں
بیاض : ہڈیاں جل کر چراغ زیر داماں ہوگئیں

شعر ۷ - مصرع ۱ - دیوان : ضعف باقی ہے نہیں جس کا کوئی پرسان حال

بیاض میں یہ مصرع پہلے اسی صورت میں تھا۔ اسے قلم زد کرکے یہ مصرع لکھا گیا : رہ گیا ہے ضعف جس کا پوچھنے والا نہیں

شعر ۱۱ - مصرع ۲ - دیوان : خواہشیں تھیں جو بہم گھل مل کے انسان ہوگئیں
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا : کچھ تمنائیں مبہم . . .

شعر ۱۷ - مصرع ۱ - دیوان : کیا وفاداروں کے جی ڈوبے ہیں جوش عشق میں
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا : . . . جی ڈوبے ہیں بحر عشق میں
یہ غزل بیاض : ۳ (اندراج : ۲۹) میں بھی ہے -

۳۹ - ص ۹۸-۹۷ - غزل :

پھول کے ایک نقش غم عہد شباب ہوگیا
جس نے سلایا مدتوں آج وہ خواب ہوگیا

سات شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۶۱ پر ہے - اس کے سب شعر بیاض میں ہیں -

اختلافات :

دیوان میں چھٹے اور ساتویں شعروں کے مصرع ہائے ثانی مشترک ہیں - چھٹا شعر بیاض میں پہلے اس صورت میں تھا :

حشر میں گن کے تھک گیا حد نہ ملی گناہ کی
بس مرے پردہ پوش بس میرا حساب ہوگیا

مصرع اول قلم زد کرکے یہ مصرع لکھا گیا :
غرق عرق ہو تا گلو حد نہیں انفعال کی

دیوان میں قلم زدہ مصرع چھٹے شعر میں اور نیا مصرع ساتویں شعر میں شامل کیا گیا -

شعر ۵ - مصرع ۱ - دیوان : عہد وفا و مہر کا اب کوئی فائدہ نہیں

بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا : وعدۂ مہر و آشتی کا کوئی فائدہ نہیں
شعر ۵ - مصرع ۲ - دیوان : تم نہ جلاؤ گے کسے دل تو کباب ہوگیا
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا :
اب نہ جلائیں گے کسے دل تو کباب ہوگیا

۴۰ - ص ۱۰۲-۹۹ - غزل :

باتیں کریں گے حشر کی چرخ بریں سے ہم
بن کر غبار اٹھیں گے لحد کی زمیں سے ہم

انیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۴-۹۲ پر ہے - اس کے سترہ شعر بیاض میں ہیں - دو (شمارہ : ۱ ، ۱۵) بیاض میں نہیں ہیں - بیاض میں ۲۷ شعر ہیں - ان میں سے دس غیر مطبوعہ ہیں - مطلع اوپر درج ہو چکا ہے ، باقی شعر یہ ہیں :

بحثیں گے باغباں سے نہ چرخ بریں سے ہم
تنکے چنا کریں گے چمن کی زمیں سے ہم

قاتل کو اے برہنگیٔ حشر چھوڑ دے
دلوائیں گے شہادت ظالم آستیں سے ہم

صیاد جانتا ہے کہ گلشن قفس میں ہے
لائے ہیں اتنے داغ چمن کی زمیں سے ہم

بے قدر گنج غم ہے مگر رائیگاں نہیں
لے لیں گے اپنی داد ملال آفریں سے ہم

جب میں خموش ہوں تو انہیں کیوں یہ فکر ہے
کیا بات کرنے جائیں لحد کے مکیں سے ہم

[اس شعر کا مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :
جب ہم خموش ہیں تو انہیں . . .]

خاک اڑ رہی ہے یوں کہ سمجھتے ہیں اہل دل
آگے نکل گئے ہیں جہاں کی زمیں سے ہم

خون رخ شہید سے محشر میں کیا گلہ
یہ کچھ عرق نہیں ہے کہ پونچھیں جبیں سے ہم

[اس شعر کا مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا : خون شہید ناز سے محشر . . .]

عاشق مزاج دل ہے جو کھویا تو پھر کہاں
معشوق ہو تو ڈھونڈ نکالیں کہیں سے ہم

کھٹکیں نہ آشیانے کے تنکے نگاہ میں
اٹھ جائیں گے کہیں نہ کہیں اس زمیں سے ہم

مذکورہ اشعار میں سے شمار ۲، ۵، ۷ اور ۱۰ قلم زد کیے گئے ہیں۔

اختلافات :

دیوان کا چوتھا شعر بیاض میں قلم زد کیا گیا ہے۔

شعر ۸ - مصرع ۱ - دیوان : غصے کے بعد تیغ زنی کا محل نہیں
بیاض : . . . . کا محل کہاں

شعر ۹ - مصرع ۱ - دیوان : کر لیں سوالِ وصل کہ باتوں میں ہے مزا
بیاض : . . . . کہ لذت ہے بات میں

شعر ۱۱ - مصرع ۲ - دیوان : مجبور ہوگئے دل عزلت گزیں سے ہم
بیاض : . . . . دل عزلت نشیں سے ہم

مقطع - مصرع ۱ - دیوان : ثاقب ملال اہلِ حسد بھی ہے ناگوار
بیاض : اہلِ حسد کا رنج بھی ثاقب ہے ناگوار

یہ غزل بیاض : ۴ (اندراج : ۲۸) میں بھی ہے۔

۱۴ - ص ۱۰۵-۱۰۶ - غزل :

اٹھیے نہ آپ حالت بیمار دیکھ کر　　دل بیٹھ جائیں گے مرے آزار دیکھ کر

تئیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۸۵-۸۶ پر ہے۔ اس کے تمام شعر بیاض میں ہیں۔ دیوان کے دو شعر (شمارہ : ۱۲، ۱۴) بیاض میں قلم زد کر دیے گئے ہیں بیاض میں آٹھ شعر غیر مطبوعہ ہیں۔ ان میں سے ایک مطلع اوپر درج کیا گیا ہے۔ یہ پہلے اس صورت میں تھا :

آپ اٹھ رہے ہیں کیوں مرے آزار دیکھ کر
دل بیٹھتے ہیں حالت بیمار دیکھ کر

مزید غیر مطبوعہ اشعار یہ ہیں :

پھر جائیے گا میّت بیمار دیکھ کر
بند آنکھ کی ہے حسرت دیدار دیکھ کر

کر ترک بے خودی کو دل زار دیکھ کر
کوئی پلٹ گیا مجھے ہشیار دیکھ کر

ہے قیدیوں کا حال کچھ ایسا کہ اہل دل
روتے ہیں قید خانے کی دیوار دیکھ کر

بے قدر آج قطرۂ خون شہید ہے
کھیے گا ہم سے حشر کا بازار دیکھ کر

ناواقفی عالم غم اک گناہ ہے
واعظ نہ کچھ کہے مجھے بیکار دیکھ کر

حسن زمانہ کُش کی خطا ہے بس اور کیا
سر ڈھونڈتے ہو ڈاب میں تلوار دیکھ کر

دو نشاط سے نہیں محروم غیر بھی
ہنستے ہیں لوگ چہرۂ بے خوار دیکھ کر

مذکورہ اشعار میں سے شعار : ۲ ، ۳ ، ۴ ، ۷ ، ۸ قلم زد کیے گئے ہیں - دیوان کے شعر ۹ کا مصرع اول : اب دہر روشناس وفا و جفا ہوا
بیاض میں پہلے اس صورت میں تھا : اب دھر آشنائے وفا و جفا ہوا

۴۲ - ص ۱۴-۱۱ - غزل :
خود فراموش قفس ہم ہیں چمن یاد نہیں   غیر کے ہوگئے ایسے کہ وطن یاد نہیں

پندرہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۸-۹۷ پر ہے - اس کے تمام شعر بیاض میں ہیں - مندرجہ ذیل شعر غیر مطبوعہ ہیں :

سرمۂ خاک بھی کیا شے ہے کہ سب بھول گئے
کس طرح کرتے تھے آرایش تن یاد نہیں

بزم احباب تو اب تک ہے مری آنکھوں میں
تم کو تربت مری اے اہل وطن یاد نہیں

جب زمیں پر ہوں وہی گھر ہے نثار وحشت
چھوڑ کر جس کو بڑھا ہوں میں وہ بن یاد نہیں

اور پھر مطلب خاموشیٔ بلبل کیا ہے
کون کہتا ہے اسیری میں چمن یاد نہیں

منتظر ہوں شب غم ! ہائے فراموشیٔ دل
وعدہ تو یاد ہے ، وہ عہد شکن یاد نہیں

دیکھیے ظلم وفا حشر میں بھی کہہ ڈالا
مجھ کو گزری ہوئی روداد کہن یاد نہیں

کاہش دل کے لیے بسمل الفت تھا بہت
وہ تڑپنا مجھے اے تیر فگن یاد نہیں

بھولے بیٹھے ہیں کہ ہم بھی تھے کبھی شوخ مزاج
طبع رنگیں کا وہ بے ساختہ پن یاد نہیں

سامنے دل کے ہے بیت الحزن یعقوبی
شور عشرت کدۂ زاغ و زغن یاد نہیں

قصۂ طور و تجلی کا بیاں کیا کہ ہمیں
جلنے والے ترے اے شمع لگن یاد نہیں

حیرت عشق میں ساکت ہوں تو دم گھٹتا ہے
بولتا ہوں تو مجھے راہ سخن یاد نہیں

مذکورہ اشعار میں سے تیسرا اور آٹھواں شعر قلم زد کیے گئے ہیں ۔ چوتھا اور ساتواں بھی قلم زد کیے گئے تھے ، لیکن انھیں دوبارہ لکھا گیا ہے ۔ دیوان کے تیسرے شعر کا مصرع اول : اس کی محفل میں ہوا تھا کبھی اپنا بھی گزر
بیاض میں اس صورت میں ہے : ... کبھی میرا بھی گزر

دیوان میں غزل کی تاریخ تصنیف ۱۵ فروری ۱۹۱۷ء ہے ۔ یہی بیاض میں بھی ہے ۔

۴۳ ۔ ص ۱۹-۱۱۵ ۔ غزل :

لاغری سے اک ورق ہوں دفتر تاثیر میں
جان پڑ جائے جو کام آئے تری تصویر میں

انیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۹-۹۸ پر ہے ۔ بیاض میں اس زمین میں دو غزلیں ہیں جن کے اشعار کی مجموعی تعداد ۲۹ ہے ۔ دیوان کی غزل انھیں دونوں غزلوں سے مرتب کی گئی ہے ۔ بیاض میں دس شعر غیر مطبوعہ ہیں ۔ ان میں سے تین بیاض : ۱ کے اندراج : ۶ کے تحت درج کیے جا چکے ہیں (شمار : ۱ ، ۳ ، ۶) باقی سات شعر یہ ہیں :

رونے والوں کے سروں کا کاٹنا اچھا نہیں
آگ لگ جائے گی اک دن دامن گلگیر میں

خون ثاقب کا ہے یہ رنگین چمن سینچا ہوا
شاید ایسے پھول نکلیں بوستان میر میں

کاروان آہوں کا ثاقب کس قدر پر زور تھا
خاک اب تک اڑ رہی ہے عالم تاثیر میں

[بعد میں اس شعر کو مطلع کی صورت میں یوں لکھا ہے :
زور کیا تھا کاروان نالۂ شب گیر میں
خاک اب تک اڑ رہی ہے عالم تاثیر میں]

کھینچے ہوئے کیوں کہاں حالت نہیں نخچیر میں
دم نکلتا ہے کہ جنبش ہو رہی ہے تیر میں
ظالم و مظلوم کے انداز کھل ہی جائیں گے
روز محشر رنگ بھر دے گا ہر اک تصویر میں
انتظار دید میں بے چین ہوں نکلیں کہیں
صورتیں جو رہ گئیں ہیں پردۂ تقدیر میں
[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا : انتظار دید میں تڑپا ہوں نکلیں جب کہیں]
رات کے آتے ہی سو سو بار ہوتا ہوں حلال
ہے صدا تکبیر کی ہر نالۂ شب گیر میں

اختلافات :

شعر ۱۳ - مصرع ۱ - دیوان : ظالم و مظلوم ان کے زور بازو پر نثار
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا : ظالم و مظلوم دونوں زور بازو پر نثار
شعر ۱۹ - مصرع ۱ - دیوان : نالۂ دل تا بلب ثاقب نہیں پہنچا ابھی
بیاض : نالۂ دل لب سے باہر بھی نہیں آیا ابھی
شعر ۱۹ - مصرع ۲ - دیوان : اک تلاطم ہو رہا ہے عالم تاثیر میں
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا : اک تلاطم ہے ابھی سے عالم تاثیر میں
یہ غزل بیاض : ۱ (اندراج : ۱۶) اور بیاض : ۳ (اندراج : ۳۲) میں بھی ہے -

۴۴ ص ۱۱۸ - مطلع : . . . اسیر ہوں ، . . . لکیر کا فقیر ہوں - یہ مطلع دیوان میں ص ۲۳۷ پر ہے -

۴۵ - ص ۱۲۱-۲۵ - غزل :

خاک جل بھن کے ہوا کب کا وہ پروانۂ دل
ختم ہوتا نہیں اب تک مگر افسانۂ دل

سترہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۱-۹۲ پر ہے - اس کے سب شعر بیاض میں ہیں - بیاض میں ذیل کے شعر غیر مطبوعہ ہیں :

کب سے غارت شدۂ اشک ہے ویرانۂ دل
اتنے طوفان اٹھے بیٹھ گیا خانۂ دل

ضبط اک چیز ہے کچھ سد سکندر تو نہیں
بھر کے اک روز چھلک جائے گا پیمانۂ دل

وسعت صحن جہاں شہرۂ آفاق تو ہے
خیر دیکھوں گا اگر رہ گیا ویرانۂ دل

محفل دوست سے میں دور ہوں وہ بزم نشیں
کون کہتا ہے کہ اڑتا نہیں پروانۂ دل

غیرت خاک تو دیکھو کہ تہی ہو کہ نہ ہو
سامنے چرخ کے آتا نہیں پیمانۂ دل

صبر اچھا تو ہے پر کیا کروں اے بندہ نواز
آسیائے فلک اور ایک مرا دانۂ دل

وہ اداسی ہے کہ ہنستے نہیں داغوں کے چراغ
منزل شام غریباں ہے سیہ خانۂ دل

کون بے کیف رہا میکدۂ ہستی میں
مدتیں گزریں کہ گردش میں ہے پیمانۂ دل

بادۂ ناب محبت میں اثر ہوگا جبھی
عشق ساقی ہو مگر پاس ہو پیمانۂ دل

اب تو اک نوحۂ ماتم کی صدا آتی ہے
کبھی سنتے تھے ہمیں نعرۂ مستانۂ دل

اختلافات :

شعر ۱ - مصرع ۱ - دیوان : جل گیا خاک ہوا کب کا وہ پروانۂ دل
بیاض : خاک جل بھن کے ہوا کب . . .
شعر ۷ - مصرع ۱ - دیوان : دہری زنجیروں میں جکڑا ہے مقدر نے مجھے
بیاض : دہری زنجیروں سے جکڑا . . .
شعر ۱۲ - مصرع ۱ - دیوان : دیکھ کر تفرقۂ مہر و جفا ہم سمجھے
بیاض : سمجھے ہم دیکھ کے یہ تفرقۂ مہر و جفا
شعر ۱۵ - مصرع ۱ - دیوان : حسن ہے ، خود ہیں ، زمانہ ہے ، وہ کیوں گھبرائیں
بیاض : حسن خود بیں ہے ، زمانہ ہے . . .
[یہ مصرع بیاض میں پہلے دیوان کے مطابق تھا]
شعر ۱۷ - مصرع ۱ - دیوان : کبھی قصہ کوئی ارباب وفا کا ثاقب
بیاض : قصہ کہیے گا تو ارباب وفا کا ثاقب

۳۶ - ص ۱۲۵-۳۰ - غزل :

دوستوں سے دور کر کے خوش نہیں وحدت یہ بھی
رشک آتا ہے فلک کو عالم غربت یہ بھی

اکیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۸۲-۱۸۱ پر ہے - اس کے تمام شعر

بیاض میں ہیں ۔ بیاض میں مندرجہ ذیل شعر غیر مطبوعہ ہیں :

اڑ کے میری نیند یغمائے زمانہ ہوگئی
ساتھ اوروں کے بٹی ہے طالع قسمت پہ گئی

زندگی میں پس چکا تھا مر کے سرمہ ہوگیا
آسیائے چرخ آخر پھر گئی تربت پہ بھی

سوز دل میں ذبح کا ان کو یقین ہوتا نہیں
تیرگی سی آ گئی ہے خون کی رنگت پہ بھی

حال اپنا کس طرح دیکھوں کہ محو حسن ہوں
زندگی میں تو نظر پڑتی نہیں جنت پہ بھی

یوں تو میرے بعد اڑے گی خاک کوئے عشق میں
ایک سناٹا رہے گا وادیٔ وحشت پہ بھی

جسم و جاں کو ہے برا یہ فصل پیری کا سکوں
جو لحد میں لا اتارے خاک اس راحت پہ بھی

ایک شب بھی انتظار وصل میں بیٹھا نہیں
بخت کا دھوکا رہا ہے رات کی ظلمت پہ بھی

قبر والو ! تم سے باتیں کیں کسی نے یا نہیں
کوئی آیا تھا کسی دن خانۂ عزلت پہ بھی

خود میں رویا ہوں کسی دل کو رلایا تو نہیں
میں تو دامن تر نہیں اس جوشش رقت پہ بھی

قید میں خاموش ہوں میں اور تعجب ہے تجھے
اک نظر صیاد اس برہم شدہ صحبت پہ بھی

[دوسرے مصرع میں ''برہم شدہ'' کے نیچے ''اجڑی ہوئی'' لکھا ہے]

اختلافات :

شعر ۸ ۔ مصرع ۲ ۔ دیوان : میں نہ مانوں گا کہ زور جرم ہے رحمت پہ بھی
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا : میں نہ سمجھوں گا کہ . . .
شعر ۱۰ ۔ مصرع ۲ ۔ دیوان : وہ نہ کہتا تھا کہ آ جاتا ہے دل آفت پہ بھی

بیاض کے متن میں یہ مصرع اسی صورت میں ہے لیکن حاشیے پر ذیل کا متبادل مصرع لکھا ہے : کب کہا اس نے کہ آ جاتا ہے دل آفت پہ بھی

شعر ۱۹ ۔ مصرع ۲ ۔ دیوان : مر گیا شاید کہ راضی ہوگیا ذلت پہ بھی
بیاض : مر گیا شاید جو راضی . . .

۴۷ - ص ۱۳۱-۱۳۴ - غزل :
کبھی حجاب میں تھا دل پر اب نہیں حجاب میں
اک آئنہ لگا ہوا ہے دیدۂ پر آب میں
انیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۰۰-۱۰۱ پر ہے - اس کے تمام شعر بیاض میں ہیں - بیاض میں مندرجہ ذیل شعر غیر مطبوعہ ہیں :
نہ پوچھیے کہ مل رہا ہے کیا مجھے خضاب میں
سیاہ پوش ہو رہا ہوں ماتم شباب میں
بس آج میرے درد کی دل حزیں نے داد دی
لہو کی بوند آ گئی ہے دیدۂ پر آب میں
تری نظر میں میں نہیں جہاں مری نظر میں ہے
زمانہ کھنچ کہ آ گیا ہے دیدۂ پر آب میں
نہیں ہے یاد کب سے یہ چراغ دل خموش ہے
چلی تھی اک ہوا ضرور موسم شباب میں
کہاں کی الفت آ گئی کہ کھنچ رہا ہوں دیکھ کر
مرا لہو ملا نہ تھا کبھی شراب ناب میں
ان اشعار میں سے پہلا قلم زد کر دیا گیا ہے -

اختلافات :

شعر ۷ - مصرع ۱ - دیوان : حواس تو ہیں منتشر ، خیال منتشر نہیں
بیاض : حواس گو ہیں . . . .
[یہ مصرع پہلے دیوان کے مطابق تھا ، بعد میں ترمیم کی گئی]
شعر ۱۴ - مصرع ۱ - دیوان : ثواب کہتے ہیں کسے دکھا دے حشر میں مجھے
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا : . . . . دکھا دے مجھ کو حشر میں
شعر ۱۹ - مصرع ۲ - دیوان : نہ یہ صدا ہے چنگ میں نہ یہ نوا رباب میں
بیاض : نہ یہ صدا ہے چنگ میں نہ ہربط و رباب میں
[پہلے یہ مصرع اس صورت میں تھا : یہ زمزمہ چنگ میں نہ یہ نوا رباب میں]
یہ غزل بیاض : ۴ (اندراج : ۱۰) میں بھی ہے -

۴۸ - ص ۱۳۵ - غزل :
یہ نالے ایسے کب آسان ہیں جو ، ہر دل سے نکلیں گے
جو ڈھونڈو گے تو میرے ہم نوا مشکل سے نکلیں گے
تین شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۳۲ پر ہے - یہ تینوں شعر بیاض میں ہیں -

اختلافات :

شعر ۲ - مصرع ۱ - دیوان : جہاں نے لال کر کے جن کو مٹی میں دبایا ہے
بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا :
دبایا ہے جنھیں مٹی میں کر کے لال دنیا میں

شعر ۳ - مصرع ۱ - دیوان : مراد دل ملی مر کر مگر سونا نہیں ملتا
بیاض : ملی مر کر مراد دل مگر سونا نہیں ملتا

۴۹ - ص ۳۶-۱۳۵ - غزل :

آنکھ کھولے ہوں مقدر کچھ مجھے دکھلائے تو
جان کو روکوں کہاں تک آنے والا آئے تو

چار شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۸-۱۲۷ پر ہے - اس کے چاروں شعر بیاض میں ہیں - ذیل کا شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہے :

امتحاں آساں ہے ذکر گل زباں تک آئے تو
توڑ ڈالوں گا قفس کوئی مجھے تڑپائے تو

۵۰- ص ۱۳۶ - غزل :

مرض وہ ہے کہ تنہا ہی ترا رنجور رہتا ہے
شفا کیسی خیال عافیت بھی دور رہتا ہے

چار شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۲۶ پر ہے - اس کے چاروں شعر بیاض میں ہیں -

اختلافات :

شعر ۱ - مصرع ۱ - دیوان : مرض وہ ہے کہ تنہا آپ کا رنجور رہتا ہے
بیاض : یہ مصرع اوپر درج کیا گیا ہے
شعر ۲ - مصرع ۱ - دیوان : مرا دل کوئی کیوں توڑے کہ یہ مستِ مے الفت
بیاض : - - - - - - توڑے کہ یہ مستِ محبت ہے
شعر ۴ - مصرع ۱ - دیوان : مریضان شب فرقت کی تسکیں کے لیے ثاقب
بیاض : مریضان شب فرقت کا حال اچھا نہیں رہتا

۵۱- ص ۱۳۷-۴۱ - غزل :

تیرگی نام ہے دل والوں کے اٹھ جانے کا
جسے شب کہتے ہیں مقتل ہے وہ پروانے کا

چھبیس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۸-۷ پر ہے - اس کے بائیس شعر بیاض میں ہیں - چار (شمار : ۲ ، ۸ ، ۲۲ ، ۲۳) بیاض میں نہیں - ذیل کے سات شعر

بیاض میں غیر مطبوعہ ہیں :

صاعقہ ریز وہ جلوہ ہے صنم خانے کا
خوف پھر وادیٔ ایمن کو ہے جل جانے کا

سنگدل چرخ سے کیا خوف ہے اے تیر دعا
جس طرف جانے کا رستہ ہے گزر جانے کا

کچھ ہمارے دل بے تاب کے بھی کام آئے
جس کو آتا ہو طریقہ کوئی سمجھانے کا

شمع و گل کی نہ ضرورت ہے نہ امید شفا
کیا بتاؤ گے پتا پوچھ کے ویرانے کا

مر کے لکھا تو ہے ہر کس سے پڑھا جائے کہ اب
ہوگیا خط بھی غباری مرے افسانے کا

نہ رہا عشق فسوں ساز کا اب کوئی حریف
ایک دل تھا وہ ٹھکانے نہیں دیوانے کا

کوئی تنکا نہ رہا ذکر نشیمن کیسا
اک الف بھی نہیں باقی مرے افسانے کا

اختلافات :

شعر ۱ - مصرع ۲ - دیوان : جس کو شب کہتے ہیں مقتل ہے وہ پروانے کا
بیاض : یہ مصرع اوپر درج کیا گیا ہے -
شعر ۱۳ - مصرع ۱ - دیوان : بزم رنگیں میں تری ذکر غم آیا تو سہی
بیاض : ذکر غم آپ کی محفل میں کچھ آیا تو سہی
شعر ۱۸ - مصرع ۲ - دیوان : خون اونچا ہوا اتنا کسی پروانے کا
بیاض : خون اتنا ہوا اونچا کسی پروانے کا

دیوان میں غزل کی تاریخ تصنیف ۸ ستمبر ۱۹۱۷ء لکھی ہے - یہی بیاض میں ہے - تاریخ کے بعد یہ عبارت بھی ہے - "مشاعرہ فرنگی محل ، میر مشاعرہ محمد معین الدین صاحب اثر" -

۵۲- ص ۱۴۲ - غزل :

اہل غم سے عشرت عالم کا ساماں ہوگیا
جب زمیں کے داغ ابھر آئے گلستاں ہوگیا

دیوان میں اس زمین میں دو غزلیں ہیں (ص ۳۹-۳۸ و ۲۷) - ان کے اشعار کی مجموعی تعداد ۲۸ ہے - بیاض میں صرف چار شعر ہیں - ان میں سے تین (شمار : ۱، ۲، ۱۱) دیوان میں ہیں - چوتھا شعر غیر مطبوعہ ہے :

اس قدر کس نے چڑھائے پھول ہنسنے کے لیے
مرقد عاشق نہ ٹھہرا اک گلستاں ہوگیا

یہ غزل بیاض : ۴ (اندراج : ۲۲) میں بھی ہے۔

۵۳- ص ۴۵-۱۴۳ ۔ غزل :

عجب کہ آپ شناسا نہیں ہیں تربت کے
ابھی تو ابھرے ہوئے نقش ہیں محبت کے

پندرہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۷۸-۱۷۷ پر ہے۔ بیاض میں اٹھارہ شعر ہیں۔ ان میں سے تیرہ دیوان میں ہیں۔ دیوان کے دو شعر (شمار : ۲ ، ۳) بیاض میں نہیں۔ بیاض میں پانچ شعر غیر مطبوعہ ہیں :

جو آشیاں مجھے ممکن نہیں ، قفس ہی سہی
وطن فروش ہیں ساکن دیار غربت کے

[مصرع ثانی میں پہلے "زمیں" لکھا تھا ، اسے قلم زد کرکے "وطن" لکھا گیا]

مٹیں گے نام و نشاں کیا مٹائے لاکھ فلک
مزار بولتے ہیں کشتگان حسرت کے

وہ کون تھا مرا دل سوز کشتہ جو نہ ہوا
جنازے اٹھتے ہیں ہر صبح شمع تربت کے

پکار اٹھے مرے نالوں سے ڈر کے اہل فلک
خدا بچائے یہ طوفان ہیں قیامت کے

وہ گرد اٹھی ، وہ تلاطم ہوا ، وہ حشر آیا
وہ آئے روندنے والے ہماری تربت کے

دیوان کے شعر ۸ کا مصرع اول : یہ شام تار یہ رونا پسند ہے مجھ کو
بیاض میں اس صورت میں ہے : یہ کالی رات یہ رونا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

دیوان میں غزل کی تاریخ تصنیف ۱۵ ستمبر ۱۹۱۷ء درج ہے ، یہی بیاض میں ہے اور تاریخ کے بعد یہ عبارت بھی ہے : "مشاعرہ منصور نگر ، میر مشاعرہ سید عابد حسین صاحب شفق"۔

یہ غزل بیاض : ۱ (اندراج : ۲۶) میں بھی ہے۔

۵۴- ص ۴۸-۱۴۶ ۔ غزل :

رو کر حریف گنبد خود کام ہوگیا
نالہ کیا تو جنگ کا پیغام ہوگیا

سولہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۲-۲۱ پر ہے۔ دیوان کا شعر : ۴ بیاض میں نہیں۔ باقی سب بیاض میں ہیں۔ بیاض میں ذیل کے تین شعر غیر مطبوعہ ہیں :

ٹانکے نہ پیرہن میں ہیں باقی نہ زخم میں ملبوس عمر جامۂ احرام ہوگیا

سرگشتہ طالعی سے کسے ہے امید جام پیمانہ وقف گردش ایام ہوگیا

خاک اڑ رہی ہے میکدۂ حسن و عشق میں چلیے کہ ختم دور مے و جام ہوگیا

اختلافات :

شعر ۲ - مصرع ۲ - دیوان : دنیا میں زندگی کا فقط نام ہوگیا

بیاض : ناحق کو زندگی کا مری نام ہوگیا

شعر ۱۳ - مصرع ۱ - دیوان : حلقہ بگوش خانہ خرابی ہے عشق میں

بیاض : - - - - - - - ہے دہر میں

شعر ۱۶ - مصرع ۲ - دیوان : ثاقب انھیں گنوں سے تو بدنام ہوگیا

بیاض : ثاقب اسی جنون میں میں بدنام ہوگیا

دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ۱۶ ستمبر ۱۹۱۷ء لکھی ہے۔ یہی بیاض میں ہے۔ تاریخ کے بعد بیاض میں ''نواب سید محمدی بدخان صاحب بہادر'' کا نام لکھا ہے۔ تاریخ اور نام کے درمیان لفظ ''مشاعرہ'' لکھنے سے رہ گیا ہے۔

۵۵- ص ۵۰-۱۴۹ - غزل :

اسیر عشق مرض ہیں تو کیا دوا کرتے

جو انتہا کو پہنچتے تو ابتدا کرتے

نو شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۱۸۳ پر ہے۔ اس کے تمام شعر بیاض میں ہیں۔ ذیل کے چار شعر بیاض میں غیر مطبوعہ ہیں :

جو ہم نہ کاوش مژگاں سے راستا کرتے

تو خون و اشک کے دریا کدھر بہا کرتے

مری شکایت فریاد ظلم ہے کہ نہیں

میں بے وفا تھا تو اچھا تمھیں وفا کرتے

جو ایک حال پہ رہتا مزاج دوست تو کیوں

سنبھل سنبھل کے مریضان غم گرا کرتے

نہ پوچھ قیدیٔ زندان تنگ کی روداد

نکل گیا ہے ابھی دم ہوا ہوا کرتے

دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ۴ اکتوبر ۱۹۱۶ء لکھی ہے جب کہ بیاض میں صرف ''اکتوبر ۱۹۱۶ء'' درج ہے اور یہ بھی پنسل سے بعد کا اضافہ ہے۔

۵۶- ص ۵۳-۱۵۱ - غزل :

تسلی دو نہ مجھ کو مائل فریاد رہنے دو
مرے بیت الحزن کو کچھ دنوں آباد رہنے دو

چودہ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۴-۱۲۳ پر ہے۔ اس کے سب شعر بیاض میں ہیں۔ بیاض میں ذیل کے پانچ شعر غیر مطبوعہ ہیں :

لحد کی خاک اڑاؤ کیوں نہ اٹھے ہیں نہ اٹھیں گے
جہاں آ کر بسے ہیں ہم وہیں آباد رہنے دو

برا کیا ہے جو دھبے سنگ دل کے دامنوں پر ہیں
برائے بے ستوں خون سر فرہاد رہنے دو

[مصرع اول پہلے اس صورت میں تھا :
برا کیا ہے اگر دھبا ہو سنگیں دل کے دامن پر]

دہان زخم میں تربت کی مٹی بھر کے لایا ہوں
نہ چھیڑو حشر میں وہ قصۂ بیداد رہنے دو

ید قدرت کے دستخط ہے انھیں تعویذ جاں سمجھو
غزالان حرم آنکھوں پر اپنی صاد رہنے دو

جلا کر شمع تربت پر بجھا دینے سے کیا مطلب
ضرورت کیا تم اپنی دل شکن ایجاد رہنے دو

دیوان میں شعر ۱۲ کا مصرع اول یہ ہے :

میں چپ کرتا ہوں اپنے دوستوں کو دعویٔ خوں سے

بیاض میں سہواً ''دعوۂ خوں'' لکھا ہے۔ دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ستمبر ۱۹۱۳ء لکھی ہے جب کہ بیاض میں ''ماہ ستمبر ۱۹۱۷ء'' درج ہے۔

۔ ص ۱۵۴ - غزل :

مانا کہ بہت کم ہوں ہر حاضر و غائب سے
نالے تو زیادہ ہیں دنیا کے مصائب سے

پانچ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۶-۲۲۵ پر ہے۔ اس کے سب شعر بیاض میں ہیں۔ بیاض میں ذیل کا شعر غیر مطبوعہ ہے :

اے چرخ مرے بعد اور آئیں گے سفر والے
کچھ زاد اٹھا رکھنا اس خوان نوائب سے

دیوان میں غزل کی تاریخ تصنیف ۱۳ فروری ۱۹۲۰ء لکھی ہے جب کہ بیاض میں "ماہ ستمبر ۱۹۱۷ء" درج ہے -

۵۸- ص ۵۶-۱۵۵ - غزل :

معلوم تھا یہ رسم دنیا نباہتا تھا
کہتا تھا میں کہ کیا ہے جب دل کراہتا تھا

نو شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۳۳-۳۲ پر ہے - دیوان کا چھٹا شعر بیاض میں نہیں ، باقی سب ہیں - بیاض میں ذیل کا شعر غیر مطبوعہ ہے :

محشر میں میری چپ سے باقی رہی مروت
زخموں نے کہہ دیا سب جو کچھ میں چاہتا تھا

اختلافات :

شعر ۴ - مصرع ۱ - دیوان : بیگانے اور اپنے خوش تھے مری وفا سے
بیاض : - - - - - - خوش ہیں مری وفا سے
شعر ۷ - مصرع ۲ - دیوان : کیا کیا نہ تھیں مرادیں کیا جی نہ چاہتا تھا

بیاض میں یہ مصرع پہلے اس صورت میں تھا :

کیا کچھ نہ تھیں مرادیں کیا کچھ نہ چاہتا تھا

شعر ۸ - مصرع ۲ - دیوان : جب تم نہ بولتے تھے تب میں کراہتا تھا

بیاض میں یہ مصرع پہلے دیوان کے مطابق تھا - بعد میں ترمیم کی گئی :

تم بولتے نہیں تھے جب میں کراہتا تھا

دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۶ء لکھی ہے ، جب کہ بیاض میں "ماہ ستمبر ۱۹۱۷ء" درج ہے -

۵۹- ص ۵۸-۱۵۶ - غزل :

میں دیکھوں مجھ میں کب تک طاقت پرواز آتی ہے
چمن سے ہر گھڑی آواز پر آواز آتی ہے

آٹھ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۷۹-۱۷۸ پر ہے - اس کے سب شعر بیاض میں ہیں - بیاض میں ذیل کے چھ شعر غیر مطبوعہ ہیں :

غروب مہر کے ساتھی ہیں برسوں سے مرے نالے
اِدھر تو رات آتی ہے اُدھر آواز آتی ہے

قفس کا در نہیں کھلتا اڑوں صیاد میں کیوں کر
کسی جانب سے آخر طاقت پرواز آتی ہے

لحد پر خاک اڑائیں جانے والا پھر نہیں سکتا
پلٹ کر جان بھی رونے سے اے دمساز آتی ہے

یہ کیسی چال چلتے ہو کہ مردے چونکے جاتے ہیں
زمیں پر جو قدم پڑتا ہے اک آواز آتی ہے

توان و ناتوانی دونوں قابو میں تو ہیں لیکن
یہ دیکھوں کس طرح مجھ تک نگاہ ناز آتی ہے

یہ کس کس کو ستا کر آئے ہو صحرائے محشر میں
جو لب خاموش تھے ان سے بھی آج آواز آتی ہے

دیوان میں پانچویں شعر کا مصرع اول یہ ہے :

بہار آئے گی پھر صیاد لیکن یہ سمجھ دل میں

بیاض میں یہ مصرع اس صورت میں ہے : .... صیاد پر مجھ کو یہ کہنا ہے

دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ۳ مارچ ۱۹۲۲ء لکھی ہے جبکہ بیاض میں "ماہ ستمبر ۱۹۱۷ء" درج ہے ۔

۶۰ ۔ ص ۵۹-۱۵۸ ۔ غزل :

وہ روح بخش جان تھے جان کاہ بن کے نکلے
کچھ دم تھے پاس میرے جو آہ بن کے نکلے

پانچ شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۹۵-۱۹۴ پر ہے ۔ اس کے سب شعر بیاض میں ہیں ۔

اختلافات :

شعر ۳ ۔ مصرع ۱ ۔ دیوان : طفلی کی بے گناہی پیری کی روسیاہی
بیاض : طفلی کی وہ طہارت پیری کی وہ سیاہی

شعر ۴ ۔ مصرع ۱ ۔ دیوان : وہ یوسفی مصائب سو آفتوں سے اچھے
بیاض : . . . . سو راحتوں سے اچھے

[بیاض میں یہ مصرع پہلے دیوان کے مطابق تھا]

دیوان میں اس غزل کی تاریخ تصنیف ۲۱ اگست ۱۹۲۰ء لکھی ہے جبکہ بیاض میں "ماہ ستمبر ۱۹۱۷ء" درج ہے ۔ یہ غزل بیاض : ۳ (اندراج : ۵۶) میں بھی ہے ۔

۶۱ ۔ ص ۶۲-۱۵۹ ۔ غیر مطبوعہ غزل :

اہل مذاق سے ہوں یہ لب پر ہنسی نہیں
یہ بزم جان فروز کوئی دل لگی نہیں

[پہلے "جاں فروز" کی جگہ "دہر سوز" لکھا تھا]

کیا مر رہے ہو، ان کا تجاہل سے پوچھنا
جی جانے پر بھی میرا یہ کہنا کہ جی نہیں

دل سوز سیکڑوں ہیں وہ ظاہر ہوں یا نہ ہوں
محفل میں شمع بھی کبھی تنہا جلی نہیں

آئی بہار بعد خزاں پر چھٹے نہ ہم
قسمت یہی ہے وہ جو بگڑ کر بنی نہیں

شاخوں سے اب اتر کے چڑھیں گے کہاں یہ پھول
دنیا میں قبرِ بلبلِ ناشاد کی نہیں

دل کو شب فراق میں بہلا چکا تھا میں
تقدیر بول اٹھی کہ اکیلی یہی نہیں

شمعوں کو روتا دیکھ کے مجھ کو نہ یاد کر
منعم کی قبر ہے یہ مری بے کسی نہیں

معلوم ہو رہا ہے کہ گزرے ہزار سال
اے دل یہ قید تو ابھی دو دن کی بھی نہیں

تعریف صبر پر نکل آتا ہے دل سے خوں
اچھا یونہیں سہی کہ کسی نے سہی نہیں

محشر میں بھی چھپاؤں گا میں اپنی سرگزشت
تم سے سوال کیا مری پردہ دری نہیں

اب آنکھ کھولنے سے نتیجہ ملے گا کیا
جس کے لیے غش آیا تھا اے دل وہی نہیں

سارا قفس تو چھان چکا اب جیوں تو کیوں
تیلی کوئی بھی میرے نشیمن کی سی نہیں

کھولے ہوئے لہو کا ہے اک گھونٹ مے کشو
کہتے ہیں جس کو آتشِ غم تم نے پی نہیں

یادش بخیر سرمۂ دنبالہ دار چشم
ایسی سیہہ گھٹا تو ابھی تک اٹھی نہیں

اب بھی وہی ہوں اے خلش عشق جانستاں
گو خون گھٹ گیا ہے پہ دل میں کمی نہیں

رہنے دے اک ذرا سا نشیمن ہے باغباں
چھوٹا مکان جس میں کوئی روشنی نہیں

ان خندہ ہائے زخم پہ خوشیاں نثار ہیں
ہنستے ہیں جس پہ لوگ یہ ایسی ہنسی نہیں
ثاقب لحد میں آیا ہے تشریف لائیے
اس بے کسی میں کوئی مرا با علی نہیں

اس غزل کا زمانۂ تصنیف ''ماہ ستمبر ۱۹۱۷ء'' درج ہے۔

۶۲ - ص ۱۶۳-۶۶ - غزل :

سب ڈھونڈتے ہیں مجھ کو گم ہوں جو بوستاں سے
تنکے بھی جھانکتے ہیں جھک جھک کے آشیاں سے

دیوان میں اس زمین میں دو غزلیں ہیں (ص ۸۵-۱۸۳) جن میں مجموعی طور پر تئیس شعر ہیں۔ بیاض میں ایک ہی غزل ہے جس میں انتیس شعر ہیں۔ دیوان کی دونوں غزلیں، بیاض کی اسی ایک غزل سے مرتب کی گئی ہیں۔ دیوان میں پہلی غزل کی تاریخ تصنیف ۶ اکتوبر ۱۹۱۷ء لکھی ہے اور دوسری غزل کی ۱۸ اکتوبر ۱۹۱۷ء۔ بیاض میں صرف ۶ اکتوبر ۱۹۱۷ء درج ہے، اس تفصیل کے ساتھ، ''غزل مشاعرہ فرنگی محل بانی مشاعرہ حضرت رضا فرنگی محلی''۔ دیوان کی پہلی غزل کے تمام شعر بیاض میں ہیں، دوسری کے آخری چار شعر (شمار : ۹ تا ۱۲) بیاض میں نہیں ہیں۔ بیاض کے مندرجہ ذیل شعر غیر مطبوعہ ہیں :

سنیے تو مر مٹا دل کہتا ہے کیا زباں سے
آتی ہیں کچھ صدائیں اجڑے ہوئے مکاں سے

بیشک اثر نہیں ہے دل کی کہانیوں میں
اچھا نہ روئیے گا، سنیے مری زباں سے

کوئی صدا دہن سے باہر نہیں نکلتی
یہ گنبد زبر جد کیا بھر گیا فغاں سے

[مصرع اول پہلے اس طرح لکھا تھا: دشوار ہے نکلنا منہ سے کسی صدا کا]

اچھا ہوا کہ اٹھنا ممکن نہیں ہے ورنہ
وہ سر نہیں کہ جھک کر ہٹ جائے آستاں سے

اے نزع روح اتنی مہلت تو دے کہ مجھ کو
لینا ہے کام دم بھر اس آہ ناتواں سے

اک بوریائے نے ہے تو خوش نہ ہو تو لے لے
گردوں! مجھے ملا کیا، عالم کے خاکداں کے

اے تنگ نائے مرقد، اللہ ری تیری شہرت
تیرے لیے مسافر آئے کہاں کہاں سے

اے زندہ باش نالو! تم نے حیات رکھ لی
جو دل میں آبلے تھے ٹوٹا کیے زباں سے

کیوں آشیاں کے تنکے اس کی نظر میں کھٹکے
مر کر نکال دوں گا میں چشم آسماں سے

اے برق یہ نشیمن تھا زندگی کا حاصل
لایا تھا چند تنکے چن کر کہاں کہاں سے

[مصرع ثانی ، پہلے اس صورت میں تھا : یہ چار پانچ تنکے لایا کہاں کہاں سے]

اختلافات :

شعر ۱ - مصرع ۱ - دیوان : سب ڈھونڈتے ہیں مجھ کو گم ہوں جو گلستاں سے
بیاض : ، . . . . . . گم ہوں جو بوستاں سے

شعر ۱۱ - مصرع ۲ - دیوان : خوش ہو جیے گا یوں تو اک روز داستاں سے
بیاض : خوش ہوں گے آپ یوں تو . . . .

[بیاض میں پہلے یہ مصرع دیوان کے مطابق تھا]

شعر ۱۳ - مصرع ۱ - دیوان : قاتل حجاب اٹھا آخر غم نہاں سے
بیاض : آخر حجاب اٹھا قاتل غم نہاں سے

شعر ۱۵ - مصرع ۲ - دیوان : سرکا نہ قطرۂ خوں میدان امتحاں سے
بیاض : اک قطرہ خون نہ سرکا میدان امتحان سے

شعر ۱٦ - مصرع ۱ - دیوان : برباد میری صورت کوئی جہاں میں کیوں ہو
بیاض : برباد میری صورت دنیا میں کوئی کیوں ہو

شعر ۱٦ - مصرع ۲ - دیوان : صحرا کی گرد بیٹھے اٹھتا ہوں میں جہاں سے
بیاض : اب گرد دشت بیٹھے . . . .

یہ غزل بیاض : م (اندراج : ۲۵) میں بھی ہے -

٦۳ - ص ۱٦۷-۷۰ - غزل :

اک نقش ہے قدرت کا یا صورت زیبا ہے آئینہ ادھر کو ہے کیا جانے ادھر کیا ہے

دس شعروں کی یہ غزل دیوان میں ص ۲۱۴-۱۵ پر ہے - اس کے تمام شعر بیاض میں ہیں - بیاض میں مندرجہ ذیل شعر غیر مطبوعہ ہیں :

دم کی مجھے پروا کیا دل کا مجھے دھڑکا ہے
نالوں میں ابھی کھنچ کر سینے سے کچھ آیا ہے

آنچ آنے لگی دل تک آنکھوں میں اندھیرا ہے
جس سمت نشیمن تھا ، اس سمت دھواں سا ہے

کھولے کوئی کیوں اس کو صیاد سے مطلب کیا
کتنی ہے نصیبوں کی یہ باب قفس کیا ہے

یہ شمع تو عریاں ہے تہ پردہ نہ ہونا تم
محفل کو جلاؤ کیوں پروانہ تو جلتا ہے

بے جان ہم ایسے کیا چل سکتے ہیں خود اٹھ کر
سب مل کے جنازے کو اٹھوائیں تو اٹھتا ہے

کیوں ہنستے ہیں گل آ کر ہر شب مری تربت پر
یہ منظر حسرت ہے یا کوئی تماشا ہے

اس نزع کی مشکل میں کس نے یہ صدا دی تھی
ٹھہرو ابھی جلدی کیا دیکھو کوئی آیا ہے

سائل کے لیے جانا کچھ عیب نہیں لیکن
کہتے ہیں کہ ڈیوڑھی پر دربانوں کا پہرا ہے

[مصرع ثانی، پہلے اس صورت میں تھا: شب کو کوئی کہتا تھا دروازے پہ پہرا ہے]

مل جائے گا گم گشتہ دل بھی کسی منزل میں
اس وادیٔ الفت میں بس ایک ہی رستا ہے

دل بیٹھ گیا میرا تھک کر رہ الفت میں
صیاد سے کہتا ہوں تو کس لیے بیٹھا ہے

لا کھوں شب غم جھیلیں اب ہجر سے کیا حاصل
جانے دو ترس کھاؤ ثاقب میں رہا کیا ہے

اختلافات:

شعر ۳ - مصرع ۱ - دیوان : اشکوں کا یہ طوفان ہے خونناب مرے دل کا
بیاض : تم دل کا لہو سمجھو اس اشک کے طوفاں کو

شعر ۳ - مصرع ۲ - دیوان : بھر لیجیے اک چلو بہتا ہوا دریا ہے
بیاض : بھر لو کوئی چلو ہاں بہتا ہوا دریا ہے

اس مصرعے کی مندرجہ ذیل قلم زد صورتیں بھی ملتی ہیں:

۱- چلو تو کوئی بھر لو . . . . ۲- چلو ہی کوئی بھر لو . . . .
۳- چلو ہی یہ بھی بھر لو . . . . ۴- بھر لو کوئی چلو یہ . . . .

شعر ۳ - مصرع ۲ - دیوان : اے راہرو آگے بڑھ دنیا میں دھرا کیا ہے
بیاض میں یہ مصرع اسی طرح ہے - اس کی مندرجہ ذیل قلم زد صورتیں ہیں.

۱- اے بوالہوس آگے بڑھ . . . .
۲- اے بے خبر آگے بڑھ . . . .
۳- رہرو بس اب آگے بڑھ . . . . .
۴- بس آگے بڑھ اے رہرو دنیا . . .

شعر ۵ - مصرع ۱ - دیوان : ہے طور پہ اک خلوت بجلی کی تجلی میں

بیاض میں یہ مصرع اسی صورت میں ہے - اس کی مندرجہ قلم زد صورتیں بھی ملتی ہیں :

۱- کچھ طور پہ خلوت ہے بجلی . . . .
۲- ہے طور پہ کچھ خلوت بجلی . . . .

شعر ۵ - مصرع ۲ - دیوان : ہشیار سرک جائیں سنتے ہیں کہ پردا ہے
بیاض : ذی ہوش سرک جائیں سنتا ہوں کہ پردا ہے

بیاض میں یہ قلم زد صورت بھی ملتی ہے : باہوش سرک جائیں سنتے ہیں کہ پردا ہے

شعر ۶ - مصرع ۱ - دیوان : وہ حسن تمنا کش مغرور ہو تم جس پر
بیاض : وہ حسن تمنا کش جس کی تمھیں یہ رٹ ہے

شعر ۸ - مصرع ۱ - دیوان : راز غم دل کیوں کر اب تک رہا پوشیدہ
بیاض : اب تک رہے پوشیدہ کیوں راز محبت کے

شعر ۱۰ - مصرع ۱ - دیوان : جنت ہے یہی دنیا ثاقب جو قناعت ہو
بیاض : جنت ہے یہی دنیا لیکن . . . .

شعر ۱۰ - مصرع ۲ - دیوان : جس شاخ میں سایہ ہو سمجھو وہی طوبیٰ ہے
بیاض : . . . . سمجھوں میں کہ طوبیٰ ہے

اس غزل کی تاریخ تصنیف دیوان میں ۱۴ اگست ۱۹۲۳ء لکھی ہے جبکہ بیاض میں "ماہ اکتوبر ۱۹۱۷ء" ہے - یہ غزل بیاض : (اندراج : ۵۳) میں بھی ہے -

۶۴ - ص ۱۷۱ غیر مطبوعہ قطعہ :

دیوان شفیق چھپ رہا ہے سنتا ہوں بگوش دل یہ آواز
کہتا ہوں میں سال طبع ثاقب گلدستۂ جاں فزا خدا ساز

۱۳۳۴ ہجری

مصرع ۲ ، ۴ پہلے اس صورت میں تھے :

یہ گوش خرد میں آئی آواز ثاقب کی زباں پر ہے تاریخ

(باقی)

افضل حق قرشی*

سراج الاخبار
(آخری قسط)
ادب و تاریخ
(٦)

۹ نومبر ۱۸۸۵ء

واگذاری مقامات متبرکہ کی درخواست

سید پیر شاہ امام مسجد چینیاں والی واقع ٹکسالی دروازہ لاہور نے شملہ سے اس درخواست کی نقل بھیجی ہے جو گورنمنٹ آف انڈیا کی خدمت میں واسطے واگذاری مقامات متبرکہ کے پیش کی ہے ۔ اس درخواست میں سات مساجد (مع حضوری باغ متعلقہ مسجد شاہی لاہور) اور پانچ مقابر و مزارات کی واگذاری کی درخواست کی گئی ہے ۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔ (مساجد)

۱۔ مسجد نقاش مقابل سرائے میاں سلطان واقع لنڈا بازار لاہور جس پر آلا سنگھ کوکہ اکالیہ کا قبضہ ہے ۔ مع للثہ بھیگہ زمین و حمام ۔
۲۔ مسجد دائی ایمنہ واقع ریلوے سٹیشن لاہور ۔ جس میں دفتر ریلوے ہے ۔
۳۔ مسجد چراغ واقع لاہور جس میں بنک گھر کا دفتر ہے ۔
۴۔ مسجد قریب کوتوالی شہر دہلی جس میں ہندوؤں نے دھرم سالہ بنا لیا ہے ۔
۵۔ مسجد واقع شہر حضرو ضلع راولپنڈی بنا کردہ شہباز خان و امیر خان جس میں اہل ہنود نے دھرم سالہ بنا لیا ہے ۔
۶۔ مسجد ثانی واقع شہر حضرو بنا کردہ شہباز خان و امیر خان ۔ جس میں پتوکی پولیس سرکار نے تعین کی ہے ۔
۷۔ مسجد واقع لاہور ۔
۸۔ حضوری باغ مقابل مسجد شاہی لاہور ۔

سید پیر شاہ کو کامیابی ہو یا نہ ہو مگر ہم اس کی عالی ہمتی پر صدق دل سے آفرین کرتے ہیں کہ وہ محض مسلمانوں کی خیر خواہی کے واسطے کابل پہنچے اور وہاں

---

* شعبہ صحافت پنجاب یونیورسٹی (نیو کیمپس) لاہور ۔

سے امیر صاحب کا مہری فرمان بنام جنرل امیر احمد صاحب سفیر کابل لے کر شملہ پہنچے۔ اس سفارشی فرمان کے ذریعہ سے وہ حضور وائسرائے کی خدمت میں درخواست گذرانیں گے۔

۳۱ اکتوبر ۱۸۸۷ء

لاہور میں آزاد صاحب کا کتب خانہ ماہ نومبر میں کھل جائے گا۔

۲۰ اگست ۱۸۸۸ء

مولوی الطاف حسین حالی پانی پتی دہلوی کا براہ قدردانی دربار نظام دکن سے سو روپیہ ماہوار مقرر ہوا۔

۱۹ مئی ۱۸۹۰ء

حیدرآباد میں ان دنوں تین عبدالحق یعنی مولوی عبدالحق خیر آبادی اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب نقشبندی کانپوری اور مولانا عبدالحق صاحب دہلوی مصنف تفسیر حقانی تشریف لائے ہیں۔ براہ قدردانی حضور نظام سے اول کے دو سو روپیہ، دوم کے پانچ سو روپیہ، سوم کے اڑھائی سو روپیہ ماہوار مقرر ہوئے ہیں۔ یہ تینوں وعظ و ہدایت سے مخلوقات کو فیض یاب کر رہے ہیں۔

۲۵ اگست ۱۸۹۰ء

نواب مرزا خان داغ دہلوی کے سرکار نظام دکن نے چار سو روپیہ ماہوار مقرر فرمائے۔

۱۵ ستمبر ۱۸۹۰ء

مولوی خدا بخش خان بہادر وکیل پٹنہ نے دو لاکھ کی کتابیں وقف کر دیں۔ علاوہ اس کے بیس ہزار کے صرف سے لائبریری یعنی کتب خانہ بھی کلکتہ میں بنایا ہے۔

یکم مئی ۱۸۹۳ء

مولوی نذیر احمد کا استغاثہ بنام رفیق ہند لاہور ۲۵ اپریل کو باجلاس رائے رام ناتھ صاحب مجسٹریٹ لاہور پیش ہوا۔ مستغیث کی طرف سے مسٹر ٹرنر صاحب بیرسٹر، لالہ مدن گوپال صاحب بیرسٹر، میاں شاہ دین صاحب بیرسٹر، سردار علی حسین خاں صاحب بیرسٹر، بابو کالی پرسنو رائے صاحب، مولوی فضل الدین صاحب منشی احمد دین صاحب وکلا، مولوی تاج الدین احمد صاحب مختار، اور مستغاث علیہ کی طرف سے مسٹر براون صاحب اور رائے بہادر پنڈت رادھا کشن وکلا پیروکار تھے۔

چونکہ رفیق ہند کا ایک کاتب جو منجملہ مستغاث علیہم ہے اور غالباً بھاگ گیا

ہے ، حاضر عدالت نہ ہوا تھا اس لیے مستغاث علیہ کے وکلا نے التوا مقدمہ کی تحریک کی ۔ مگر مستغیث کے مفرور سے دستبردار ہونے پر بعد طویل بحث کے سماعت مقدمہ شروع ہوئی ۔ مسٹر براون صاحب نے پھر یہ بحث اٹھائی کہ تین سے زیادہ جرم ایک استغاثہ کے ذریعہ سماعت نہیں ہو سکتے ۔ جس پر صرف فحش کا جرم خارج ہو کر مستغیث کے بیانات لکھنے شروع ہوئے ۔ لیکن ابھی تھوڑا سا بیان لکھا گیا تھا کہ چار بج گئے اور عدالت نے مقدمہ کو دوسرے دن پر ملتوی کیا ۔ خلقت کا بڑا ہجوم تھا ۔ رائے صاحب کی استدعا پر صاحب ڈپٹی کمشنر نے اجلاس کے لیے اپنا کمرہ دیا ہے جو سب کمروں سے بڑا ہے ۔

۲۶ جون ۱۸۹۳ء

خوشی کی بات ہے کہ ۱۹ جون کو لاہور کے مشہور مقدمہ لائبل مولوی نذیر احمد صاحب اور منشی محرم علی چشتی ایڈیٹر رفیق ہند کے مابین چشتی صاحب کے خرچہ میں دستبردار ہونے پر راضی ہو گیا ۔

جس وقت فریقین کے وکلا راضی نامہ داخل کر کے عدالت سے باہر آئے تو مسلمانوں نے بڑی خوشی اور دلی خلوص سے ان کے گلے میں پھولوں کے ہار پہنائے اور چاروں طرف سے پھولوں کی بارش کی اور اس کے ساتھ ہی خوشی اور مبارکبادی کے نعرے لگائے ۔ اس کے بعد چشتی صاحب بڑی دھوم دھام سے انگریزی باجے اور مسلمانوں کے ہجوم کے ساتھ شہر میں سے ہو کر اپنے مکان کو آئے ۔ تمام راہ میں دو رویہ کوٹھیوں اور مکانوں سے پھولوں کی بارش ہوتی گئی ۔ مولوی نذیر احمد صاحب جو پردیس کی ہر طرح کی زحمتوں اور نیز علالت طبع کے باعث سخت دل برداشتہ ہو رہے تھے راضی نامہ داخل کرتے ہی روانہ دہلی ہو گئے ۔

۱۵ مئی ۱۸۹۳ء

سوات کی تازہ خبروں سے معلوم ہوا ہے کہ میاں گل کا سب سے بڑا بیٹا اس کا جانشین ہوگا ۔ البتہ خان دیر وہاں امیر صاحب کی طرف سے بطور نائب رہے گا ۔

۱۵ مئی ۱۸۹۳ء

سوات سے خبر آئی ہے کہ خان دیر ابھی وقت سوات میں ہے جہاں اخوند میاں گل فوت ہو گیا ہے اور سربرآوردہ لوگوں نے خان مذکور اس کا جانشین مقرر کرنا چاہا ہے ۔ جس نے اس شرط پر اخوند سوات ہونا منظور کیا ہے کہ امیر کابل پسند کریں اور اجازت دیں ۔ چنانچہ امیر صاحب کی منظوری کا انتظام ہو رہا ہے ۔ بیان کیا جاتا ہے کہ میاں گل کی والدہ جو بی کلام کے نام سے مشہور ہے ، بمجرد سننے اس خبر کے کہ ان کا لخت جگر مر گیا بیہوش ہو کر جاں بحق تسلیم ہو گئیں ۔

۲۹ مئی ۱۸۹۳ء

دہلی میں مولوی نذیر احمد صاحب پر ایک شخص کی طرف سے توہین اسلام کی نالش ہوئی ہے۔ یہ مقدمہ شہزادہ والا گوہر صاحب مجسٹریٹ کی عدالت میں دائر ہے ۱۲ جون کو پیشی ہے۔

۵ جون ۱۸۹۳ء

صاحب ڈائرکٹر سر رشتہ تعلیم اضلاع شمال و مغرب و اودھ نے ڈسٹرکٹ انسپکٹران، ہیڈ ماسٹران مدراس کے نام حکم جاری کیا ہے کہ اغراض اتھنولوجیکل بورڈ اضلاع مذکور کے لیے وہ لوگ ان تمام کہانیوں اور قصوں کو قلمبند کریں جو دیہات میں لوگ سنتے ہیں یا جو بچوں کو سنائے جاتے ہیں۔ قصہ طلب مثلیں وغیرہ بھی ان میں شامل ہیں۔

۵ جون ۱۸۹۳ء

بونیر کے اس پار سے خبر آئی ہے کہ مولوی عبداللہ جو ہندوستانی متعصبوں کا ایک سرغنہ ہے اور جس نے کالی پہاڑی کی مہم میں گورنمنٹ کی بہت کچھ مخالفت کی تھی بالفعل کیلگرام سے جہاں ملک غلام سرور چروزئی نے اس کو اور اس کے ہمراہیوں کو نگرئی اور نکوئی اور کھنڈلی یہ تین موضع دیے ہیں، پتہ ہمن زئی میں آیا ہے۔ سنا جاتا ہے کہ چھ سو آدمی مولوی کے ہمراہ ہیں۔ عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ اگر جلد نہیں تو موسم سرما تک کچھ مشکلات اس نواح میں ضرور پیدا ہوں گے۔

۱۹ جون ۱۸۹۳ء

مولوی نذیر احمد پر جو دہلی میں مقدمہ دائر تھا صلح سے طے ہوگیا۔

۲۷ نومبر ۱۸۹۳ء

خبر دی گئی ہے کہ حضرت سلطان روم نے ایک فرانسیسی شخص سے دو ترکی عربی قدیم قلمی تحریریں جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم کی لکھی ہوئی بیان کی گئی ہیں۔ پچیس ہزار پونڈ (پونے چار لاکھ روپیہ) کو خرید کی ہیں۔

۱۱ دسمبر ۱۸۹۳ء

داغ دہلوی اردو زبان کے شاعر کو گورنمنٹ نظام سے یہ خطاب ملا ہے۔
''خان بہادر بلبل ہندوستان جہان استاد ناظم یار جنگ دبیرالدولہ فصیح الملک''

۱۸ دسمبر ۱۸۹۳ء

لاہور کانگرس جانے والوں کو خوش خبری دی جاتی ہے کہ ایسٹ انڈین اور اودھ روہیلکھنڈ ریلوے نے نصف کرایہ ریل ۱۴ دسمبر سے ۶ جنوری تک کردیا۔

اول اور دوسرے درجہ کے مسافر اس سے فائدہ اٹھائیں گے ۔

۲۹ جنوری ۱۸۹۴ء

علیگڑھ میں اہل اسلام کی ایک پولیٹیکل ایسوسی ایشن قائم ہوئی ہے ، جس میں مسلمانوں کے پولیٹیکل حقوق کی ترقی کے لیے سرگرمی سے کوشش کی جاوے گی ۔ اس مجلس کے قواعد مرتب کرنے کے لیے صاحبان ذیل کی سب کمیٹی مقرر ہوئی ہے :

خان بہادر برکت علی خان صاحب
خواجہ یوسف شاہ صاحب
محمد شاہ دین صاحب بیرسٹر
سرسید احمد خان بہادر
نواب محسن الملک مہدی علی صاحب
محمد میر صاحب
مسٹر بیک صاحب پرنسپل علی گڑھ کالج
سید محمود صاحب
آنریبل حاجی اسمعیل خان صاحب

اس ایسوسی ایشن کا کام بقول اخبار عام یہ ہوگا کہ نیشنل کانگرس کے مقاصد کی مخالفت میں اور مسلمانوں کے پولیٹیکل حقوق کی تائید میں ولایت کے اخباروں میں مضامین شائع کرائے ، ممبران پارلیمنٹ سے خط و کتابت جاری کرے اور ان کی امداد سے پارلیمنٹ کے اجلاس میں اپنی خواہشوں کا اظہار کیا جائے ۔ یہ ایسوسی ایشن چیدہ لوگوں سے محدود ہوگی اور دیگر انجمنوں کو اپنے ساتھ ملحق نہ کرے گی ۔

۲۸ مئی ۱۸۹۴ء

فقیر سید جمال الدین صاحب آنریری مجسٹریٹ لاہور نے پنجاب پبلک لائبریری کو ایک ہزار سے زیادہ انگریزی اور فارسی کتابیں دی ہیں ۔

۲۰ جون ۱۸۹۴ء

[مولانا ابوالکلام آزاد کے والد مولانا خیر الدین کے متعلق یہ خبر ہے ۔]

کلکتہ میں ایک شخص مولوی خیرالدین صاحب جو بڑے عالم ، فاضل ولی اللہ ن کے ہزاروں مرید ہیں اور ہزاروں پیش گوئیاں انہوں نے کی ہیں ، اس میں سرسو ی فرق نہیں نکلا اور محلہ ناخدا میں مقیم ہیں ۔ہر جمعہ کو مسجد ناخدا میں یعنی کتہ کی بڑی جامع مسجد میں وعظ فرمایا کرتے ہیں ۔ انہوں نے وعظ میں زبان مبارک ، فرمایا کہ دو برس کے اندر تمام دنیا میں کھلبلی مچ جاوے گی اور باہم سلاطین

میں جنگ عظیم شروع ہو جاوے گی۔

یکم اکتوبر ۱۸۹۴ء

نظام حیدرآباد نے اپنے استاد نواب مرزا خاں صاحب داغ دہلوی کے مشاہرہ میں پانچ سو ماہوار کا اضافہ فرمایا۔ آئندہ ایک ہزار ماہوار ملیں گے۔ علاوہ اس کے بیالیس ہزار نقد عطا فرمایا ہے۔

۲۶ نومبر ۱۸۹۴ء

مقدمہ سجادہ نشینی درگاہ بابا فرید شکر گنج صاحب جو دس سال سے چل رہا تھا، اب اس کا فیصلہ پریوی کونسل لندن سے بحق دیوان سید محمد صاحب مدعی ہوگیا۔ اس مقدمہ میں ڈیڑھ لاکھ کی مالیت کا دعویٰ تھا جو عدالتِ ابتدائی سے مدعی کے حق میں ہوا تھا لیکن چیف کورٹ میں اپیل ہونے پر مدعی کا دعویٰ خارج ہو کر ڈگری بحق دیوان فتح محمد صاحب مدعا علیہ ہوئی تھی۔ پھر مدعی نے پریوی کونسل میں اپیل کی، جہاں مدعی کامیاب ہوگیا۔

۱۷ دسمبر ۱۸۹۴ء

مولوی عبدالحلیم صاحب شرر مشہور ناولسٹ کو تاریخ سندھ کی تالیف کے صلے میں نواب مدار المہام حیدرآباد نے خزانۂ عامرہ سے پانچ ہزار روپیہ عطا فرمائے۔

۲۴ دسمبر ۱۸۹۴ء

ملا پاوندہ کی طرف سے ایک خط جنرل لاکھارٹ صاحب کے پاس پہنچا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اگر آپ ہمارے ملک میں داخل ہونے کی تکلیف گوارا فرماویں گے تو آپ کی فوج کا استقبال سرگرمی اور تپاک سے کیا جائے گا۔ لیکن آپ کو واجب ہے کہ تشریف آوری کی خبر کچھ عرصہ پیشتر دی جاوے اور اس باب میں بھی خاطر جمع رکھیں کہ اب کی مرتبہ مناسب طور پر روز روشن میں جنگ کرکے ہاتھ دکھائے جاویں گے۔ یہ خبر معتبر ہے۔ کیوں کہ یہ خط ملا کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور اس کے اپنے گاؤں سے بھیجا گیا ہے۔ ایک نامہ نگار لکھتا ہے کہ ملا پاوندہ تمام سرحد میں ایک نہایت ہر دلعزیز اور مقتدر درویش ہے۔ اس کا لنگر تمام قافلوں اور مسافروں کے لیے ہر وقت جاری رہتا ہے۔ ہزارہا پاوندہ اور وزیری لوگ اس کے لنگر سے فیض اٹھاتے ہیں۔ ملا کو خاندان قادریہ سے بیعت ہے اور ایک دلیر مزاج کا صوفی شخص ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ ناحق سرکاری علاقہ پر فساد کیا نہیں چاہتا تاوقتیکہ ان کی آزادی میں دست اندازی نہ کی جاوے۔

۲۷ مارچ ۱۸۹۵ء

بلبل ہند حضرت داغ دہلوی کو حضور نظام نے سات سو روپیہ ماہوار کا منصب

علاوہ تنخواہ کے عطا کیا جو ان کے فرزند اور نواسے کو نسلاً بعد نسلٍ ملے گا۔

۱۸ مارچ ۱۸۹۵ء

یکم جنوری ۱۸۹۶ء سے ممالک متوسط کے تمام دفاتر کی زبان ہندی ہو جائے گی

۱۵ اپریل ۱۸۹۵ء

خاندان مغلیہ کے آخری بادشاہ بہادر شاہ ظفر کے نبیرہ میر سلطان آج کل ضلع باسٹھن (برما) کے ڈسٹرکٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے دفتر میں بعہدہ ہیڈ کلرک ملازم ہیں۔

۲ جون ۱۸۹۵ء

سرسید احمد خاں صاحب نے ہمشیرہ زادہ کو پنساری کی دکان کھول دی ہے۔ وہ تمام تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ہدایت کرتے ہیں کہ کاروبار کی سرگرمی میں بنگالیوں کی تقلید کریں۔

۷ اکتوبر ۱۸۹۵ء

قرآن شریف کا ترجمہ بنگالی زبان میں بھی طبع ہو رہا ہے۔

۱۶ دسمبر ۱۸۹۵ء

عـہ

پنجاب یونیورسٹی کا لا سکول یکم ۱۸۹۶ء سے جاری ہوگا۔ داخلہ کی فیس صـ اور تعلیم کی فیس تین روپیہ ماہوار سے پانچ روپیہ ماہوار تک لی جائے گی۔

۱۰ جنوری ۱۸۹۸ء

مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی ہندوستان کے مشہور ناولسٹ حیدر آباد دکن میں عارضی طور پر معتمد امور مذہبی مقرر ہوئے۔

۳۱ جنوری ۱۸۹۸ء

حضوری باغ لاہور کے خوبصورت فرش سنگ مرمر کے لیے سامان جہانگیر کے مقبرہ واقعہ شاہدرہ سے نہیں لایا گیا تھا بلکہ زیب النساء کے مقبرہ واقع نواں کوٹ متصل لاہور سے اکھاڑا گیا تھا جو اب ویران پڑا ہے۔

۱۱ اپریل ۱۸۹۸ء

آنریبل سرسید احمد خان صاحب مرحوم دنیا سے عالم عقبیٰ کو تشریف لے جانے سے پہلے علی گڑھ کالج کی تولیت کا انتظام خاطر خواہ فرما گئے، یعنی صاحب ممدوح اپنے خلف اکبر سید محمود صاحب کو تو پہلے سے ہی تنخواہ دار لائف دار جنرل سیکرٹری مقرر فرما چکے ہوئے تھے اور اب آنریبل اپنے برادر زادہ مسٹر سید محمد احمد کو اسسٹنٹ سیکرٹری کالج مقرر فرما گئے۔

۱۸ اپریل ۱۸۹۸ء

سرسید مرحوم کی تاریخ وفات ایک شخص نے قرآن شریف کی آیت

۱۳۱۵ھ
الخی متوفیک و رافعک الی و مطہرک

سے نکالی ہے -

۲۵ اپریل ۱۸۹۸ء

سرسید مرحوم کی تاریخ وفات ایک صاحب نے اس مصرع سے نکالی ہے :

۱۸۹۸ء
گل ہوا بس چراغ ہندوستان

۲۷ جون ۱۸۹۸ء

سرسید میموریل فنڈ کی امداد میں یورپینوں نے بھی لاہور میں ایک کمیٹی قائم کی ہے - صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور نے اس کمیٹی کا مستقل پریذیڈنٹ ہونا منظور کیا اور مسٹر ٹی۔ڈبلیو۔آرنلڈ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور اس کے سیکرٹری مقرر کیے گئے ہیں -

۲۶ ستمبر ۱۸۹۸ء

خبر ہے کہ متوفی سردار دیال سنگھ رئیس لاہور نے ایک بڑا کالج لاہور میں کھولنےکی غرض سے آٹھ لاکھ روپیہ وصیت کیا - وصیت میں (جو انھوں نے ۱۸۸۳ء میں تحریر کی) لکھا ہے کہ اس کالج میں سکھوں اور گورکھوں کو مفت تعلیم دی جاوے اور مسلمان اور ہندو بھی اس میں تعلیم پا سکیں گے مگر ان کو فیس ادا کرنا ہوگی -

۲۱ جنوری ۱۹۰۱ء

مولوی محرم علی صاحب چشتی سالک اخبار رفیق ہند لاہور جو اب کے امتحان قانونی میں بیٹھے تھے ، بڑی خوشی کی بات ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس میں کامیاب ہوگئے ہیں -

۴ فروری ۱۹۰۱ء

سیالکوٹ کے اہل اسلام کا ماتمی جلسہ

۲۶ جنوری کو بتقریب اظہار افسوس وفات حسرت آیات حضرت ملکہ محترمہ مرحومہ کوئین وکٹوریہ قیصرہ ہند کے چار بجے کے بعد مقام قلعہ میں منجانب اہل اسلام ایک ماتمی جلسہ منعقد ہوا جس میں شہر کے روسا ، شرفا ، وکلا ، اہل عملہ عوام‌الناس، صدر کی افواج اٹھارویں رجمنٹ ، بنگال لانسرز اور پنجاب انفنٹری نمبر ۳۶ کے عہدہ داران و اکثر سپاہیان اور کئی ہندو رؤسا و شرفا بھی شریک جلسہ تھے ، جیسے دیوان رائے چند صاحب ، لالہ گیان چند صاحب میونسپل کمشنر ، پنڈت

ٹوڈر مل شاحب مالک سیالکوٹ پیپر ، لالہ دیس راج صاحب بی ۔ اے ، لالہ بالکمند صاحب بی ۔ اے وغیرہ ۔ مولوی محمد فیروز الدین صاحب فیروز ڈسکوی مدرس اول فارسی ایم ۔ بی ہائی سکول کی تحریک اور حکیم میر حسام الدین صاحب رئیس سیالکوٹ اور چوہدری محمد سلطان صاحب میونسپل کمشنر کی تائید اور حاضرین جلسہ کے اتفاق سے مولوی نیاز علی صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر مدارس جلسہ کے پریذیڈنٹ قرار پائے ۔

مولوی صاحب نے کھڑے ہو کر تقریر میں بیان فرمایا کہ حاضرین ! جس غرض کے لیے یہ جلسہ منعقد ہوا ہے ، مولوی فیروز الدین صاحب نے مختصر طور پر اس کا ذکر کر دیا ہے ۔ میرا دل تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس کا نام بھی نہ لوں ۔ کاش ! آج کا دن آتا ہی نہ کہ ہمیں اس غرض کے لیے جمع ہونا پڑتا ۔ مگر صاحبان ! یہ خواہش انسان کے ان جذبات محبت کی خواہشوں میں سے ایک ہے جو کبھی پوری نہیں ہوتیں ۔ اس کے بعد قرآن شریف کی ایک آیت پڑھ کر دنیا کی فنا کا نقشہ آنکھوں کے سامنے کھڑا کر دیا اور حضور ملکہ معظمہ کے انعامات و کرامات کثیرہ کا ذکر کرنے کے بعد یوں ارشاد فرمایا کہ گزشتہ شعرا اپنی تصنیفات میں یوں لکھ گئے ہیں کہ

نوشیرواں نمرد کہ نام نکو گذاشت

کاش ! اگر وہ وکٹوریا کے زمانے کا امن ، رحم اور عدل و انصاف دیکھتے تو بجائے اس کے یوں کہتے :

وکٹوریہ نمرد کے نام نکو گذاشت

اس کے بعد حضرت ملکہ معظمہ کے اس اعلان کے ایک حصہ کا ترجمہ بیان فرمایا جو آپ نے ۱۸۵۷ء غدر کے بعد شائع فرمایا تھا ۔ جس میں حضرت ملکہ معظمہ کی طرف سے بے تعصبی اور امن و عدل انصاف کا اقرار ہے اور پھر جس طرح پر آپ نے اس وعدہ کو پورا فرمایا اس کا بیان کیا اور یہ رزولیوشن پیش کیا کہ مسلمانان سیالکوٹ مادر مہربان علیا حضرت ملکہ معظمہ قیصرہ ہند کی وفات حسرت آیات پر تہہ دل سے رنج و الم ظاہر کرتے ہیں اور نہایت ہمدردی شاہی خاندان کے ارکان کی خدمت میں پیش کرتے ہیں ۔

شیخ محمد اقبال صاحب ایم ۔ اے نے بڑی پرسوز اور پردرد تقریر کے بعد اس رزولیوشن کی تائید اور حضرت ملکہ معظمہ کے زمانہ کے امن ، انصاف ، آزادی ، تعلیم تہذیب و شائستگی اور تمدنی فوائد کا بالخصوص ذکر کر کے اخیر پر فرمایا کہ آج کے دن کے بعد ہند کی کوئی عورت اس بات کی فخریہ نظیر نہ دے سکے گی کہ ہم

پر ایک عورت حکومت کرتی ہے ۔

اس کے بعد مولوی فیروز الدین صاحب فیروز نے ایک عربی مرثیہ پڑھا اور ایک اردو مسدس جس میں عالم کی بے ثباتی اور ناپائداری کا بالخصوص ذکر کر کے حضرت ملکہ کے احسانات اور فیوضات کا ذکر فرمایا اور حاضرین کی آنکھوں کو اپنے پر اثر خیالات اور پر درد کلمات اور رقت آمیز لہجہ سے اشک ریز بنا دیا ۔

پھر منشی میراں بخش صاحب جلوہ اپیل نویس نے ایک پر اثر تقریر کے بعد پردرد نوحہ پڑھا ۔ اس کے بعد مولوی ابو یوسف محمد مبارک علی صاحب حکیم صدر سیالکوٹ نے ایک فصیح اور پرسوز عربی میں مرثیہ پڑھا جس سے حاضرین پر بہت رقت ہوئی ۔ اس کے بعد مولوی عبدالحکیم صاحب نارووالی نائب محافظ دفتر سیالکوٹ نے ایک پردرد فارسی نظم پڑھی اور سب نے رزولیوشن کی تائید کی اور یہ قرار پایا کہ اس کاروائی کی نقل بوساطت حضور لیفٹننٹ گورنر بہادر پنجاب شاہی خاندان کی خدمت میں بھیجی جاوے اور نیز اخبارات میں مشتہر کرائی جاوے ۔

جملہ حاضرین نے حضور ملکہ معظمہ کے لیے دعائے مغفرت کی اور جلسہ برخاست ہوا ۔

۲۵ مارچ ۱۹۰۱ء

دہلی کے شمس العلماء خان بہادر مولوی نذیر احمد صاحب کو یونیورسٹی ایڈنبرا نے اعزازی خطاب ایل۔ایل۔ڈی کا عطا کیا ۔

۱۷ جون ۱۹۰۱ء

شمس العلما مولانا مولوی شبلی صاحب نعمانی محکمہ اشاعت علم و فنون حیدرآباد کے ناظم مقرر ہوگئے ۔

۵ اگست ۱۹۰۱ء

مولوی شبلی صاحب نعمانی جو حیدرآباد کے محکمہ علوم و فنون میں ملازم ہوئے ہیں ، ان کی تنخواہ چار سو روپیہ حالی مقرر ہوئی ہے ۔ ایک سو روپیہ کلدار جو انہیں پہلے وظیفہ ملا کرتا تھا ، وہ بحال رہے گا ۔

۱۲ جنوری ۱۹۰۹ء

محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے پانچویں اجلاس میں اردو زبان کی حمایت میں بڑے زور کی تقریریں ہوئیں اور ان لوگوں کی رائے کی خوب تردید کی گئی جو چاہتے ہیں کہ پنجابی زبان کو اس صوبہ کے مدارس میں بجائے اردو کے رواج دیا جائے ۔

اس اجلاس سے شیخ عبدالقادر ، مسٹر محمد شفیع بیرسٹرایٹ لا ، مولوی محبوب

عالم ، منشی سراج الدین اور ڈاکٹر محمد اقبال نے خطاب کیا۔

ڈاکٹر محمد اقبال نے کہا کہ بابو چٹر جی کا اصلی خیال یہ ہے کہ صوبجات متحدہ کی طرح پنجاب سے بھی اردو کے حروف جاتے رہیں۔ مگر ہمیں اردو کے حروف بھی عزیز ہیں۔ میں نے لندن کے برٹش میوزیم میں ہر ملک کے مسلمانوں کی کتابیں دیکھی ہیں جو اپنے حروف کے لحاظ سے بالکل متحد ہیں ، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف بھی مسلمانوں کی قومیت کی دلیل ہیں۔

۱۸ مئی ۱۹۰۹ء

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کو زمانہ پروفیسری گورنمنٹ کالج لاہور میں پانچ سو روپیہ ماہوار تنخواہ ملے گی اور علاوہ اس کے انہیں قانونی پریکٹس کی بھی اجازت ہوگی۔

کتابیات

کتب

۱۔ جہلمی ، فقیر محمد حدائق الحنفیہ ، لکھنؤ : نولکشور ، ۱۸۸۶ء

۲۔ فوق ، محمد الدین ، اخبار نویسوں کے حالات ، لاہور : مینجر کشمیری میگزین ، ۱۹۱۲ء

۳۔ رحمان علی ، تذکرہ علمائے ہند ، مرتبہ و مترجمہ محمد ایوب قادری ، کراچی ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی ، ۱۹۶۱ء۔

۴۔ نقوی ، اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف ، اختر شہنشاہی لکھنؤ ، اختر پریس [۱۸۸۸ء]

اخبارات

۱۔ رفیق ہند ، ۲۰ دسمبر ۱۸۸۴ء

۲۔ سراج الاخبار ، ۱۸۸۵ء—۱۸۸۸ء

۱۸۹۰ء

۱۸۹۳ء—۱۸۹۵ء

۱۸۹۸ء

۱۹۰۱ء

۱۹۰۵ء

۱۹۰۹ء

قلمی

۱۔ سیالکوٹی ، منشی محمد حسن الدین ، یادداشت قلمی

مطبوعات شعبۂ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند

پہلی جلد ، مقدمہ ، مرتبہ ڈاکٹر عبادت بریلوی
دوسری جلد ، عربی ادب ، مرتبہ سید فیاض محمود ، پروفیسر عبدالقیوم ۱۷/-
تیسری جلد ، فارسی ادب ، اول (۱۰۰۰ء-۱۵۲۶ء) مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر ،
ڈاکٹر وحید مرزا ۱۶/-
چوتھی جلد ، فارسی ادب ، دوم (۱۵۲۶ء-۱۷۰۷ء) مرتبہ مقبول بیگ بدخشانی ۳۰/-
پانچویں جلد ، فارسی ادب ، سوم (۱۷۰۷ء-۱۹۷۲ء) مرتبہ سید فیاض محمود ،
سید وزیر الحسن عابدی ۲۴/-
چھٹی جلد ، اردو ادب ، اول (ابتدا سے ۱۷۰۷ء تک) مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ۲۲/-
ساتویں جلد ، اردو ادب ، دوم (۱۷۰۷ء-۱۸۰۳ء) مرتبہ سید وقار عظیم ۱۸/-
آٹھویں جلد ، اردو ادب ، سوم (۱۸۰۳ء-۱۸۵۷ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۶/-
نویں جلد ، اردو ادب ، چہارم (۱۸۵۷ء-۱۹۱۴ء) مرتبہ سید فیاض محمود ،
ڈاکٹر عبادت بریلوی ۲۳/-
دسویں جلد ، اردو ادب ، پنجم (۱۹۱۴ء-۱۹۷۲ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۲۷/-
گیارھویں جلد ، بنگالی ادب ، اول (۱۱۸۷ء-۱۸۵۷ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۸/-
بارھویں جلد ، بنگالی ادب ، دوم (۱۸۵۷ء-۱۹۷۰ء) مرتبہ سید فیاض محمود ۱۷/-
تیرھویں جلد ، علاقائی ادبیات ، اول (پشتو ، پنجابی ، سندھی) مرتبہ
سید فیاض محمود ۲۲/-
چودھویں جلد ، علاقائی ادبیات ، دوم (بلتی سے لے کر براہوئی تک) مرتبہ
سید فیاض محمود ۱۸/-
پندرھویں جلد ، اشاریہ جلد اول ، اردو ادبیات
مرتبین : ڈاکٹر عبدالغنی ، رحمٰن ملک ، نادرہ زیدی
سولھویں جلد ، اشاریہ جلد دوم ، بنگالی ادبیات " "
سترھویں جلد ، اشاریہ جلد سوم ، علاقائی ادبیات " "
اٹھارھویں جلد ، اشاریہ جلد چہارم ، فارسی ادبیات " "
انیسویں جلد ، اشاریہ جلد پنجم ، عربی ادبیات " "

ملنے کا پتہ : پنجاب یونیورسٹی سیلز ڈپو ، لاہور

Quarterly

RESEARCH JOURNAL

FACULTY OF ISLAMIC & ORIENTAL LEARNING

UNIVERSITY OF THE PUNJAB, LAHORE
(PAKISTAN)